فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

Made searchable using ScribeTools.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	کتاب البیوع	
	باب البیع الصحیح	
	(بیعِ صحیح کا بیان)	
۱	خچر کی بیع	۲۷
۲	کتے کی بیع	۲۸
۳	کتے کی تجارت	۲۹
۴	کتے کی خرید وفروخت	۳۱
۵	حرام جانوروں کی بیع	۳۲
۶	مینڈک، گوہ وغیرہ کی بیع اور کھانا	۳۳

۷	کانجی ہاؤس سے جانور خریدنا	۳۴
۸	گوشت کی تجارت	۳۶
۹	ہڈی کی خرید وفروخت	۳۶
۱۰	کرایہ پر لی ہوئی زمین میں تعمیر بنا کر مالکِ زمین سے زمین خریدنا	۳۷
۱۱	بیٹے کے نام پر مکان خریدنے سے وہ مالک نہیں ہوتا	۳۹
۱۲	گورنمنٹ کی زمین کا نیلام خریدنا	۴۰
۱۳	بیعِ مشاع	۴۱
۱۴	ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا سامان دینا	۴۳
۱۵	بیش قیمت چیز کم قیمت پر خریدنا	۴۴
۱۶	قسطوں پر کوئی شی خریدنا	۴۶
۱۷	تجارت میں نفع کی حد	۴۸
۱۸	بائع ومشتری کے درمیان قیمت کا اختلاف	۴۹
۱۹	زیادہ بھاؤ پر خریدنا	۵۰
۲۰	جو مرغی پڑوسیوں کا نقصان کرے اس کے انڈے خریدنا	۵۱
۲۱	غلہ بیچتے وقت مٹی کی قیمت لگانا	۵۱
۲۲	درختوں پر پھلوں کی بیع	۵۲
۲۳	لونڈی کے احکام: بیع، استیلاد وغیرہ	۵۵
۲۴	بھیک کے مال کی فروختگی	۵۹
۲۵	مردار کا چمڑا اتار کر دباغت کے بعد فروخت کرنا	۶۰
۲۶	ایضاً	۶۰
۲۷	دباغت سے پہلے یا اس کے بعد مردار کی کھال کی خرید وفروخت	۶۱
۲۸	سانپ کی کھال کی بیع	۶۲

Made searchable using ScribeTools.com

۲۹	انسانی بول وبراز کھاد کے طور پر بیچنا	۶۳
۳۰	گوبر کی بیع	۶۴
۳۱	اسپرٹ کی تجارت	۶۵
۳۲	بیع اسٹامپ	۶۵
۳۳	جوتاجرز کوٰۃ نہ دیتا ہواس سے مکان خریدنا	۶۶

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول فی البیع الباطل

(بیعِ باطل کا بیان)

۳۴	خنزیر کی بیع	۶۸
۳۵	خنزیر کے بالوں کے برش کی بیع	۶۹
۳۶	چڑھاوا کی بیع	۷۰
۳۷	چڑھاوے کے بکرے کی بیع	۷۲
۳۸	آزادعورت کی بیع	۷۴
۳۹	حرہ کی بیع پرایک قیاس	۷۴
۴۰	بیوی کو بیچنا	۷۶
۴۱	مردار کی گیلی کھال فروخت کرنا	۷۷
۴۲	خون کی بیع وشراء	۷۸
۴۳	شراب وغیرہ کی بیع	۷۹
۴۴	دارالاسلام میں ذمی کوحرام اشیاء فروخت کرنے کی اجازت جزیہ کے بدلے	۸۱
۴۵	مول پرآم کی بیع	۸۲

۴۶	چوری شدہ شئ کی خریداری	۸۶
۴۷	کٹے ہوئے موئے انسانی کی کھاد اور اس کی تجارت	۸۷

الفصل الثانی فی البیع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

۴۸	بیع میں شرطِ فاسد	۸۸
۴۹	بیع کے بعد مبیع کا بائع کی ملکیت میں رہنے کی شرط لگانا	۸۸
۵۰	بیع بشرطِ اقالہ	۹۰
۵۱	بیع قبل القبض	۹۱
۵۲	خریدے ہوئے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع	۹۳
۵۳	فصل پر جو غلہ کا نرخ ہو اس حساب سے خریدنا	۹۴
۵۴	کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے پیداوار کی بیع	۹۶
۵۵	پکنے اور بڑے ہونے سے پہلے پھل کی بیع	۹۷
۵۶	کچا پھل خرید کر اس کو بائع کے درخت سے توڑنے کی شرط	۱۰۰
۵۷	پھل آنے سے پہلے ان کی بیع	۱۰۱
۵۸	اندرونِ زمین آلو وغیرہ کی بیع	۱۰۲
۵۹	باغ فروخت کر کے کچھ آم مستثنیٰ کرنا	۱۰۳
۶۰	ایضاً	۱۰۶
۶۱	قبرستان کی گھاس فروخت کرنا	۱۰۷
۶۲	مالک کی اجازت کے بغیر خودرو بانس کی بیع	۱۰۸
۶۳	بلا اذنِ مالک پتوں کی بیع	۱۰۹
۶۴	دودھ کی قیمت جانچ کر متعین کرنا	۱۱۰

Made Se[Made searchable using ScribeTools.com]ools.com

۶۵	دوسروں کا جو تیل بچ گیا ہے وہ تیلی سے خریدنا	۱۱۱
۶۶	قربانی سے پہلے ہی کھال فروخت کر دینا	۱۱۳
۶۷	پنشن کی بیع	۱۱۴
۶۸	فون پر بیع	۱۱۶
۶۹	غیر مسلم کا نابالغ بھتیجہ کی زمین فروخت کرنا	۱۱۷
۷۰	بیعِ مجہول سے متعلق بہشتی زیور کے حاشیہ پر ایک اشکال	۱۱۷
۷۱	بازار سے پھل خریدتے وقت تحقیق کی ضرورت	۱۱۹

الفصل الثالث فی البیع المکروہ

(بیعِ مکروہ کا بیان)

۷۲	نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت	۱۲۰
۷۳	افیون وغیرہ کی بیع	۱۲۱
۷۴	افیون کی تجارت اور اس کی آمدنی کا حکم	۱۲۳
۷۵	افیون کی بیع اور کاشت	۱۲۴
۷۶	بوڑی کی بیع	۱۲۵
۷۷	تمباکو میں رہی ملا کر فروخت کرنا	۱۲۶
۷۸	آلاتِ لہو کی بیع	۱۲۷
۷۹	ہارمونیم کی تجارت	۱۲۸
۸۰	ریڈیو کی خرید وفروخت اور استعمال	۱۲۸
۸۱	بینڈ باجہ فروخت کرنا اور حلال روزی کا عمل	۱۳۰
۸۲	شراب کے لئے بوتل فروخت کرنا	۱۳۱
۸۳	شراب کی خالی بوتلوں کی بیع	۱۳۳

۸۴	پتنگ کی ڈور اور آتشبازی کی تجارت.....	۱۳۴
۸۵	آتش بازی بنانا اور اس کی تجارت کرنا.....	۱۳۵
۸۶	مسلمانوں کے لئے سادھوؤں کے لباس کا کاروبار کرنا.....	۱۳۷
۸۷	پوجا میں کام آنے والی چیزیں فروخت کرنا.....	۱۳۸
۸۸	تعلیمی تاش کی بیع.....	۱۳۹
۸۹	مہوا کی بیع غلہ سے.....	۱۴۱
۹۰	''مہوا'' نشہ آور پتہ کی بیع.....	۱۴۱
۹۱	چھوٹے گز سے کپڑا ناپ کر دینا.....	۱۴۲
۹۲	دودھ میں پانی ملا کر بیچنا.....	۱۴۳
۹۳	دھان میں پانی ملا کر فروخت کرنا.....	۱۴۵
۹۴	ایجاب کے بعد، قبول سے پہلے مجلس ختم ہوجانے پر دوسرے شخص کا زیادہ قیمت میں خریدنا...	۱۴۶
۹۵	غیر قانونی مال خرید کر دوسرے مُلک میں فروخت کرنا.....	۱۴۸
۹۶	راشن کارڈ سے مال لیکر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا.....	۱۴۹
۹۷	کنٹرول نرخ کے خلاف بیع، صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟.....	۱۴۹

باب حطّ الثمن وزيادته نقداً ونسيئةً

(نقد اور ادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

۹۸	ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا.....	۱۵۱
۹۹	ادھار میں قیمت زیادہ لینا.....	۱۵۲
۱۰۰	ایضاً.....	۱۵۳
۱۰۱	ایضاً.....	۱۵۴
۱۰۲	ایضاً.....	۱۵۶

Made searchable using ScribeTools.com

۱۰۳	نقدوادھار کی قیمت میں فرق	۱۵۷
۱۰۴	نقد میں قیمت کم ادھار میں زیادہ	۱۵۷
۱۰۵	ایضاً	۱۵۸
۱۰۶	ایضاً	۱۵۸
۱۰۷	ایضاً	۱۵۸
۱۰۸	ایضاً	۱۵۸
۱۰۹	مرض الوفات میں کم قیمت پر بیع	۱۶۰
۱۱۰	مبیع میں زیادتی کا مطالبہ کرنا	۱۶۲
۱۱۱	اصل مطالبہ سے زائد کا دعویٰ کرنا	۱۶۳
۱۱۲	مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت پر چوری کا مال فروخت کرنا، اور بلیک کرنا	۱۶۴
۱۱۳	افیم کی بلیک کا حکم	۱۶۵
۱۱۴	بلیک مارکیٹ	۱۶۶

فصلٌ فی سُلفة الثّمن فی البیع

(بیعانہ کا بیان)

۱۱۵	بیعانہ کا حکم	۱۶۷
۱۱۶	بیعانہ لینے سے بیع	۱۶۸

باب المتفرقات

۱۱۷	اناج کی بیع فصل کی قیمت	۱۷۰
۱۱۸	کمہار سے بلا قیمت لوٹے لینا	۱۷۱
۱۱۹	کھوٹے روپے کا حکم	۱۷۲
۱۲۰	مبیع مقدارِ معین سے کم یا زائد نکلے	۱۷۳

۱۲۱	بیع میں سامان زیادہ دے دیا تو کیا کرے؟	۱۷۵
۱۲۲	بازار سے خریدی ہوئی دوا کو اپنی بتا کر نفع زیادہ لینا	۱۷۶
۱۲۳	قیمتِ مبیع وصول کرنے کی ایک صورت	۱۷۶
۱۲۴	۵/کلوشکر کے لئے ۲۵/کلو کی درخواست دینا	۱۷۷

باب بیع الحقوق المجرّدة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

۱۲۵	گڈول کی شرعی حیثیت	۱۷۸
۱۲۶	ٹیکسی کے پرمٹ کی بیع اور اس کی شرکت	۱۷۹
۱۲۷	کتابوں کا حقِ طباعت بیچنا	۱۸۲
۱۲۸	حقِ طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا	۱۸۳
۱۲۹	حقوقِ طبعِ تصانیف کی بیع	۱۸۴

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

۱۳۰	شیئرز کی بیع اور اس کی زکوٰۃ	۱۸۸
۱۳۱	سودی کمپنی کے حصص خریدنا	۱۹۱
۱۳۲	نیلام کے ذریعے خرید وفروخت	۱۹۳

فصلٌ فی بیع الاستجرار

(بیعِ استجرار کا بیان)

۱۳۳	پیشگی قیمت دے کر تھوڑا تھوڑا مبیع وصول کرنا	۱۹۶

Made searchable using ScribeTools.com

۱۳۴	ماہانہ پرچوں کی بیع.....	۱۹۸

فصلٌ فی بیع الفضولی

(بیعِ فضولی کا بیان)

۱۳۵	بیعِ فضولی.....	۲۰۰

باب المرابحة والسَّلَم

الفصل الأول فی المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

۱۳۶	بیع مرابحہ.....	۲۰۲
۱۳۷	ایضاً.....	۲۰۲

الفصل الثانی فی السَّلَم

(بیع سَلَم کا بیان)

۱۳۸	بیع سَلَم میں جہالتِ ثمن کی ایک صورت.....	۲۰۴
۱۳۹	قرض لے کر فصل کٹتے وقت قرض کے بدلے اناج دینا.....	۲۰۵
۱۴۰	بیع سلم.....	۲۰۷
۱۴۱	بیع سلم میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ.....	۲۰۸
۱۴۲	بیع سلم میں مبیع کی قیمت کم کرنا.....	۲۰۹
۱۴۳	ایک من مکئی کے عوض ایک من گیہوں کی بجائے بیع سلم کی جائز صورت.....	۲۱۱
۱۴۴	بیع سلم میں روپیہ کے عوض دھان ہی لینے کی شرط.....	۲۱۲
۱۴۵	ایک من گندم دے کر آئندہ فصل پر سوا دو من گندم لینا.....	۲۱۴

Made Searchable by ScribeTools.com

۱۴۶	ایک مَن گندم کو رقم تصور کر کے آئندہ فصل میں اس کے عوض سَوا مَن گندم لینا.....	۲۱۵
۱۴۷	دو من گندم قرض دے کر دو ماہ بعد دو من گندم واپس لینا.....	۲۱۵
۱۴۸	بیع سلم کی تین صورتیں.....	۲۱۷
۱۴۹	بلا شرائط بیع سلم.....	۲۱۸
۱۵۰	بیع سلم کی شرطیں.....	۲۱۹
۱۵۱	مبیع نہ دینے کی صورت میں بیع سلم کا حکم.....	۲۲۰
۱۵۲	قیمتِ متعینہ میں تاخیر کی وجہ سے زیادتی.....	۲۲۳
۱۵۳	بیع سلم فی الفلوس.....	۲۲۵
۱۵۴	اشکال بر جوابِ مذکورہ.....	۲۲۷
۱۵۵	قسطوں پر روپیہ جمع کر کے سامان حاصل کرنا اور انعام لینا.....	۲۳۱

فصلٌ فی الاحتکار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

۱۵۶	ذخیرہ اندوزی کا حکم.....	۲۳۴
۱۵۷	ایضاً.....	۲۳۵

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

۱۵۸	نوٹ و روپیہ کی بیع ریزگاری کے ساتھ.....	۲۳۷
۱۵۹	ایضاً.....	۲۳۸
۱۶۰	دینار کی قیمت.....	۲۴۱
۱۶۱	درہم کی قیمت.....	۲۴۱

Made searchable using ScribeTools.com

۱۶۲	روپیہ،نوٹ،ریزگاری کی متفاضلاً بیع	۲۴۱
۱۶۳	نوٹ کی بیع کمی بیشی سے	۲۴۶
۱۶۴	نوٹ بمنزلۂ روپے کے ہے	۲۴۷
۱۶۵	حج میں نوٹ کا تبادلہ کمی زیادتی سے	۲۴۸
۱۶۶	ڈالر کی بیع کمی زیادتی سے	۲۴۸
۱۶۷	ڈالر کم زائد قیمت پر فروخت کرنا	۲۵۰
۱۶۸	غیر ملکی پونڈ وغیرہ کی بیع	۲۵۰
۱۶۹	سونے کے سیال پانی کی بیع	۲۵۱
۱۷۰	بٹہ پر نوٹ فروخت کرنا	۲۵۲
۱۷۱	سناروں سے خاک خرید کر اس سے سونا اور چاندی نکالنا	۲۵۴

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

۱۷۲	بیع الوفاء	۲۵۵
۱۷۳	بائع یا اس کے ورثہ کو مکان دوبارہ فروخت کرنے کا معاہدہ کرنا	۲۵۷
۱۷۴	زمین کم قیمت میں واپس کرنے کا وعدہ کر کے بعد میں انکار کرنا	۲۵۹
۱۷۵	دس سال کی مدت تک مکان فروخت کرنا	۲۶۰
۱۷۶	ایضاً	۲۶۱
۱۷۷	مکان فروخت کر کے دوبارہ خریدنے کا معاہدہ	۲۶۳
۱۷۸	زمین بیچ کر دوبارہ لینے کا دل میں خیال رکھنا	۲۶۴
۱۷۹	کٹ قبالہ کا حکم	۲۶۵
۱۸۰	بیع الوفاء کی ایک صورت	۲۶۶

۱۸۱	میعادی بیع اوراس کا نفع	۲۶۸
۱۸۲	بیع میعادی میں مبیع سے انتفاع	۲۶۹

باب الربوا

(سود کا بیان)

۱۸۳	سود کسے کہتے ہیں؟	۲۷۱
۱۸۴	دارالحرب اور غیر دارالحرب میں سود کے متعلق ایک اہم تفصیلی بحث وتحقیق	۲۷۲
۱۸۵	حکومت کے سودی قرضے اور بینکوں کے سود کا شرعی حکم	۲۸۱
۱۸۶	بینک سے سودی قرض لینا	۳۰۱
۱۸۷	سودی قرض لینا	۳۰۲
۱۸۸	سرکاری قرضہ	۳۰۳
۱۸۹	سود پر قرض لینا	۳۰۵
۱۹۰	سرکاری سودی قرضہ	۳۰۶
۱۹۱	سرکاری سودی قرض	۳۰۸
۱۹۲	باہمی سودی فنڈ	۳۰۸
۱۹۳	ایضاً	۳۰۹
۱۹۴	ایک روپیہ قرض دیکر ۱۸/ آنہ واپس لینا	۳۱۰
۱۹۵	مال فروخت کرنے پر کچھ پابندی لگانا	۳۱۱
۱۹۶	حفاظت کے لئے بینک میں روپیہ رکھنا	۳۱۲
۱۹۷	مسلم بینک کا قیام اوراس کی آمدنی	۳۱۳
۱۹۸	مسلم فنڈ کی رقوم کو بینک یا ڈاکخانہ میں رکھنا	۳۱۴
۱۹۹	مسلم فنڈ سے متعلق تحقیق	۳۱۷

Made searchable using ScribeTools.com

۲۰۰	جواب مذکور پر اشکال	۳۲۵
۲۰۱	اشکال باقی ہے	۳۲۸
۲۰۲	کمپنی کے فارم فروخت کرنا	۳۳۲
۲۰۳	مقروض ہندو سے دودھ لینا	۳۳۴
۲۰۴	قسط وقت پر ادا نہ کرنے کا جرمانہ بھی سود ہے	۳۳۶
۲۰۵	مستاجر سے قرض لینا	۳۳۷
۲۰۶	مسلمان سے سود لینا اور سود در سود حرام در حرام	۳۳۸
۲۰۷	ایک روپیہ لگا کر نام نکلنے کی صورت میں ۵۰/ روپیہ لینا	۳۴۰
۲۰۸	قرض پر منافع سود ہے	۳۴۱
۲۰۹	منافع قرض	۳۴۳
۲۱۰	قرض پر نفع لینا سود ہے	۳۴۴
۲۱۱	غلہ قرض دیکر زیادہ وصول کرنا	۳۴۵
۲۱۲	مکئی کی گیہوں سے ادھار بیع	۳۴۶
۲۱۳	قرض دینے کی وجہ سے ایک کلو گوشت دینا	۳۴۷
۲۱۴	سودی کام میں شرکت	۳۴۸
۲۱۵	سودی معاملہ کی اعانت	۳۴۹
۲۱۶	سود پر قرض لے کر اس سے کاروبار کرنا	۳۵۰
۲۱۷	دار الحرب کی تعریف اور سود لینا	۳۵۱
۲۱۸	دار الحرب کی تفصیلی بحث اور سود کا حکم	۳۵۲
۲۱۹	ہندوستان میں سود کا حکم	۳۶۷
۲۲۰	دار الاسلام اور دار الحرب کی تحقیق اور مسئلۂ سود	۳۷۸
۲۲۱	غیر مسلم سے سود لینا	۳۷۷

۲۲۲	سودی قرض کی گنجائش کس صورت میں ہے؟	۳۷۸
۲۲۳	توبہ کے بعد سودی مال کا حکم	۳۷۹

فصل فی مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

۲۲۴	بینک کے سود کا مصرف	۳۸۱
۲۲۵	ایضاً	۳۸۲
۲۲۶	بینک کا سود اور زکوٰۃ سادات کو دینا	۳۸۳

فصلٌ فی مایتعلق بالتأمین علی الحیاۃ

(بیمۂ زندگی کا بیان)

۲۲۷	بیمہ کرانا	۳۸۷
۲۲۸	جان کا بیمہ	۳۸۹
۲۲۹	زندگی کا بیمہ	۳۸۹
۲۳۰	مسلمان ڈاکٹر کا بیمہ کارپوریشن کے لئے طبی معائنہ	۳۹۱

فصل فی مایتعلق بصندوق الادّخار

(پراویڈنٹ فنڈ کا بیان)

۲۳۱	پراوینڈنٹ فنڈ پر زائد رقم	۳۹۳
۲۳۲	ایضاً	۳۹۴

فصلٌ فی المتفرقات

۲۳۳	سودی کاروبار کرنے والی سوسائٹی کا دیا ہوا روپیہ مسجد میں امام وغیرہ کے لئے	۳۹۵
۲۳۴	اپنے پاس سے پیسہ دے کر سود کا پیسہ رکھنا	۴۰۰

Made Se[Made searchable using ScribeTools.com]pols.com

۲۳۵	باہم چندہ جمع کر کے رقم پر بولی بولنا	۴۰۲
۲۳۶	برما میں کفار کے ساتھ ناجائز سودی عقود	۴۰۳

باب القرض

(قرض کا بیان)

۲۳۷	قرض لینے کے بعد چاندی کا بھاؤ بڑھ جانا	۴۰۵
۲۳۸	نوٹ قرض لیا پھر سونا گراں ہوگیا	۴۰۷
۲۳۹	ابرائے قرض کے بعد پھر مطالبہ	۴۰۸
۲۴۰	چاندی کا روپیہ قرض لیا اور اس کو اب ادا کرنا چاہیں تو کونسا روپیہ ادا کریں	۴۰۹
۲۴۱	غیر جنس سے اپنا دَین وصول کرنا	۴۱۱
۲۴۲	قرض اس کی جنس سے ہی ادا کیا جائے	۴۱۲
۲۴۳	قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا	۴۱۲
۲۴۴	غنی شخص کا ادائے قرض میں ٹال مٹول کرنا	۴۱۳
۲۴۵	حقِ واجب ادا نہ کرنا	۴۱۶
۲۴۶	قرض لے کر واپس نہ کرنا	۴۱۶
۲۴۷	اپنا قرضہ بڑوں اور دوستوں سے مانگنا	۴۱۹
۲۴۸	ناجائز مال سے قرض وصول کرنا	۴۲۰
۲۴۹	مال حرام سے قرض ادا کرنا	۴۲۱
۲۵۰	مقروض کا نفلی چندہ دینا	۴۲۴
۲۵۱	مقروض کے تین حالات	۴۲۵
۲۵۲	دینِ قرض کا مطالبہ	۴۲۷

۲۵۳	قرض خوشدلی سے معاف کرنے کی علامت	۴۲۸
۲۵۴	جوشخص اپنا قرض قبول نہ کرے اس کی ترکیب	۴۲۸
۲۵۵	کارخانہ کے مقروض ملازمین پر دباؤ ڈال کر روپیہ لینا	۴۳۰
۲۵۶	کسی غیر مسلم کا قرض ہو، جو لاپتہ ہو	۴۳۰
۲۵۷	مالِ کافر کی ادائیگی	۴۳۱
۲۵۸	ہمشیرہ پر جائیداد میں حصہ دیتے وقت قرض کا کچھ حصہ ڈالنا	۴۳۲
۲۵۹	دھان کا قرض	۴۳۲
۲۶۰	آٹے کا ادھار	۴۳۳

باب القمار

(جوئے کا بیان)

۲۶۱	مقررہ رقم جمع کرنے پر قرعہ اندازی	۴۳۵
۲۶۲	لاٹری کا حکم	۴۳۶
۲۶۳	لاٹری کا ٹکٹ	۴۳۸
۲۶۴	لاٹری کے ذریعے اشیاء کی خرید وفروخت	۴۳۸
۲۶۵	جوے کی ایک صورت	۴۳۹
۲۶۶	بچوں کا ایک کھیل جس میں جوا بھی ہے اور سود بھی	۴۴۰
۲۶۷	معمہ حل کرنے کی اجرت	۴۴۱
۲۶۸	اخباری معمہ حل کرنا	۴۴۳
۲۶۹	شمع معمہ حل کرنے پر انعام	۴۴۴
۲۷۰	اخبار کے لائف ممبر بنانا	۴۴۷

Made searchable using ScribeTools.com

کتاب الوکالۃ

(وکالت کا بیان)

۲۷۱	ایک شخص کیا متعدد معاملات میں وکیل بن سکتا ہے؟	۴۴۹
۲۷۲	پیشۂ وکالت	۴۵۰
۲۷۳	وکالت کا پیشہ	۴۵۲
۲۷۴	وکیل کی آمدنی اور اس کا ہدیہ	۴۵۲
۲۷۵	وکیل بالشراء کو قیمت میں تصرف کرنا	۴۵۵

کتاب الدعوی والتحکیم

باب الدعوی

(دعویٰ کا بیان)

۲۷۶	زمین کا سرکاری کاغذات میں کسی کے نام ہونا اثباتِ مِلک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟	۴۵۷
۲۷۷	خرچۂ مقدمہ مدعیٰ علیہ سے وصول کرنا	۴۵۸
۲۷۸	فریقِ مخالف پر خرچۂ عدالت کا دعویٰ کرنا	۴۶۰
۲۷۹	ایک شخص کا رقم نہ دینے کا دعویٰ اور دوسرے کا انکار	۴۶۱
۲۸۰	کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ	۴۶۲
۲۸۱	قاضی کی شرعی حیثیت	۴۶۳
۲۸۲	فاسق کو قاضی بنانا	۴۶۴

باب التحکیم

(حَکَم مقرر کرنے کا بیان)

۲۸۳	کسی کو حَکَم تسلیم کرنے کے بعد اس سے رجوع	۴۶۵
۲۸۴	کیا حَکَم کے فیصلہ کو رَد کرنے کا حق ہے؟	۴۶۷

کتاب الھبۃ

(ہبہ کا بیان)

۲۸۵	ہبہ اور تملیک میں فرق	۴۶۹
۲۸۶	ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہے	۴۶۹
۲۸۷	ہبہ بلا قبضہ اور وقف علی الأولاد	۴۷۰
۲۸۸	زبانی ہبہ بغیر قبضہ کے معتبر نہیں	۴۷۲
۲۸۹	ہبۂ جائیداد زبانی	۴۷۳
۲۹۰	ہبہ کی ایک صورت	۴۷۴
۲۹۱	ہبۂ مشاع	۴۷۶
۲۹۲	ایضاً	۴۷۸
۲۹۳	غیر مملوکہ مکان کو ہبہ کرنا	۴۸۰
۲۹۴	حرام، حلال مخلوط روپے کا ہبہ	۴۸۱
۲۹۵	نابالغ کے مال میں تصرف، ہبہ وغیرہ	۴۸۲
۲۹۶	بچے کی ملک میں مربی کا تصرف	۴۸۳
۲۹۷	ہبہ شدہ چیز کو اپنے گھر نہ لے جانے کی شرط لگانا	۴۸۵
۲۹۸	خدمت کی امید پر ہبہ کر دیا، پھر خدمت نہیں کی	۴۸۶

Made searchable using ScribeTools.com

۲۹۹	مرض الموت میں ہبہ.....	۴۸۷
۳۰۰	مرض الموت میں وارث کیلئے ہبہ.....	۴۸۸
۳۰۱	مرض الموت میں وارث کو ہبہ کا حکم.....	۴۹۰
۳۰۲	مرض الموت میں جعلی ہبہ نامہ پر دستخط.....	۴۹۲
۳۰۳	اپنا وارث ہوتے ہوئے مکان متبنّٰی کو ہبہ کرنا.....	۴۹۲
۳۰۴	واہب کی حیات میں ہبہ کے بعد موہوب لہ کا انتقال.....	۴۹۴
۳۰۵	اولاد کے درمیان ہبہ میں تفصیل.....	۴۹۶
۳۰۶	ہبہ میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینا.....	۴۹۸
۳۰۷	لڑکی کو ایک تہائی ہبہ، لڑکے کو دو تہائی.....	۵۰۱
۳۰۸	اولاد کو ہبہ میں کمی بیشی.....	۵۰۳
۳۰۹	بیٹے کو زمین ہبہ کر کے واپس لینا.....	۵۰۷
۳۱۰	پوتے کو ہبہ کر کے پھر رجوع کرنا.....	۵۰۹
۳۱۱	مرحوم بیٹے کی بیوہ کو ہبہ.....	۵۱۰
۳۱۲	ہبہ اور وارث کے حق میں وصیت.....	۵۱۱
۳۱۳	ہونیوالے وراث کو بیع یا ہبہ کرنا.....	۵۱۳
۳۱۴	متبنی کو ہبہ یا وراثت.....	۵۱۵
۳۱۵	انتقال سے پہلے کسی وارث کو کچھ دینا میراث نہیں، ہبہ ہے.....	۵۱۶
۳۱۶	غیر مسلم کا صدقہ یا ہبہ.....	۵۲۰

کتاب الضمان والودیعة

بابٌ فی الضمان

(ضمان کا بیان)

۳۱۷	ضمان کی تعریف.....	۵۲۱

Made Searchable by ScribeTools.com

۳۱۸	ضامن پر قسم کا حکم	۵۲۱
۳۱۹	حقوق العباد کا زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ پر مقدم ہونا	۵۲۲
۳۲۰	ضامن کو حلفیہ وعدہ کا پورا کرنا	۵۲۲
۳۲۱	کیا حلفیہ وعدہ کا پورا نہ کرنا قرآن کریم کی توہین ہے؟	۵۲۲
۳۲۲	مؤذن سے روپیہ ضائع ہوگیا ضمان کس پر ہے؟	۵۲۴
۳۲۳	مہتمم پر ضمان	۵۲۵
۳۲۴	مدرس کے تنخواہ سے ضمان کی صورت	۵۲۷
۳۲۵	اگر مبیع ڈاک سے ضائع ہوجائے تو ضمان کس پر ہے؟	۵۲۷
۳۲۶	کرایہ کی سائیکل چوری ہوجائے تو اس کا حکم	۵۲۸
۳۲۷	دھوبی سے گم شدہ کپڑوں کا ضمان کس پر ہے؟	۵۲۹
۳۲۸	بچپن کی چوری کا ضمان	۵۲۹
۳۲۹	بچوں کے کھلونے ضائع کرنے کا ضمان	۵۳۰
۳۳۰	دوسرے کے لئے ٹکٹ خریدنے کی صورت میں ضمان	۵۳۰
۳۳۱	ملزم کی ضمانت کرنا	۵۳۲

بابٌ فی الودیعة

(امانت کا بیان)

۳۳۲	مالک کے لاپتہ ہونے کے بعد امانت میں تصرف	۵۳۳
۳۳۳	فسادزدگان کے لئے چندہ کیا گیا، کچھ بچ گیا، اس کو کیا کیا جائے؟	۵۳۳
۳۳۴	کیا سزا کے عوض امانت کی رقم کاٹ لی جائے؟	۵۳۵
۳۳۵	امانت کی واپسی کے لئے شرط	۵۳۶
۳۳۶	امانت کا ادا نہ کرنا	۵۳۷

Made searchable using ScribeTools.com

۳۳۷	چاندی کا روپیہ امانت رکھا اس کے عوض نوٹ دینا کیسا ہے؟	۵۳۹
۳۳۸	امانت کے نوٹ کو بدل دینا	۵۳۹

فصلٌ فی الضمان بهلاک الوديعة

(امانت کے ضائع ہونے پر ضمان کا بیان)

۳۳۹	امانت کا ضمان	۵۴۱
۳۴۰	ذمہ داری ختم ہونے کے بعد امین پر ضمان نہیں	۵۴۲
۳۴۱	امانت کا روپیہ جل گیا اس کا تاوان	۵۴۲
۳۴۲	امانت غسل خانہ میں رکھ کر بھول گیا اس کا ضمان	۵۴۴
۳۴۳	غیر مسلم کے پاس مسجد کا پیسہ امانت تھا وہ ضائع ہوگیا	۵۴۵
۳۴۴	امانت چوری ہونے پر ضمان کا حکم	۵۴۶
۳۴۵	مسجد کی امانت چوری ہوجائے تو ضمان کا حکم	۵۴۷
۳۴۶	انجمن کا روپیہ ڈاکوؤں نے لے لیا وہ کس کے ذمہ ہے؟	۵۴۸
۳۴۷	حفاظت میں کوتاہی کی بنا پر امانت کا ضمان	۵۵۱
۳۴۸	امانت کو دفن کرنے کی شکل میں ضائع ہونے پر ضمان	۵۵۲
۳۴۹	امانت کے ہلاک کرنے پر ضمان	۵۵۳

كتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

۳۵۰	اجارہ کی تعریف	۵۵۵

۳۵۱	اجرت پر ملک کا تحقق کب ہوتا ہے اور ملازمین کے فنڈ پر ہدایہ کی عبارت سے اشکال.....	۵۵۵
۳۵۲	زمین اجارہ پر دینا.....	۵۵۷
۳۵۳	زمین کی اجرت دھان قرار دینا.....	۵۵۸
۳۵۴	زمین اور باغ کا اجارہ.....	۵۵۹
۳۵۵	کھیت کا کرایہ غلہ کی صورت میں.....	۵۶۰
۳۵۶	جائز وناجائز کام کرنے والی فیکٹری میں ملازمت کرنا.....	۵۶۰
۳۵۷	جس فیکٹری میں کبھی شراب کا ایڈوٹائز ہوتا ہو اس میں ملازمت کا حکم.....	۵۶۱
۳۵۸	کافر کا جانور ذبح کرنا اور اجرت لینا.....	۵۶۲
۳۵۹	جانور ذبح کرنے کی اجرت.....	۵۶۲
۳۶۰	امتحان کے پرچے بنانے اور جانچنے کی اجرت.....	۵۶۳
۳۶۱	کوئی شئی آدھ گھنٹے کے لئے کرائے پر لے کر ۵/ منٹ میں واپس کر دینا.....	۵۶۵
۳۶۲	نشہ آور ادویہ فروخت کرنے والے میڈیکل اسٹور کا کرایہ.....	۵۶۶
۳۶۳	شوہر کے لیے بیوی کی ملازمت.....	۵۶۷
۳۶۴	گیسٹ ہاؤس کی آمدنی.....	۵۶۸
۳۶۵	سرکاری ملازمت اور اس کی آمدنی.....	۵۶۹
۳۶۶	جوتی بنانے کا پیشہ.....	۵۷۰
۳۶۷	ٹھیکیداری کا پیشہ.....	۵۷۱
۳۶۸	ملازمت کے وقت میں دوسرا کام.....	۵۷۲
۳۶۹	تنخواہ دار مدرس اجیرِ خاص ہے یا اجیرِ مشترک؟.....	۵۷۲
۳۷۰	روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے تنخواہ نہیں ملی، اب روپیہ ہونے کی صورت میں ان کو وصول کرنا.....	۵۷۴
۳۷۱	غیر حاضری کی تنخواہ ملازم کے لئے.....	۵۷۶
۳۷۲	مشاہرۂ تنخواہ میں دنوں کا اعتبار ہوگا.....	۵۷۶

Made searchable using ScribeTools.com

۳۷۳	حَکم کے لئے حقِ محنت اور فریقین کے یہاں کھانا	۵۷۷
۳۷۴	قبرستان کی حفاظت کے لئے شیعہ کو ملازم رکھنا	۵۷۸
۳۷۵	حکومت سے اپنا حقِ تنخواہ وصول کرلینا	۵۷۹
۳۷۶	باغ کو کرایہ پر دینا	۵۸۱
۳۷۷	مکان کی پگڑی	۵۸۲
۳۷۸	ایضاً	۵۸۳
۳۷۹	مکان کرایہ پر دینے کے لئے پگڑی	۵۸۴

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

۳۸۰	کٹے ہوئے کھیت سے کھیتی کاٹنے کی اجرت	۵۸۶
۳۸۱	کھیت کٹائی کی مجہول اجرت	۵۸۷
۳۸۲	کھیت کا ساتواں یا دسواں حصہ اجرت میں دینا	۵۸۸
۳۸۳	کھیت کی کٹائی کی اجرت	۵۸۹
۳۸۴	آٹا پسائی کی اجرت میں آٹا دینا	۵۹۰
۳۸۵	سرسوں کا تیل نکالنے کا عوض تیل سے	۵۹۰
۳۸۶	جلن کا کاٹنا	۵۹۲
۳۸۷	فصل کا خوشہ چنوانے کی اجرت	۵۹۳
۳۸۸	گائے کو کرایہ پر دینا	۵۹۳
۳۸۹	ادھیان پر جانور دینا	۵۹۴
۳۹۰	بکریوں کو ادھیا پر دینا	۵۹۵
۳۹۱	بکری پالنے کے لئے دینا	۵۹۶

۳۹۲	ایضاً	۵۹۷
۳۹۳	گائے پالنے کے لئے دینا	۵۹۷
۳۹۴	پال پر جانور دینا	۵۹۸
۳۹۵	بکری پال پر دینا	۵۹۹
۳۹۶	ایضاً	۶۰۰
۳۹۷	گائے پال پر دینا	۶۰۱
۳۹۸	پال پر جانور دینا	۶۰۲
۳۹۹	جانور کی جفتی کی اجرت	۶۰۳
۴۰۰	گابھن کرانے کی اجرت	۶۰۳
۴۰۱	جتنے کرایہ پر مکان لیا ہے اس سے زائد پر دینا	۶۰۴
۴۰۲	کرایہ پر لی ہوئی مسجد کی جائیداد کو زیادہ کرایہ پر دینا	۶۰۵
۴۰۳	کرایہ دار سے قرض اور مکان خالی نہ کرنے کی شرط	۶۰۶
۴۰۴	کتابیں کرایہ پر دینا	۶۰۷
۴۰۵	قُلی کو متعینہ مزدوری سے زیادہ لینا	۶۰۷
۴۰۶	ہنڈی اور منی آرڈر	۶۰۸
۴۰۷	کیا کرایہ دار دوکان دوسرے کرایہ دار کو زیادہ کرایہ پر دے سکتا ہے؟	۶۱۰
۴۰۸	جراح کا زخم اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لینا	۶۱۰
۴۰۹	جگہ کرایہ پر لینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ جگہ کسی دوسرے کی ہے	۶۱۱
۴۱۰	کرایہ کا معاملہ ختم ہونے پر پیشگی لی ہوئی رقم کی واپسی	۶۱۳
۴۱۱	دھوبی وغیرہ کی خدمت اور اجرت	۶۱۴
۴۱۲	ملازم کو سفرِ خرچ کی جعلی رسید بنانا	۶۱۵

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

۴۱۳	بائع ومشتری دونوں سے دلالی کی اجرت	۶۱۷
۴۱۴	اجرتِ دلال	۶۱۸
۴۱۵	دلالی کا حکم	۶۱۸
۴۱۶	کسی دوسرے خریدار کو دھوکہ دینے کے لئے قیمت میں کمی زیادتی کرنا	۶۱۹
۴۱۷	سودے سے بچنے کے لئے دلال کی اجرت میں اضافہ	۶۲۰
۴۱۸	نیلام کرنے کی اجرت	۶۲۱
۴۱۹	کمیشن پر نیلام	۶۲۲
۴۲۰	کمیشن پر سفیر رکھنا	۶۲۳
۴۲۱	ایضاً	۶۲۵
۴۲۲	کمیشن پر مدرسہ کے لئے سفیر مقرر کرنا	۶۲۸
۴۲۳	کمیشن پر چندہ کرنا	۶۲۹
۴۲۴	ایضاً	۶۳۰
۴۲۵	اصل ملازم کی جگہ دوسرے کو رکھوا کر اس سے کمیشن لینا	۶۳۱
۴۲۶	نوٹ پر کمیشن	۶۳۲

بابٌ فی فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

۴۲۷	کرایہ دار کے مرنے سے عقد اجارہ کا فسخ ہونا	۶۳۴

۴۲۸	ایضاً.....	۶۳۷
۴۲۹	اصل مالک کے انتقال کے بعد کیا وارث کو اس کے معاہدہ کی پابندی ضروری ہے؟.....	۶۴۰
۴۳۰	کرایہ دار کے انتقال کے بعد کیا دوسرے کی طرف کرایہ داری منتقل کی جاسکتی ہے؟.....	۶۴۲
۴۳۱	مکان یا دکان کو کرایہ دار سے خالی کرانا.....	۶۴۲
۴۳۲	کرایہ کا مکان خالی کرنا.....	۶۴۳
۴۳۳	وقف کی دوکان میں خنزیر کا گوشت فروخت کرنے سے اس کو خالی کرانا.....	۶۴۵
۴۳۴	قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں مقروض کا سامان اٹھا کر بطورِ کرایہ استعمال کرنا.....	۶۴۶

☆.....☆.....☆

Made searchable using ScribeTools.com

کتاب البیوع

باب البیع الصحیح

(بیعِ صحیح کا بیان)

خچر کی بیع

سوال[۷۷۲۸]: خچروں کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ویجوز بیع جمیع الحیوانات سوی الخنزیر، وهو المختار". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۱۱۴، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع فی بيع الحيوانات، رشيديه)

"(ويصح بيع الكلب والفهد وسائر السباع، عُلّمت) الكلب والفهد والسباع (أولا)". (مجمع الأنهر: ۳/۱۵۱، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹة)

"ويصح بيع الكلب والسباع وسائر أنواعها".(الدرالمختارمع ردالمحتار: ۳/۲۲۶، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴/۵۳۰، كتاب البيوع، باب المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی البحر الرائق: ۶/۲۸۶، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيديه)

(وكذا فی الهداية: ۳/۱۰۳، كتاب البيوع، مسائل منثورة، مكتبه شركت عاميه ملتان)

کتے کی بیع

سوال[۷۷۲۹]: مسلمان کے لئے کتے کی بیع جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتانجس العین ہے،خنزیر کی طرح اس کی بیع ناجائز ہے(۱)۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل نہیں(۲)۔شکار کے لئے کتاپالناجائز ہے،کتے کے ذریعہ شکار کی اجازت قرآن کریم میں ہے:

﴿وماعلّمتم من الجوارح مکلّبین تعلّمونهن مما علمکم اللّٰه، فکلوا مما أمسکن علیکم﴾(۳)۔

نیز کھیت اورجانوروں کی حفاظت کے لئے کتاپالنے کی اجازت ہے، حدیث شریف میں مذکور ہے(۴)، جب کتاپالنااورنفع اس سے اٹھانا اوراس کوتعلیم دینااوراس کے ذریعہ حاصل شدہ شکار کھانانصوصِ قرآن وحدیث سے ثابت ہے تو پھر اس کی بیع کامسئلہ خود بخود ثابت ہوجاتاہے۔ اورکتبِ فقہ:

---

(۱) "فأما الشافعی رحمه الله تعالیٰ فعمدته شیئان: أحدهما: ثبوت النهی الوارد عن ثمن الکلب عن النبی صلی الله علیه وسلم. والثانی: أن الکلب عنده نجس العین کالخنزیر". (بدایة المجتهد ونهایة المقتصد: ۴/۴۸۴-۴۸۶، من نهی بیع الکلب، دارالکتب العلمیة بیروت)

"فقال الشافعی رحمه الله تعالیٰ: "لایجوز بیع الکلب أصلاً". (بدایة المجتهد، المصدر السابق: ۴/۴۸۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "ولیس الکلب نجس العین، ألاتری أنه ینتفع به حراسةً واصطیاداً بخلاف الخنزیر". (الهدایة: ۱/۴۰، کتاب الطهارة، باب الماء الذی یجوز به الوضوء ومالایجوز، شرکت علمیه ملتان)

(۳) (سورة المائدة: ۴)

(۴) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلی الله علیه وسلم: "من أمسک کلباً، فإنه ینقص کل یوم من عمله قیراط، إلاکلب حرث أوماشیة". وقال ابن سرین وأبو صالح: عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم: "إلاکلب غنم أو حرث أو صید". (صحیح البخاری: ۱/۳۱۲، باب اقتناء الکلب للحرث، قدیمی)

Made searchable using ScribeTools.com

البحر الرائق(۱)، درمختار(۲) میں اس کی بیع کو درست لکھا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۸۹ھ۔

کتے کی تجارت

سوال[۷۷۳۰]: مسلمان کے لئے کتے کی بیع جائز ہے کہ نہیں؟ ایک شخص کتا پالتا ہے، یا کتے کے بچے کو بھی فروخت کرتا ہے، کتے کے بچے کے بدلے میں بکری کا بچہ لیتا ہے اور پھر اس بکری کے بچے کو پال کر بیچتا ہے، یا اس بچے سے اس کے بکریوں کی نسلیں بڑھتی ہیں، اس میں سے بیچتا ہے اور قربانیاں بھی کرتا ہے اور خیرات بھی دیتا ہے۔ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض جگہوں سے معلوم ہوا کہ کتے کی بیع وشراء حرام ہے۔حرام کس کے نزدیک ہے اور حرام کی علّت کیا ہے؟ اور اگر حلال ہے تو احناف کی دلیل تحریر فرمائیں۔کیا عام طریقہ سے کتوں کی تجارت کا رواج پیدا کرنا جائز ہے؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتا نجس العین ہے خنزیر کی طرح(۳)، اس کی بیع ناجائز ہے(۴)۔

---

(۱) "وصح بيع الكلب والفهد والسباع والطيور". (البحر الرائق، كتاب البيع، باب المتفرقات: ۲۸۶/۶، رشيديه)

(۲) "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع". (الدر المختار: ۲۲۶/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم: ۱/۵۳۱، كتاب البيوع، باب تحريم ثمن الكلب، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۵۱/۳، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۴۲۴/۱۴، كتاب البيوع، باب جواز بيع الكلب، ادارة القرآن كراچی)

(۳) "فأما الشافعي رحمه الله تعالىٰ فعمدته شيئا: أحدهما: ثبوت النهي الوارد عن ثمن الكلب عن النبي صلى الله عليه وسلم. والثاني: أن الكلب عنده نجس العين كالخنزير". (بداية المجتهد ونهاية المقتصد: ۴۸۴/۴-۴۸۶، من نهى بيع الكلب، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) "فقال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: لايجوز بيع الكلب أصلاً". (بداية المجتهد، المصدر السابق: ۴۸۳/۴، كتاب البيوع، مااختلفوا في بيعه وإن لم يكن نجس العين، دارالكتب العلميه بيروت)

Made Searchable by ScribeTools.com

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نجس العین ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے(۱)، کتے کے ذریعہ شکار کی اجازت قرآن کریم میں ہے:

﴿وما علّمتم من الجوارح مكلّبين تعلّمونهن مما علّمكم الله، فكلوا مما أمسكن عليكم﴾ الآية(۲)۔

نیز کھیت اور جانوروں کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی اجازت حدیث شریف میں مذکور ہے(۳)۔

کتا پالنا اور اس سے نفع اٹھانا اور اس کو تعلیم دینا اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ شکار کھانا نصوصِ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ تو پھر اس کی بیع کا مسئلہ خود بخود ثابت ہوجاتا ہے۔ اور کتب فقہ: ردالمحتار(۴) اور البحر الرائق، وغیرہ میں اس کی بیع کو درست لکھا ہے(۵)۔

---

(۱) "وليس الكلب نجس العين، ألاترى أنه ينتفع حراسةً واصطياداً بخلاف الخنزير". (الهداية: ۱/۴۰، كتاب الطهارة، باب الماء الذى يجوز به الطهارة ومالايجوز، مكتبه شركت علميه بيروت)

"واعلم أنه ليس الكلب بنجس العين عند الإمام، وعليه الفتوى". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۲۰۸، كتاب الطهارة، باب المياه، سعيد)

(۲) (سورة المائدة: ۴)

(۳) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أمسك كلباً، ذإنه يُنقص كل يوم من عمله قيراطٌ، إلا كلب حرث أوماشية". وقال ابن سيرين وأبو صالح: عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه: "إلاكلب غنم أو حرث أو صيد". (صحيح البخارى: ۱/۳۱۲، باب اقتناء "كلب للحرث، قديمى)

(۴) "وصح بيع الكلب والفهد والقرد والسباع". (ردالمحتار: ۵/۲۲۶، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(۵) "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع". (البحر الرائق: ۶/۲۸۶، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيديه)

(وكذا فى تكملة فتح الملهم: ۱/۵۳۱، كتاب البيوع، باب تحريم ثمن الكلب، دارالعلوم كراچى)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۱۵۱، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى إعلاء السنن: ۱۴/۴۲۴، كتاب البيوع، باب جواز بيع الكلب، إدارة القران كراچى)

Made searchable using ScribeTools.com

بیع خواہ نقد کے عوض میں ہو یا کسی اَورشی بکری وغیرہ کے عوض میں ہو، اس کی قیمت (نقد) کو جس طرح کام میں لانا درست ہے اسی طرح اس کو بکری کے عوض فروخت کیا ہو تو اس بکری کو اس کی نسل کو سب کو کام میں لانا درست ہے، جیسا کہ زیلعی میں تصریح ہے(۱):

"عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن ثمن السنّور والکلب، إلا کلب صید". نسائی شریف:۲/۲۳۰(۲)، وجمع الفوائد :۱/۶۳۸(۳)۔ والأعلام بأحادیث الأحکام، ص: ۳۱٤(٤)۔ **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کتے کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۳۱]: کتے کی تجارت جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

محض شوق کے طور پر بلاضرورت حفاظت وشکار وغیرہ کتا پالنا منع ہے اور بضرورت جائز ہے(۵)

---

(۱) "أن الشرع أباح الانتفاع به حراسة واصطياداً فكذا بيعاً، ولأنه يجوز تمليكه بغير عوض كالهبة والوصية، فكذا بعوض". (تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۴/۵۳۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (سنن النسائی: ۲/۲۳۰، كتاب البيوع، باب بيع الكلب، قديمی)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب البيوع: ۲/۶۳۸، إدارة القرآن كراچی)

(۴) (لم أجده)

(۵) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال:قال رسو ل الله صلی الله علیه وسلم: "من اقتنی كلباً، فإنه يُنقص من عمله كل يوم قيراطٌ، إلاكلب حرث أو ماشية". عن سفيان بن أبی زبير، قا ل: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم يقول: "من اقتنی كلباً، لايغنی عنه زرعاً ولاضرعاً، نقص من عمله كل يوم قيراطٌ". فقيل له: أنت سمعت من النبی صلی الله علیه وسلم؟ قال: أی ورب هذا المسجد!". (سنن ابن ماجة، ص: ۲۳۱، أبواب الصيد، باب النهی عن اقتناء الكلب، قديمی)

(وصحيح البخاری: ۱/۳۱۲، باب اقتناء الكلب للحرث، قديمی)

(والصحيح لمسلم: ۲/۲۰، كتاب المساقات والمزارعة، باب الأمر بقتل الكلاب وبيان نسخه وبيان =

اور کتے کی بیع بھی درست ہے(۱)۔

"(قوله: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ثمن الكلب) وهذا التحريم كان إذا أمر بقتل الكلاب وحرم الانتفاع بها، فإذا استثنى كلب الماشية والصيد وغيره، جاز بيعه، اه".

الكوكب الدرى: ۱/ ۳۳۷(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/۵/۶۰ھ۔

حرام جانوروں کی بیع

سوال[۷۷۳۲]: بندر، بلی، چوہا وغیرہ جیسے حرام جانوروں کی تجارت کر کے روزی کمانا کیسا ہے؟

کریم اللہ فتح پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان حرام جانوروں کی کھال، ہڈی وغیرہ کارآمد ہوں، یا ان سے دوا بنائی جائے تو ان کی خرید فروخت کرنا جائز ہے:

قال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالىٰ: "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع بسائر أنواعها حتى الهرة، وكذا الطيور سوى الخنزير –وهو المختار– للانتفاع بها

= تحريم اقتناته، الخ، قديمى)

(۱) "وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵/۲۲۶، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

"صح بيع الكلب والفهد والسباع والطيور، لمارواه أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه صلى الله عليه وسلم رخّص فى ثمن كلب الصيد، ولأنه مالٌ متقوّمٌ آلة الاصيطاد، فصح بيعه". (البحر الرائق: ۶/۲۸۶، كتاب البيع، باب المتفرقات، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۱۵۱، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹة)

(۲) (الكوكب الدرى، أبواب النكاح، باب كراهية مهر البغى: ۱/۳۳۷، المكتبة اليحيويه سهارنپور)

Made searchable using ScribeTools.com

وبجلد ها". درمختار، كتاب البيوع، باب المتفرقات(۱)۔

"ويجوز بيع جميع الحيوانات سوى الخنزير، وهو المختار". عالمگیری(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مینڈک، گوہ وغیرہ کی بیع اور کھانا

سوال[۷۷۳۳]: مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ، یا کیکڑہ وغیرہ احناف کے نزدیک کھانا، یا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں دیگر ائمہ ومجتہدین کی کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان جانوروں کا کھانا احناف کے نزدیک جائز نہیں (۳)۔ اگر یہ چیزیں کسی ضرورت میں مثلاً: دوا کے

---

(۱) (الدرالمختار: ۲۲۶/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۱۱۴/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع فى بيع الحيوانات، رشيديه)

"ويصح بيع الكلب ولوجرداً أو عقوراً، والفهد والفيل والقرد وسائر السباع بسائر أنواعها حتى الهرة". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱۵۱/۳، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

"ويجوز بيع الكلب والفهد والسباع ..... وجه رواية الجواز أنه يمكن الانتفاع بجلده، وهذا هو وجه رواية إطلاق بيع الكلب والسباع، فإنه مبنىّ على أن كل مايمكن الانتفاع بجلده أو عظمه يجوز بيعه". (فتح القدير: ۱۱۸/۷، كتاب البيوع، مسائل منثورة، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(۳) "ويحرم أكل كل ذى ناب..... والضب واليربوع وابن عرس والسلحفاة والحشرات". (ملتقى الأبحر). قال فى المجمع: "(قوله: والحشرات) كالفارة والوزغة وسام أبرص، والقنفذ والحيّة والضفدع". (مجمع الأنهر: ۱۶۰/۴، ۱۶۱، كتاب الذبائح، غفارية كوئٹة)

"(ولا يؤكل من حيوان الماء) وهو الذى مثواه وعيشه فى الماء عندنا، لقوله تعالىٰ: ﴿ويحرّم عليهم الخبائث﴾ إلا السمک بأنواعه". (مجمع الأنهر، المصدر السابق: ۱۶۲/۴، غفاريه كوئٹه)

طور پر خارجی استعمال میں مفید ہوں، یا گوہ کی کھال کارآمد ہوتو ان زندہ جانوروں کی بیع وشراء شرعاً درست ہے(۱)۔ دیگر ائمہ کرام کے مذہب کی تحقیق ان کے محققین اہلِ فتوی سے کی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۵/ ۹۲ھ۔

کانجی ہاؤس سے جانور خریدنا

سوال[۷۷۳۴]: کانجی ہاؤس وغیرہ میں جب جانور زیادہ دنوں تک رہ جاتے ہیں تو سرکار کی جانب سے اس کو فروخت کردیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جولوگ اس جانور کو خرید کرتے ہیں، کیا شرعاً ان کی ملک ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس جانور پر سرکار کو استیلاءً ملک حاصل ہوجاتی ہے تو اب خریدنے والا مالک سے ہی خریدتا ہے اور مالک سے خریدنے میں ثبوتِ ملک میں کوئی اشکال نہیں: "وإن غلبوا (أی أهل الحرب) علی أموالنا

---

(۱) "الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدرالمنتقی مع مجمع الأنهر: ۸۴/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"يجوز بيع الحيّات إذاكان ينتفع بها للأدوية، وماجاز الانتفاع بجلده أو عظمه: أی من حيوانات البحر أو غيرها. قال فی الحاوی: ولايجوز بيع الهوام كالحية والفارة والوزغة والضب والسلحفاة والقنفذ ، كل مالاينتفع به ، لابجلده، وبيع غير السمک من دواب البحر إن كان له ثمن كالسقنقور وجلود الخز ونحوها، يجوز". (ردالمحتار: ۶۸/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"ويجوز بيع الحيّات إذاكان ينتفع بها فی الأدوية. وإن كا ن لاينتفع بها، لايجوز، والصحيح أنه يجوز بيع كل شئی ينتفع به. ..... ويجوز بيع جميع الحيوانات سوی الخنزير، وهو المختار". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۴/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع فی بيع الحيوانات، رشيديه)

"الحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۵/۵، باب البيع الفاسد، سعيد)

Made Searchable using ScribeTools.com

وأحرزوها بدارهم، ملكوها، الخ". درمختار(۱)۔

نیز حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے امداد الفتاوی میں ایسا ہی تحریر فرمایا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الجهاد: ۱۶۰/۴، باب استيلاء الكفار، سعيد)

(وكذا فى كنز الدقائق مع البحر الرائق: ۱۶۱/۵، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، رشيديه)

(وكذا فى ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب السير، باب استيلاء الكفار: ۴۴۳/۲، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۲۵/۲، كتاب السير، الباب الخامس فى استيلاء الكفار، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۱۲۳/۴، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) **الجواب**: "فى الدرالمختار: وإن غلبوا: أى أهل الحرب على أموالنا وأحرزوها بدارهم ملكوها". اورعملۂ کانجی ہاؤس نائب ہیں مستولین کے، پس اس استیلاء تملکاً سے وہ جانور ملک سرکار کی ہوجائے گا، لہٰذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے، اور جب یہ بیعِ صحیح سے ملک میں داخل ہوگیا قربانی بھی اس کی درست ہے، البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے، اس لئے بلاضرورت بدنام ہونا بالخصوص مقتدیٰ کے لئے زیب نہیں۔ اور کانجی ہاؤس میں جانور کو داخل کرنا، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کھیت میں خود گھس گیا ہے، اس کا داخل کرنا تو بالکل جائز نہیں، کیونکہ اس میں مالک پر ضمان نہیں تو اس سے کچھ لینا یا لینے میں اعانت کرنا ظلم ہے، اور اگر کسی نے قصداً جانور کو کھیت وغیرہ میں داخل کردیا ہے اس پر بقدر اتلاف ضمان ہے، اس مقدار تک اگر کانجی ہاؤس میں یا ویسے ہی اس سے وصول کیا ہے تو جائز ہے اور اس سے زائد بطور جرمانہ کے ناجائز ہے، کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے، اور حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے، كما صرحوا به فى الدرالمختار آخر باب جناية البهيمة:

"أدخل غنماً أو ثوراً أو فرساً أو حماراً فى زرع أو كرم إن سائقاً ضمن ماأتلف، وإلالا. وقيل يضمن. وقال الشافعى مرجحاً للقول الثانى: أقول: ويظهر أرجحية هذا القول لموافقته لما مرّ أول الباب من أنه يضمن ماأحدثته الدابة مطلقاً إذا أدخلها فى ملك غيره بلا إذنه لتعدية. وأما لو لم يدخلها، ففى الهداية: ولو أرسل بهيمةً فأفسدت زرعاً على فورها، ضمن المرسل، وإن مالت يميناً أو شمالاً وله طريق الأخر، لايضمن لما مر، اهـ". (إمداد الفتاوىٰ، كتاب الذبائح والأضحية، حکمِ قربانیٔ جانور خرید کردہ از نیلامِ کانجی ہاؤس وحکم ادخال جانور در آن: ۵۴۱/۳، دارالعلوم كراچى)

(وكذا فى إمداد الأحكام: ۳۶۶/۳، كتاب البيوع، کانجی ہاؤس وغیرہ میں جو جانور وغیرہ فروخت ہوتے ہیں، ان کا حکم، دارالعلوم كراچى)

گوشت کی تجارت

سوال[۷۷۳۵]: کیا یہ تجارت شرعاً جائز ہے کہ ہر روز ایک دو یا دس یا پانچ گائے ذبح کر کے گوشت فروخت کرے؟ اس میں نفع زیادہ ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے، لأنه متوارث من خير القرون شرعاً عرفاً من غير نكير(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲۸/۱۰/۶۱ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/شوال/۶۱ھ۔

ہڈی کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۳۶]: جو شخص ہڈیوں کی خرید وفروخت سوکھی اور گیلی دونوں کی کرتا ہے، ان کے یہاں کھانا کیسا ہے؟

محمد یوسف گنگوہی، امام مسجد قریشیان، گنگوہ، ضلع سہارنپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ہڈی کی خرید وفروخت جائز ہے گیلی ہو یا سوکھی، اس کی آمدنی درست ہے، اس کا کھانا

---

(۱) "كل ماينتفع به فجائز بيعه والإجارة عليه". (القواعد الفقهية، ص: ۱۲۸، دار القلم دمشق)

"والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدر المختار: ۲۹/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا في الدر المنقتى على هامش مجمع الأنهر: ۸۴/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"ويجوز لحم حيوان بلحم حيوانٍ غير جنسه متفاضلاً". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۵/۳، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۶۵/۴، كتاب البيوع، باب الربا، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية: ۸۶/۳، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

Made searchable using ScribeTools.com

درست ہے(۱)،لیکن خنزیر کی ہڈی نہ ہو کہ اس کی خرید وفروخت جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۲/۳/۸۹ھ۔

کرایہ پر لی ہوئی زمین میں تعمیر بنا کر مالکِ زمین سے زمین کو خریدنا

سوال[۷۷۳۷]: زید نے ایک زمیندار سے زمین سالانہ کرایہ پر لے کر اس پر مکان تعمیر کیا جس کو ۳۰/ برس کا عرصہ گذرا۔اب زمیندار بوجۂ ضروریات اپنی زمین کو فروخت کرنا چاہتا ہے علاوہ ملبہ کے۔لہٰذا اس کا ملبہ چھوڑتے ہوئے بیع جائز ہوگی یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) "وشعر الميتة وعظمها وصوفها وقرنها لابأس، بالانتفاع بها، وبيع ذلک كله جائز؛ لأنه لاحياة فی هذه الأشياء، فلايحلها الموت، فلايتنجس". (المحيط البرهانی: ۷/۳۰۲، كتاب البيع فی بيع المحرمات، غفاريه كوئٹة)

"ولابأس ببيع عظام الميتة وعصبها وصوفها وقرنها وشعرها ووَبُرها، والانتفاع بذلک كله؛ لأنها طاهرة لايحلها الموت لعدم الحياة". (الهداية: ۳/۵۵، كتاب البيوع،باب البيع فاسد، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويباع عظمها، وينتفع به، وكذاعصبها وقرنها وصوفها وشعرها ووَبرها، وكذا عظم الفيل". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۸۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴/۳۷۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

"وشعرالميتة وعظمها". (الدرالمختار). "قوله عليه السلام فی شاة ميمونة: "إنماحرم أكلها". وفی راوية: "لحمها". فدل على أن ماعدا اللحم، لايحرم، فدخلت الأجزاء المذكورة". (ردالمحتار: ۱/۲۰۶، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب فی أحكام الدباغة، سعيد)

(۲) "لابأس ببيع عظام الفيل وغيره من الميتات، إلا عظم الآدمی والخنزير". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۱۵، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الخامس فی بيع المحرمات، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴/۳۷۸، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی ردالمحتار: ۵/۷۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک کو اپنی زمین فروخت کرنے کا حق حاصل ہے(۱)، پھر خریدار اس کرایہ دار سے کہے کہ تم اپنا ملبہ یہاں سے ہٹا کر زمین خالی کردو، یا میرے ہاتھ فروخت کردو(۲)۔ بہتر یہ ہے کہ زمین فروخت کرنے سے پہلے کرایہ دار سے مالک خود ہی معاملہ کرلے، اس کے بعد فروخت کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "كل يتصرف فى ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ٦٥٤، (رقم المادة: ١١٩٢)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وتصح إجارة أرض للبناء والغرس ..... فإن مضت المدة، قَلَعَهما وسلّمها فارغةً، لعدم نهايتهما، إلا أن يغرم له الموجر قيمته: أى البناء مقلوعاً ويتملكه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٦/ ٣٠، كتاب الإجارة، باب ما يجوز من الإجارة ، سعيد)

"وصح استيجار الأرض للبناء والغرس، وإذا انقضت المدة، لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغة، إلا أن يعزم الموجر قيمة ذلك مقلوعاً برضى صاحبه". (مجمع الأنهر: ٣/ ٥٢٢، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومالا يجوز، غفاريه كوئٹه)

"وصح أيضاً للبناء والغرس وسائر الانتفاعات، كطبخ آجر وحذف ومقيلاً ومراحا، حتى تلزم الأجرة بالتسليم ..... وإذا انقضت المدة، لزمه أن يقلعهما ويسلمها فارغةً من البناء والغرس، لعدم نهايتهما، إلا أن يغرم المؤجر للمستأجر قيمة ذلك مقلوعاً، لكن برضى صاحبه". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ٣/ ٥٢٢، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة مالايجوز، غفاريه كوئٹه)

لیکن خریدار کو مدتِ اجارہ پوری ہونے سے زمین خالی کرانے کا حق نہیں ہے:

"لو باع الأجر المأجور بدون إذن المستاجر، كان البيع نافذاً بين البائع والمشترى وإن لم يكن نافذاً بحق المستاجر، حتى أنه بعد انقضاء مدة الإجارة يلزم البيع فى حق المستاجر، وليس له الامتناع عن أخذ المبيع، إلا أن يطلب تسليمه له من البائع قبل انقضاء مدة الإجارة". (شرح المجلة لخالد الأتاسى، ص: ٣١٥، (رقم المادة: ٥٩٠)، الفصل الثانى فى تصرف العاقدين فى المأجور بعد العقد، حقانيه پشاور)

(وكذا فى الفتاوى الكاملية، ص: ١٩٤، كتاب الإجارة، دارالكتب العربية بشاور)

Made searchable using ScribeTools.com

بیٹے کے نام پر مکان خریدنے سے وہ مالک نہیں ہوتا

سوال[۷۷۳۸]: زید نے اپنے بیٹے بکر کو اپنے روپیہ سے تجارت کرائی اور ایک مکان بھی اس کے نام خریدا، لیکن زید کی نیت اس کو مالک بنانے کی نہیں تھی، بلکہ اپنی مصلحت کی بناء پر ایسا کیا تھا اور بعد میں تجارت کو بکر سے دوسرے کے نام منتقل بھی کر دیا، اور بکر بطورِ ملازم کام کرتا رہا، باقاعدہ دستاویز تحریر کی گئی ہے۔ اب بکر کا انتقال ہوگیا، اب اس کے ورثاء کو کوئی حق وراثت پہونچتا ہے یا نہیں؟

معرفت: مولانا منظور احمد صاحب مدرس مدرسہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کا رُکن ''ایجاب وقبول'' ہے(۱)، اگر زید نے اپنے لئے مکان خریدا ہے اور بکر سے اس کا اظہار کر دیا کہ میں اپنے لئے مکان خریدتا ہوں اور کسی مصلحت سے تیرے نام سے خریدتا ہوں تو اس کا مالک زید ہے، پس اگر اس کے بعد زید نے ہبہ وغیرہ نہیں کیا تو اس میں بکر کے ورثہ کا حق نہیں، کیونکہ محض بکر کے نام خریدنے سے زید کی - جو اصل مشتری ہے- ملک زائل نہیں ہوئی (۲)۔ علی ہذا القیاس جب کہ بکر بطورِ ملازم تجارت میں کام کرتا تھا اور اس کا ثبوت بھی زید کے پاس موجود ہے، نیز زید نے مالک ہونے کی حیثیت سے

---

(۱) "البيع ينعقد بإيجاب وقبول". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۵، (رقم المادة: ۱۶۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ويكون بقول أو فعل، أما القول فالإيجاب والقبول". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۴، سعيد)

"وينعقد بإيجاب وقبول". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۳/۴، غفاريه كوئٹه)

(۲) چونکہ اسبابِ ملک تین ہیں، ان میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے مِلک ثابت ہوجاتی ہے اور چونکہ صورتِ مسئولہ میں کوئی ایک سبب بھی نہیں پایا گیا، لہٰذا اصل مشتری (زید) کی ملک زائل نہیں ہوئی:

"إعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل: كبيع وهبة. وخلافة: كإرث. وإصالة: وهو الاستيلاء حقيقةً بوضع اليد، أو حكماً بالتهيئة كنصب شكبة الصيد". (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۶۳، كتاب الصيد، سعيد)

(وكذا في إمداد الفتاوى: ۳/۳۱، دار العلوم كراچی)

Made Searchable by ScribeTools.com

اس تجارت کو بکر سے دوسرے کے نام منتقلی بھی کر دیا تو اب بعد انتقال بکر کے ورثہ اس تجارت کے مالک نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

گورنمنٹ کی زمین کا نیلام خریدنا

سوال[۷۷۳۹]: ایک زمین ہے جس کی مالک گورنمنٹ ہے، اب اگر اس زمین کی بولی بغیر گورنمنٹ کی اجازت کے بولی جائے تو اس کو لینا درست ہوگا یا نہیں؟ اور جتنے میں نیلام ہو، وہ روپیہ مسجد یا مدرسہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمیندار کی ملک ختم کر کے گورنمنٹ مالک ہوگئی (۱) تو اس کی اجازت سے اس کا نیلام درست ہوگا، پس اگر پردھان کو اجازت تھی (۲) اور اس نے نیلام کیا تو خریدنے والے کو خریدنا درست ہے (۳)۔ اور اس کی قیمت کا روپیہ اگر بنیتِ ثواب مسجد کے لئے دیا جائے تو اس کا مسجد میں خرچ کرنا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

---

(۱) ہندوستانی حکومتوں نے مختلف اوقات میں زمینداروں کی ملکیتیں ختم کر کے زمینیں اپنی تحویل میں لے لی ہیں، اور یہ صورت ''استیلاء'' کی ہے اور اس ''استیلاء'' سے ملک ثابت ہوتا ہے:

''اعلم أن أسباب الملک ثلاثة: ناقل: کبیع وهبة، وخلافة: کإرث، وإصالة: وهو الاستیلاء''. (الدرالمختار، مع رد المحتار: ۴۶۳/۶، کتاب الصید، سعید)

''فالأسباب ثلاثة یثبت للمک، وهو: الاستیلاء. وناقل للملک، وهو: البیع ونحوه. وخلافة، وهو: المیراث والوصیة''. (غمز عیون البصائر شرح الأشباه النظائر: ۱۳۳/۳، القول فی الملک، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ''پردھان: رہنما، صدر، مکھیا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۹، فیروز سنز، لاهور)

(۳) ''لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه..... أو وکالةٍ منه أو ولایةٍ علیه''. (شرح =

Made searchable using ScribeTools.com

بیعِ مشاع

سوال[۷۷۴۰]: مسمی بشیر علی نے اپنے حصۂ مکانات کا بیع نامہ بحقِ مسجد معروف ''حسن والی'' کیا اور زرِ ثمن کو بحقِ مسجد ہبہ وبخشش کر دیا۔ منجانبِ مسجد بذریعۂ متولی دعوائے تقسیم عدالت میں دائر کیا گیا، مدعی علیہ بسم اللہ کی طرف جواب دہی ہوئی کہ یہ دستاویز بیع نامہ نہیں، بلکہ ہبہ نامہ ہے اور ہبہ نامۂ مشاع جائز نہیں ہے، اس لئے دعوائے تقسیم صحیح نہیں ہے۔ نقلِ بیع نامہ ونقلِ عرضِ دعوی ونقلِ جوابِ دعوی ونقلِ سفینہ جات ہم رشتۂ سوال ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً یہ بیع نامہ ہے یا ہبہ نامہ اور زرِ ثمن کا ہبہ یا اسقاط ہوا یا نہیں، یا زرِ ثمن باقی ہے؟ جواب مفصل مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

سائل: فیض الحسن از سہارنپور، ۸/ جمادی الاولی/۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ حسبِ عبارتِ بیع نامۂ منسلکہ بیع ہے، ہبہ نہیں، کیونکہ صراحۃً بیع اور فروخت کا لفظ مذکور ہے، نیز بیع کی تعریف ''ھو مبادلة المال بالمال بالتراضی''. بحر: ۵/۲۵۶(۱) ''وہ بدلہ کرنا ہے مال کا مال کے ساتھ ساتھ رضامندی کے'' اس پر صادق آتی ہے۔

ہبہ اگرچہ مشاع کا جائز نہیں، لیکن بیع وشراء مشاع کی بالاتفاق جائز ہے:

''لایفسد بیع عشرة أسهم من مأة سهم اتفاقاً، لشیوع السهم''. درمختار، ص: ۸(۲)۔

= المجلة لسلیم رستم باز: ۱/ ۲۱، (رقم المادة: ۲۹)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

''الإذن والإجازة توکیلٌ''. (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۲/ ۷۷۱، (رقم المادة: ۱۴۵۲)

(۱) (البحر الرائق: ۵/ ۴۲۹، کتاب البیع، رشیدیه)

''وأما تعریفه، فهو مبادلة المال بالمال بالتراضی''. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الأول فی تعریف البیع ورکنه وشرطه وحکمه وأنواعه: ۳/ ۲، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/ ۲۷۵، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴/ ۵۴۵، کتاب البیوع، مطلب: المعتبر ما وقع علیه وإن ظن البائع =

"وإن اشترى عشرة أسهم من مأة سهم، جاز فى قولهم جميعاً". هدايه،ص:٢٩(١)۔

لہٰذا یہ بیع شرعاً تام اور صحیح ہے۔ زرِثمن میں قبضہ سے پہلے ہبہ وغیرہ کا تصرف کرنا بھی شرعاً جائز ہے:

قال ابن الهمام رحمه الله تعالىٰ: "والتصرف فى الثمن قبل القبض جائز بالبيع والهبة والإجارة والوصية، سواء كان مما يتعين أولا يتعين عندنا، سوى بدل الصرف والسلم؛ لأن الملك مطلق". فتح القدير: ٥/٢٦٩(٢)۔

مکانات کا حصہ بیع کی وجہ سے مسجد کی ملک ہوگیا اور زرِثمن ہبہ اس کی وجہ سے مسجد کی ملک ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۵/۱۰ھ۔

صحیح: عبدالرحمٰن غفرلہ۔

صورتِ مذکورہ میں حسبِ تحریر بیعنامہ بیع ہے، ہبہ نہیں ہے، اور ثمن کا ابراء ہے۔ اور اگر ہبہ بھی مان لیا جائے تو ثمن کا ہبہ مشتری کو بلا اس کے کہ بائع قبضہ کرے درست ہے اور مشتری کے لئے ثمن پر قبضۂ سابق

= والمشترى أنه أقل أو أكثر، سعيد)

"وصح بيع عشرة أسهم من مأة سهم من دار". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ٣/١٨، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"يصح بيع حصة شائعة معلومة كالنصف والثلث والعشر من عقار مملوك قبل الإفراز". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ١٠٣، (رقم المادة: ٢١٤)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(١) (الهداية: ٣/٢٣، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(٢) (فتح القدير: ٦/٥١٨، فصل: من اشترى شيئاً ماينقل ويتحول، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

"وصح التصرف فى الثمن قبل قبضه، لقيام المطلق وهو الملك ..... وأطلق التصرف قبل قبضه، لقيام المطلق، فشمل البيع والهبة والإجارة والوصية وتمليكه ممن عليه بعوض وغير عوض". (البحر الرائق: ٦/١٩٧، كتاب البيوع، فصل فى بيان التصرف، رشيديه)

"(وصح التصرف فى الثمن) ببيع وهبة وإجارة ووصية وتمليك ممن عليه بعوض وغير عوض (قبل قبضه)". (مجمع الأنهر: ٣/١١٥، كتاب البيوع، فصلٌ، غفايه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

تمامیٔ ہبہ کے لئے کافی ہے، جدید قبضہ کی ضرورت نہیں (۱)، لہٰذا فریقِ ثانی کا یہ دعویٰ کہ ''یہ ہبۂ مشاع ہے'' غلط ہے، جائیداد کا بائع نے ہبہ نہیں کیا ہے تاکہ مشاع ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا جائے، بلکہ ہبۂ زرِ ثمن کیا ہے جو شرعاً قبل قبضۂ ثمن کے بھی درست ہے:

"وجاز التصرف فی الثمن بهبة أوبيع أو غيرهما لو عيناً: أی مشاراً إليه، ولو ديناً بالتعين كمكيل، أولا كنقود، ومثال التمليك بغير عوض هبةٌ ووصيةٌ له، فإذا وهب منه الثمن، ملكه بمجرد الهبة، لعدم احتياجه إلى القبض، وكذا الصدقة". درمختار(۲) طحطاوی(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد سعید احمد، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ جمادی الاولی/۵۲ھ۔

ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا سامان دینا

سوال[۷۷۴۱]: اگر کوئی بائع کسی کو رعایۃً ایک روپیہ میں ۸/ کا مال دیدے تو مشتری آٹھ آنہ اگر اس بہانہ سے کہ مجھ پر قرض ہے، بائع کو دیدے جبکہ بائع کسی دوسری تدبیر سے لینے کو تیار نہ ہو تو یہ فریب جائز ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "والأصل أن القبضين إذا تجانسا، ناب أحدهماعن الآخر. وإذا تغايرا، ناب الأعلى عن الأدنى لاعكسه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۴۹/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) (الدرالمختار: ۱۵۲/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: فی التصرف فی المبيع والثمن قبل القبض والزيادة، سعيد)

(۳) "وجاز التصرف فی الثمن بهبة أوبيع أوغيرهما ولو عيناً: أی مشاراً إليه. ولو ديناً، فالتصرف فيه تمليكه ممن عليه الدين ولو بعوض". (الدرالمختار). قال الطحطاوی: "(قوله: ولوبعوض) كأن اشترى البائع من المشترى شيئاً بالثمن الذی له عليه، أو استأجر به عبداً أو داراً للمشترى. ومثال التمليك بغير عوض هبته ووصيته له، نهر. فإذا وهب منه الثمن، ملكه بمجرد الهبة، لعدم احتياجه إلى القبض، وكذا الصدقة". (حاشية الطحطاوی على الدرالمختار: ۱۰۱/۳، كتاب البيوع، فصل فی التصرف فی المبيع، دارالمعروفة بيروت)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۷، (رقم المادة: ۲۵۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بائع قصداً رعایت کر کے ایک روپیہ میں ڈیڑھ روپیہ کا مال دے رہا ہے تو یہ آٹھ آنہ اس کے قرض نہیں(۱)، ان کو قرض کہنا غلط ہے اور خلافِ واقعہ ہے، اگر رعایت کا بدل کرنا ہی ہے تو ہدیۃً کچھ اس کو دیدے(۲) جس سے اس کا ذہن بھی منتقل نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

بیش قیمت چیز کم قیمت پر خریدنا

سوال[۷۷۴۲]: ایک فرضی مسئلہ دریافت ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس کی مثال کا جواب مستنبط ہوجائے جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہے، وہ یہ کہ مثلاً: ایک شخص زید عمرو کے پاس ایک قیمتی چیز (جس کی قیمت تقریباً سو دوسو تک ہوگی) لایا اور کہا کہ یہ میری چیز ہے، میں کسی ضرورت کی بناء پر اس کو فروخت کرنا چاہتا ہوں، تم خرید لو۔

---

(۱) "وكذا صح الزيادة في المبيع، ولزم البائع دفعها إن قبل المشترى ذلك؛ لأنه تصرف في حقه، وملكه، ويلتحق بالعقد، فيصير حصته من الثمن". (مجمع الأنهر: ۳/۱۱۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفاريه كوئٹه)

"إعلم أن الزيادة في الثمن والمثمّن صحيحة ثمناً ومثمناً، ويلحق بأصل العقد، ويجعل كأن العقد على الابتداء ورد على الأصل والزيادة". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۷/۴۴۷، في الزيادة المشروطة، غفاريه كوئٹه)

"مازاده البائع في المبيع بعد العقد، يكون له حصةٌ من الثمن المسمى، مثلاً: لو باع ثماني بطيخات بعشرة قروش، ثم بعد العقد زاد البائع في المبيع بطيختين، فصارت عشراً، وقبل المشترى في المجلس، فكأنه باع عشر بطيخات بعشرة قروش، حتى لو تلفت البطيختان المزيدتان قبل القبض، لزم تنزيل ثمنهما قرشين من أصل ثمن البطيخ، فليس للبائع حينئذٍ أن يطلب من المشترى سوى ثمن ثماني بطيخات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۴، (رقم المادة: ۲۵۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۴۴۲، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (سورة الرحمن: ۶۰)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

عمرو نے انکار کیا کہ میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے، میں نہ لوں گا۔ اس پر زید نے کہا کہ جو کچھ تم اس کی قیمت دیدو، میں اسے فروخت کردوں گا۔ عمرو نے کہا: میں پانچ روپیہ میں لے سکتا ہوں، زید نے فروخت کردیا اور چلا گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد عمرو کو شبہ ہوا کہ مال کہیں چوری کا نہ ہو، لیکن اب معاملہ کو رد کرنے کی صورت نہیں ہے، زید پتہ نہیں کہاں کا ہے اور کہاں گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ مشتریٰ عمرو کے لئے حلال اور درست ہے یا نہیں، اگر درست نہیں تو اب عمرو کیا کرے؟

محمد عبدالقدوس رومی، مدرسہ قرآنیہ حسن منزل، الٰہ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ظنِ غالب یہ ہے کہ یہ قیمتی چیز چوری کی ہے جو اس قدر اَرزاں فروخت کرتا ہے تو اس کا خریدنا جائز نہیں (۱)، فتاویٰ رشیدیہ ج ۲، ص: ۱۰۹، میں اس کی تصریح ہے (۲)۔ اگر خرید لی اور واپسی دشوار ہے اور مالک کا پتہ نہیں تو صدقہ کردے (۳)۔

---

(۱) "إن علم أن العين التي يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمةٌ، وباعوها في الأسواق، فإنه لا ينبغي شرائها منهم وإن تداولته الأيدي". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱۹۲/۴، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، دار المعرفة بيروت)

"لم يحل للمسلم أن يشتري شيئاً يعلم أنه مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغير حق؛ لأنه إذا فعل، يعين الغاصب أو السارق أو المعتدي على غصبه وسرقته وعداوته، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من اشترى سرقةً (أي مسروقاً) وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترك في إثمها وعارها". البيهقي". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف القرضاوي، الفصل الرابع: الحلال والحرام في الحياة العامة للمسلم في المعاملات، ص: ۲۱۶، المكتب الإسلامي)

(وكذا في ردالمحتار: ۹۸/۵، ۹۹، ۳۸۵/۶، سعيد)

(۲) "جواب: جب چوری کا مال یقیناً معلوم ہے تو اس کا خریدنا ناجائز ہے"۔ (فتاوی رشیدیہ، باب: بیع فاسد کا بیان، ص: ۱۷۷، سعید)

(۳) "ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

اگرظنِ غالب یہ نہ ہوتو اس کا خریدنا شرعاً درست ہے(۱)۔

"ألا يرىٰ أن أسواق المسلمين لا تخلو عن المحرم والمسروق والمغصوب، ومع ذلك يحل التناول اعتماداً على الغالب، وهذا لأن القليل لا يمكن الاحتراز عنه، ولا يُستطاع الامتناع، فسقط اعتباره دفعاً للحرج، اه". مجمع الأنهر: ۲/ ۷۳٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/صفر المظفر /۷۱ھ۔

قسطوں پر کوئی شی خریدنا

سوال[۷۷۴۳]: ایک موٹر سائیکل ہے جو نقد لینے سے پانچ ہزار روپیہ میں ملتی ہے اور قسطوار لینے سے پانچ ہزار پانچ سو روپیہ میں ملتی ہے۔ تو کیا قسطوار لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہونا منع نہیں، مگر قسطیں متعین ہوجائیں(۳)۔ اور پھر یہ نہ ہو کہ کسی قسط

---

(۱) "متى اعتقد المشترى أن الذى مع البائع ملكُه، فاشتراه منه على الظاهر، لم يكن عليه إثم فى ذلك. وإن كان فى الباطن قد سرقه البائع، لم يكن على المشترى إثم ولا عقوبة، لا فى الدنيا، ولا فى الآخرة ..... فمن فرق بين من يعلم ومن لا يعلم، فقد أصاب. ومن لا، أخطأ". (مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية رحمه الله، قواعد جامعة فى عقود المعاملات والنكاح، فصل فى المحرمات فى الشرعية ترجع إلى الظلم: ۲۹/ ۱۶۲، مكتبة العُبَيكان)

"ولذا حل التناول مما فى الأسواق مع أنها لا تخلو عن محرم ومسروق ومغصوب، فالقليل من المحرم لا يمكن الاحتراز عنه، كقليل نجاسة ..... فى الخانية وغيرها: ليس زماننا زمان اجتناب الشبهات". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/ ۴۷۶، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

(۲) (مجمع الأنهر: ۴/ ۴۷۰، مسائل شتى، غفاريه كوئٹه)

(۳) "البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح، يلزم أن تكون المدة معلومةً فى البيع بالتأجيل والتقسيط". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثين، فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر النقد، بشرط أن يبتّ العاقدَانِ بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم وبثمن متفقٍ عليه عند العقد". (بحوث فى =

Made searchable using ScribeTools.com

کے وقتِ متعین پر وصول نہ ہونے سے مزید اضافہ قیمت میں کیا جائے، وصول شدہ رقوم ہی ضبط ہو جائے اور موٹر سائیکل بھی ہاتھ سے چلی جائے، ایسی صورت ہو تو شرعاً یہ معاملہ درست نہیں، بلکہ اس میں سود(۱) اور جُوا ہوگا(۲)، ان دونوں کی ممانعت نصوص میں مذکور ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۳ھ۔

= قضايا فقهية معاصرة، ص: ۷، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد فی الثمن لأجل الأجل". (الهداية ۷۶/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، شركت علميه ملتان)

"ولأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا يرى أنه يزاد فی الثمن لأجله، والشبهة ملحقة بالحقيقة". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۴۲/۵، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(۱) "أما مايفعله بعض الناس من تحديد ثمن البضاعة على أساس سعر النقد، وذكر القدر الزائد على أساس أنه جزء من فوائد التأخير فی الأداء، فإنه ربا صراح". (بحوث فی قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۰، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"كان الرجل فی الجاهلية: إذا كان له على إنسان مأة درهم إلى الأجل، فإذا جاء الأجل ولم يكن المديون واجداً لذلك المال، قال: زِدْنی فی المال حتى أزيد فی الأجل، فربما جعله مأتين". (تفسير كبير، (سورة ال عمران: ۱۳۰): ۲/۹، دارالكتب العلمية طهران)

"مالك عن زيد بن أسلم أنه قال: كان الربا فی الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل الحق إلى أجل، فإذا حل الحق قال: أتقضی أم تربی، فإن قضى، أخذ، وإلا زاده فی حقه وأخّر عنه فی الأجل". (موطاء الإمام مالك، كتاب البيوع، باب ماجاء فی الربا فی الدين، ص: ۲۰۶، مير محمد كتب خانه)

(۲) "ولاخلاف بين أهل العلم فی تحريم القمار وأن المخاطرة من القمار". (أحكام القرآن للجصاص: ۳۲۹/۱، باب تحريم الميسر، سورة البقرة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ياأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

تجارت میں نفع کی حد

سوال[۷۷۴۴]: مالِ تجارت پر منافع لینے کی کوئی تعداد اگر ہو تو ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً کوئی تعداد مقرر نہیں (۱)، مگر زیادہ نفع لینا مروّت کے خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال: غلا السعر علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقالوا: یا رسول الله! قد غلا السعر فسعّر لنا، فقال: "إن الله هو المسعّر القابض الباسط الرازق". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۹، أبواب التجارات، باب من کره أن یسعر، قدیمی)

"من اشتری شیئاً وأغلی فی ثمنه، جاز". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۱۶۱، الباب الرابع عشر فی المرابحة والتولیة، کتاب البیوع، رشیدیه)

"هو مبادلة المال بالمال بالتراضی". (کنز الدقائق، ص: ۲۲۷، کتاب البیوع)

(۲) نفسِ جواز میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن بعض اوقات خریدنے والا، یا بیچنے والا مجبوری کی حالت میں ہوتا ہے، تو وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے سامنے والے شخص کی مرضی کے مطابق معاملہ کرتا ہے، اور کسی کی ایسی اضطراری حالت سے فائدہ اٹھا کر اپنی مرضی کے مطابق اس کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ خلافِ مروّت ہو کر ممنوع ہے:

"عن علی بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه قال: "سیأتی علی الناس زمان عضوض یعضّ الموسر علی ما فی یدیه، ولم یؤمر بذلک، قال الله تعالیٰ ﴿ولا تنسوا الفضل بینکم﴾ ویباع المضطرّون، وقد نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن بیع المضطر ..... اهـ". (سنن أبی داؤد: ۲/۱۲۴، باب فی بیع المضطر، إمدادیه ملتان)

"أی من لایتعطف علیهم ولا یرأف بهم، والظاهر أنه إخبار، ویحتمل أن یکون دعاء، والمعنی أنه لایکون من الفائزین بالرحمة الکاملة، والسابقین إلی دار الرحمة ..... قال الطیبی: الرحمة الثانیة محمولة علی الحقیقة، والأُولیٰ علی المجاز؛ لأن الرحمة من الخلق التعطف والرقة، وهو لایجوز علی الله تعالیٰ، والرحمة من الله الرضا عمن رحمه؛ لأن من رق له القلب فقد رضی عنه، أو الإنعام وإرادة الخیر؛ لأن الملک إذا عطف علی رعیته ورق لهم أصابهم بمعروفه وإنعامه". (مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الأول: ۸/۲۸۰، رشیدیه) ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

بائع ومشتری کے درمیان قیمت کا اختلاف

سوال[۷۷۴۵]: زید کے پاس قصاب کا لڑکا آیا، اس نے گوشت کی قیمت چار روپیہ سیر بتلائی، زید نے کہا کہ تین روپیہ سیر دیں گے، لڑکا جانے لگا، مگر خاموش رہا اور پھر آ کر گوشت دیدیا، لڑکا کچھ بولا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد پھر سری پائے دیدیا اور قیمت دو روپیہ بتلایا، زید نے قیمت ۴/ روپیہ بتلائی اس سے زائد نہیں۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟ زید نے گوشت کی قیمت ۳/ روپیہ کے حساب سے دیکر بات ختم کردی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سری پائے کی قیمت تو طے ہوگئی تھی، اس میں تو کوئی شبہ نہیں۔ گوشت کی قیمت زید نے اپنی طرف سے طے کر کے بتادی کہ تین روپیہ سیر، جس پر لڑکا خاموش ہوکر گیا اور گوشت لے آیا، لہذا یہ بیع فاسد نہیں ہوئی (۱)، پھر چار روپیہ سیر کے حساب سے بتانا غلط تھا، تاہم تین روپیہ سیر کے حساب سے دیکر بات ختم کردی گئی تو بہتر ہوا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲۵/۵/۸۹ھ۔

= "عن جرير بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يرحم الله من لا يرحم الناس". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۲۱، باب الشفقة والرحمة على الخلق، قديمى)

(۱) "رجل ساوم رجلاً بثوب، فقال البائع: أبيعه بخمسة عشر، وقال المشترى: لاآخذه إلابعشرة، فذهب به، ولم يقل البائع شيئاً، فهو بخمسة عشرة إن كان المبيع فى يد المشترى حين ساومه. وإن كان فى يد البائع، فأخذه منه المشترى ولم يمنعه البائع، فهو بعشرة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۳، (رقم المادة: ۱۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لو قال: أبيعه بخمسة عشر فقال: لاآخذه إلابعشرة، فذهب ولم يقل البائع شيئاً، فهو بخمسة عشر إن كان المبيع فى يد المشترى حين ساومه. وإن كان فى يدالبائع فأخذه منه المشترى، ولم يمنعه البائع، فهو بعشرة". (البحر الرائق: ۴۴۷/۵، كتاب البيع، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۷/۳، كتاب البيوع، الباب الثانى فيما يرجع إلى انعقاد البيع وفى حكم المقبوض على سوم الشراء، الفصل الأول فيما يرجع إلى انعقاد البيع، رشيديه)

Made Searchable by ScribeTools.com

زیادہ بھاؤ پر خریدنا

سوال[۷۷۴۶]: ۱.....گیارہ آدمی ساڑھے اکتالیس من دھان خرید کر لے جارہے ہیں جس کی قیمت گیارہ سو بارہ سو روپے ہوگی۔ جب وہ گیارہ آدمی ہمارے گاؤں پہونچے تو گاؤں کے کچھ لوگوں نے ان کے تمام دھان بیل کی پیٹھ سے اتار لیا اور کہا کہ بتاؤ تم لوگوں نے تیس روپے من دھان کیوں خریدا، حالانکہ بازار کا بھاؤ اٹھائیس روپے تھا، تم لوگوں نے دو روپیہ زیادہ کر دیا، آج چھوڑیں گے نہیں، تمام لوٹ لیں گے۔ سارا دن ان گیارہ آدمی کے اوپر ظلم کیا۔ کیا اس طرح پر شریعت نے جائز رکھا ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کو اس طرح پریشان کیا جائے؟

۲.....جب لوگوں نے گیارہ آدمیوں کے دھان روک لئے تو مذکورہ عالم صاحب زور سے کہنے لگے کہ ان کے تمام دھان روک لو، کیونکہ انھوں نے بھاؤ زیادہ کر دیا۔ کیا شرعاً کوئی ایسا قانون ہے کہ لوگوں کے مال کو غصب کرنے کے لئے حکم دیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....یہ سخت ظلم کیا گیا، ظالم کو مرنے سے پہلے دنیا میں بھی ظلم کا وبال بھگتنا پڑتا ہے، اس پر لعنت بھی آتی ہے:

"عن أبی بکر الصدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "ملعون من ضارّ مؤمناً أو مکربه، اھ". مشکوٰة شریف، ص: ٤٢٨(١)۔

---

(١) (مشکوٰة المصابیح، کتاب الآداب، ص: ۴۲۸، باب ما ینهی عنه من التهاجر، والتقاطع واتباع العورات، قدیمی)

(وفیض القدیر: ۱۱/۵۵۲۵، (رقم الحدیث: ۸۲۰۶، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما، قال: صعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم المنبر، فنادی بصوت رفیع، فقال: "یا معشر مَن أسلم بلسانه ولم یفض الإیمان إلی قلبه! لا تؤذوا المسلمین ولا تعیّروهم". الحدیث. (مشکوٰة المصابیح، کتاب الأدب، ماینهی عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الثانی، ص: ۴۲۹ قدیمی)

Made searchable using ScribeTools.com

۲.....عالم کا منصب یہ تھا کہ مسئلہ صحیح بتا کر ظالموں کو ظلم سے باز رکھتے، مگر انھوں نے ظالموں کی تائید کی، یہ بہت بڑا ظلم ہے(۱) إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

جو مرغی پڑوسیوں کا نقصان کرے اس کے انڈے خریدنا

سوال[۷۷۴۷]: ایک شخص نے مرغی پالی ہے، وہ پڑوسیوں کا کافی نقصان کرتی ہے، وہ شخص اس کے انڈے فروخت کرتا ہے۔ اس سے انڈے خرید کر ہم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو ضروری ہے کہ اپنی مرغی کا انتظام کرے جس سے پڑوسیوں کا وہ نقصان نہ کر سکے(۲)، مگر اس کے انڈے خریدنا ناجائز نہیں، بلکہ وہ حلال ہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

غلہ بیچتے وقت مٹی کی قیمت لگانا

سوال[۷۷۴۸]: تاجروں کی عادت ہے جب کسی سے مال خریدتے ہیں تو چونکہ عام طور پر غلہ میں

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (سورۃ المائدۃ: ۲)

"عن أوس بن شرحبیل أنہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "من مشی مع ظالم لیقوّیہ وھو یعلم أنہ ظالم، فقد خرج من الإسلام". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۳۶، کتاب الأدب، باب الظلم، قدیمی)

(۲) "الضرر یزال". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادۃ: ۲۰)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"الضرریزال". (الأشباہ والنظائر، ص: ۹۴، إدارۃ القرآن کراچی)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیھا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل، إلا أن تکون تجارۃً عن تراضٍ منکم﴾. (سورۃ النساء: ۲۹)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

"ھو مبادلۃ المال بالمال بالتراضی". (تبیین الحقائق: ۲۷۵/۴، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

مٹی ہوتی ہے، اس لئے اس کے عوض میں ہر ایک من غلہ کے اوپر مثلاً ایک کلو غلہ دوسرے کو فروخت کرتے ہیں تو مٹی کے عوض کچھ بھی نہیں دیتے، بلکہ مشتری اگر مانگتا ہے تو تاجر کہتا ہے کہ یہ تو تاجروں کی عادت ہے، اس لئے مٹی کے عوض میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا تاجروں کا ایسا معاملہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا شکل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ناانصافی ہے(۱)، تاہم اگر طرفین اس پر رضامند ہو جائیں تو بیع درست ہو جاوے گی، لعدم المفسد(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۰ھ۔

درختوں پر پھلوں کی بیع

سوال[۷۷۴۹]: آج کل عموماً پھلوں کی بیع قبل صلاحیتِ خوردگی ہوتی ہے۔ کیا جو پھل فروخت ہوتے ہیں، ان کا استعمال کیسا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی کافر باغ خرید کر پھلوں کو بیچتا ہے اور مسلمان خرید لے تو جائز ہے اور اس قول کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بلکہ چند سال پیشگی باغات کی فروختگی ہو جاتی ہے، یہ مبیع معدوم ہونے کی وجہ سے باطل معلوم ہوتی ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں کافر سے پھل خرید سکتے ہیں؟

---

(۱) "عن علی ابن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سیأتی علی الناس زمان عضوض یعض الموسر علی ما فی یدیه، ولم یؤمر بذلک، قال اللہ تعالی: ﴿ولاتنسوا الفضل بینکم﴾". (إعلاء السنن: ۲۰۴/۱۴، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع المضطر، إدارة القرآن کراچی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل، إلا أن تکون تجارةً عن تراض منکم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"أما تعریفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب الأول فی تعریف البیع ورکنه وشرطه وحکمه وأنواعه: ۲/۳، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۴۳۰/۵، کتاب البیع، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲۷۵/۴، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

کچے پھلوں کی بیع جائز ہے(۱) اوروقوعِ بیع کے بعد اگر مالکِ درخت کی اجازت سے پھل درخت پر رکھے جائیں تو بھی درست ہے(۲)۔البتہ اگر درمیانِ عقد پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی(۳) اوربیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ مشتری مبیع کا قبضہ کے بعد مالک ہوجاتا ہے،البتہ اس کا استعمال کرنا مشتری

---

(۱) "(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها) بأن أمنت العاهة والفساد (أولا، صح)". (النهر الفائق: ۳/۳۵۹، كتاب البيوع، رشيديه)

"بيع الثمر على الشجر لايخلو إما أن يكون قبل الظهور أو بعده، والأول لايجوز، والثانى جائز بَدَا صلاحها بصلاحها لانتفاع بنى آدم، أوعلف الدواب، أولم يبد؛ لأنه مال متقوم، لكونه منتفعاً به فى الحال أوفى الزمان الثانى، فصار كمبيع الجحش والمهر". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۶/۲۸۷، كتاب البيوع، فصل: ومن باع داراً دخل بناء ها فى البيع الخ، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولم يبد، صح)؛ لأنه مال متقوم، إما لكونه منتفعاً به فى الحال أوفى المال ..... (ويقطعهاالمشترى للحال)". (مجمع الأنهر: ۳/۲۵، كتاب البيوع، مطلب فى بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(وكذا فى الدرالمختار: ۴/۵۵۵، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۹، (رقم المادة: ۲۰۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "فالحاصل أن إباحة الإبقاء جائز عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ولم يقيده بأن لايكون هناك عرف، فلاحاجة إلى هذاالتقييد عند شيخ مشايخنا الأنور رحمه الله تعالىٰ ..... ولذلك قال فى العرف الشذى: كنتُ متردداً فى هذا، حتى أنى وجدت فى فتاوىٰ ابن تيمية عن أبى حنيفة والثورى رحمهما الله تعالىٰ أنهما أجازا البيع مطلقاً إذا أجازه البائع التركَ على الأشجار، فإذن لما وجدت عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، فلا أبالى، فالحاصل: إذا لم يشترط الإبقاء فى صلب العقد، يصح البيع وإن كان معروفاً بالمعروف". (تكملة فتح الملهم، باب النهى عن بيع الثمار قبل بدوصلاحها: ۱/۳۹۵، دارالعلوم كراچى)

(۳) چونکہ بیع کی اسی صورت نے ایک عمومی مشکل اختیار کی ہے اور عموم بلویٰ کی وجہ سے حکم تبدیل ہوجاتا ہے،لہٰذا عمومِ بلوی کی=

کودرست نہیں ہے، فسخِ بیع لازم ہے، تاہم اگر مشتری نے کسی اَور کے ہاتھ اس مبیع کوفروخت کردیا تو مشتریٔ ثانی کواس کا استعمال ہرطرح درست ہے:

"ومن باع ثمرةً لم يبد صلاحها، أو قد بَدَا، جاز البيع؛ لأنه مال متقوم، الخ .....
وعلى المشترى قطعها فى الحال تفريغاً لملك البائع. وهذا إذا اشتراها مطلقاً، أوبشرط القطع. وإن شرط تركهاعلى النخيل، فسد البيع؛ لأنه شرطٌ لايقتضيه العقد. ..... لو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". كذافى الهداية: ۳/۱۰(۱)۔

اور مذکورہ تاویل صحیح نہیں، جس طرح بیعِ فاسد سے مسلم کے حق میں مبیع میں خبث ہوتا ہے اسی طرح کافر کے حق میں بھی بیعِ فاسداور بیعِ باطل کے احکام کے سلسلہ میں کافراور مسلم دونوں برابر ہیں:

"وأما إسلام المتبايعين، فليس بشرطٍ لجريان الربوا، فيجرى الربا بين أهل الذمة وبين المسلم والذمى، وإن حرمة الربوا ثابتة فى حقهم". كذافى البدائع: ۳/۲۹۳(۲)۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول تتمۂ امدادالفتاوی میں مذکور ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/۸۸ھ۔

= بناء پر پھلوں کودرختوں پر چھوڑنے کی وجہ سے شرط لگانے کی گنجائش ہے:

"وإن باع بشرط الترك، لم يصح قياساً عند أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله تعالىٰ. وصح استحساناً عند محمد رحمه الله تعالىٰ. وفى الأسرار: أن الفتوى على قوله، كذافى الكافى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۰۶، الفصل الثانى فى بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

(۱) (الهداية: ۳/۳۱، ۳۲، كتاب البيوع، فصل، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) (بدائع الصنائع، فصل فى شرائط جريان الربا: ۶/۸۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) **سوال**: "باغ کا غیر پختہ پھل کسی کو قیمت کرکے بیچ دیا جائے، اس شرط پر کہ پختہ ہونے تک پانی صاحب باغ دیا کرے گا باقی پر درخت مشتری کرے گا، مدت معروفہ پختہ ہونے تک مہلت ہوتی ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: "فى الدرالمختار: وإن شرط تركها على الأشجار فسد البيع كشرط القطع على البائع، حاوى. وقيل (قائله محمد): لايفسد إذا تناهت الثمرة المتعارف، فكان شرطاً يقتضيه العقد، وبه يفتى، بحر عن الأسرار الخ". فى ردالمحتار قبل القول المذكور تحت قوله: (وأفتى الحلوانى بالجواز لو =

Made Se[redacted]pools.com
Made searchable using ScribeTools.com

لونڈی کے احکام: بیع، استیلاد وغیرہ

سوال[۷۷۵۰]: استفتاء: ازمنشوراحمداعظمی، سی سی صندوق البرید نمبر۳۴المطارالظہران۔ سعودی عربیہ، ۲۳/ مارچ/۸۰ء۔

۱.....اسلام میں لونڈی رکھنے کی اجازت ہے تو اس کی شرطیں کیا ہیں، یا وقتی اجازت تھی بعد میں منسوخ ہوگئی؟

۲.....کیا خریدی ہوئی لونڈی کے ساتھ مباشرت جائز ہے اگر جائز ہے تو کس صورت میں؟

۳.....کیا بچے پیدا ہونے پر وراثت میں حصہ پائیں گے؟

۴.....اگر منکوحہ بھی ہو تو کیا لونڈی کے ساتھ جماع جائز ہے؟

۵.....اگر کوئی آدمی پچاس ہزار روپے میں لونڈی خریدتا ہے ساری عمر کے لئے، تو ایک طوائف جو پچاس روپیہ یومیہ لیتی ہے کیوں حلال نہیں ہے؟

۶.....کیا منکوحہ کے بچے اور لونڈی کے بچے وراثت میں برابر حصہ پائیں گے؟

۷.....بغیر نکاح کے لونڈی کیسے حلال ہوگئی، اسے زنا کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟

۸.....جس طرح بیک وقت دو یا زائد بیوی رکھنے پر اسلام کہتا ہے کہ مباشرت برابر کی جائے تو کیا منکوحہ اور لونڈی دونوں رہنے پر بھی یکساں مباشرت کی قید ہے؟

= الخارج أكثر) بعد بحث طويل قلت: "لكن يخفى تحق الضرورة فى زماننا ولاسيما فى مثل دمشق الشام كثيرة الأشجار والثمار". إلى أخر ماقال وأطال: ۵۹/۴. فى الدرالمختار: "ولابيع بشرط إلا قوله: ولم يجر العرف به الخ" وفيه: "أو جدى العرف به. إلى قوله: استحساناً للتعامل بلا نكير". فى ردالمحتار بعد كلام طويل: "ومقتضى هذا أنه لوحدث عرف يؤد فى شرط غير الشرط فى النعل أو الثبوت والقبقاب أن يكون معتبراً إذا لم يؤد إلى المنازعة، الخ". ص: ۱۸۶-۱۹۰.

ان روایات سے معلوم ہوا کہ فی نفسہ تو یہ معاملہ خلاف قاعدہ ہے، لیکن اگر کہیں ایسا عرف عام ہوجاوے تو درست ہے، اور جو عرف عام نہ ہو درست نہیں"۔ ۲۸/ رمضان/ ۱۳۳۱ھ۔ (إمداد الفتاوى، كتاب البيوع، بيع فاسد، بيع ثمار بربعض شروط مروجه: ۹۶/۳، دارالعلوم كراچى)

۹.....لونڈی خدمت کے لئے رکھی جاتی ہے، مباشرت حلال کیوں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....شرعی طریقہ پر جہاد کیا جائے اور اس میں دشمن اسلام گرفتار کر کے قید بنائے جائیں جن کو امیر المؤمنین غازیوں کے درمیان تقسیم کردے ایسے قیدی مرد ہوں تو غلام کہتے ہیں عورت ہو تو لونڈی کہلاتی ہے(۱)۔ یہ حکم منسوخ نہیں وقتی نہیں جب بھی اللہ پاک مسلمانوں کو ایسی شوکت عطا فرمائے کہ امیر المومنین شرعی طریقہ پر جہاد کرے اور اس میں اعداء اسلام گرفتار ہو کر آئیں وہ غلام لونڈی بن جائیں گے(۲)۔

۲.....نمبر:۱، میں جس لونڈی کی تشریح کی گئی ہے اس کی خرید وفروخت درست ہے(۳)۔ اور جب تک اس کی شادی نہ کردی ہو مالک اس سے مباشرت کرسکتا ہے(۴)۔

---

(۱) "الإسلام أباح الاسترقاق بشرط أن يكون فى جهاد شرعى ضد الكفار ..... وإنما الإمام له فى أمرهم خياراتٌ أربعة: إما أن يقتلهم، وإما أن يسترقهم، الخ". (تكملة فتح الملهم، كتاب العتق، الرق فى الإسلام: ۱/۲۶۴، دار العلوم كراچى)

"الرق فى عرف الفقهاء عبارة عن عجز حكمى شرع فى الأصل جزاءً عن الكفر، ويقابله الحرية، والرقيق من يتصف بالرق" (قواعد الفقه، التعريفات الفقهية، ص: ۳۰۸، الصدف پبلشرز كراچى)

(وكذا فى القاموس الفقهى، حرف الراء، ص: ۱۵۲، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "فالحق الواضح الصريح أن الاسترقاق مباح فى الإسلام بأحكامه وحدوده التى سبقت، لم ينسخه شئى، وفيه الحِكَم التى أسلفنا ها، والقول بنسخه مردود مخالف للإجماع لاحجة له فى الأدلة الشرعية". (تكملة فتح الملهم، كتاب العتق، رد من زعم أن الاسترقاق منسوخ: ۱/۲۷۲، دار العلوم كراچى)

(۳) اس لئے کہ یہ مال ہے: "وركن البيع مبادلة المال بالمال". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۲، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۷۷، غفاريه كوئٹه)

(راجع للتفصيل الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۴/۲، رشيديه)

(۴) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

Made searchable using ScribeTools.com

۳..... مالک نے جب شرعی لونڈی سے مباشرت کی اوراس سے بچے پیدا ہوئے وہ بچے مالک کے بیٹے ہوں گے، مالک ان کا باپ ہوگا مگر وہ بیٹے آزاد ہوں گے، ان کو وراثت ملے گی (۱)۔

۴.....ایک شخص کے نکاح میں بیوی موجود ہے وہ کسی لونڈی کا مالک ہوجاوے تو اس کو اس لونڈی سے مباشرت درست ہے (۲)۔ جب تک اس کا نکاح کسی سے نہ کردے (۳)۔

۵.....طوائف کسی کی مِلک نہیں وہ اپنے عضو سے کسی شخص کو پچاس روپیہ میں نفع اٹھانے کی اجازت دے تو یہ اجارہ ہوا جو کہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اپنے عضو کو اجارہ پر دینے کا حق نہیں ہے (۴)۔ لونڈی مملوک

---

(۱) وراثت میں ان کو حصہ اس لئے ملتا ہے کہ یہ آزاد ہیں، لہٰذا دوسرے آزاد اولاد کو جو حصہ ملے گا، وہی ان کو بھی ملے گا:

"ولم يكره استيلاد الأَمَة بملك اليمين؛ لأن ولده منها يكون حراً" (أحكام القرآن للجصاص، (سورة النساء): ۲/ ۲۴۱، قديمی)

"أقرب العصبات الابن، ثم ابن الابن وإن سفل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات: ۶/ ۴۵۱، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل فی العصبات: ۶/ ۷۷۴، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

(۳) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقى ماء ه ولد غيره". (جامع الترمذی، أبواب النكاح، باب الرجل يشترى الجارية وهی حامل: ۱/ ۲۱۴، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الإستبراء، ص: ۲۹۰، قديمی)

"من ملك استمتاع أَمَة ..... حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه فی الأصح". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۶/ ۳۷۴، سعيد)

(۴) قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ثمن الكلب خبيث، ومهر البغی خبيث". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، ص: ۲۴۱، قديمی)

"المعنى: مهر الزانية خبيث: أی حرام إجماعاً؛ لأنها تأخذ عوضاً عن الزنا المحرم، ووسيلة الحرام حرام". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع: ۶/ ۱۶، رشيديه) .....=

ہے، مالک کی شریعت نے مالک کو اس سے انتفاع کی اجازت دی ہے(۱)۔ ہاں اگر مالک اس کا نکاح کسی سے کردے تو مالک کو اس سے انتفاع کا حق نہیں رہا(۲)۔

۶..... بیٹا ہونے میں جب برابر ہیں کہ دونوں قسم کی اولاد ایک شخص سے شرعی طریقہ پر پیدا ہوئی ہے تو ان دونوں قسم کی اولاد کا وہ باپ ہے اس لئے وراثت بھی برابر ملے گی (۳)۔

۷.....اس لئے کہ قرآن کریم نے اس کو حلال قرار دیا ہے:﴿أو ماملكت أيمانكم﴾(٤) اور زنا کو حرام قرار دیا ہے:﴿ولا تقربوا الزنا﴾ (٥)۔

= راجع للتفصيل: (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فى الإستيجار على المعاصى: ٦/٥٥، سعيد)

(١) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ٥)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ٣)

(٢) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقى ماء ه ولد غيره". (جامع الترمذى، أبواب النكاح، باب الرجل يشترى الجارية وهى حامل: ١/٢١٤، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الإستبراء، ص: ٢٩٠، قديمى)

"من ملك استمتاع أَمَة ..... حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه فى الأصح". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ٦/٣٧٤، سعيد)

(٣) "ولم يكره استيلاد الأَمَة بملك اليمين؛ لأن ولده منها يكون حراً". (أحكام القرآن للجصاص، (سورة النساء): ٢/٢٤١، قديمى)

"أقرب العصبات الإبن، ثم ابن الابن وإن سفل". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث فى العصبات: ٦/٤٥١، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل فى العصبات: ٦/٧٧٤، سعيد)

(٤) (راجع رقم الحاشية: ١)

(٥) (سورة الإسراء: ٣٢)

Made searchable using ScribeTools.com

۸.....نہیں (۱)۔

۹.....مباشرت کے حلال ہونے کی وجہ اوپر بیان ہوچکی ہے (۲) مالک کو اختیار ہے کہ صرف خدمت لے یا مباشرت بھی کرے اس کا نکاح جب کسی سے کردے گا تو مالک کو اس سے مباشرت درست نہ ہوگی (۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۵/۱۴۰۰ھ۔

بھیک کے مال کی فروختگی

سوال[۷۷۵۱]: جولوگ سوال کرتے ہیں یعنی بھیک مانگتے ہیں اور اس غلہ کو دوکانوں پر فروخت کرتے ہیں، تو وہ غلہ دوکاندار کو خریدنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی نے بھیک مانگ کر جو غلہ جمع کیا ہے، وہ اس کا مالک ہوگیا، جب دوکان پر لے جا کر فروخت

---

(۱) "إذا كان للرجل امرأتان حرتان، فعليه أن يعدل بينهما، فإنه يفهم أنه لايجب بين الحرة والأمة".

(ردالمحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۲۰۱، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الحادى عشر فى القسم: ۱/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل فى القسم: ۱/۴۳۹، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حفظون إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم﴾ (سورة المؤمنون: ۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم أن لاتعدلوا فواحدةً أو ماملكت أيمانكم﴾ (سورة النساء: ۳)

(۳) "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقى ماءه ولد غيره". (جامع الترمذى، أبواب النكاح، باب الرجل يشترى الجارية وهى حامل: ۱/۲۱۴، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الإستبراء، ص: ۲۹۰، قديمى)

"من ملك استمتاع أَمَة ..... حرم عليه وطؤها، وكذا دواعيه فى الأصح". (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۶/۳۷۴، سعيد)

Made Searchable by ScribeTools.com

کرتا ہے تو دوکاندار کو اس کا خریدنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

مردار کا چمڑا اتار کر دباغت کے بعد فروخت کرنا

سوال[۷۷۵۲]: مردار جانور کا چمڑا پہلے چمار نکالتے تھے، مگر اب نہیں نکالتے۔تو کیا خود چمڑا نکال کر کار آمد یا فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گائے بھینس مردار کا چمڑا اس کے بدن سے چھڑانا شرعاً درست ہے۔ نیز اس کو دباغت دے کر خواہ پکا کر یا نمک وغیرہ کے ذریعہ اصلاح کر کے فروخت کرنا درست ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۷ھ۔

ایضاً

سوال[۷۷۵۳]: حلال مردار جانور جیسے: گائے، بھینس، بکری، مینڈک، گوہ، پانی کا سانپ یا گیڈر

---

(۱) "وشرط المعقود عليه ستة: كونه موجوداً مالا متقوماً مملوكاً فى نفسه، وكون المملك البائع فيما يبيعه لنفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع، أنواع أربعة: ۴/۵۰۵، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۳، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل فيما يرجع إلى المعقود عليه: ۶/۵۶۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "وجلد ميتة قبل الدبغ لو بالعرض. ولو بالثمن، فباطل. وبعده: أى الدبغ يباع، إلاجلد إنسان وخنزير وحية". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۷۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وأماجلود السباع والحمير والبغال، فماكانت مذبوحةً أومدبوغةً، جاز بيعها، وماكان بخلافه، لم يجز. وهذابناء على أن الجلود كلها تطهر بالذكاة أو الدباغ إلاجلد الإنسان والخنزير. وإذا طهرت بالدباغ أو بالذكاة، جاز الانتفاع به، ويكون محلاً للبيع". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۷/۳۰۲، فى بيع المحرمات، غفاريه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

وغیرہ کی کھال اتار کر بیچنا درست ہے یا نہیں؟ جواب اگر اثبات میں ہو تو اس کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ جانور مرجائیں تو ان کی کھال اتار کر دباغت دے کر فروخت کرنا درست ہے:"كل إهاب دبغ فقد طهر". كذافي كتب الفقه من الهداية وغيره(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۵/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۵/ ۹۲ھ۔

دباغت سے پہلے یا اس کے بعد مردار کی کھال کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۵۴]: میں بھینسوں کا بیوپار کرتا ہوں اور کئی پال (۲) بھینس مر بھی جاتی ہیں۔ تو ان مری ہوئی بھینسوں کے چمڑے کی قیمت لے سکتا ہوں یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے بتلایا کہ چمڑے کی قیمت نہیں لینی چاہیے، اگر قیمت نہ لوں تو میرا کافی نقصان ہوتا ہے۔

مولوی محمد عثمان صاحب بدرگڈھ پالن پور گجرات۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ان مولوی صاحب نے صحیح کہا ہے کہ مردار چمڑے کی فروخت جائز نہیں، البتہ اس کو اگر نمک وغیرہ

---

(۱) (الهداية: ۱/ ۴۰، باب الماء الذی یجوز به الوضوء، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

"وأما جلود السباع والحمير والبغال، فما كانت مذبوحةً أو مدبوغةً، جاز بيعها". (المحيط البرهاني في الفقة النعماني: ۷/ ۳۰۲، في بيع المحرمات، غفاريه كوئٹه)

"فجاز بيعه. ولحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الذكاة كجلود الميتة بعد الدباغ، حتى يجوز بيعها". (تبيين الحقائق: ۴/ ۳۷۸، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

"وقيد بالميتة؛ لأن جلد المذكاة يجوز بيعه قبل الدباغة. ولحوم السباع وشحومها وجلودها بعد الذكاة كجلود الميتة بعد الدبغ، فيجوز بيعها". (البحر الرائق: ۶/ ۱۳۳، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۲) "پال لینا: پرورش کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۶۲، فیروز سنز، لاهور)

لگا کر دباغت دے لیں تو گلنے سڑنے سے محفوظ ہوجائے تو پھر اس کو فروخت کرنا، قیمت وصول کرنا شرعاً درست ہوجائے گا، هكذافى الدر المختار(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۸۹ھ۔

سانپ کی کھال کی بیع

سوال[۷۷۵۵]: ہمارے یہاں سانپ کے چمڑے کی تجارت ہوتی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ غیر مسلم قوم سانپ کو زندہ پکڑتی ہے اور سانپ کو بیہوش کر کے اس کا چمڑا نکال لیتی ہے اور مسلمان کچے چمڑے خریدتے ہیں اود باغت کے بعد فروخت کرتے ہیں۔ تو یہ خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سانپ کا کچا چمڑا دباغت سے قبل خریدنا و بیچنا درست نہیں، دباغت کے بعد خریدا و بیچا جاوے:

"إذا كان أحد العوضين أو كلاهما محرماً، فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والدم.....اهـ.

فنقول: البيع بالميتة والدم باطل". كذا فى الهداية: ۳/۳۳(۲)۔ والصحيح أنه بيع كل شئ ينتفع

---

(۱) "جلد ميتة قبل الدبغ ولو بالعرض بالثمن فباطل، وبعده: أى الدبغ يباع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۷۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وجلد الميتة قبل الدبغ: أى لم يجز بيعه ..... وبعده يباع". (البحرالرائق: ۶/۱۳۳، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"وبيع جلود الميتات باطل إذا لم تكن مذبوحةً أو مدبوغةً". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۱۳۳، كتاب البيوع، فصل فى البيع الفاسد، رشيديه)

"وأما جلد السبع والحمار والبغل، فإن كان مدبوغاً أو مذبوحاً، يجوز بيعه؛ لأنه مباح الانتفاع به شرعا، فكان مالاً. وإن لم يكن مدبوغاً ولامذبوحاً، لاينعقد بيعه". (بدائع الصنائع: ۶/۵۵۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الهداية: ۳/۴۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

Made searchable using ScribeTools.com

به، كذا فى التتارخانية، وكذا فى الفتاوىٰ الهنديه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۷/ ۸۸ھ۔

انسانی بول و براز کھاد کے طور پر بیچنا

سوال[۷۷۵۶]: انسان کا بول و براز جو کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اس کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس میں مٹی ملا کر کھاد بنا دیتے ہیں تو اس کی بیع جائز ہے، خالص بول و براز کی بیع مکروہ ہے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۲/ ۹۶ھ۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۳/ ۱۱۴، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الرابع فى بيع الحيوانا ت، رشيديه)

"وأماجلود السباع والحمر والبغال، فما كانت مذبوحةً أو مدبوغةً، جاز بيعها، وما لافلا. وهذا بناء على أن الجلود تطهر بالذكاة أو بالدباغ، إلاجلد الإنسان والخنزير". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۱۱۵، كتاب البيوع، الباب التاسع: فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الخامس، رشيديه)

"وإن كان له ثمن كالسقنقور وجلود الخز ونحوها، يجوز، وإلافلا". (ردالمحتار: ۵/ ۶۸، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فى بيع دودة القرمز، سعيد)

"والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع". (الدرالملتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/ ۸۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"(وجلد الميتة قبل الدبغ): أى لم يجز بيعه (وبعده يباع وينتفع به)". (البحر الرائق: ۶/ ۱۳۳، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۲) "(كره بيع العذرة) رجيع الآدمى خالصة لا يكره، بل يصح بيع السرقين: أى الزبل، خلافاً للشافعى. وصح بيعها مخلوطةً بتراب أو رماد غلب عليها فى الصحيح". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/ ۳۸۵، =

گوبر کی بیع

سوال[۷۷۵۷]: گوبر کی کھاد بیچنا اور خریدنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداًومصلیاً:

گوبر جب مٹی بن جائے تو اس کا خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= كتاب الخطر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

"ويكره بيع العذرة خالصةً، وجاز لو مخلوطةً برماد أو تراب". (مجمع الأنهر: ۴/۲۱۱، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۸/۳۶۵، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۷/۵۷، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) گوبر (جانوروں کا فضلہ) کی مٹی بن جانے سے پہلے بھی خرید وفروخت جائز ہے:

"ويجوز بيع السرقين والبعر، والانتفاع بها. وأما العذرة، فلايجوز الانتفاع بها مالم يخلط بالتراب، ويكون التراب غالباً، وهذا لأن محليّة البيع بالمالية، والمالية بالانتفاع، والناس اعتادوا الانتفاع بالبعروالسرقين من حيث الإلقاء فى الأرض لكثرة الريع". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۷/۳۰۲، كتاب البيع فى بيع المحرمات، غفاريه كوئٹة)

"ويكره بيع العذرة خالصةً، وجاز لو مخلوطةً، وجاز بيع السرقين مطلقاً فى الصحيح عندنا، لكونه مالاً منتفعاً به لتقوية الأرض فى الإنبات". (مجمع الأنهر: ۳/۲۱۱، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، غفاريه كوئٹه)

"كره بيع العذرة لاالسرقين؛ لأن المسلمين يتموّلون السرقين، وانتفعوا به فى سائر البلاد والأمصار من غير نكير، فإنهم يُلقونه فى الأراضى لاستكثار الريع". (البحر الرائق: ۸/۳۶۵، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، كوئٹه)

"قال الإتقانى: ولنا أن السرقين مال، فجاز بيعه كسائر الأموال". (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ۷/۵۷، كتاب الكراهية، دارالكتب العلمية بيروت)

Made searchable using ScribeTools.com

اسپرٹ کی تجارت

سوال[۷۷۵۸]: اسپرٹ کی تجارت جائز ہے یانہیں؟اس کوبعض لوگ پینے کے لئے بھی لے جاتے ہیں،ان کے لئے کیاحکم ہے،ان کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یانا جائز؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ تجارت حرام نہیں(۱)، جولوگ آپ کے علم میں پینے کے لئے خریدتے ہیں اوراس سے نشہ ہوتا ہے ان کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۸/۱۱/۸۸ھ۔

بیع اسٹامپ

سوال[۷۷۵۹]: ۱.....کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ فری اسٹامپ(۲) جوتمسک بیعنامہ وہبہ

---

(۱) "إن بيع العصير ممن يتخذه خمراً، إن قصد به التجارة، فلاتحرم. وإن قصد لأجل التخمير، حرم". (شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول: ۱/۹۷، (رقم القاعدة: ۱۴۴)، إدارة القرآن كراچی)

"والضابط عندهم أن كل مافيه منفعةٌ تحل شرعاً، فإن بيعه يجوز؛ لأن الأعيان خلقت لمنفعة الإنسان". (الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل الأول: عقد البيع، المبحث الرابع: البيع الباطل والبيع الفاسد: ۵/۳۴۳۱، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹، كتاب البيوع، سعيد)

"وإنما نبّهتُ على هذا؛ لأن "الكوحل" المسكرة (ALCOHALS) اليوم صارت تستعمل فی معظم الأدوية، ولأغراض كيمياوية أخرىٰ، ولا تستغنی عنها كثير من الصناعات الحديثة، وقد عمت بها البلوى، واشتدت إليها الحاجة، والحكم فيها على قول أبی حنيفة سهل..... فالحاصل أن هذه الكوحل لولم تكن مصنوعةً من العنب والتمر، فبيعها للأغراض الكيمياوية جائز باتفاقٍ بين أبی حنيفة وصاحبيه. وإن كانت مصنوعةً من التمر أو من المطبوخ من عصير العنب، فكذلک عند أبی حنيفة، خلافاً لصاحبيه. ولوكانت مصنوعةً من العنب النيئ، فبيعها حرام عندهم جميعاً. والظاهر أن معظم الكوحل لاتصنع من عنب ولا تمر، فينبغی أن يجوز بيعها لأغراض مشروعة فی قول علماء الحنفية جميعاً". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم بيع الخمر: ۱/۵۵۱، دارالعلوم كراچی)

(۲)"فری اسٹامپ:فریو،آزاد،بلاقیمت،مفت"۔(فيروز اللغات، ص: ۹۳۱، فيروز سنز، لاهور) =

نامہ، وکرایہ نامہ، رہن نامہ، ضمانت نامہ، مختار نامۂ عام، مختار نامۂ خاص وغیرہ۔

۲.....کورٹ فیس جس کے ذریعہ نالش (۱) دائر کی جاتی ہے۔ اس سب اسٹامپ کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲.....جائز ہے جیسا کہ تتمۂ امداد الفتاوی (حوادث فتاوی) میں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

جوتاجر زکوٰۃ نہ دیتا ہو اس سے مکان خریدنا

سوال[۷۷۶۰]: ان اطراف میں مسلمان تاجر اکثر زکوٰۃ نہیں دیتے اور ان کے معاملات صاف

= ''اسٹامپ: مہر، چھاپ، دستاویز لکھنے کا سرکاری کاغذ جس پر سکہ مع قیمت چھپا ہوتا ہے''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۳، فیروز سنز، لاهور)

(۱) ''نالش: دعویٰ واپس لینے کی غرض''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۷۵، فیروز سنز، لاهور)

(۲) ''کاغذات اسٹامپ میں دو مقام میں کلام ہے: ایک یہ کہ فی نفسہ لیسنس دار کو ان کا بیچنا جائز ہے یا نہیں، اور دوسرے یہ کہ ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا جو ان پر سودی مضمون لکھے گا۔ آپ نے امرتسانی کو پوچھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے بیع ناجائز نہیں ہوتی ہے، اور چونکہ لکھنا باختیار کاتب ہوگا اس لئے کاغذ بیچنے والا معین نہ کہا جاوے گا''۔ (إمداد الفتاوی، کتاب البیوع، جائز وناجائز، یا مکروہ معاملات کی بیع، تحت عنوان: ''اسٹامپ کی بیع'': ۳/۱۱۲، مکتبه دار العلوم کراچی)

(وکذا فی عطر هدایه، ص: ۱۴۵، زمزم پبلشرز)

''هو (أی البیع) مبادلة شئ مرغوب فیه، مثله علی وجه مفید مخصوص''. (الدر المختار، کتاب البیوع: ۴/۵۰۲، سعید)

''البیع مبادلة مال بمال ..... والمراد بالمال عین یجری فیه التنافس والابتذال ..... وحینئذٍ فالمال یثبت بالتمول: أی بادّخار کل الناس أو بعضهم، فإن أبیح الانتفاع به شرعاً فتقوم''. (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۴، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹة)

''المالیة تثبت بتمول الناس کافةً أو بعضهم''. (الدر المختار، کتاب البیوع: ۴/۵۱۰، سعید)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۴/۳۴۵، الفصل الأول: عقد البیع)

Made searchable using ScribeTools.com

نہیں رہتے۔ایسے تاجر سے کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے وغیرہ خریدنا بہتر ہے یا ہندو سے خریدنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان سے خریدنا بہتر ہے(۱)، جب تک متعین طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حرام شے فروخت کررہا ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) افضل تو یہ ہے کہ مسلمان ہی سے خرید وفروخت کا معاملہ کیا جائے، البتہ اگر کافر اصلی سے حلال اشیاء کی خرید وفروخت کی جائے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں:

قال العلامة الكاساني: "ولا بأس بعمل الثياب والمتاع والطعام ونحو ذلك إليهم، لانعدام معنى الإمداد والإعانة ..... إلا أن الترك أفضل؛ لأنهم يستخفّون بالمسلمين ويدعونهم إلى ماهم عليه". (بدائع الصنائع: ۴۰۲/۹، كتاب السير، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويتعين أن لا يشترى المسلم الدقيق من طواحين أهل الكتاب، ولا يطحن عندهم، لوجوه: أحدها ما تقدم من أنه يعين أهل الكفر بذلك. الثانى: أنه يترك إعانة إخوانه المسلمين". (المدخل لابن أمير حاج: ۱۷۴/۴، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى جواهر الفقه، باب: شریعت اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات: تحت عنوان: معاملات کفار میں تعلیمات: ۱۸۳/۲، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۲) قال العلامة الطحطاوى: "إن علم أن العين التى يغلب على الظن أنهم أخذوها من الغير بالظلم قائمة وباعوها فى الأسواق، فإنه لاينبغى شراء ها منهم وإن تداولته الأيدى". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۱۹۲/۴، دارالمعرفة، بيروت)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس به، إلا أن يعلم بأنه حرام".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات: ۳۴۲/۵، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب الكراهية: ۱۸۶/۴، غفاريه كوئٹه)

باب البیع الباطل والفاسد والمکروہ

الفصل الأول فی البیع الباطل

(بیعِ باطل کا بیان)

خنزیر کی بیع

سوال[۷۷۶۱]: ایک مسلم شخص کو جنگل میں ایک زخمی سور مل گیا ہے، وہ اس کو روپے میں فروخت کرتا ہے۔ کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنزیر نجس العین (۱) اور قطعی حرام ہے (۲)، اس کو فروخت کرنا بیعِ باطل ہے، ہرگز جائز نہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) "بخلاف الخنزیر؛ لأنه نجس العین؛ إذ الهاء فی قوله تعالیٰ: ﴿فإنه رجس﴾ منصرف إلیه لقربه". (الهدایة، کتاب الطهارات، باب الماء الذی یجوز به الوضوء ومالایجوز به: ۱/۴۱، شرکت علمیه ملتان)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما أهل لغیر الله به﴾ (سورة المائدة: ۳)

(۳) قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "وبطل مال غیر متقوم: أی غیر مباح الانتفاع به وخنزیر ومیتة". (الدرالمختار: ۵/۵۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"لم یجز بیع [المیتة] والدم والخنزیر والخمر والحُرّ وأم الولد والمدبر والمکاتب، لعدم رکن البیع، وهو مبادلة المال بالمال، وبیع هذه الأشیاء باطل". (تبیین الحقائق: ۴/۳۶۲، کتاب =

Made searchable using ScribeTools.com

خنزیر کے بالوں کے برش کی بیع

سوال[۷۷۶۲]: آج کل جُوتا وغیرہ صاف کرنے کے جو برش آتے ہیں، ان میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جن میں خالص خنزیر کے بال ہوتے ہیں۔ چونکہ ان برشوں میں علاوہ ان بالوں کے لکڑی وغیرہ بھی ہوتی ہے، اس بناء پر بھی بیع وشراء کی کسی درجہ میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

لکڑی وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے اس کی خریداری اصالۃً مقصود نہیں ہوتی ہے، وہ تابع ہوتی ہے، اس لئے لکڑی وغیرہ کی وجہ سے خنزیر کے بالوں کی بیع کی اجازت نہیں دی جائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۵ھ۔

= البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وكذا يبطل بيع مال غير متقوم كالخمر، والخنزير بالثمن". (مجمع الأنهر: ۷۸/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۷۸/۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۱۱۶/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية: ۱۱۶/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الخامس فى بيع المحرم الصيد وفى بيع المحرمات، رشيديه)

(۱) "ولايجوز بيع شعر الخنزير؛ لأنه محرم، فيبطل، لنجاسته". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۸۵/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"وشعرالخنزير، ينتفع به للخرز: أى لايجو ز بيع شعره، ويجوز الانتفا ع به، للخرز؛ لأنه نجس العين". (كنز الدقائق). "(وشعر الخنزير): أى لم يجز بيعه إهانةً له، لكونه نجس العين كأصله". (البحرالرائق: ۱۳۲/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"وشعر الخنزير لنجاسة عينه: أى عين الخنزير بجميع أجزائه، فيبطل بيعه". (ردالمحتار: ۷۱/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

Made Searchable by ScribeTools.com

چڑھاوا کی بیع

سوال[۷۷۶۳]: ۱.....جوہندولوگ رام کے نام پر برہمنوں کو پن کرتے ہیں(۱)اور خیرات کرتے ہیں، کپڑا یا جانور دیتے ہیں۔تو وہ جانور یا کپڑا مسلمانوں کوخریدنا جائز ہے یانہیں؟

۲..... جومسلمان لوگ یا ہندولوگ چڑھاوا چڑھاتے ہیں یعنی مسلمان پیر کے نام پر کپڑا یا جانور چڑھاتے ہیں،تواس چیز کوخریدنا جائز ہے یانہیں؟

۳.....جوہندولوگ دیوی یابت کے نام پر جانور یا کپڑا چڑھاتے ہیں تو یہ مسلمان کے واسطے جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....جائز ہے(۲)۔

---

(۱)''پن: خیرات،صدقہ،دان،عطا،کارخیر،نیک کام''۔(فیروز اللغات، ص: ۳۰۳، فیروز سنز، لاهور)

(۲) **سوال**: ''سانڈ کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ چونکہ اس میں مقلدین وغیر مقلدین میں اختلاف ہے،لہٰذا مفصل تحریر فرمایئے،اورتفسیر احمدی ملاجیونؒ ملاحظہ فرمالیجئے،اور﴿ماجعل الله من بحيرة ولاسائبة﴾ الخ، کا کیا مطلب ہے''؟

جواب: ''اس میں تفصیل ہے:ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے غیراللہ کے نامزد کوئی جانور کردیا،اوراسی نیت سے اس کوذبح کیا،گووقت ذبح بسم اللہ بھی کہے یہ تو حرام ہے،قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے اور کتب فقہ درمختار وغیرہ میں تصریحاً مذکور ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ غیراللہ کے نام محض تعبیر وعنوان میں ہے،نیت میں ان کا تقرب وترضی مقصود نہیں، جیسے حدیث میں عقیقہ کے وقت یہ کہنا وارد ہے:''هذا عقيقة فلان'' یہ بلاشبہ حلال ہے،اورصاحب تفسیر احمدی اسی کوحلال کہتے ہیں،چنانچہ ان کا منہیہ اس کا شاہد ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بہ نیت وعقیدہ فاسدہ اس کوچھوڑا،اورحاکمِ وقت نے کسی وجہ سے اس کو پکڑ کر نیلام کردیا، اورکسی نے خرید کراس کوذبح کیا،یہ حلال ہے،کیونکہ استیلاء موجبِ ملک ہے،جب مالک وہ پہلا شخص نہ رہا اس کا فسادِ نیت قابل اعتبار نہیں۔چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اسے نیتِ بد سے چھوڑ دیا تھا،دوسرے نے چرا چھپا کر ذبح کیا،یہ حرام ہے،دووجہ سے:اول فسادِ نیتِ مالک سے،کیونکہ سائبہ کرنے سے خارج عن الملک نہیں ہوتا،دوسرے غصب و سرقہ کی وجہ سے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مالک نے اپنی نیتِ فاسد سے توبہ کرلی اوراس حیوان کوذبح کیا،یہ حلال ہے،لارتفاع =

Made searchable using ScribeTools.com

۲.....وہ بکرا یا کپڑا وغیرہ اس چڑھانے والی کی ملک ہے، کسی دوسرے کی ملک میں داخل نہیں ہوا(۱)، پس اگر اصل مالک سے خریدے، تو درست ہے(۲) اور کسی دوسرے فقیر وغیرہ سے جو کہ چڑھوائے اس کا خریدنا درست نہیں۔ اصل مالک اس کے متعلق نیت فاسد کر چکا ہے، اس سے توبہ ضروری ہے(۳)۔

= علة النهي. اور ﴿ماجعل الله﴾ الخ کا مطلب اس فعل کی نفی ہے، جو مزعوم کفار تھا، یعنی حرمت انتفاع بوجہ تعظیم واحترام۔ واللہ اعلم"۔ (إمداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، باب: کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، عنوان: غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا حکم: ۴/ ۹۹، دار العلوم کراچی)

(وأحسن الفتاویٰ، کتاب الإیمان والعقائد، تحت عنوان: سائبہ کی تحقیق: ۱/ ۵۱، سعید)

(۱) "في الصيد أنه لايملكه إذا لم يبحه، وكذافي الدابة إذا سيبها، كمابسطه الشرنبلالي".

(الدر المختار: ۶/ ۴۷۷، کتاب الصید، قبیل کتاب الرهن، سعید)

"ولقائل أن يقول: يستدل بالآية على نظير ذلك، وهو مايُلقى في الأنهار والطريق وقرب الأشجار من طرح البيض والفراريج ونحو ذلك، فلايجوز فعله، ولايزول ملك المالك". (تفسير القاسمي: ۴/ ۴۰۴، سورة المائدة: ۱۰۳)

(۲) "يشرط لنفاذ البيع أن يكون البائع مالكاً للمبيع، أووكيلاً لمالكه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۰۳، (رقم المادة: ۳۶۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وأن يكون مملوكاً في نفسه، وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/ ۲، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه.....اهـ، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/ ۴۳۳، كتاب البيوع رشيديه)

(۳) "ولايجوز لخادم الشيخ أخذه ولا أكله ولاالتصرف فيه بوجهٍ من الوجوه، إلا أن يكون فقيراً، أوله عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرّون، فيأخذونه على سبيل الصدقة المبتدأة وأخذه أيضاً مكروه مالم يقصد الناذر التقرب إلى الله، وصرفه إلى الفقراء، ويقطع النظر عن نذر الشيخ". (حاشيه الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۴۷۱، كتاب الصوم، داراالمعرفة بيروت)

(وكذا في حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، فصل في مايلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۲، كتاب الصوم، فصل في النذر، إمداديه ملتان)

۳.....جائز نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۹/۱۰/۲۵ھ۔

نمبرا، میں یہ اضافہ کرتا ہوں کہ توبہ سے قبل بھی خریدنا جائز نہیں، بعد توبہ خرید سکتا ہے، ھکذا فی حواشی الدرر۔

باقی جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ ہٰذا۔

چڑھاوے کے بکرے کی بیع

سوال[۷۷۶۴]: دریائے گنگا کو ہندو دیوتا مانتے ہیں اور ہندو عورتیں اس سے اولاد کی مرادیں مانگتی ہیں، اولاد ہونے پر عورتیں بکری کا بچہ لے کر بال منڈوانے کی غرض سے گنگا کے کنارے جاتی ہیں جہاں بچہ کا سر منڈاتی ہیں اور بکری کے بچہ بطور چڑھاوے، یادان (۱) کے زندہ پانی میں ڈال دیتی ہیں۔گھاٹ کے ٹھیکدار بکری کو پانی سے نکال لیتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں جسے ہندو مسلمان سب ہی خریدتے ہیں۔لہذا مسلمانوں کے لئے اس کی خرید وفروخت اور ذبح کر کے کھانا جائز وحلال ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اظہار ہاشمی، انجمن امداد المسلمین، قصبہ ضلع باڑہ، ضلع پٹنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جانور غیر اللہ کے نام پر نامزد کردیا گیا اور چڑھاوے کے طور پر چڑھادیا گیا، وہ بالکل مردار اور میتہ کے حکم میں ہے، اس کا خریدنا اور فروخت کرنا اور ذبح کر کے کھانا سب حرام ہے (۲)۔اس کی تفصیل اور دلیل

---

(۱) ''دان: نذر، خیرات''۔(فیروز اللغات، ص: ۶۱۱، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم، فهو بالإجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفها لفقراء الأنام".

(الدرالمختار: ۴۳۹/۲، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم، سعید)

"وکذا مایقع من المعتقدین للأموات من الذبح علی قبورهم، فإنه ما أهل به لغیر الله، ولافرق بینه وبین الذبح للوثن". (فتح القدیر للشوکانی: ۱۷۰/۱، مصر)

"قال العلماء: لو أن مسلماً ذبح ذبیحةً، وقصد بذبحها التقربَ إلی غیر الله، صار مرتداً، =

Made searchable using ScribeTools.com

مطلوب ہوتو فتاوی عزیزیہ:۱/۲۲، دیکھئے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الاولی/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

= وذبيحته ذبيحة مرتد". (تفسير النيشابوري على هامش تفسير الطبري: ۲/۱۲۰، دار المعرفة بيروت)

"لو أن مسلماً ذبح، وقصد بذبحها التقرب إلى غير الله، صار مرتداً، وذبيحته ذبيحة مرتد".

(التفسير الكبير للإمام فخر الدين الرازي: ۵/۱۱، طهران)

سوال: "سانڈ کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ چونکہ اس میں مقلدین وغیر مقلدین میں اختلاف ہے، لہٰذا مفصل تحریر فرمائیے، اور تفسیر احمدی ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرمالیجئے، اور ﴿ماجعل الله من بحيرة ولا سائبة﴾ الخ، کا کیا مطلب ہے؟

جواب: "اس میں تفصیل ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے غیر اللہ کے نامزد کوئی جانور کردیا، اور اسی نیت سے اس کو ذبح کیا، گو وقت ذبح بسم اللہ بھی کہے یہ تو حرام ہے، قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے اور کتب فقہ درمختار وغیرہ میں تصریحاً مذکور ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام محض تعبیر وعنوان میں ہے، نیت میں ان کا تقرب وترضی مقصود نہیں، جیسے حدیث میں عقیقہ کے وقت یہ کہنا وارد ہے: "هذا عقيقة فلان" یہ بلاشبہ حلال ہے، اور صاحب تفسیر احمدی اسی کو حلال کہتے ہیں، چنانچہ ان کا منہیہ اس کا شاہد ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بہ نیت وعقیدہ فاسدہ اس کو چھوڑا، اور حاکمِ وقت نے کسی وجہ سے اس کو پکڑ کر نیلام کردیا، اور کسی نے خرید کر اس کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، کیونکہ استیلاء موجبِ ملک ہے، جب مالک وہ پہلا شخص نہ رہا اس کا فسادِ نیت قابل اعتبار نہیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اسے نیتِ بد سے چھوڑ دیا تھا، دوسرے نے چرا چھپا کر ذبح کیا، یہ حرام ہے، دو وجہ سے: اول فسادِ نیتِ مالک سے، کیونکہ سائبہ کرنے سے خارج عن الملک نہیں ہوتا، دوسرے غصب و سرقہ کی وجہ سے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مالک نے اپنی نیتِ فاسد سے توبہ کرلی اور اس حیوان کو ذبح کیا، یہ حلال ہے، لارتفاع علة النهي. اور ﴿ماجعل الله﴾ الخ کا مطلب اس فعل کی نفی ہے، جو مزعوم کفار تھا، یعنی حرمت انتفاع بوجہ تعظیم واحترام۔ واللہ اعلم۔ (إمداد الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة، باب: کھانے پینے کی حلال وحرام، مکروہ ومباح چیزوں کا بیان، عنوان: غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا حکم: ۴/۹۹، دار العلوم کراچی)

(وكذا في إمداد الفتاوىٰ، كتاب الإيمان والعقائد، تحت عنوان: سائبہ کی تحقیق، دار العلوم کراچی)

(وأحسن الفتاوىٰ، كتاب الإيمان والعقائد، تحت عنوان: سائبہ کی تحقیق: ۱/۵۱، سعيد)

(۱) (فتاوى عزيزي، مسائل حج، عنوان: معنى آيت وماأهل لغير الله، ص: ۵۰۷، سعيد)

آزادعورت کی بیع

سوال[۷۷۶۵]: عورت کے وارث کوروپیہ دے کرنکاح کرنا،یعنی عورت کی خرید کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرہ عورت کی خرید وفروخت حرام ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حرہ کی بیع پر ایک قیاس

سوال[۷۷۶۶]: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زرخرید عورت بغیر نکاح کے رکھنا درست ہے،اگر درست ہے تو پھر بازار کی طوائف عورت بھی درست ہونا چاہئے، کیونکہ اس کو بھی انسان دس منٹ کے لئے خریدتا ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اسلامی طریقہ پر جب جہاد کیا جائے،اس میں جوعورتیں گرفتار کر کے لائیں جائیں اورامیر المومنین ان کو غازیوں میں تقسیم کرے تو وہ شرعی باندی ہوتی ہیں(۲)،جس کی ملک میں شرعی طریقہ سے آجائیں اس کو

---

(۱) "عن سعید بن أبی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنه، عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "قال اللہ تعالی: (ثلثة أنا خصمهم یوم القیامة: رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأکل ثمنه، ورجل استأجر أجیراً فاستوفی منه ولم یعط أجره)". (صحیح البخاری: ۱/۲۹۷، کتاب البیوع، باب إثم من باع حراً، قدیمی)

"بطل بیع ما لیس بمال کالدم والمیتة والحر والبیع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۵۰-۵۲، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(وکذا فی ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۱۵، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع الحر: ۱۴/۱۱۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۶۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۶/۱۱۲، کتاب البیع، باب خیار العیب، رشیدیه)

(۲) "ما فتح الإمام عنوةً قسّمه بین المسلمین: أی الفاتحین، کمافعل رسو ل اللہ صلی اللہ علیه وسلم بخیبر، فحینئذ یکون نفس البلاد عشریة، وفیه أشعار بأنه یسرّق نساء هم، وذراریهم". (مجمع الأنهر: =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

بلا نکاح استعمال کرنے کا حق ہے(۱)، آج ایسی باندیاں موجود نہیں، نہ اسلامی طریقہ پر جہاد ہے۔ بازار سے کسی حرہ عورت کو خریدنا(۲) اور بلا نکاح اس کو استعمال کرنا حرام ہے(۳)۔ اور دس منٹ کے لئے خریدنا، خریدنا نہیں

= ۴۲۱/۲، کتاب السیر والجهاد، باب الغنائم وقسمتها، غفاریه کوئٹه)

"وإن ظهر المسلمون عليهم، فلم يسلّموا، فالإمام بالخيار إن شاء استرقّهم وقسمهم وأموالهم بين الغانمين" (الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۰۵/۲، الفصل الأول فی الغنائم، رشيديه)

"مافتح الإمام عنوةً ..... يعنى: إذا فتح الإمام بلدةً قهراً، فهو بالخيار: إن شاء قسّمها بين الغانمين". (تبيين الحقائق). قال العلامة الشلبى: "(قوله: إن شاء، قسّمها بين الغانمين): أى مع رؤوس أهلها استرقاقاً، وأموالهم". (حاشيه الشلبى على تبيين الحقائق، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها: ۹۶/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون، إلا على أزاوجهم أوماملكت أيمانهم، فإنهم غير ملومين﴾ (المومنون: ۶)

"إعلم أن الفرج لايحل إلامن وجهين لاثالث لهما، وهما: النكاح، والملك، لقوله تعالى: ﴿والذين هم لفروجهم حافظون، إلاعلى أزواجهم أو ماملكت أيمانهم، فإنهم غير ملومين﴾. (النتف فى الفتاوى، ص: ۱۶۳، كتاب النكاح، سعيد)

(۲) "عن سعيد بن أبى سعيد، عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم (قال: قال الله تعالىٰ: ثلثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بى ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفىٰ منه ولم يعط أجره". (صحيح البخارى، كتاب البيوع، باب إثم من باع حراً: ۲۹۷/۱، قديمى)

"بطل بيع ماليس بمال كالدم والميتة والحر". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۲/۵، سعيد)

(وكذا فى إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهى عن بيع الحر: ۱۱۵/۱۴، إدارة القرآن كراچى)

(۳) آزاد عورت کو خرید کر بغیر نکاح اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنا زنا ہے اور زنا نصِ قرآنی سے حرام ہے، قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوا الزنا، إنه كان فاحشةً وساء سبيلاً﴾ (الإسراء: ۳۲)

بلکہ حرامکاری کر کے منہ کالا کرنا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۸۹ھ۔

بیوی کو بیچنا

سوال[۷۷۶۷]: جو اپنی بیوی کو بیچتا ہے اس کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟ اور بائع سے پھر روپیہ واپس لے لیں، اب اس کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟ اور محلّہ دار جو زور دے کے اسے روپیہ دلواتے ہوں تو ان کے لئے اللہ ورسول کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بیوی کو بیچنا حرام ہے(۲)، بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں گنہگار ہیں، روپیہ واپس کرنا فرض ہے، خریدنے سے اس سے جماع حلال نہ ہوگا، بلکہ وہ زنا ہوگا، لہذا بیوی جس کی ہے اس کو واپس کردی جائے اور روپیہ جس کا ہے واپس کردیا جائے(۳)۔

---

(۱) "عن علی بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن متعة النساء". الحدیث. (جامع الترمذی: ۱/۲۱۳، أبواب النکاح، باب ماجاء فی نکاح المتعة، سعید)

"عن ربیع بن سبرة عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم حرّم متعة النساء". (سنن أبی داؤد: ۱/۲۹۰، کتاب النکاح، باب فی نکاح المتعة، مکتبه امدادیه ملتان)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "قال الله تعالی: (ثلاثة أنا خصمهم یوم القیامة: رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأکل ثمنه، ورجل استاجر أجیراً فاستوفی منه ولم یعط أجره". (صحیح البخاری: ۱/۲۹۷، کتاب البیوع، باب إثم من باع حراً، قدیمی)

(۳) "قبض المشتری المبیع بیعاً باطلاً بإذن مالکه، لایملکه، وهو أمانة فی یده عند البعض، ومضمون عند البعض". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۹۴، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

"والبیع الباطل حکمه عدم ملک المشتری إیاه إذا قبضه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۵۹، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"البیع الباطل لایفید الحکم أصلاً، فإذا قبض المشتری المبیع بإذن البائع فی البیع الباطل، کان المبیع أمانةً عند المشتری، فلو هلک بلاتعد، لایضمنه". (شرح المجلة، لسلیم رستم باز، ص: ۲۰۷، (رقم المادة: ۳۷۰)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

محلّہ والوں کوحرام کام کی امداد کرنا حرام ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمودؔ لنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

مردار کی گیلی کھال فروخت کرنا

سوال[۷۷۶۸]: مردہ جانور کی گیلی کھال بکرا، یا بھیڑ کی جو چمار لوگ نکال کر لاتے ہیں جو گیلی ہوتی ہے، وہ کھال مسلمان خرید کر اس پر نمک وغیرہ اپنے ہاتھ سے لگاتے ہیں۔ایسی صورت میں نمک لگانا اپنے ہاتھ سے کیسا ہے، اور کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار کی گیلی کھال بغیر دباغت دیئے ناپاک اور حرام ہے، اس کو خریدنا بھی حرام ہے، یہ بیع باطل ہے، دباغت کے بعد وہ پاک ہوجائے گی، اور خرید وفروخت بھی درست ہوگی (۲)۔اولاً چمار وغیرہ سے نمک وغیرہ لگوا کر اس کو دباغت دے لیا جائے، پھر اس کو خریدا جائے (۳)۔ مردار کی گیلی کھال کو ہاتھ لگا کر دباغت دینا

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"فيعم النهى كل ماهو من مقولة الظلم والمعاصى، ويندرج فيه النهى عن التعاون على الاعتداء والانتقام". (روح المعانى، سورة المائدة، (رقم الآية: ۲): ۲/۵۷، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۲) "وجلد الميتة قبل الدبغ: أى لم يجز بيعه؛ لأنه غير منتفع به، قال عليه السلام: "لاتنتفعوا من الميتة بإهاب" ..... وبعده يباع وينتفع به". (البحر الرائق: ۶/۱۳۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۳) "ولابيع جلود الميتة قبل أن تدبغ؛ لأنه غير منتفع، ولابأس ببيعها والانتفاع بهابعد الدباغ". (الهداية: ۳/۵۸، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

"لايجوز بيع جلود الميتة قبل الدباغ؛ لأنها غير منتفع بها، وليست بمال، لنجاستها، فيبطل، بخلاف الثوب والدهن المتنجس، فإنهاعارضة. ويجوز بيعها بعده: أى بعد الدباغ". (مجمع الأنهر: ۳/۸۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۵۶، كتاب البيوع، الباب السابع فى خيار الرؤية، الفصل الخامس، رشيديه)=

جائز ہے، ہاتھ ناپاک ہونے پر ہاتھ پاک کرلیا جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۴ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۲/۴ھ۔

خون کی بیع وشراء

سوال[۷۷۶۹]: ایک تندرست آدمی اپنا خون بینک میں جمع کرواسکتا ہے یانہیں، یااگرکسی کی جان خطرہ میں ہوتواپنا خون دے سکتے ہیں یانہیں؟

غلام صابر، لندن انگلینڈ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

خون کی خرید وفروخت جائزنہیں، یہ بیع باطل ہے(۱)۔اگرایسی حالت ہوکہ جان بچنے کی کوئی صورت

=(وكذا فى تبيين الحقائق: ۳۷۷/۴، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "بطل بيع ماليس بمال كالدم المسفوح، فجاز بيع كبد وطحال"، (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۱۵/۵، سعيد)

"وإذاكان أحد العوضين أو كلاهما محرماً، فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والدم ..... فنقول: البيع بالميتة والدم باطل، وكذا الحر، لانعدام الركن وهو مبادلة المال بالمال، فإن هذه الأشياء لاتُعدّ مالاً عند أحد". (الهداية: ۵۳/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

"بيع الخمر والميتة والدم وذبيحة المجوسى..... باطل". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۳۳/۲، فصل فى البيع الباطل، رشيديه)

"وبيع ماليس بمال، والبيع به باطل كالدم والميتة والحر". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۷۷/۳، باب اليبع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۵۴۹/۶، كتاب البيوع، فصل فيما يرجع إلى المعقود عليه، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۳۶۲/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحرالرائق: ۱۱۲/۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

نہ ہوتو مجبوراً بقدرِ ضرورت خون کا ایثار کرنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۵ھ۔

شراب وغیرہ کی بیع

سوال[۷۷۷۰]: ایک مسلم، غیر مسلم کے ذریعہ شراب کی تجارت کرتا ہے اور شراب خود بناتا ہے اور سُلفا، افیون کی تجارت بھی کرتا ہے(۲)۔اس کی شریعت مطہرہ میں جواز کی کیا صورت ہے؟

---

(۱) عورت کا دودھ پینا حرام ہے، لیکن تداوی کے لئے ضرورۃً اس کا پینا جائز ہے، اس طرح اگر خون سے کسی کی جان بظاہر بچنے کی امید ہوتو اس کی بھی گنجائش ہے:"ولابأس بأن يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۵/۵، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فى التداوى والمعالجات، رشيديه)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه، وكذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه، ودفع الصائل، ولو أدّى إلى قتله". (الأشباه والنظائر: ۲۷۵/۱، ۲۷۶، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچى)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، رقم المادة: ۳۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"جان بچانے کے لئے مجبوری واضطرار کی صورت میں انسانی خون کو استعمال کر لینے کی اور اس کا انجکشن لگا دینے کی تداوی بالمحرم کے قاعدہ کے مطابق شرعاً گنجائش ہے، مگر اس گنجائش کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خون مباح الاصل ہوگیا، یا مطلقاً جائز الاستعمال ہوگیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ضعفِ بشری اور معذوری کا لحاظ رکھتے ہوئے بطور مراحم خسروانہ اس استعمال پر آخرت میں مواخذہ یا گرفت نہ ہوگی اور ایسا کرنے والے عنداللہ گنہگار شمار نہ ہوں گے، بلکہ عفو ودرگزر کا معاملہ ہوگا..... اھ"۔(نظام الفتاوىٰ، كتاب الحظر والإباحة، خون اور انسانی اعضاء کو طبی اعراض کے لئے استعمال کرنے کا حکم: ۳۵۶/۱، مكتبه رحمانيه لاهور)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل فى البيع: ۲۰۵/۸، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ حقانيه، كتاب الكراهية والإباحة، باب التداوى، بیمار کو خون دینے کا حکم: ۴۰۰/۲، جامعه دارالعلوم حقانيه نوشهره)

(۲) "سُلفا: ایک دفعہ چلم بھرنے کے قابل تمباکو، یا چرس"۔(فيروز اللغات، ص: ۸۰۶، فيروز سنز لاهور)

Made Searchable by ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

شراب کی بیع جائز نہیں (۱)۔ کتب فقہ: بحر وغیرہ میں تصریح ہے (۲) سلفہ، افیون وغیرہ کی تجارت بھی منع ومکروہ ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: "إن اللہ حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام". (إعلاء السنن: ۱۴/۱۰۳، باب حرمة بیع الخمر، إدارة القرآن کراچی)

"قال عطاء بن أبی رباح: سمعت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عام الفتح وهو بمکة: "إن اللہ ورسوله حرّم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۷، باب مالایحل بیعه، قدیمی)

"عن عائشه رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: لمانزلت آیات الربوا، قام رسول صلی اللہ علیه وسلم علی المنبر، فتلاهنّ علی الناس، ثم حرم التجارة فی الخمر". (سنن النسائی، ص: ۲/۲۳۰، بیع الخمر، قدیمی)

"قال ابن عباس: إن رجلاً أهدی لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم راویة فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "هل علمت أن اللہ تعالی قد حرمها"؟ قال: لا، فسارّ إنساناً، فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "بم ساررتَه"؟ فقال: أمرتُه ببیعها، فقال: "إن الذی حرم شربها، حرم بیعها". (الصحیح لـ سلم: ۲/۲۲، کتاب المساقات والمزارعة، باب تحریم بیع الخمر، قدیمی)

(۲) "لم یجز بیع المیتة والدم والخنزیر والخمر والحر". (البحرالرائق: ۶/۱۱۲، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(۳) یہ اس صورت میں منع ہے کہ حکومت کی طرف سے افیون کی خرید وفروخت پر پابندی ہو اور افیون فروخت کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ خریدار افیون سے ہیروئن بنائے گا۔ البتہ اگر فروخت کنندہ کو کچھ معلوم نہ ہو کہ خریدار افیون سے کیا بنائے گا، اور یا یہ معلوم ہو کہ خریدار افیون کو ادویات میں استعمال کرے گا تو ان صورتوں میں افیون کی خرید وفروخت جائز ہے:

"طاعة الإمام حق علی المرء المسلم مالم یأمر بمعصیة اللہ، فإذا أمر بمعصیة اللہ، فلاطاعة له".

قال العلامة المناوی تحته: "(طاعة الإمام) الأعظم (حق علی المرء المسلم) وإن جار (مالم =

Made searchable using ScribeTools.com

دارالاسلام میں ذمی کو حرام اشیاء فروخت کرنے کی اجازت جزیہ کے بدلے

سوال[۷۷۷۱]: کتاب غنیۃ الطالبین مترجم امان اللہ خاں سرحدی، ناشر ملک پبلشرز پرائیوٹ لمٹیڈ، دیوبند ضلع سہارن پور، ص۲۶۳، پر تحریر ہے کہ:

= يأمر بمعصية الله، فإذا أمر بمعصية الله فلا طاعةله)؛ لأنه لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق. وخص المسلم؛ لأنه الأحق بالتزام هذا الحق، وإلا فكل ملتزم للأحكام كذلک. وفيه أن الإمام إذا أمر بمندوب، يجب طاعته فيه، فيصير المندوب واجباً، كما إذا أمرهم به ثلاثة أيام فی الاستسقاء فإنه يلزمهم الصوم ظاهراً وباطناً، بل ذكر بعض الشافعية أنه إذا أمر بصدقة أو عتق، يجب". (فيض القدير (رقم الحديث: ۵۲۴۶): ۷/۳۸۵۴، ۳۸۵۵، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز)

(وكذا فی ردالمحتار: ۲/۱۷۲، ۴/۲۶۴، سعيد)

"وبيع العصير ممن يتخذه خمراً، وبيع الأمرد ممن يعصی به، وإجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر، أو يتخذها كنيسةً أو بيتَ نار وأمثالها، فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع أوالآجر، من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم، كان معذوراً". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام فی مسئلة الإعانة علی الحرام: ۲/۴۵۳، دارالعلوم كراچی)

"وجازبيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه، بل بعد تغيره".

(الدرالمختار). "(قوله: ممن يعلم) فيه إشارة إلی أنه لولم يعلم، لم يكره بلاخلاف". (ردالمحتار: ۶/۳۹۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع، سعيد)

"ويحل القليل النافع من البنج وسائر المخدرات للتداوی ونحوه؛ لأن حرمته ليست لعينه، إنما لضرره". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۷/۵۵۰۵، رشيديه)

سوال: "افیون کی کاشت کرنا اور بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

الجواب باسم ملهم الصواب: زمان سابق میں افیون تداوی میں بکثرت استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ عموماً تلہی کے طور پر استعمال کی جاتی تھی، اس لئے بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی بیع کو مکروہ تحریر فرمایا ہے، مگر آج کل افیون دوا کے طور پر بکثرت سے استعمال ہونے لگی ہے اور علاج میں بڑی اہمیت اور شہرت حاصل کر چکی ہے، بلکہ ضرورت شدیدہ کی حد تک پہنچ گئی ہے، لہٰذا اس کی بیع بلا کراہت جائز ہے، البتہ جس شخص کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ تلہی کے طور پر استعمال کرے گا اس کے ہاتھ بیچنا مکروہ تحریمی ہے"۔ (أحسن الفتاویٰ، كتاب البيوع، عنوان: افیون کی کاشت وبیع جائز ہے: ۶/۴۹۴، سعيد)

''ذمی، یہودی، نصرانی، مجوسی، سور، شراب وغیرہ جیسی حرام چیزیں فروخت کرنا چاہیں تو ان کو اس کی اجازت دینی چاہیئے، ہاں قیمت کا دسواں حصہ وصول کرنا مقرر کرلیا جائے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ان لوگوں کو یہ چیزیں فروخت کرنے کی اجازت دیدو اور ان کی قیمت کا دسواں حصہ ان سے لے لو''(۱)۔

گذارش یہ ہے کہ حکومت اسلامی میں رہنے والے غیر مسلموں سے جزیہ لیا جاتا ہے اور اس کے بدلے ان کی جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ تو کیا جزیہ لینے کے بعد حرام چیزوں کی فروخت پر قیمت کا دسواں حصہ وصول کرنا شرعاً جائز ہوگا یا ناجائز، اور کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کفار ذمی بن کر دارالاسلام میں رہیں، ان سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے(۲) اور ان کے جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور شراب وخنزیر کی بیع ان کے مذہب میں جائز ہے، اس پر پابندی عائد نہیں کی جاتی ہے۔ بلکہ ان کو فروخت کرنے کی اجازت ہے، یہ حنفیہ کا مسلک ہے، جو کتبِ فقہ میں مذکورہ ہے(۳)۔ اور جزیہ یا

---

(۱) "عن سويد بن غفلة: أن بلالاً قال لعمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه: إن عُمّالک يأخذون الخمر والخنازير فى الخراج، فقال: لا تأخذوها منهم، ولكن ولوهم ببيعها وخذوا أنتم من الثمن". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب حرمة بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام: ۱۴/۱۱۱، ۱۱۲، إدارة القرآن كراچى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا يدينون دين الحق، من الذين أوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يدٍ وهم صاغرون﴾ (سوره التوبة: ۲۹)

"وتوضع (أى الجزية) على كتابيٍّ ومجوسيٍّ ووثنيٍّ عجميٍّ لاعربيٍّ". (البحر الرائق: ۵/۱۸۶، كتاب السير، فصل فى الجزية، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴/۱۵۷، كتاب السير، فصل فى الجزية، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "والذمى كالمسلم فى بيع غير الخمر والخنزير ..... ومالا يجوز من الربا وغيره، لايجوز لهم إلافى الخمر والخنزير، فإنّ عقدهم فيها كعقد المسلم على العصير والشاة". (تبيين الحقائق: ۴/۵۳۲، =

Made searchable using ScribeTools.com

خراج حسبِ اصول لیا جاتا ہے، دسواں حصہ متعین نہیں (۱)۔ غنیۃ الطالبین حنفی مسلک کی کتاب نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۱۴۰۱ھ۔

مول پر آم کی بیع

سوال[۷۷۷۲]: آج کل جو آم اور دیگر پھل خریدے جاتے ہیں، ان کی عموماً بیع ناجائز ہوتی ہے، کیونکہ اکثر اس طریقہ سے خریدے جاتے ہیں کہ آم چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں، اسی وقت خرید لیتے ہیں۔ اور بعض مول آنے آنے خرید لیتے ہیں۔ جب بیع ناجائز ہو چکی تو پکنے کے بعد جو خرید کر کھائے جاتے ہیں، ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا وجہ جب بیع اول باطل ہو چکی؟ اگر ناجائز ہے تو کیا وجہ؟ اس کے اندر اکثر علماء بھی شرکت فرماتے ہیں۔ کوئی وجہ جواز کی اس میں نکلتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مول پر آم کی بیع باطل ہے (۳)، ایسی بیع کے خرید ہوئے آم کھانا اور خریدنا منع ہے، جس کو بھی معلوم

= كتاب البيوع، باب المتفرقات، دار الكتب العلمية بيروت)

"الذمي كالمسلم إلا في الخمر، فإنها في حقه كالخل، والخنزير في حقه كالشاة..... في البحر: لايُمنعون من بيع الخمر والخنزير". (مجمع الأنهر: ۱۵۲/۳، كتاب البيوع، مسائل شتى، غفاريه كوئٹة)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۲۸/۵، كتاب البيوع، باب المتفرقات، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱۰۳/۳، كتاب البيوع، مسائل منثورة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "توضع على الظاهر الغنى في السنة ثمانية وأربعون درهماً، وعلى المتوسط نصفها، وعلى الفقير القادر على الكسب رُبعها". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴۷۱/۲، كتاب السير والجهاد، فصل في الجزيه، غفاريه كوئٹه)

(۲) یہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۳) "بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمرةٍ لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة، الفصل الثاني فيما يجوز بيعه ومالايجوز، ص: ۹۸، (رقم المادة: ۲۰۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه) ..... =

ہو، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل اس کا خریدنا ناجائز ہے(۱)۔ ہاں! اگر درخت پر آم آچکے ہیں اور ان کی کچھ قیمت مل سکتی ہے، تو انکی بیع درست ہے(۲)، لیکن اسی وقت ان کا توڑنا لازم ہے۔ اگر بائع کی مرضی کے خلاف ان کو نہ

= "لاخلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر". (فتح القدیر: ۲/۲۸۷، کتاب البیوع، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"بیع الثمار علی الشجر لایخلو: إما أن یکون قبل الظهور أو بعده، والأول لایجوز". (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۲/۲۸۷، کتاب البیوع، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"بیع الثمار قبل الظهور لایصح اتفاقاً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الثانی فی بیع الثمار: ۳/۱۰۶، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۳/۳۵۹، إمدادیه ملتان)

(۱) "والبیع الباطل حکمه عدم ملک المشتری إیاه إذاقبضه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۵۹، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"والبیع الباطل لایفید الملک وإن اتصل به القبض". (فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۱۳۳، کتاب البیوع، فصل فی البیع الباطل، رشیدیه)

"الحرمة تتعدی فی الأموال مع العلم بها". (الأشباه والنظائر، کتاب الحظر والإباحة: ۴/۵۰۴، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "بیع الثمار قبل الظهور لایصح اتفاقاً، فإن باعها بعد أن تصیر منتفعاً بها، یصح. وإن باعها قبل أن تصیر منتفعاً بها بأن لم تصلح لتناول بنی آدم وعلف الدواب، فالصحیح أنه یصح". (الفتاوی العالمکیریة: ۳/۱۰۶، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الثانی فی بیع الثمار، رشیدیه)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولم یبد، صح)؛ لأنه مال متقوم، إما لکونه منتفعاً به فی الحال أو فی المآل (ویقطعهاالمشتری للحال)". (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر: ۳/۲۵، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا، تصح)؛ لأنه مال منتفع به فی الحال أو فی المال، ویقطعها المشتری". (تبیین الحقائق: ۴/۲۹۵، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۴/۵۵۴، ۵۵۵، کتاب البیوع، فصل فیما یدخل فی المبیع تبعاً =

Made Se[Made searchable using ScribeTools.com]pols.com

توڑا تو جس قدر زیادتی آموں میں ہوگی، وہ مشتری کی ملک میں نہ ہوگی، بلکہ بائع کی ہوگی (۱)۔

اور اگر آم بالکل بڑے ہونے کے بعد بیع کی اور نفسِ عقد کے وقت بائع سے مشتری نے اجازت لے لی خواہ بذریعۂ اعارہ، بطریقِ اجارہ، یا بطریقِ شرط یہ بھی ناجائز ہے، لیکن اس صورت میں بیع فاسد ہوگی جس کا فسخ کرنا واجب ہے (۲)، تاہم مفیدِ ملک ہوگی، یعنی اگر مشتری سے کسی اَور نے وہ آم خریدے تو وہ بیع صحیح ہوگی۔ تاہم ایسی چیز خریدنے سے بھی علم کے بعد احتیاط چاہیے (۳)۔

اور اگر نفسِ عقد ختم ہونے کے بعد مشتری نے بائع سے اجازت لے لی، یا زمین ہی کرایہ پر لے لی ہے، یا کسی دوسرے طریق سے معلوم ہوگیا کہ بائع رضامند ہے تو اس کو اسی وقت ان آموں کا توڑنا لازم نہیں اور نیز بیع درست سب درست ہے۔ عالم اور جاہل کو ان آموں کا خریدنا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۹/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۵/ ۵۶ھ۔

= ومالایدخل، سعید)

(وكذا فی النهر الفائق: ۳/ ۳۵۹، كتاب البيوع، إمداديه ملتان)

(۱) "وإن تركها بإذن البائع بلااشتراط، طاب له الزيادة. وإن تركهابغير إذنه، تصدق بمازادفی ذاتها". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۲۷، غفاريه كوئٹه)

"لو تركها بإذن البائع، طاب له الفضل، وهو مازاد فی ذات المبيع. وإن بغير إذنهم، فإن لم يتناه عظمها، تصدق به". (النهر الفائق: ۳/ ۳۵۹، كتاب البيوع، إمداديه ملتان)

(۲) عمومِ بلوی کی وجہ سے آم کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگانے کی بھی گنجائش ہے:

"أن تباع الثمار بعد ماتناهی عظمها وبَدَا صلاحها، فشرط الترك فی هذه الصورة جائزة عند محمد، وبه أفتى كثيرٌ من المشايخ، لعموم البلوى، واختاره الطحاوی، وإليه مال ابن الهمام وابن عابدين". (تكملة فتح الملهم، باب النهی عن بيع الثمار قبل بدوّ صلاحها، حكم مايتعامل به الناس اليوم: ۱/ ۳۹۴، دارالعلوم كراچی)

(۳) "الحرمة تتعدد فی الأموال مع العلم بها". (الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۴/ ۵۰۴، إدارة القرآن كراچی)

چوری شدہ شئی کی خریداری

سوال[۷۷۷۳]: ایک لڑکا مراہق بازار میں چلا جارہا تھا اس کے پاس قیمتی شی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں اس کو بیچتا ہوں، قیمت بہت کم بتلائی اور انتہائی کم قیمت میں وہ شی خریدی گئی، اس سے معلوم کیا کہ چوری کی تو نہیں اس نے انکار کیا، لیکن قرائن سے اغلب یہی ہے کہ وہ چوری کی شی تھی۔ اب اسے کیا کریں آیا صدقہ کریں یا کچھ اَور کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شئی کے متعلق قرائن سے غالب خیال یہ ہو کہ یہ چوری کی ہے اس کو خریدنا درست نہیں (۱)، اگر خرید چکا ہے تو واپس کردے، اگر مالک کا علم ہو جائے تو اس کے حوالہ کردے (۲) پھر چاہے تو اس سے معاملہ کرکے خرید لے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۳/ ۸/ ۶۲ھ۔

---

(۱) قال علیه الصلوة والسلام: "من اشتری سرقةً وهو یعلم أنها سرقة، فقد شرک فی عارها وإثمها". (فیض القدیر: ۱۱/ ۵۶۵۴، (رقم الحدیث: ۸۴۴۳)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز، ریاض)

"لم یحل للمسلم أن یشتری شیئاً یعلم أنه مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغیر حق، قال علیه السلام: "من اشتریٰ سرقةً": أی مسروقا "وهو یعلم أنها سرقة، فقد اشترک فی إثمها وعارها". (الحلال والحرام، فی الإسلام لیو سف القرضاوی، الفصل الرابع فی المعاملات، ص: ۲۱۶، المکتب الإسلامی)

"فمن علمتَ أنه سرق مالاً أو خانه فی أمانته أو غصبه فأخذه من المغصوب، قهراً بغیر حق، لم یجزلی أن آخذه منه، لا بطریق الهبة ولابطریق العوض ولاوفاءٍ عن أجرة ولاثمن مبیع". (مجمو عة الفتاوی لابن تیمیة: ۲۹/ ۲۴۲، مکتبة العُبَیکان سعودی عرب)

"لایجوز التصرف فی مال غیره بلا إذنه ولا ولایته". (الدرالمختار، کتاب الغصب، مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر بدون إذن صریح: ۶/ ۲۰۰، سعید)

(۲) "والحاصل: إن علم أرباب الأموال، وجب ردّه علیهم". (ردالمحتار، مطلب: فیمن ورث مالاً حراماً: ۵/ ۹۹، ۶/ ۳۸۵، سعید) ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

کٹے ہوے موئے انسانی کی کھاد اور اس کی تجارت

سوال[۷۷۷۴]: موئے انسانی جو نائی کاٹ کر پھینک دیتا ہے، بطورِ کھاد کے کھیتوں میں استعمال کرنا اور اس کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= (وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فى الكسب، رشيديه)

(وكذا فى الكاملية، ص: ۱۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "ولايجوز بيع شعر الآدمى، ولاالانتفاع به، ولابشيٍ من أجزاءه؛ لأن الآدمى مكرّم غيرمبتذل".

(مجمع الأنهر: ۸۵/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"وشعر الإنسان يعنى لايجوز بيع شعر الإنسان والانتفاع به؛ لأن الآدمى مكرم، فلايجوز أن يكون جزءه مهاناً". (تبيين الحقائق: ۳۷۶/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار: ۵۸/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا فى الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲۱۱/۴، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى البحرالرائق: ۱۳۳/۶، باب البيع الفاسد، رشيديه)

الفصل الثانی فی البیع الفاسد

(بیعِ فاسد کا بیان)

بیع میں شرطِ فاسد

سوال[۷۷۷۵]: قربانی کی کھالوں کو ایک جگہ جمع کر کے اور پھر ان کو فروخت کر کے ان کے مصارف میں رقم صرف کی جاتی ہے، لیکن کھالوں کی بکری کے وقت خریدار سے یہ شرط کر لی جاتی ہے کہ گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو جتنی کھالیں جمع ہوں گی انہیں تمہیں اسی نرخ پر خریدنا ہوگا۔ اس طرح بیع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع کے لئے شرطیں لگانا مفسدِ عقد ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بیع کے بعد مبیع کا بائع کی ملکیت میں رہنے کی شرط لگانا

سوال[۷۷۷۶]: ایک شخص کی زمین ہے اس میں چونہ کا بھٹہ اور گودام ہے، وہ کرایہ پر دے

---

(۱) "ولو كان البيع بشرطٍ لايقتضيه العقد، وفيه نفع لأحد المتعاقدين: أى البائع والمشترى، أو لمبيعٍ يستحق النفع بأن يكون آدمياً، فهو: أى هذا البيع فاسد". (مجمع الأنهر: ۳/۹۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"وكل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق، يفسده". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۶۲، شركت علميه ملتان)

(وكذا فى الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۸۴، ۸۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"لو كان فى الشرط منفعة لأحدالمتعاقدين بأن شرط البائع أن يقرض المشترى أو على القلب، يفسد العقد". (خلاصة الفتاوى: ۳/۵۰، كتاب البيوع، الفصل الخامس فى البيع، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول فى تعريف البيع، رشيديه) =

Made searchable using ScribeTools.com

رکھا ہے۔ دوسرا شخص اس زمین کا خریدار ہے، لینا چاہتا ہے، اس زمین کا بھٹہ وغیرہ توڑ کر اپنا مکان بنائے گا۔ کمپنی کی طرف سے قانون ہوگیا ہے کہ بھٹہ ایک سال میں اٹھا دیئے جائیں، لہٰذا وہ خریدار اس بات کو کہتا ہے کہ جب تک کمپنی اجازت دے اس وقت تک کرایہ بھٹہ آپ لئے جائیں، خواہ ایک سال ہو یا دو سال ہو، اس وقت تک کوئی مکان وغیرہ نہیں بناوے گا۔

اس صورت میں بائع کو کرایہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز بھی ہو اس میں کوئی میعاد کی جاوے یا بلا میعاد بھی جائز ہوسکتا ہے؟ جو شرع شریف کا حکم ہو اس سے مطلع کیا جاوے تاکہ عنداللہ ماخوذ نہ ہوں۔

محمد اکرام الحق، ۲/ جولائی/ ۱۹۴۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس وقت بیع کی جاوے گی، وہ زمین مشتری کی ملک میں آجائے گی اور بائع کی ملک سے خارج ہوجائے گی (۱)، بائع کو اس سے کرایہ وصول کرنے کا حق نہیں رہے گا۔ اور اس شرط سے فروخت کرنا کہ زمین مشتری کے قبضہ میں فی الحال نہ جاوے، بلکہ بائع بدستور اس سے نفع حاصل کرتا رہے اور بھٹہ اٹھنے کے بعد زمین پر مشتری کا قبضہ ہو، یہ ناجائز ہے (۲)، خواہ اس کی کچھ میعاد مقرر ہو یا نہ ہو، لہٰذا جواز کی صورت یہ ہے کہ ابھی

= (وكذا في النهر الفائق: ۳/۴۳۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(۱) "وأما حكمه، فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع، رشيديه)

"وحكمه ثبوت الملك: أي في البدلين لكل منهما في بدل". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۴/۵۰۶، سعيد)

(۲) "ولو كان البيع بشرطٍ لايقتضيه العقد، وفيه نفع لأحد المتعاقدين: أي البائع والمشترى، أو لمبيعٍ يستحق النفع بأن يكون آدمياً، فهو: أي هذاالبيع فاسد". (مجمع الأنهر: ۳/۹۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

"ولو كان في الشرط منفعة لأحد المتعاقدين بأن شرط البائع أن يقرض المشترى أوعلى القلب، يفسد العقد". (خلاصة الفتاوى: ۳/۵۰، كتاب البيوع، الفصل الخامس في البيع، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/۴۳۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان) =

Made Searchable by ScribeTools.com

مشتری کو جلدی بھی نہیں، اس لئے ابھی فروخت نہ کی جاوے، جب بھٹہ اٹھ جاوے اور زمین فارغ ہو جاوے اس وقت بیع کر کے اس پر مشتری کا قبضہ کرادیا جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲/۶/۵۹ھ۔

بیع بشرطِ اقالہ

سوال[۷۷۷۷]: زید نے تقریباً پانچ بیگھ زمین آبادی کے متصل اس شرط پر خریدی کہ جب تک تم یہاں رہو اس وقت تک میں جو چاہو بناؤ، اور تم جب جانا چاہو تو اپنی قیمت واپس لے کر ہماری زمین واپس کردو۔ زید نے اس زمین میں رہنے کا مکان اور نماز پڑھنے کا چبوترہ بنایا جس پر وہ باضابطہ باجماعت نماز پڑھتا ہے۔ اب وہاں سے وہ جانا چاہتا ہے تو کیا شرط کے مطابق قیمت واپس لیکر زمین واپس کرنا، اور زمین دار کا چبوترہ توڑ کر رہائش کا مکان بنانا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط پر خرید وفروخت ناجائز ہے، اس سے بیع فاسد ہوئی (۱)، جس کا فسخ کرنا واجب ہے (۲)۔

= (وكذا في الهداية: ۳/۲۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، شركت علميه ملتان)

(۱) "كل شرط اشترط في البيع ليس من البيع، فيه منفعة للبائع أو للمشترىٰ له، فالبيع فيه فاسدٌ". (كتاب الآثار، ص: ۱۶۲، باب التجارة والشرط في البيع، إدارة القرآن كراچی)

"ليس كل شرط يفسد البيع، بل لا بدّ أن لا يقتضيه العقد ولايلائمه ولايتعارف، وكان فيه منفعةٌ لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه". (النهر الفائق: ۳/۴۳۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۸۴، ۸۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۲) "(ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض): أي فسخ البيع الفاسد (أو بعده مادام المبيع بحال في يد المشترى إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (ردالمحتار: ۵/۹۰، ۹۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد) .....=

Made searchable using ScribeTools.com

قیمت واپس لیکر زمین بائع کے حوالہ کردے(۱)، پھر وہ اپنی زمین میں جو چاہے کرے۔ بیع فاسد کے ذریعہ زمین حاصل کرکے نماز کے لئے چبوترہ بنایا ہے، وہ مسجد شرعی نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۸۹ھ۔

بیع قبل القبض

سوال[۷۷۷۸]: زید نے عمر کو بارہ آنہ کے حساب سے مختلف قسم کے صندوق بنانے کے لئے قیمت دی یا اور بتلایا کہ بیس دن میں بنادینا۔ اب عمر صندوق بنارہا ہے۔ بیس دن پورے نہیں ہوئے، زید نے عمر سے کہا کہ تم صندوق چودہ آنہ کے حساب سے بیچ کر چودہ آنہ کے حساب سے مجھ کو قیمت دینا۔ اب عمر نے رکھ لیا کہ میں ایک روپیہ کے حساب سے بیچ کر دو آنہ نفع حاصل کروں گا۔ یہ معاملہ جائز ہے؟

بندہ: عبدالغفور سہارنپور۔

= "ولكل منهما فسخه يعنى على كل واحد منهما فسخه؛ لأن رفع الفساد واجب عليهما".
(تبيين الحقائق: ۴/۴۰۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)
(وكذا فى مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، فصل: ۳/۹۶، غفاريه كوئٹه)

(۱) "وبعد الفسخ لا يأخذه بائعه حتى يرد ثمنه المنقود". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۹۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)
(وكذا فى ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۹۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(۲) اس لئے کہ مشتری نے اس جگہ مسجد نہیں بنائی ہے، بلکہ اسکی حیثیت مصلی کی ہے، البتہ اگر مشتری اس کو شرعی مسجد بنالیتا تو اسے شرعی مسجد قرار دی جاتی، کیونکہ بیع فاسد کے ذریعہ حاصل کی ہوئی زمین پر شرعاً مسجد بنانا درست ہے:

"وإذا قبض المشترى المبيع برضا بائعه صريحاً أو دلالةً فى البيع الفاسد ولم ينهه، مَلَكه..... وإذا ملكه، تثبت كل أحكام الملك إلاخمسة: لايحل له أكله، ولالبسه، ولاوطؤها، ولا أن يتزوجها منه البائع، ولاشفعة لجاره لو عقاراً". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۸۹، ۹۰، باب البيع الفاسد، سعيد)

"أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكاً باتاً ولو بسبب فاسد..... وصح وقف ماشراه فاسداً بعد القبض، وعليه القيمة للبائع". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، سعيد) ..... =

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائز ہے، زید کو چاہئے کہ پہلے اپنے صندوق پر قبضہ کرے(۱)، اس کے بعد اگر چاہے تو عمر کے حوالہ کردے کہ میں نے یہ صندوق ۱۴/ آنہ میں تیرے ہاتھ فروخت کردیا اور عمر اس کو خریدنے پر جس قیمت پر چاہے فروخت کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۴/ ربیع الاول/ ۵۸ھ۔

= "ولابدّ من إفرازه: أی تمیزه عن ملکه من جمیع الوجوه". (ردالمحتار، کتاب الوقف: ۳۵۶/۴، مطلب فی أحکام المسجد، سعید)

(۱) "للمشتری أن یبیع المبیع من آخر قبل قبضه إن کان عقاراً، وإن کان منقولاً فلا". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الباب الرابع فی بیان المسائل المتعلقة بالتصرف فی الثمن والمثمن ۱۲۸/۱، (رقم المادة: ۲۵۳)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"ومن اشتری شیئاً مماینقل ویحول، لم یجز بیعه حتی یقبضه؛ لأنه نهی عن بیع مالم یقبض، ولأن فیه غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک". (الهدایة: ۷۷/۳، کتاب البیوع، باب التولیة، إمدادیه ملتان)

"لایجوز بیع المنقول قبل القبض، لمارویناه، ولقوله علیه السلام: "إذا ابتعت طعاماً، فلاتبعه حتی تستوفیه". (تبیین الحقائق: ۴۳۷/۴، فصل: کتاب البیوع، صح بیع العقار قبل قبضه، دارالکتب العلمیة بیروت)

"لایصح بیع المنقول قبل قبضه، لنهیه علیه السلام عن بیع مالم یُقبض". (مجمع الأنهر: ۱۱۳/۳، کتاب البیوع، باب التولیة، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی تکملة فتح الملهم، کتاب البیوع، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض: ۳۵۰/۱، دارالعلوم کراچی)

(وکذا فی البحرالرائق: ۱۹۳/۶، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۳/۳، کتاب البیوع، الباب الثالث فی معرفة المبیع، رشیدیه)

Made searchable using ScribeTools.com

خریدے ہوئے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع

سوال[۷۷۷۹]: ۱.....زید نے باہر سے مال برائے تجارت بذریعۂ بینک منگایا، مال آجانے پر زید چھڑا نہیں سکا، مال چھوڑا نہیں۔ جس قدر زید سے تاخیر ہوئی، اسی قدر اس پر محصول روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ زید نے بکر سے کہا میں نے اپنا مال جو منگایا ہے، چھڑا نہیں سکتا ہوں، اس لئے اس مال کو بلا منافع تمہارے ہاتھ پر فروخت کرتا ہوں، جو بلٹی بذریعۂ بینک آئی ہے، تم اس کو خرید لو۔ بکر نے اس مال کا روپیہ اور جو کچھ اس پر محصول تھا سب کچھ ادا کر کے مال کو اپنے قبضہ میں کر کے سنبھال لیا۔ اس کے بعد بکر نے زید کے ہاتھ پر وہی مال منافع سے فروخت کر دیا، منافع تمام اس رقم پر لگا دیا جو اس پر خرچ ہوا۔

۲.....زید اور بکر دونوں کا دلی منشا بھی یہی تھا کہ اول زید اپنے مال کو بلا منافع بکر کے ہاتھ فروخت کرے اور بکر اپنے روپے سے اس مال کو چھڑا کر مقرر کردہ منافع پر زید ہی کو فروخت کر دے، مقررہ کردہ طریقہ پر آپس میں زید اور بکر مال کو خرید و فروخت کرتے ہیں۔

۳.....بکر نے زید سے یہ شرط بھی کی کہ جس وقت تک میرا کل مطالبہ تحریر نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کو روزانہ کی بکری مجھے دینی ہوگی، اور اس درمیان میں جو مال آپ منگایا کریں گے، وہ مال اسی طرح پر میرے ہاتھ مقررہ شرائط پر فروخت کرنا پڑے گا، اور اسی طرح مال پر منافع لگا کر آپ کو فروخت کر دیا کروں گا۔ زید نے شرط منظور کی۔

مندرجہ بالا طریقہ عند الشرع درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

عبد الباری، ۱۰/ اگست/۴۳ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مندرجہ بالا طریقہ خلافِ شرع و ناجائز ہے۔ جب تک زید اس مال پر اپنا قبضہ نہ کرے اس کو فروخت نہیں کر سکتا (۱)۔ جواز کا طریقہ یہ ہے کہ کسی سے قرض لے کر اول مال چھڑا لے، پھر جس کے ہاتھ

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من ابتا ع طعاماً، فلایبعه حتی یقبضه". قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: وأحسب کل شئ بمنزلة الطعام".

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من ابتا ع =

جس قیمت پر چاہے فروخت کرے۔ روزانہ کی بکری کا مطالبہ بھی صورت مسئولہ میں ناجائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۶۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۸/ ۶۲/۸ھ۔

فصل پر جو غلہ کا نرخ ہو اس حساب سے خریدنا

سوال[۷۷۸۰]: ہمارے اطراف میں غریب کو غلہ اس شرط پر دیتے ہیں کہ آج سے دو ماہ کے بعد جو غلہ کا بھاؤ ہوتا ہے، اسی حساب سے اس غلہ کی قیمت لوں گا، یا اس قیمت کا جو غلہ ہوگا، وہ لوں گا۔ اسی طرح مکئی اس شرط پر دیتے ہیں کہ دو تین ماہ کے بعد اس کے عوض میں اتنا ہی چاول لوں گا۔

= طعاماً، فلا يبعه حتى يستوفيه". قال حدثني أبو الزبير أنه سمع جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنهما يقول: كان رسو ل الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا ابتعت طعاماً، فلاتبعه حتى تستوفيه". (الصحيح لمسلم: ۵/۲، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، قديمى)

(وسنن أبى داؤد: ۱۳۷/۲، كتاب البيوع، باب فى بيع الطعام قبل أن يستوفى، إمداديه ملتان)

"فيحر م بيع كل شئ قبل قبضه، طعاماً كان أو غيره". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض: ۳۵۰/۱، مكتبه دارالعلوم كراچى)

"لا يصح بيع المنقو ل قبل قبضه، لنهيه عليه السلام عن بيع مالم يقبض". (مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۱۳/۳، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الهداية: ۷۷/۳، كتاب البيوع، باب التولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق: ۱۹۳/۶، كتاب البيع، فصل فى بيان التصرف فى البيع، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴۳۵/۴، كتاب البيوع، فصل: صح بيع العقار قبل قبضه، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) روزانہ بکری کا مطالبہ چونکہ شرطِ فاسد ہے، الہدایہ بیع فاسد ہے: فإن كان فيه منفعة لأحد المتعاقدين، فالبيع فاسد؛ لأن الشرط باطل فى نفسه، والمنتفع به غير راض بدونه، فتتمكن المطالبة بينهما بهذا الشرط، فبهذا فسد به البيع". (المبسوط للسرخسى، باب البيوع إذا كان فيها شرط: ۱۸/۱۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

اگراس طرح قیمت لینا تجویز ہوتو وہ بوقتِ عقد مجہول ہے، اور جہالتِ ثمن مفسدِ بیع ہے۔ اگر قیمت میں غلہ لینا قرار پائے جس کا نرخ بھی وقتِ عقد معلوم نہیں تو اس میں جہالتِ ثمن کے ساتھ قیمت قرار دینے کی وجہ سے غلہ کی بیع غلہ سے ہوئی جو کہ نہ "یداً بیدٍ" ہے اور نہ "مثلاً بمثل"۔ اگر مکئی کے عوض چاول لینا طے ہوتو اس میں "یداً بیدٍ" نہیں کہ ربائے نسیئہ ہے:

"وعلته: أی تحریم الزیادة القدرُ مع الجنس، فإن وُجدا، حرم الفضل والنسأ، فلم یجز بیع قفیزبُرٍّ بقفیز منه متساویاً وأحدها نسأ. وإن وجد أحدهما: أی القدر وَحْدَه أو الجنس، حل الفضل وحرم النسأ، فحرم بیع کیلیٍ ووزنی بجنسه متفاضلاً، وحل متماثلاً". درمختار(۱)۔

"وشرط لصحته معرفة قدر مبیع وثمن. وخرج أیضاً مالوکان الثمن مجهولاً کالبیع

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵/ ۱۷۱، کتاب البیوع، باب الربوا، سعید)

"(وعلته القدر والجنس، فحرم الفضل والنسأ بهما): أی بالجنس والقدر، لما بیّنّا أنهما علة الربا. (والنسأ فقط بأحدهما): أی حرم النسأ، وحل التفاضل بوجودهما، أما القدر دون الجنس کالحنطة بالشعیر، أو الجنس دون القدر کالهروی بالهروی، لقوله علیه السلام: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّ بالبر، والشعیر بالشعیر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، فإذا اختلف هذه الأصناف، فبیعوا کیف شئتم إذاکان یداً بید". (تبیین الحقائق: ۴/ ۴۵۱، ۴۵۲، کتاب البیوع، باب الربا، دارالکتب العلمیة بیروت)

"وعلته القدر والجنس، فحرم بیع الکیلی والوزنی بجنسه متفاضلاً أو نسیئةً ولو غیر مطعوم کالجص والحدید، وحل متماثلاً بعد التقابض أو متفاضلاً غیر معیر کخفنة بخفنتین، وبیضة ببیضتین، وثمرة بثمرتین، فإن وجد الوصفان، حرم الفضل والنسأ، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لاالنسأ". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۱۲۰، ۱۲۱، کتاب البیوع، باب الربا، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۶/ ۲۱۱، کتاب البیع، باب الربا، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۳/ ۸۱، باب الربوا، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

بقیمته أو برأس ماله أو بما اشتراه أو بمثل مااشتراه فلان، فإن علم المشترى بالقدر فى المجلس، جاز. ومنه أيضاً مالو باعه بمثل مايبيع الناس، إلا أن يكون شيئاً لايتفاوت".

ردالمحتار، كتاب البيوع(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۹ھ۔

کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے پیداوار کی بیع

سوال[۷۷۸۱]: کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے اس کی پیداوار کی فروخت کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ھذا، ۱۳/ جمادی الاول/ ۵۹ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۴/۵۲۹، كتاب البيوع، مطلب: مايبطل الإيجاب سبعةٌ، سعيد)

"وأما جهالة الثمن فمانعة أيضاً كما إذا باع شيئاً بقيمته أو بحكم المشترى أو فلان..... وبيع الشئ برقمه أو برأس ماله ولم يعلم المشترى كذلك". (البحر الرائق: ۵/۴۵۹، كتاب البيوع، رشيديه)

"يلزم أن يكون معلوماً، فلوجهل الثمن، فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ۴/۲۸۰، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۳/۱۲، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۲۷، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثامن فى جهالة المبيع أو الثمن، رشيديه)

(۲) "بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمرة لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۸، (رقم المادة: ۲۰۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"نهى رسول صلى الله عليه وسلم عن بيع ماليس عند الإنسان، ورخص فى السَّلَم". (بدائع =

Made searchable using ScribeTools.com

پکنے اور بڑے ہونے سے پہلے پھل کی بیع

سوال[۷۷۸۲]: ہمارے دیار میں یہ رواج ہے کہ آم درخت میں جب چھوٹے چھوٹے ہی رہتے ہیں، تو مالکان اسے فروخت کردیتے ہیں، اور پک جانے کے بعد مشتری (خریدار) اپنے کام میں لاتا ہے۔ تو کیا اس طرح سے بیع وشراء (خرید وفروخت) جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح باغ کو خریدنا درست ہے(۱)، لیکن مشتری (خریدار) کے ذمہ واجب ہے کہ فوراً آم توڑ لے

= الصنائع، كتاب البيوع، فصل فيما يرجع إلى المعقود عليه: ۵۶۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"وبيع (أى لايجوز بيع) ماليس فى ملكه، لبطلان بيع المعدوم". (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۸/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"وشرط المعقود عليه كونه موجوداً، فلم ينعقد بيع المعدوم". (رد المحتار: ۵۰۵/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لخالد الأتاسى، (رقم المادة: ۱۹۷، ۱۹۹)،

(وكذا فى إعلاء السنن: ۱۷۵/۱۴، كتاب البيوع، باب النهى عن سلف وبيع والشرطين فى بيع وربح مالم يضمن وبيع ماليس عنده، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها) بأن أمنت العاهةَ والفسادَ (أولا، صح)". (النهر الفائق: ۳۵۹/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

"بيع الثمر على الشجر لايخلوا: إما أن يكون قبل الظهور أو بعده، والأول لايجوز، والثانى جائز، بَدَا صلاحها بصلاحها لانتفاع بنى آدم، أوعلف الدواب، أولم يبد؛ لأنه مال متقوم، لكونه منتفعاً به فى الحال أوفى الزمان الثانى، فصار كمبيع الجحش والمهر". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۲۸۷/۶، كتاب البيوع، فصل: ومن باع داراً، دخل بناء ها فى البيع الخ، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولم يبد، صح)؛ لأنه مال متقوم، إما لكونه منتفعاً به فى الحال أوفى المآل ..... (ويقطعهاالمشترى للحال)". (مجمع الأنهر: ۲۵/۳، كتاب البيوع، مطلب فى بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً، مكتبه غفاريه كوئٹه) ..... =

اور بائع (بیچنے والا) کے درخت سے اپنی ملک علیحدہ کرلے۔ اگرخریدتے وقت شرط کرلی ہے کہ آم پکنے تک درخت پر لگے رہیں گے اور پکنے کے بعد توڑوں گا تو یہ شرط فاسد ہے اور مفسدِ بیع ہے(۱)۔ ہاں! اگر بیع میں شرط کا کوئی ذکر نہ ہو اور بیع کے بعد بائع سے اجازت لے لی جائے تو جائز ہے:"ومن باع ثمرةً لم يبدصلاحها، أوقد بَدَا، جاز". هدايه(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في الدرالمختار: ۵۵۵/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۹، (رقم المادة: ۲۰۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) عام تجار اور بائعین کی عادت اور ان کا تعامل اس وقت یہ ہے کہ پھلوں کو قبل از بدوّ صلاح خریدتے ہیں، اور اس میں درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگاتے ہیں، ان کے اس تعامل اور عمومِ بلوی کی وجہ سے پھلوں کو خریدتے وقت درختوں پر چھوڑ دینے کی شرط لگانے کی گنجائش ہے:

"ان تباع الثمار بعد ماتناهى عظمها وبَدَا صلاحها، فشرط الترك في هذه الصورة جائزة عند محمد رحمه الله تعالىٰ، وبه أفتى كثيرٌ من المشايخ، لعموم البلوى، واختاره الطحاوى، وإليه مال ابن الهمام ..... ففي هذه الصورة سعة أيضاً عند عموم البلوى ..... وذكر ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ أنه لوكان الترك متعارفاً بينهم، فسد البيع وإن لم يشترط الترك في العقد لفظاً؛ لأن المعروف كالمشروط، ولكن لم يقبله شيخ مشايخنا الأنور رحمه الله تعالىٰ فقال: وتفصيل الشامي ليس بمختار عندى". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب النهى عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، حكم مايتعامل به الناس اليوم: ۳۹۴/۱، دارالعلوم كراچی)

قال العبد الضعيف: "أن العرف إذا جرى ببيع الثمار بعد بدوّ الصلاحها بشرط الترك واشتدت إليه الحاجة، كان قياس قول محمد رحمه الله تعالىٰ الجواز". (تكلمة فتح الملهم، المصدر السابق)

مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ شامی کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس تفصیل سے احکام ذیل معلوم ہوتے ہیں:

۱- جب تک پھول پھل کی صورت نہ اختیار کرلے، اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ علامہ ابن عابدین نے بُروز البعض کے بعد بیع کو ضرورت شدیدہ وابتلائے عام کی وجہ سے ملحق بالسلم قرار دے =

Made searchable using ScribeTools.com

.....

کر جائز لکھا ہے، ہمارے زمانے میں قبل البروز ہی بیع کا عام دستور ہے، وہی ضرورت شدیدہ وابتلائے عام یہاں بھی ہے، جس کی وجہ سے الحاق بالسلم کیا گیا، فلیتأمل۔

۲- پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابلِ انتفاع بھی ہوگیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

۳- حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قولِ جواز راجح ہے۔

۴- کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے، جواز راجح ہے۔

۵- صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت دے دی تو پھل حلال رہے گا۔

اس میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آج کل پھلوں کے پکنے تک درخت پر چھوڑنا متعارف ہے تو "المعروف کالمشروط" کے تحت یہ بیع فاسد ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرط ابقاء کے مفسدِ عقد ہونے کی علت افضاء إلی المنازعۃ ہے، اور تعاملِ ابقاء کی صورت میں احتمالِ منازعہ نہیں"۔(أحسن الفتاوی، کتاب البیوع، باغ پر پھل کی بیع کی مختلف صورتیں: ۶/ ۴۸۶، سعید)

(۲) (الهداية: ۳/ ۳۱، كتاب البيوع، فصل، شركت علميه ملتان)

"ولو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". (الهداية: ۳/ ۳۲، كتاب البيوع، شركت علميه ملتان)

"والحاصل أن الشرط إذا لم يكن في العقد ولم يأمره البائع بالقطع، طاب له تركه، سواء كان معروفاً أولا. ولا ألتفت إلى ماقاله الشامي: إن المعروف كالمشروط، بعد ماوجدتُ روايةً عن الإمام عند الحافظ ابن تيمية في فتاواه. والله أعلم". (فيض الباري: ۳/ ۲۵۵، ۲۵۶، خضر راہ بک ڈپو دیوبند)

"ولواشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۱۰۶، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

Made Searchable by ScribeTools.com

کچا پھل خرید کر اس کو بائع کے درخت سے توڑنے کی شرط

سوال[۷۷۸۳]: یہ جو شرط ہے کہ جب آم کچے بالکل تیار ہو جائیں تو اس کو مشتری درخت سے علیحدہ کر لے اور اس کا درخت خالی کر دے اور اس کو درخت پر نہ پکاوے اور اگر اس نے درخت پر پکالیا جیسا کہ یہاں دستور ہے تو اس پھل کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط صحیح ہے(۱)، معاملہ صحیحہ کے بعد اگر بائع نے اپنے درخت پر لگے رہنے کی اجازت دیدی تو درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ جمادی الاولی/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "ومن باع ثمرةً لم يبد صلاحها: وقد بَدَا، جاز البيع، وعلى المشترى قطعها فى الحال تفريغاً لملك البائع. وهذا إذا اشتراها مطلقاً أو بشرط القطع". (الهداية، كتاب البيوع، فصل: من باع داراً، دخل بناءها فى البيع: ۲۹/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا،صح، ويقطعها المشترى) تفريغاً لملك البائع إذا اشتراها مطلقاً أو بشرط القطع". (تبيين الحقائق: ۲۹۵/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا ، صح) (كنز الدقائق). "(وقوله: ثمرةً): أى ظاهرةً، قيدنا به؛ لأن بيعها قبل الظهور لايصح اتفاقاً، وقبل بدو الصلاح بشرط القطع فى المنتفع به صحيح اتفاقاً". (البحر الرائق: ۵۰۲/۵، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۲۶/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۲) "ولو اشتراها مطلقاً وتركها بإذن البائع، طاب له الفضل". (تبيين الحقائق: ۲۹۵/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"(وإن تركها): أى الثمرة الغير متناهية على الشجر (بإذن البائع بلا اشتراط) تركها حالة العقد (طاب له): أى للمشترى الزيادة الحاصلة فى ذات الثمرة بالترك؛ لأنه حصل بطريق مباح". (مجمع الأنهر: ۲۷/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه) .....=

Made searchable using ScribeTools.com

پھل آنے سے پہلے ان کی بیع

سوال[۷۷۸۴]: جن درختوں پر پھل آیا ہو، خرید سے پہلے ٹھیکہ لینا جائز نہیں، یا پھل آنے پر ٹھیکہ لینا چاہئے؟ ایسے پھلوں کا کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب پھل نہیں آیا تو پھل کا خریدنا ناجائز ہے(۱)، البتہ اگر زمین ٹھیکے پر لے لے اور اس کے بعد پھل آئے تو وہ پھل بھی درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۲۷/۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳۲/۳، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۰۶/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل الثاني في بيع الثمار وأنزال الكروم الخ، رشيديه)

(۱) "بيع المعدوم باطل، فيبطل بيع ثمرة لم تبرز أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم، باز، ص: ۹۸، رقم المادة: ۲۰۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لاخلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولافي عدم جوازه بعد الظهور قبل بدوّ الصلاح". (ردالمحتار: ۵۵۵/۴، كتاب البيوع، سعيد)

"ان تباع الثمار قبل ظهورها، وهذا لم يقل أحد بجوازه، سواء جرى به التعامل أولا".

(تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدوّ صلاحها: ۳۹۳/۱، مكتبه دارالعلوم كراچی)

"(ومن باع ثمرةً بَدَا صلاحها أولا، صح)؛ إذ لاخلاف في عدم جواز بيعها قبل أن يظهر".

(النهر الفائق: ۳۵۹/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۹۶/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ۲۸۷/۶، كتاب البيوع، فصل: ومن باع داراً، دخل بناءها في البيع، الخ، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) بشرطیکہ زمین کا مالک مستاجر کے لئے حلال قرار دے: ..... =

اندرونِ زمین آلو وغیرہ کی بیع

سوال[۷۷۸۵]: زمین کے اندر جو چیزیں جیسے آلو، پیاز تو وہ اندازہ سے خریدنا درست ہے یانہیں؟ اگر دونوں رضامند ہوں تو حکم عدمِ جواز کا رہے گا یا جواز کا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

آلو وغیرہ بغیر اکھاڑے خریدنے میں بسا اوقات دھوکہ ہوتا ہے جس سے خریدار یا مالک کو نقصان ہوتا ہے اور نزاع بھی ہوتا ہے، اس لئے اس طرح فروخت نہ کیا جائے (۱)، نہ خریدا جائے، ہاں! اگر دھوکہ نہ ہو تو درست ہے، مثلاً خرید کر جب ہی سامنے اکھاڑ لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

= "وفی ثمار الأشجار یشتری الموجود، ویحل له البائع مایوجد". (البحر الرائق: ۵/۵۰۳، کتاب البیع، فصل: یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار، رشیدیه)

"والحیلة فی کون الحادث للمشتری أن یشتری أصول الباذنجان، والبطیخ والخیار والقطن، لیکو ن الحادث علی ملکه..... وفی الأشجار الموجودة، ویحل له البائع مایوجد". (الدر المنتقی مع مجمع الأنهر: ۳/۲۹، کتاب البیو ع، غفاریه کوئٹه)

"والحیلة فی الکل أن یستأجر مو ضعاً معلوماً لعطن الماشیة ویبیح الماء والمرعی". (ردالمحتار: ۶/۶۳، کتاب الإجارة، مطلب الإجارة إذا وقعت علی العین لاتصح والحیلة فیه، سعید)

(۱) "(اللبن فی الضرع): أی لایجوز بیعه، للغرر، فعساه انتفاخ، ولأنه ینازع فی کیفیة الحلب، وربما یزداد فیختلط المبیع بغیره..... (واللؤلؤ فی الصدف) للغرر، وهو مجهول لایعلم وجوده ولاقدره". (البحرالرائق: ۶/۱۲۲، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

"ولایجوز بیع اللبن فی الضرع، فإنه فاسد للغرر، وهومجهول لایعلم وجوده ولاقدره". (مجمع الأنهر: ۳/۸۱، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

(۲) لیکن اس وقت ناجائز ہے کہ آلو وغیرہ کا وجود معلوم نہ ہو، اور اگر ان کا وجود یقینی ہو، اور وہ کسی حد تک قابلِ انتفاع بھی ہو جائیں تو ان کی بیع جائز ہے، لیکن خریدار کو ایک معتد بہ حصہ دیکھنے تک خیارِ رؤیت حاصل ہوگی:

"(المعدوم کبیع حق التعلی) .....ومنه بیع ماأصله غائب کجزر وفجل، أو بعضه معدوم =

Made searchable using ScribeTools.com

باغ فروخت کرکے کچھ آم مستثنیٰ کرنا

سوال[۷۷۸۶]: زید ایک باغ نیلام کرتا ہے اور نیلام کے لئے کچھ شرائط مقرر کرتا ہے، مثلاً:

۱- اس کی قیمت کے علاوہ من آم کچے اور دو من پکے لئے جائیں گے۔ ان آموں کا دارومدار قیمت پر ہوتا ہے، اگر دام کم ہوں گے تو آم زیادہ لئے جائیں گے، اگر دام زیادہ ہوں گے تو آم کم لئے

= كورد وياسمين وورق ..... وجوّزه مالك، لتعامل الناس، وبه أفتى بعض مشايخنا عملاً بالاستحسان. هذا إذا نبت ولم يعلم وجوده، فإذا علم، جاز، وله خيار الرؤية، وتكفى رؤية البعض عند هما، وعليه الفتوى". (الدرالمختار). "(قوله: هذا إذا نبت) الإشارة ..... ما أصله غائب وكان الأولى أن يقول: هذا إذا لم ينبت أو نبت ولم يعلم وجوده، فإنه لايجوز بيعه فيهما". (ردالمحتار: ۵/۵۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"بيع ما أصله غائب وعلم وجوده، يجوز، وله خيار الرؤية، إن شاء أخذه. وتكفى رؤية البعض عندهما، وعليه الفتوى". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب البيوع: ۱/۲۵۱، مكتبه ميمنيه مصر)

"وإن كان المبيع مغيباً تحت الأرض كالبصل والثوم بعد النبات إن عرف وجوده تحت الأرض، جاز، وإلا فلا. فإذاباعه، ثم قلع منه نموذجاً، ورضى به، فإن كان مما يباع كيلاً كالبصل أو وزناً كالبقل، بطل خياره عندهما، وعليه الفتوى". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۳/۵۵، كتاب البيوع، فصل: من اشترى مالم يره، غفاريه كوئٹه)

"وإن باع ماهو مغيب فى الأرض كالجزر والبصل وأصول الزعفران والثوم والشلجم والفجل، إن باع بعد ما ألقى فى الأرض قبل النبات أو نبت الآن غير معلوم، لايجوز البيع. فإن باع بعد مانبت نباتاً معلوماً يعلم وجوده تحت الأرض، يجوز البيع ويكون مشترياً شيئاً لم يره عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ثم لايبطل خياره ما لم ير الكل ويرضى به. وعلى قول صاحبيه لايتوقف خياره الرؤية على رؤية الكل، وعليه الفتوى". (البحر الرائق: ۵/۵۰۴، كتاب البيوع، فصل: يدخل البناء والمفاتيح فى بيع الدار، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۱۹۰، كتاب البيوع، فصل فى خيار الرؤية، رشيديه)

جائیں گے۔

۲-نصف قیمت ایک ہفتہ میں اورنصف قیمت آم کے پکنے کے بعد لی جائے گی، وغیرہ وغیرہ۔تو یہ صورتیں جائز ہیں یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ شرط ہے کہ آم اسی باغ پر لئے جائیں گے تو درست نہیں کہ یہ استثناء باطل ہے جس کو قدوری(۱)، ہدایہ وغیرہ جملہ کتبِ فقہ میں منع لکھا ہے(۲)۔اگراس باغ کے آم ہونا شرط نہیں اورقسم آم کی متعین کرلی جائے کہ جہالتِ مفضی الی النزاع مرتفع ہوجائے تو ان کو جزوِثمن قرار دیا جائے گا۔اور بقیہ مذکورہ شرائط طرفین کی اجازت سے طے شدہ سب جائز ہیں(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "ولایجوز أن یبیع ثمرةً ویستثنی منها أرطالاً معلومةً". (مختصر القدوری، ص: ۱۱۹، کتاب البیوع، سعید)

(۲) "ولایجوز أن یبیع ثمرةً، ویستثنی منها أرطالاًمعلومةً، خلافاً لمالک رحمه الله تعالیٰ؛ لأن الباقی بعد الاستثناء مجهول، بخلاف ما إذا باع واستثنی نخلاً معیناً ؛ لأن الباقی معلوم بالمشاهدة". (الهدایة: ۳/۳۲، کتاب البیوع، فصل ومن باع داراً، دخل بناء ها فی البیع ، شرکت علمیه ملتان)

"أجازه قیاساً علی استثناء شجرة معینة قلنا: قیاس مع الفارق؛ لأن الباقی بعد إخراج المستثنی غیر مشار إلیه معلوم الکیل المخصوص، فکان مجهولاً، بخلاف الباقی بعد إخراج الشجرة، فإنه معلوم مفرز بالإشارة". (فتح القدیر: ۶/۲۹۵، کتاب البیوع، فصل : ومن باع داراً، دخل بناء ها فی البیع ، الخ، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

لیکن اگراسی باغ کے آم کومستثنیٰ کرلیا جائے تو تعامل کی وجہ سے بھی جائز ہے، بشرطیکہ آم کی مقداراوروصف اس طرح واضح ہوکہ اس سے جھگڑے کا کوئی اندیشہ نہ رہے۔اوراس میں یہ بھی شرط ہے کہ باغ کی موجودہ حالت سے یہ گمان غالب ہوکہ باغ میں مستثنیٰ مقدار سے زیادہ ہی آم لگے گا۔ ..... =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

.....

= **سوال**: ''کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ لوگ اپنا باغ پھل ظاہر ہونے پر جس وقت فروخت کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ قیمت لیں گے اور اس قدر لے، یعنی ہزار پانسو انبہ ہم لیں گے، خریدار اپنا سمجھوتہ یا ہبہ قیمت کر کے خرید لیتا ہے، اور انبہ دینے پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ یہ انبہ لینے جائز ہیں یا نہیں، اگر ناجائز تو صورتِ جواز کیا، اور جائز ہے تو مطلقاً یا کسی خاص درخت کے انبہ کی تعیین کرے؟ اکثر باغ والے اس صورت سے فروخت کرتے ہیں کہ ہم باغ خود تو کھا نہیں سکتے اس صورت سے کھا بھی لیتے ہیں اور فروخت بھی کر دیتے ہیں۔ دیوبند کو لکھ تھا، مفتی صاحب نے لکھا کہ تعداد انبہ ہزار پانچسو کرے خاص درخت کی تعیین نہ کرے یہ جائز ہے، درمختار میں ہے۔ حسبِ اتفاق مراد آباد کے نوجوان علماء یہاں ایک تقریب میں آئے ان کے سامنے بھی ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا: ناجائز ہے، بیع مجہول ہے، صفقہ فی صفقتین ہے۔ اس سے خلجان ہو گیا، لہٰذا گزارش ہے کہ حضرت بھی اس کا جواب تحریر فرماویں تا کہ کسی امر کا وثوق ہو جاوے۔ فقط۔

الجواب: ''اول اس عقد کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے، سو اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ انبہ معہودہ کو بدل قرار دیا جاوے، یعنی مشتری بدل میں دو چیزوں کے دینے کا وعدہ کرے: ایک اتنا روپیہ دوسرا اتنا انبہ، یہ تو ظاہر ہے کہ ناجائز ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اتنی مقدار کے انبہ بیع سے مستثنیٰ سمجھے جاویں، سو اس میں بھی یہ خدشہ ہے کہ اول تو انبہ مقدار میں تفاوت کوئی چھوٹا، کوئی بڑا، اس میں نزاع کا احتمال۔ دوسرے ممکن ہے کہ کل انبہ اتنے ہی پیدا ہوں تو استثناء کہاں صحیح ہوگا۔ تیسرے جب یہ مستثنیٰ ہوا تو غیر مبیع ہوگا، پھر مشتری کے ذمہ اس کی حفاظت کیسے ہوگی، لیکن تعامل عام کے سبب یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب عادۃً نزاع نہ ہوا اور غالباً انبہ زیادہ ہوں تو جائز کہہ دیں گے۔ اور اگر کسی خاص درخت کو پورا مستثنیٰ کر لیں تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں''۔

(إمداد الفتاوی، کتاب البیوع، پھلوں اور پھولوں کی بیع: ۹۸/۳، دار العلوم کراچی)

''فصح استثناء قفيز من صبرة وشاة معينة من قطيع وأرطال معلومة من بيع تمر نخلة لصحة إيراد العقد عليها ولو التمر على رؤوس النخل على الظاهر''. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، فصل فی مايدخل فی المبيع تبعاً ومالايدخل فيه: ۵۵۸/۴، سعيد)

(۳) اس میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ مدت معلوم ہو: ''يلزم أن تكون المدة معلومةً فی البيع بالتأجيل والتقسيط''. (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع: ۵۳۱/۴، سعيد)

(وكذا فی مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب البيوع، : ۱۳/۳، غفاريه كوئٹه)

باغ فروخت کرکے کچھ پھل مستثنیٰ کرنا

سوال[۷۷۸۷]: جنس کی شے کسی کو تحفہ دینا اس حال میں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ شے جو مجھ کو دیتا ہے جنس کی ہے تو اس کے لئے کھانا درست ہے یا نہیں اور جنس کو فروخت کرنا جبکہ خریدار کو علم ہے کہ یہ جنس کی ہے تو اس کے لئے خریدنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنس میں اگر درخت کی تعیین تھی تو ایسی جنس کرنا اور اس کو فروخت کرنا منع ہے(۱)، ورنہ درست ہے، بشرطیکہ طرفین کی رضامندی کے ساتھ ہو، کوئی اَور امر مفضی الی النزاع، یا کوئی اَور امر خلافِ شرع نہ ہوں۔ اگر درخت کی تعیین نہیں کی، مثلاً یہ کہا کہ اس باغ کی قیمت میں سو روپیہ لوں گا، اور سو آم لوں گا، خواہ کسی درخت یا باغ کے دے، یا یہ کہا کہ کل باغ میں جس قدر آم ہیں اس میں سے ایک چوتھائی مثلاً لوں گا تو یہ جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) یہ صورت اس میں ناجائز ہے کہ آم کی ایک خاص مقدار کو ایک معین درخت سے مستثنیٰ کیا جائے، کیونکہ اس صورت میں غرر لازم آئے گا، اس لئے یہ ممکن ہے کہ وہ خاص مقدار اس معین درخت سے حاصل نہ ہو جائے۔ البتہ اگر وہ خاص مقدار اس قدر ہو کہ اس کا ملنا یقینی ہو اور کوئی نزاع اور جھگڑا نہ ہو، یا باغ فروخت کرتے وقت ایک معین درخت کو مستثنیٰ کیا جائے تو ان صورتوں میں خرید وفروخت کرنا جائز ہے:

”عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله عليه وسلم نهی عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر“. (إعلاء السنن: ۱۴/ ۱۱۶، كتاب البيوع، باب النهی عن بيوع الغرر، إدارة القرآن كراچی)

”ولايجوز أن يبيع ويستثنی منها أرطالاً معلومةً ..... بخلاف ما إذا باع واستثنی نخلاً معيناً؛ لأن الباقی معلوم بالمشاهدة“. (الهداية: ۳/ ۳۲، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فی إمداد الفتاویٰ، كتاب البيوع، پھل خریدنے والے سے کچھ مقدار پھل کی مقرر کرنا: ۳/ ۹۷، ۹۸، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) ”فإن استثنی جزءاً كربع وثلث، فإنه صحيح اتفاقاً“. (ردالمحتار: ۴/ ۵۵۹، كتاب البيوع، فصل =

Made searchable using ScribeTools.com

قبرستان کی گھاس فروخت کرنا

سوال[۷۷۸۸]: ہمارے یہاں قبرستان پر گھاس اُگتی ہے، اس میں جانور: گائے، بیل، بھینس چرنے کے لئے چھوڑنا اور اس سے آمدنی حاصل کرنا اور مسجد پر صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جو گھاس خود رو ہو اس کو بغیر کاٹے ہوئے فروخت کرنا مثلاً اس طرح کہ گائے وغیرہ کو وہاں چھوڑ دیا جائے کہ وہ خود ہی چر لیں اور اس کا معاوضہ لے لیا جائے، یہ معاملہ شرعاً درست نہیں (۱)، احترام قبور کے بھی خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= فی مایدخل فی المبیع تبعا ومالایدخل فیه، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۵/۵۰۷، کتاب البیوع، فصل: یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار، رشیدیه)

(۱) "عن رجل من المهاجرین من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قال: غزوت مع النبی صلی الله علیه وسلم. ثلاثاً أسمعه یقول: "المسلمون شرکاء فی ثلاث: الماء، والکلأ، والنار". (سنن أبی داؤد، کتاب الإجارة، باب فی الماء: ۲/۱۳۶، إمدادیه ملتان)

"والمراعی (أی بطل بیعها): أی الکلأ وإجارتها. أما بطلان بیعها، فلِعدم الملک، لحدیث: "الناس شرکاء فی ثلاث: فی الماء، والکلأ، والنار". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۲۶، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"والمراد به الکلأ دون رقبة الأرض؛ لأن بیع الأرض وإجارتها جائز إذا کان مالکاً لها، وإنما لایجوز بیع الکلأ وإجارته؛ لأنه لیس بمملوک له؛ إذ لایملکه بنباته فی أرضه مالم یحرزه، لقوله علیه الصلوة السلام: "المسلمون شرکاء فی ثلاثة: فی الماء، والکلأ، والنار". (تبیین الحقائق، ۴/۳۷۱، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۳/۸۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۱۰۹، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الثانی فی بیع الثمار، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۶/۱۲۷، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(۲) "عن عمر بن حزم رضی الله تعالیٰ عنه قال: رآنی النبی صلی الله علیه وسلم متکئاً علی قبر، فقال:=

مالک کی اجازت کے بغیر خودرو بانس کی بیع

سوال[۷۷۸۹]: ہمارے یہاں ایک زمیندار کی تقریباً ہزار بیگھ زمین ہوگی، اس میں چائے کی کاشت ہوتی ہے، لیکن اس زمین میں بانس وغیرہ کے درخت اُگ آتے ہیں جن کو کھیت کے سپاہی اور مزدور مالک کی چوری سے فروخت کردیتے ہیں۔ تو کیا ان کو خریدنا اور فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟ ابتلائے عام ہے ہماری طرف، تو کچھ تخفیف ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر مالک کی اجازت کے چوری سے خریدنا اور فروخت کرنا درست نہیں، وہ گھاس کے حکم میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔

= "لاتوذ صاحب هذاالقبر". أو "لا توذه". (مشكوة المصابيح، ص: ۱۴۹، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، قديمى)

(۱) "من اشترى سرقةً وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترك فى عارها وإثمها". (فيض القدير: ۵۶۵۴/۱۱، (رقم الحديث، ۸۴۴۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

"لم يحل للمسلم أن يشترى شيئاً يعلم أنه مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغير حق؛ لأنه إذا فعل يعين الغاصب أو السارق أو المعتدّى على غصبه وسرقته وعداوته، قال عليه الصلاة والسلام: "من اشترى سرقةً (أى مسروقاً) وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترك فى إثمها وعارها". (الحلال والحرام، فى الإسلام ليو سف القرضاوى، ص: ۲۱۶، المكتب الإسلامى بيروت)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملك غير ه بلا إذنه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومانقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لايتعدى إلى ذمتين، سألت عنه الشهاب بن الشلبى، فقال: هو محمول على مالم يعلم بذلك، أما من راى المكاس يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذه من ذلك الآخر، فهو حرام". (ردالمحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد) =

Made searchable using ScribeTools.com

بلا اذنِ مالک پتوں کی بیع

سوال[۷۷۹۰]: مالک کی اجازت کے بغیر بعض لوگ پتے توڑ کر لاتے ہیں اور ان کو لوگ خرید کر اپنے جانوروں کو کھلاتے ہیں۔ ان جانوروں کا دودھ پینے اور ان کی قربانی اور عقیقہ کا حکم؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر اجازتِ مالک کے پتے توڑنا اور فروخت کرنا منع ہے، ایسے لوگوں سے پتے خریدنا بھی منع ہے(۱)، اجازت کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ مالک کو معلوم ہو اور وہ منع نہ کرے(۲)، لیکن جس جانور کو یہ پتے کھلائے اس کا دودھ، گوشت حرام نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= "لأن الكلأ مالاساق له، والشجر له ساق، فلا تدخل فيه، حتى يجوز بيعها إذا نبتت فى أرضه، لكونها ملكه". (البحر الرائق: ۱۲۷/۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

"ويدخل فى الكلأ جميع أنواع ما ترعاه، رطباً كان أو يابساً، بخلاف الأشجار؛ لأن الكلأ مالاساق له والأشجار لهاساق، فلاتدخل فيه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۰/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع الفصل الثانى فى بيع الثمار وإنزال الكروم، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۳۷۲/۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن أبى حرة الرقاشي عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرء إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى، ص: ۲۵۵، قديمى)

(۲) "وإن كان فى البستان، فلو الثمار مما يبقى ولايفسد كالجوز واللوز، لايأخذه مالم يعلم الإذن. ولو مما لايبقى، فقيل: كذلك، والمعتمد أنه لابأس به إذا لم يعلم النهى صريحاً أو دلالةً أو عادةً". (ردالمحتار، كتاب اللقطة، مطلب فيمن وجد حطباً فى نهرٍ: ۲۸۴/۴، سعيد)

(۳) "ان جديا غذى بلبن خنزير، لا بأس بأكله؛ لأن لحمه لا يتغير، وما غذى به يصير مستهلكاً، لايبقى له أثر". (فتاوىٰ قاضى خان على الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۹/۳، كتاب الصيد والذبائح، رشيديه)

"كماحل أكل جدى غذى بلبن خنزير؛ لأن لحمه لايتغير، وماغذى به يصير مستهلكاً، لا يبقى =

Made Searchable by ScribeTools.com

دودھ کی قیمت جانچ کر متعین کرنا

سوال[۷۷۹۱]: ۱..... ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ لوگ دودھ خریدتے ہیں اور اس کا دام اس طرح طے کرتے ہیں کہ دودھ کا جائزہ لینے کی جو شیشی آتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیا دودھ خراب ہے یا اچھا ہے، اگر تغیر نہیں ہوا تو سترہ روپے بیس کلو ہوتے ہیں۔ اور اگر ڈھائی نمبر نکلا تو سولہ روپے اور اگر دو نمبر نکلا تو پندرہ روپے۔ اور اس کو روزانہ نہیں ناپتے، بلکہ مہینہ میں دو تین مرتبہ ناپ لیتے ہیں۔ تو یہ صورت جائز ہے کہ نہیں، اگر جائز نہیں تو کیوں؟

۲..... بعض دودھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ناپو، یا نہ ناپو، ایک ہی سیر کے نکلتے ہیں۔ تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے علاوہ اکثر دودھ ایسے ہیں کہ کبھی اچھے ہوتے ہیں، کبھی پانی ملے ہوئے ہوتے ہیں، دو تین مرتبہ ناپ کر پورے مہینہ کا اسی طرح شمار کر کے پیسے متعین کئے جاتے ہیں۔ تحریر فرماویں کہ اس طرح خریداری جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲..... عقدِ بیع کرتے وقت قیمت کا معلوم ہونا ضروری ہے، قیمت مجہول ہونے سے بیع صحیح نہیں ہوتی ہے۔ صورت مسئولہ میں وقتِ عقد قیمت معلوم ومتعین نہیں، بلکہ متردّد ہے، اس لئے یہ بیع صحیح نہیں۔ خریدتے وقت روزانہ ہی ناپ لیا جائے اور اسی وقت قیمت تجویز ہو جائے، یا پھر ایک دفعہ ناپ کر کہہ دیا جائے کہ مہینہ بھر تک اسی قیمت سے لیں گے تب بھی درست ہے:

ویمکن أن یُشمّ رائحة الاستدلال لعدم الجواز ممافی الهندیة عن الخلاصة:

"رجل باع علی أنه بالنقد هکذا وبالنسیئة هکذا، أو إلی شهر کذا، أو إلی شهرین

= له أثر". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/ ۳۴۱، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

(وکذا فی البزازیة: ۶/ ۳۰۲، کتاب الصید، نوع فی الجلالة، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/ ۲۹۰، کتاب الذبائح، الباب الثالث، رشیدیه)

Made searchable using ScribeTools.com

بکذا، فلایجوز، الخ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۹۰ھ۔

دوسروں کا جو تیل بچ گیا ہے وہ تیلی سے خریدنا

سوال[۷۷۹۲]: تیلی سے تیل خریدنا جو خلط ملط تیل نکالنے والوں سے بچا کھچا اکٹھا کرتا ہے، یا کٹ فٹ کرلیتا ہو، اس کے ساتھ جائز تیل بھی ملا ہوا ہوگا، وہ فروخت کرتا ہے۔ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

بندہ نور احمد، مدرس مدرسہ نور پور بٹوانی، ریاست بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سرقہ کرکے دوسروں کا تیل فروخت کرتا ہے تو اس کا خریدنا جائز نہیں(۲)۔ اگر اپنا ذاتی بھی اس

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۶/۳، کتاب البیوع، الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع، رشیدیه)

"وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بیعتین فی بیعة أن یقول: أبیعک هذا الثوب بنقد بعشر وبنسیئة بعشرین، ولایفارقه علی أحد البیعین". (جامع الترمذی: ۲۳۳/۱، کتاب البیوع، باب النهی عن بیعتین، سعید)

"وإذا عقد العقد علی أنه إلی أجل کذا بکذا وبالنقد بکذا، أو (قال) إلی شهر بکذا، أو إلی شهرین بکذا، فهو فاسد؛ لأنه لم یعاطعه علی ثمن معلوم، ونهی النبی صلی الله علیه وسلم عن شرطین فی بیع، وهذا إذا افترقا علی هذا". (المبسوط للسرخی: ۹/۱۳، باب البیوع الفاسدة، غفاریه کوئٹه)

"وأما البطلان فیما إذا قال: بعتُکه بألف حالاً وبألفین إلی سنة، فلجهالة الثمن". (فتح القدیر: ۲۶۲/۶، کتاب البیوع، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"یلزم أن یکون الثمن معلوماً، فلوجهل الثمن، فسد البیع". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "قال علیه الصلوٰة والسلام: "من اشتری سرقةً وهو یعلم أنها سرقة، فقد شرک فی عارها وإثمها". (فیض القدیر: ۵۶۵۴/۱۱، (رقم الحدیث: ۸۴۴۳)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"لم یحل للمسلم أن یشتری شیئاً یعلم أنه مغصوبٌ، أو مسروقٌ، أو مأخوذ من صاحبه بغیر حق؛ لأنه إذا فعل، یُعین الغاصب أو السارق أو المعتد علی غصبه وسرقته وعداوته. قال رسول الله =

میں مخلوط ہوتا ہے تو خلط کی وجہ سے وہ مالک ہوجاتا ہے(۱)، لیکن قبل ادائے ضمان تیلی کو اس میں بیع وغیرہ کا تصرف ناجائز ہوتا ہے(۲)۔ تاہم اگر کوئی خریدے گا تو وہ مالک ہوجائے گا(۳)۔ بایں ہمہ خریدنے سے اجتناب احوط ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۸/ جمادی الاولی/ ۶۶ھ۔

= صلی اللہ علیہ وسلم: "من اشتری سرقةً (أی مسروقاً) وهو یعلم أنها سرقةٌ، فقد اشترک فی إثمها وعارها". البیهقی". (الحلال والحرام فی الإسلام لیوسف القرضاوی، ص: ۲۱۶، المکتب الإسلامی للطباعة والنشر)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳۸۵/۶، کتاب فی الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

(۱) "لو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملکه ..... لأن الخلط استهلاک إذا لم یُمکن تمییزه عند أبی حنیفة رحمه الله، وقوله أرفق للناس؛ إذ قلّما یخلو مالٌ عن غصب". (الدرالمختار). "(قوله: لأن الخلط استهلاک) بمنزلة أن حق الغیر یتعلق بالذمة لا بالأعیان. (قوله: کما فی النهر)؛ لأنا نقول: إنه لما خلطها، ملکها، وصار مثلها دیناً فی ذمته لاعینُها". (ردالمحتار: ۲۹۰/۲، ۲۹۱، کتاب الزکوٰة، باب زکوة الغنم، سعید)

(۲) "مات وکسبه حرامٌ، فالمیراث حلال. ثم رمز وقال: لا نأخذ بهذه الروایة، وهو حرام مطلقاً علی الورثة، فتنبه، اهـ، ح. ومفاده الحرمة وإن لم یعلم أربابه. وینبغی تقیده بما إذا کان عین الحرام، لیوافق ما نقلناه؛ إذ لو اختلط بحیث لا یتمیز، یملکه ملکاً خبیثاً، لکن لا یحل التصرف فیه مالم یؤدّ بدله". (ردالمحتار: ۹۹/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیما ورث مالاً حراماً، سعید)

(۳) "وأما صفة الملک الثابت للغاصب فی المغصوب، فلاخلاف بین أصحابنا فی أن الملک الثابت له یظهر فی حق نفاذ التصرفات، حتی لو باعه أو وهبه أو تصدق به قبل أداء الضمان، ینفذ، کما تنفذ هذه التصرفات فی المشتریٰ شراءً فاسداً". (بدائع الصنائع: ۴۵/۱۰، کتاب الغصب، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۴) "قال علیه الصلوٰة والسلام: "دعْ ما یریبک إلی مالا یریبک". (فیض القدیر: ۳۲۴۶/۶، (رقم الحدیث: ۴۲۱۳)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

Made searchable using ScribeTools.com

قربانی سے پہلے ہی کھال فروخت کردینا

سوال[۷۷۹۳]: یہاں پر مدرسہ اسلامیہ شیرکوٹ کے ممبران نے قربانی ہونے سے قبل ہی قربانی کے جانوروں کے چمڑوں کو بیچ ڈالا۔ یہ بیع جائز ہے یا باطل؟ آیا قربانی کرنے والوں کی قربانی شرعاً جائز ہے یا باطل؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح چرم قربانی کی بیع ناجائز ہے(۱)۔قربانی کرنے والوں کی قربانی شرعاً درست ہوگی۔شرعی طور پر ذبح کرنے کے بعد جانور کی کھال بغیر دباغت کے ہی فروخت کرنا شرعاً درست ہے(۲)،لیکن اگر جانور مرجائے تو اس کی کھال بغیر دباغت کے فروخت کرنا درست نہیں(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۲/۸۵ھ۔

---

(۱) "وفسد بیع ماسکت فیه عن الثمن..... وصوف علی ظهر غنم. وجوزه الثانی ومالک. وفی السراج: لوسلم الصوف واللبن بعد العقد، لم ینقلب صحیحاً، وکذاکل ما اتصاله خلقیّ کجلد حیوان ونوی تمرٍ وبن وبطیخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۰، ۶۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

"وأشارالمصنف إلی أن کل ما بیع فی غلافه، فلایجوز کاللبن فی الضرع واللحم فی الشاة الحیة أو شحمها أو إلیتها أو أکارعها أوجلودها". (البحرالرائق: ۶/۱۲۳، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر: ۶/۴۱۲، باب البیع الفاسد، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "(وجلد میتة) قیّد بها؛ لأنها لو کانت مذبوحةً فباع لحمها، أو جلدها، جاز؛ لأنه یطهر بالذکاة، إلاالخنزیر". (ردالمحتار: ۵/۷۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق، ۶/۱۳۳، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۳۷۸، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) "(وجلدالمیتة قبل الدبغ) یعنی لا یجوز بیعه ..... وبعده یباع". (تبیین الحقائق، ۴/۴۷۷، =

پنشن کی بیع

سوال[۷۷۹۴]: زید مسلم ومحکوم، بکر غیر مسلم حاکمِ حکومت موجودہ ہے:

۱.....زید بکر کا ایک مدت (طے شدہ) تک ملازم رہا، بعد ختم مدتِ معینہ بکر نے زید کو بصلۂ حق الخدمت ایک رقم ماہانہ تازیست (۱) مقرر کر کے خدمتِ متعلقہ سے سبکدوش کر دیا۔

۲.....یہ رقم ماہانہ مقررشدہ تازیست زید، زید بکر دونوں کے علم میں ہے اور بکر کے قبضہ میں ہے۔

۳.....زید اپنی ماہانہ مقررشدہ رقم کا ایک جز بکر کو تازیست دے کر اس سے ایک معقول رقم یکمشت لینا چاہتا ہے، بکر رضامند ہے۔ زید اپنے اس اسقاط کا مختار اور بکر اپنے عطیۂ احسان کی صورت کو تبدیل کرنے کا مجاز ہے۔

۴.....زید اور بکر کا لین دین ہے تو تمام زندگی کے لئے لیکن میعادِ زندگی علمِ خداوندی میں ہے، اس لئے بکر زید کی زندگی کا ایک تخمینہ واندازہ بذریعہ اپنے مبصرین کے تعین کراتا ہے اور اس فرضی اندازے کی کل رقم یک مشت زید کو دے دیتا ہے، نہ اس میں کسی قسم کا سود ہے اور نہ طرفین میں سے کسی کو دھوکہ۔

اندازۂ عمر ایک فرضی قیاس ہے، نہ قطعی حکم۔ کیا شارع علیہ السلام وائمۂ عظام کے نزدیک بھی لین دین جائز ہے اور اس رقم سے کوئی کارِ خیر مثلاً حج وغیرہ ہوسکتا ہے؟ جواز وعدم جواز دونوں صورتوں میں بحوالہ کتبِ شرعیہ ارقام فرمانے کی زحمت فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس معاملہ میں بظاہر ایک خرابی تو یہ ہے کہ جو چیز ابھی تک ملازم کے قبضہ میں نہیں آئی، وہ اس کی بیع

= كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا بيع جلود الميتة قبل الدباغ، ويجوز بعده، وينتفع به". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۵/۳، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۳۳/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۱) "زیست: زندگی، حیات، عمر"۔ (فيروز اللغات، ص: ۷۵۷، فيروز سنز لاهور)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

کررہا ہے جوشرعاً ناجائز ہے،لکونه غیر مقدور التسلیم۔

دوسری (خرابی) یہ ہے کہ جس شئے پر ابھی تک ملازم کی ملک حاصل نہیں ہوئی تھی، اس کی بیع کررہا ہے، یہ بھی ناجائز ہے،"نهی عن بیع مالا یملك۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ عمر کا تخمینہ خود ایک فرضی چیز ہے جس میں زیادتی کمی کا امکان غالب ہے، اس لئے ایک صورت میں ملازم کے پاس رقم زیادہ آنے کا امکان ہے اور دوسری صورت میں کم کا احتمال ہے، یہ بھی ممنوع ہے،لکونه قماراً۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ اگر معاملہ ثمنین کا ہے تو اس میں یداً بیدٍ ومثلاً بمثلٍ ہونا ضروری ہے، وہ یہاں موجودہ نہیں لہذا ناجائز ہے،لکونه ربوا۔

لیکن ملازمت سے سبکدوشی پر تازیست ملازم کو رقم ماہانہ متعین کرکے بنامِ حق الخدمت دینا واجب نہیں، بلکہ تبرع ہے، جس پر جبر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کا دل چاہے دے نہ چاہے نہ دے۔ جس طرح ماہانہ رقم دینا تبرع ہے جبر نہیں، اسی طرح یہ بھی اختیار ہے کہ اندازہ کرکے مجموعی رقم یکمشت دیدے۔ یہ درحقیقت احسان ہی کی ایک صورت ہے، اس میں اس لئے اصالۃً نہ بیعِ مالا یملک ہے، نہ بیعِ مالیس عندہ ہے، نہ قمار ہے، نہ ربوا، لہٰذا یہ لین دین شرعاً درست ہے:

ونظیره بیع العرایا، قال فی العنایة فی شرح الهدایة، ص: ٦٩٥، هامش فتح القدیر: "وتأویلها أن یهب الرجل ثمرة نخلة من بستانه لرجل، ثم یشق علی المُعْری دخول المعْرٰی له، الخ". (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۲/۴۱۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"قال: معنی ذلک عندنا أن یعری الرجل الرجل نخلةً من نخله، فلا یسلم ذلک إلیه حتی یبدو له، فرخص أن یحبس ذلک ویعطیه مکانه بخرصه تمراً". (فتح القدیر: ۲/۴۱۶، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"الثالث قول مالک رحمه الله تعالیٰ المشهور، والعرایا عنده أن یهب الرجل ثمرة نخلة أو =

فون پر بیع

سوال[۷۷۹۵]: یہاں دوکانیں کافی دور ہیں،فون پر سودا لکھادیا، جب تیار ہوکر پوری بندھ گئی تو ملازم جاکر لاتا ہے۔حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے فرمایا کہ ''اگر خریدار بوقتِ وزنِ مبیع موجود نہ ہوں تو اس کا ظرف ہونا چاہیے'' اور فرمایا کہ ''یہ امر تصدی ہے''(۱)۔حضرت مفتی شفیع صاحب نے فرمایا: ''اگر مشتری کے نزدیک بائع قابلِ اعتماد ہوتو خود موجود ہونا ضروری نہیں ہے'' اور ظرف بائع کی طرف سے ہونے کی قید نہیں لگائی،اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس سے بھی آسان طریقہ یہ ہے کہ بیع بشرط الکیل والوزن نہ ہو(۲)، بلکہ یہ کہہ دیا جائے کہ

= نخلات من حائطه لرجل بعينه، ثم يتأذى بدخول موهوب له فى حائطه لمكان أهل بيته فى الحائط، فيجوز للواهب أن يشترى الثمار المعلّقة من الموهوب له بخرصها تمراً ..... والرابع قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وتفسير العرايا عنده عين ما فسر به مالک غير أنه يقول: إنه ليس ببيع حقيقةً، وإنما هو استبدال موهوب بموهوب آخر قبل أن يقبضه الموهوب له". (تكملة فتح الملهم: ۴۰۸/۱، كتاب البيوع، باب بيع العرايا، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى أحسن الفتاوى، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد والباطل: ۵۲۱/۶، سعيد)

(۱) (أحسن الفتاوىٰ، كتاب البيوع، مروجہ بیوع میں مشتری پر اعادۂ وزن کی تحقیق: ۴۹۷/۶، سعيد)

(۲) لیکن اس صورت میں مبیع مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہوجاتی ہے،اس لئے کہ مبیع اگر مکیلات یا موزونات کے قبیل سے ہوتو اس کی قدر کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر قدر معلوم نہ ہوتو مبیع کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

"لايصح البيع إلابمعرفة قدر المبيع والثمن ووصف الثمن إذاكان كلٌّ منهما غير مشار إليه، أما المشار إليه، فغير محتاج إليهما". (البحر الرائق: ۴۵۶/۵، كتاب البيع، رشيديه)

"والحاصل أن الأعواض إذاكانت غير مشار إليها، سواء كانت ثمناً أو مثمناً بشرط فيها معرفة المقدار فى المبيع ومعرفة مقدار الثمن ووصفه". (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ۲۸۰/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"يشترط أن يكون المبيع معلوماً عند المشترى؛ لأن بيع المجهول فاسد..... ولهذا لوكان =

Made searchable using ScribeTools.com

اتنے روپے کی فلاں چیز دیدو، ہمارا آدمی آکر لے جائے گا، یا آپ اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دے۔ یہ بحث ہی نہ ہو کہ کس نرخ کا ہے، پھر بوری یا تھیلا کسی کا بھی ہو، سب طرح درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۹ھ۔

غیر مسلم کا نابالغ بھتیجہ کی زمین فروخت کرنا

سوال[۷۷۹۶]: ایک غیر مسلم کا لڑکا نابالغ جس کا باپ مر چکا ہے، اس لڑکے کے حقیقی چچا موجود ہیں، چچا اپنی زمین اور اس لڑکے کے باپ کی زمین ولی بن کر فروخت کرنا چاہتا ہے، ایک مسلمان شخص کے ہاتھ پنشن بیچنا جائز نہیں، یہ بیع جائز ہے یا نہیں، مسلمان خرید سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان کے مذہب میں چچا کو حق ہے کہ بھتیجے کی زمین کو ولی ہونے کی حیثیت سے فروخت کردے تو مسلمان کو اس کا خریدنا درست ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/شوال/۵۶ھ۔

بیعِ مجہول سے متعلق بہشتی زیور کے حاشیہ پر ایک اشکال

سوال[۷۷۹۷]: بہشتی زیور اخترى پانچواں حصہ، ص: ۷، مسئلہ نمبر ۴ (۲) پر ایک حاشیہ جناب کا

= المبيع غير مشار إليه، لزم جنسه ونوعه وقدره ووصفه بما يرفع الجهالة الفاحشة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۷، (رقم المادة: ۲۰۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۵۳۰، كتاب البيوع، سعيد)

(۱) "ولو قهر الحربي بعض أحرارهم، فأراد بيعهم من المستأمن، ينظر: إن كان الحكم عندهم أن من قهر منهم صاحبه نفد ملكه، جاز الشراء، وإلا فلا". (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب المستأمن: ۳/۲۲۸، رشيديه)

(۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"**مسئلہ**: نقد داموں پر ایک روپیہ کے بیس سیر گیہوں بکتے ہیں، مگر کسی کو ادھار لینے کی =

ہے، ''عـــ'' نشان دے کر بظاہر آپ کے حاشیہ کا مطلب متن کی عبارت سے میل نہیں کھاتی، کیونکہ متن میں بیس سیر اور پندرہ سیر کے الفاظ صاف درج ہیں اور آپ نے لکھا ہے کہ ''طے نہیں ہوا، بات گول مول رہ گئی''۔ ذرا اس کو دیکھ لیجئے، اگر مسامحۃً ہو تو درست کر دیا جائے، ورنہ میری جسارت معاف فرما کر مجھے اس کی مختصر وضاحت لکھ بھیجی جائے۔

خادم سراج الحق مچھلی شہری، گورنمنٹ کالج، الہ آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبارتِ حاشیہ بالکل متن کے مطابق ہے، متن میں دو صورتیں بیان کی گئی ہیں: ایک جواز کی جس میں نقد یا ادھار کی تعیین ہو جائے، دوسری عدمِ جواز کی جس میں نقد یا ادھار کی تعیین نہ ہو کہ نقد لے گی۔ ''یا ادھار'' اسی کے حاشیہ پر ہے کہ: ''بات گول مول رہ گئی، نہ یہ طے ہوا کہ ادھار لے گی، نہ یہ طے ہوا کہ نقد لے گی''۔ اور اسی تعیینِ نقد ونسیئہ وعدمِ تعیینِ نقد ونسیئہ پر جواز وعدمِ جواز کا مدار ہے، اس تعیین وعدمِ تعیین سے نرخ کی تعیین وعدم تعیین مراد نہیں، کیونکہ نرخ دونوں صورتوں میں بیس سیر اور پندرہ سیر متعین ہے۔

اور عربی عبارت جو حاشیہ پر ہندیہ سے نقل کی ہے: "وأما البطلان فيما إذا قال: بعتك بألف حالاً، الخ".

اس میں عدمِ جواز کی علت جہالتِ ثمن کو قرار دیا ہے، حالانکہ اس میں "ألف" اور "ألفين" کے الفاظ صاف درج ہیں، لیکن چونکہ حالاً یا إلى سَنَةٍ کی تعیین نہیں ہوئی، اس لئے ثمن کی بھی تعیین نہیں ہوئی۔

اسی طرح متن میں چونکہ نقد یا ادھار کی تعیین نہیں ہوئی، بات گول مول رہ گئی، اس لئے کہا جائے گا کہ بیس سیر یا پندرہ سیر کی بھی تعیین نہیں ہوئی کہ کس نرخ سے بیع ہوئی ہے، لہٰذا اس طرح بیع ناجائز ہے۔ ہاں! اگر یہ طے ہو جائے کہ نقد ہے یا ادھار ہے تو بیع درست ہے۔ امید ہے کہ اشکال حل ہو کر کہ انطباقِ حاشیہ علی المتن واضح

= وجہ سے اس نے روپیہ کے پندرہ سیر گیہوں دیئے تو یہ بیع درست ہے، مگر اسی وقت معلوم ہو جانا چاہیے کہ ادھار مول لے گی''۔ (بہشتی زیور)

اور حاشیہ میں ہے: ''مطلب یہ ہے کہ اگر اسی مجلس میں یہ طے ہو گیا کہ ادھار لے گی یا نقد تو جائز ہے اور اگر طے نہ ہوا اور بات یونہی گول مول رہ گئی تو جائز نہیں''۔ (بہشتی زیور، حصہ پنجم، ص: ۳۵۰، عنوان: ''ادھار لینے کا بیان'' دارالاشاعت)

Made searchable using ScribeTools.com

ہوجائے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رجب/ ۶۶ھ۔

بازار سے پھل خریدتے وقت تحقیق کی ضرورت

سوال[۷۷۹۸]: آج کل جو آم بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں ان کے متعلق معلوم نہیں کہ خریدار نے جو باغ خریدا ہے کس وقت خریدا ہے، آیا زمانۂ کوہر میں خریدا ہے ایسی حالت میں بازار سے آم خرید کر کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ تحقیق اور ظنِ غالب ہو کہ اس بائع نے بیع باطل سے خریدا ہے تو اس کا خریدنا ناجائز ہے، اگر اس کی تحقیق یا ظن غالب نہ ہو تو اس کے خریدنے میں گنجائش ہے:

"وحمل فعل المسلم على الصحة والحل واجبٌ ماأمكن، إلا أن تقوم البينة، اهـ".

مبسوط سرخسی: ۱۷/ ۷۲۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ جمادی الأولی/ ۵۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "لم أجد في المبسوط، وبمعناها في القواعد الفقهية: "أمور المسمين على السداد حتى يظهر غيره"، من مسائله أن من باع درهما ودينارا بدرهمين ودينارين جاز البيع، وصرف الجنس إلى خلاف جنسه تحريا للجواز حملا لحال المسلم على الصلاح، إلا إذا نص: أن الدرهم بالدرهم والدينار بالدينار فإنه يفسد البيع". (القواعد الفقهية، (رقم القاعدة: ۵۲)، ص: ۶۳، الصدف پبلشرز)

Made Searchable by ScribeTools.com

الفصل الثالث فی البیع المکروہ

(بیعِ مکروہ کا بیان)

نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت

سوال[۷۷۹۹]: افیون اور اسپورٹ اور اس جیسی نشہ آور اشیاء مثلاً گانجہ وغیرہ کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ان کو دواءً استعمال کیا جائے خارجاً یا داخلاً جائز ہے یا نہیں؟

شریف احمد کھرنی، مسجد اعظم نگر، بریلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار قسم کی شراب تو حرام ہے(۱)، اس کی تجارت بھی حرام ہے(۲)۔ اور اس کے علاوہ جو چیزیں نشہ

---

(۱) "الأشربة المحرمة أربعة: الخمر، وهی عصير العنب إذا غلا واشتدّ أو قذف بالزبد. والعصير إذا طبخ، حتی يذهب أقل من ثلثيه. ونقيع التمر، وهو السكر. ونقيع الزبيب إذا اشتدّ وغلا". (الهداية: ۴۹۲/۴، كتاب الأشربة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فی البحر الرائق: ۳۹۹/۸، كتاب الأشربة، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۴۴۸/۶، كتاب الأشربة، سعيد)

(۲) "ان الذی حرم شربها، حرم بيعها وأكل ثمنها". (الهداية: ۴۹۱/۴، كتاب الأشربة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولايجوز بيعها، لحديث مسلم: "الذی حرم شربها، حرم بيعها". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۴۹/۶، كتاب الأشربة، سعيد)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ العالمكيرية: ۲۲۳/۳، كتاب الأشربة فصل فی معرفة الأشربة، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

آور ہیں ان کا استعمال بطورِ دوا اتنی مقدار میں کہ نشہ نہ ہو بوقتِ ضرورت جائز ہے(۱)۔اوران کی تجارت حرام نہیں،البتہ مکروہ ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۸/۲/۸۹ھ۔

افیون وغیرہ کی بیع

سوال[۷۸۰۰]: گانجہ(۳)، بھنگ،افیون کی تجارت کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گانجہ، بھنگ،افیون کی تجارت مکروہ تحریمی ہے،لیکن اگر کسی نے کرلیا تو صحیح ہوجائے گی:

---

(۱) "وإن البنج ونحوه من الجامدات إنما يحرم إذا أرادبه السكر، وهو الكثير منه دون القليل، المراد به التداوى ونحوه كالتطيب بالعنبر وجوزة الطيب". (ردالمحتار: ۴/۴۲، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم، سعيد)

(وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته، الفصل الخامس: حد الشرب وحد السكر والأشربة، المبحث الرابع: أحكام الأشربة المسكرة غير الخمر: ۷/۵۵۰۵، رشيديه)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۱۲۶، كتاب الأشربة، رشيديه)

(۲) "وصح بيع غير الخمر مما مّر، ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون. قلت: وقد سئل ابن نجيم عن بيع الحشيشة: هل يجوز؟ فكتب: لايجوز. فيحمل على أن مراده بعدم الجواز عدم الحل". (الدرالمختار). "(قوله: وصح بيع غير الخمر): أى عنده، خلافاً لهما فى البيع والضمان، لكن الفتوى على قوله فى البيع، وعلى قولهما فى الضمان إن قصد المتلف الحسبة، وذلك يعرف بالقرائن، وإلافعلى قوله، كما فى التاتارخانية وغيرها. ثم إن البيع وإن صح، لكنه يكره". (ردالمحتار: ۶/۴۵۴، كتاب الأشربة، سعيد)

لیکن یہ اس صورت میں مکروہ ہے کہ فروخت کنندہ کو معلوم ہو کہ خریدار اس کو نشہ کے طور پر استعمال کریگا۔اوراگر معلوم نہ ہوتو جائز ہے، كما سيأتى تخريجه تحت المسئلة الآتية، فليراجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشية: ۱)

(۳)"گانجا: بھنگ کا پودا،ایک نشہ دار درخت کا نام جس کے بیج چلم میں رکھ کر پیتے ہیں"۔(فيروز اللغات، ص: ۱۰۷۹، فيروز سنز، لاهور)

"(وصح بيع غير الخمر): أى عنده، خلافاً لهما فى البيع والضمان، لكن الفتوى على قوله فى البيع، وعلى قولهما فى الضمان إن قصد المتلف الحسبة، وذلك يعرف بالقرائن، وإلافعلى قوله، كمافى التاتارخانية وغيرها. ثم إن البيع وإن صح، لكنه يكره، كمافى الخانية".

شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۶/ ۴۵۴، كتاب الأشربة، سعيد)

لیکن یہ اس صورت میں مکروہ تحریمی ہے کہ فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو کہ خریدار مذکورہ چیزوں کو ناجائز طور پر استعمال کرے گا۔ اور اگر فروخت کنندہ کو یہ معلوم ہو کہ خریداران کو ناجائز طور پر استعمال نہیں کرے گا، یا خریدار کے استعمال کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو کہ وہ ان چیزوں کو کس طرح استعمال کرے گا، یا یہ معلوم ہو کہ خریداران کو ادویات میں ملائے گا تو ان صورتوں میں مذکورہ چیزوں کی خرید وفروخت بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ اگر حکومت کی طرف سے مذکورہ چیزوں کی خرید وفروخت پر پابندی ہو تو اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں:

"ثم السبب .....إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لايحتاج فى إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً، فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريحٍ به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام فى مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: اقسام السبب وأحكامه: ۲/ ۴۵۲، مكتبة دارالعلوم كراچى)

"يجوز بيع العصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره". (الدرالمختار). "(قوله: حتى يعلم) فيه إشارة إلى أنه لو لم يعلم، لم يكره بلاخلاف". (ردالمحتار: ۶/ ۳۹۱، كتاب الحظروالإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

"(ويجوزبيع العصير ممن يتخذ ه خمراً): أى من ذمى، فلو من مسلم، كره بالاتفاق؛ لأنه إعانة على المعصية، ومفاده أنه إن لم يعلم ذلك، لم يكره بلاخلاف". (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/ ۲۱۲، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، غفاريه كوئٹه)

"ان العصير ممن يتخذه خمراً، إن قصد به التجارة، فلاتحرم. وإن قصد به لأجل التخمير، =

Made searchable using ScribeTools.com

افیون کی تجارت اوراس کی آمدنی کا حکم

سوال[۷۸۰۱]: ہمارے علاقے میں خاص طور سے ہمارے گاؤں میں لوگ افیون کا کاربار کرتے ہیں، اسی کاروبار سے جورقم حاصل ہوئی، زمین، کھیت اور باغ خریدے، اب ان میں کاشت بھی ہوتی ہے اور افیون کا کاروبار بھی جاری ہے۔ کیاایسے لوگوں کی آمدنی درست ہے، ان کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ اگر افیون کی کمائی سے مسجد، سرائے، یادینی مدارس میں چندہ دیں تو کیسا ہے؟

حافظ رضی محمد ٹکرا، عثمان پور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

افیون کی تجارت مکروہ ہے(۱)۔ افیون کی آمدنی سے جوزمین خرید کراس میں کاشت کرتے ہیں، اس کاشت کی آمدنی کوحرام نہیں کہاجائے گا(۲)، ایسی آمدنی سے چندہ لینا بھی درست ہے اوران کے یہاں کھانا

= حرم". (شرح الأشباه والنظائر، الفن الأول: مباحث النية: ۱/۹۷، باب البيع الفاسد، إدارة القرآن كراچی)

"وشرب البنج للتداوی لابأس به". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۱۲۶، كتاب الأشربة، رشيديه)

(وكذا فی المبسوط للسرخسی، كتاب الأشربة: ۲۴/۹، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۴/۴۲، باب حد الشرب، سعيد)

(۱) (راجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وإنما طاب للبائع ماربح فی الثمن ..... لايطيب للمشتری: أی ماربح فی بيع يتعين بالتعين بأن باعه بأزيد". (الدرالمختار). "(قوله: بأن باعه بأزيد) تصويرٌ لظهور الربح، فلا يطيب له ذلک الزائد عما اشتریٰ به، وأفاد أن ذلک فی أول عقد. وأما إذا أخذ الثمن واتّجر وربح بعده أيضاً، يطيب له، لعدم التعين فی العقد الثانی". (ردالمحتار: ۵/۹۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

"ومن اشتری جاريةً بيعاً فاسداً وتقابضا وباعها وربح فيها، يتصدق بالربح. وإن اشتری البائع بالثمن شيئاً وربح فيه، طاب له الربح". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۲۱۱، كتاب البيوع، الباب العشرون فی البياعات المكروهة، رشيديه)

(وكذا فی ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۹۰، رشيديه) =

پینا بھی درست ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

افیون کی بیع اور کاشت

سوال[۷۸۰۲]: افیون کی کاشت کرنا کیسا ہے؟ نیز اس کی تجارت کے لئے کیا حکم ہے، اس کا حکم بحکم شراب ہے یا اس سے جدا ہے؟ بالتفصیل بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افیون کا کھانا حرام ہے، اگر چہ اس کی حرمت شراب کی حرمت سے کم درجہ کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت ہو تو شراب پینے والے پر حد جاری کی جاتی ہے(۱) اور افیون کھانے والے پر حد جاری نہیں کی جاتی ہے، البتہ تعزیری سزا دی جاتی ہے:

"ویحرم أکل البنج والأفیون والحشیشة، لکن دون حرمة الخمر، فإن أکل شیئاً من ذلك، لاحدّ علیه وإن سکر، بل یعزّربما دون الحد". شامی ودرمختار(۲)۔

کاشت خشخاش کی کی جاتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی تجارت بھی جائز ہے(۳)۔البتہ اس

= (وکذا فی تبیین الحقائق: ۴/۴۰۷، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) "یحد مسلم ناطق مکلف شرب الخمر ولو قطرةً أ سکر من نبیذ طوعاً". (الدرالمختار، کتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم: ۴/۳۷، سعید)

(۲) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الأشربة: ۶/۴۵۷، سعید)

"حرمة أکل بنج وحشیشة وأفیون، لکن دون حرمة الخمر. ولوسکر بأکلها، لایحد، بل یعزّر". (ردالمحتار: ۴/۴۲، کتاب الحدود، باب حد الشرب، سعید)

"ویحرم أکل البنج والحشیشة والأفیون لکن دون حرمة الخمر، فإن أکل شیئاً من ذلک، لاحدّ علیه، بل یعزر بمادون الحد". (الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۴/۲۵۱، کتاب الأشربة، غفاریه کوئٹه)

(۳) "وجاز بیع العصیر من خمار؛ لأن المعصیة لاتقوم بعینه، بل بعد تغیره ..... ولأن العصیر یصلح للأشیاء کلها جائزة شرعاً، فیکون الفساد علی اختیاره". (البحر الرائق: ۸/۳۷۱، کتاب الکراهیة، =

Made Searchable using ScribeTools.com

سے افیون نکال کر اس کی تجارت مکروہ ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بوڑی کی بیع

سوال[۷۸۰۳]: بوڑی کی بیع وشراء جائز ہے یانہیں؟ بوڑی کی اصل یہ ہے کہ ایک درخت جس سے کہ افیم نکلتی ہے، اس میں پھول آتا ہے، اس کو بوڑی بولتے ہیں۔اس کے پینے سے معمولی نشہ آتا ہے، چائے کی طرح اس کو پیا جاتا ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر بوڑی نشہ ہی کے لئے استعمال ہو، دوسرا کوئی فائدہ اس سے نہ ہوتو اس کی بیع مکروہ ہے اگرچہ نشہ اس سے تھوڑا ہی ہوتا ہو(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۴/۱/۸۸ھ۔

= فصل فی البیع، رشیدیه)

"ویجوز بیع العصیر ممن یتخذ خمراً؛ لأن المعصیة لا تقوم بنفس العصیر، بل بعد تغیره، فصار عند العقد کسائر الأشربة من عسل ونحوه". (مجمع الأنهر: ۴/۲۱۴، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۷/۶۴، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الأشباه والنظائر: ۱/۹۷، الفن الأول: مباحث النیة، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (راجع، ص: ۱۲۲، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "ثم السبب.....إن لم یکن محرکاً و داعیاً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلک سبب قریب بحیث لایحتاج فی إقامة المعصیة به إلی إحداث صنعة من الفاعل، کبیع السلاح من أهل الفتنة وبیع العصیر ممن یتخذه خمراً ..... فکله مکروه تحریماً بشرط أن یعلم به البائع والآجر من دون تصریح به باللسان، فإنه إن لم یعلم کان معذوراً". (جواهر الفقه، باب تفصیل الکلام فی مسئلة الإعانة علی =

تمباکو میں رہی ملا کر فروخت کرنا

سوال[۷۸۰۴]: زید مدت سے تمباکو کی تجارت کرتا ہے۔ پہلے ہر جنس کا نرخ ارزاں تھا اس لئے تمباکو میں صرف شیرہ ملا کر فروخت کرتے تھے، اس وقت تمباکو دوسیر کر کے بھی مزدوری ہاتھ آجاتی تھی، لیکن جب سے ہر چیز کی گرانی ہوئی ہے، ہر طرح کی دشواری ہوگئی ہے، تمباکو پر سرکاری ٹیکس اور تاوان اَور زیادہ ہوگیا، اس لئے زید بمجبوری تمباکو میں رہی ملا کر ۴/ سیر کے نرخ سے فروخت کر رہا ہے۔ اس کے سوا خالص تمباکو بھی بناتا ہے، چونکہ اس کا نرخ مہنگا ہے، اس لئے اس کی بکری بہت کم ہوتی ہے۔ اکثر خریداروں کو رہی کا ملانا بھی معلوم ہوگیا ہے، تاہم اسی کو زیادہ خریدتے ہیں۔ پس یہ تجارت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر خریداروں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ اس میں رہی بھی ہے، یہ خالص نہیں تو درست ہے(۱)۔ اور اگر اس کو خالص کہہ کر فروخت کرتا ہے تو یہ دھوکہ ہے جو ناجائز ہے اور گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

= الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۴۵۲/۲، مكتبة دار العلوم كراچی)

"ويجوز بيع العصير ممن يتخذه خمراً: أی من ذمی، فلو من مسلم، كره بالاتفاق؛ لأنه إعانة على المعصية. ومفاده أنه لو لم يعلم ذلك، لم يكره بلاخلاف". (الدر المنتقی على هامش مجمع الأنهر: ۲۱۴/۴، كتاب الكراهية، فصل فی البيع، غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

(۲) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسو ل الله صلى الله عليه وسلم مرّ برجل يبيع طعاماً، فسأله: "كيف تبيع"؟ فأخبره، فأوصى إليه أن "أدخِلْ يدك فيه". فأدخل يده، فإذا هو مبلول، فقا ل رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "ليس منا من غش". (بذل المجهود: ۲۷۳/۵، كتاب الإجارة، باب فی النهی عن الغش، إمداديه ملتان)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على صبرة طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً فقال: "ماهذا ياصاحب الطعام"؟ قال: أصابته السماء يارسول الله! =

Made searchable using ScribeTools.com

آلاتِ لہو کی بیع

سوال[۷۸۰۵]: زید ایک دوکان کھولنا چاہتا ہے جس میں اس قسم کا سامان لگائے گا اور فروخت کرے گا کہ جس سے طبل ومزامیر تیار ہوتے ہیں، مثلاً: چادر پیتل کی کہ جس سے باجے بنتے ہیں، اس قسم کا دیگر سامان جس سے باجے تیار ہوتے ہیں۔ اور ایسے موقع اور مقام پر کھولنا چاہتا ہے کہ جہاں پر باجے بہت بنتے ہیں اور بازار بھی باجوں کا ہے۔ تو اس قسم کے سامان کی دوکان ایسے موقع پر کھولنا جائز ہے اور مکروہ تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویکره تحریماً بیع السلاح من أهل الفتنة إن علم؛ لأنه إعانة علی المعصیة، وبیع مایتخذ منه کالحدید ونحوه". درمختار۔ "(قوله: لأنه إعانة علی المعصیة)؛ لأنه یقاتل بعینه بخلاف مالا یقاتل به، إلا بصنعة تحدث فیه کالحدید، ونظیره کراهة بیع المعازف؛ لأن المعصیة تقام بهاعینها، ولایکره بیع الخشب المتخذة هی منه"(۱)۔

= فقال: "أفلا جعلته فو ق الطعام حتی یراه الناس؟ من غش فلیس منی". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۴۸، کتاب البیو ع، باب المنهی عنها من البیو ع، الفصل الأول، قدیمی)

"لایحل لمسلم باع من أخیه بیعاً وفیه عیب إلا بیّنه له". (تبیین الحقائق: ۳۳۵/۴، کتاب البیو ع، باب خیار العیب، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) (ردالمحتار: ۲۶۸/۴، کتاب الجهاد، باب البغاة، سعید)

"وکره بیع السلاح من أهل الفنتة..... لأنه إعانة علی المعصیة .....وعرف بهذا أنه لایکره بیع مالم تقم المعصیة به کبیع الجاریة المغنیة والکبش النطوح والحمامة الطیارة والعصیر والخشب الذی یتخذ منه المعازف". (النهر الفائق: ۲۶۸/۳، کتاب الجهاد، باب البغاة، رشیدیه)

"وکره بیع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة علی المعصیة قیّد بالسلاح؛ لأن بیع مایتخذ منه السلاح کالحدید ونحوه لا یکره، ولایکره بیع مایُتخذ منه المزامیر وهو القصب والخشب". (البحر الرائق: ۲۴۰/۵، باب البغاة، رشیدیه)

"وکره بیع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة علی المعصیة، قال الله تعالی: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدان﴾ [المائدة: ۲] وإنما یکره بیع نفس السلاح دون مالایقاتل به، =

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ ایسی تجارت کراہت سے خالی نہیں، اگر چہ اس کو بالکل ناجائز بھی نہیں کہا جاسکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

ہارمونیم کی تجارت

سوال[۷۸۰۶]: میں ہارمونیم (۱) بنا کر سب عیب بتلا کر بیچتا ہوں، گانا بجاتا نہیں، خود دستکار ہوں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ہارمونیم گانے بجانے کا آلہ ہے، اس کی تجارت مکروہ ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۸/ ۸۹ھ۔

ریڈیو کی خرید وفروخت اور استعمال

سوال[۷۸۰۷]: زید ریڈیو کا کام کرتا ہے اور گھر پر ریڈیو بھی رکھتا ہے، عمر اس پر اعتراض کرتا ہے کہ ریڈیو رکھنا جائز نہیں۔سوال یہ ہے کہ ریڈیو کس صورت میں رکھا جاسکتا ہے اور کس صورت میں نہیں رکھا جاسکتا؟

= إلابصنعة كالحديد؛ لأن المعصية تقع بعين السلاح بخلاف الحديد، ألاترى أن العصير والخشب الذى يتخذ منه المعازف لايكره بيعه؛ لأنه لامعصية فى عينها". (تبيين الحقائق: ۹۹/۴، كتاب السير، باب البغاة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) 'ہارمونیم: 'ایک قسم کا انگریزی باجا ہے''۔(فيروز اللغات، ص: ۱۴۲۸، فيروز سنز، لاهور)

(۲) (راجع، ص: ۱۲۷، رقم الحاشية: ۱)

"ويكره بيع السلاح من أهل الفتنة وفى عساكرهم؛ لأنه إعانة على المعصية ..... وإنما يكره بيع نفس السلاح لابيع مالايقاتل به إلابصنعة، ألاترى أنه يكره بيع المعازف ولا يكره بيع الخشب". (الهداية: ۲/ ۶۱۱، كتاب السير، باب البغاة، إمداديه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير: ۱۰۸/۶، كتاب السير، باب البغاة، المصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

ریڈیو کی بیع ومرمت درست ہے، پھر اگر خرید نے والا اس کو غلط استعمال کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے، فروخت کرنے والے پر اس کی ذمہ داری نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۵ھ۔

---

(۱) "لایکره بیع الجاریة المغنیة والکبش النطوح والدیک المقاتل والحمامة الطیارة؛ لأنه لیس عینها منکراً، وإنما المنکر فی استعمال المحظور. قلت: لکن هذه الأشیاء تقام المعصیة بعینها، لکن لیست هی المقصود الأصلی منها، فإن عین الجاریة للخدمة مثلاً والغناء عارض، فلم تکن عین المنکر، بخلاف السلاح فإن المقصود الأصلی هو المحاربة به، فکان عینه منکراً، إذا بیع لأهل الفتنة فصار المراد بما تقام المعصیة به ماکان عینه منکراً بلاعمل صنعة فیه، فخرج نحو الجاریة المغنیة؛ لأنها لیست عین المنکر". (ردالمحتار: ۲۶۸/۴، کتاب الجهاد، باب البغاة، سعید)

"رجل آجر بیتاً لیتخذ فیه ناراً، أو بیعةً أو کنیسةً أو یباع فیه الخمر، فلابأس به، وکذا کل موضع تعلقت المعصیة بفعل فاعل مختار". (خلاصة الفتاوی: ۳۷۶/۴، ۳۷۷، کتاب الکراهیة، الفصل التاسع فی المتفرقات، جنس آخر، امجد اکیڈمی لاهور)

"ولابأس بأن یواجر المسلم داراً من الذمی لیسکنها، فإن شرب فیها الخمر، أو عَبد فیه الصلیب، أودخل فیها الخنازیر، لم یلحق المسلمَ إثمٌ فی شئ من ذلک؛ لأنه لم یواجر ها لذلک، والمعصیة فی فعل المستأجر". (المبسوط للسرخسی: ۴۳/۱۶، کتاب البیوع، باب الإجارة الفاسدة، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲۴۰/۵، کتاب السیر، باب البغاة، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۹۹/۴، کتاب السیر، باب البغاة، دارالکتب العلمیة بیروت)

البتہ اگر کسی شخص کے بارے میں یقینی پتہ چل جائے کہ وہ اس کو گناہ ہی میں استعمال کرے گا تو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا مکروہ ہے:

"ثم السبب إن لم یکن محرکاً وداعیاً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلک سبب قریب بحیث لایحتاج فی إقامة المعصیة به إلی إحداث صنعة من الفاعل، کبیع السلاح من أهل الفتنة وبیع العصیر =

Made Searchable by ScribeTools.com

بینڈ باجہ فروخت کرنا اور حلال روزی کا عمل

سوال[۷۸۰۸]: میری تمام گذر بسر اس بات پر ہے کہ میں بینڈ باجہ فروخت کرتا ہوں، مگر گھر میں ہمیشہ بربادی رہتی ہے، ہر وقت جیب خالی، پیٹ خالی، ہاتھ دوسروں کے سامنے پھیلا رہتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اَور کام جانتا نہیں، یہ میرا مشغلہ ہے۔ میرے لئے کیا مشورہ ہے کہ میں اس بربادی سے چھٹکارا پا جاؤں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بینڈ باجہ بجانا ناجائز، اس کا سننا ناجائز ہے(۱)، اس کا فروخت کرنا ناجائز ہے(۲)۔ اس نحوست کا یہ اثر

= ممن يتخذه خمراً..... فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريحٍ به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام فى مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۴۵۲/۲، مكتبة دارالعلوم كراچى)

(۱) "استماع صوت الملاهى كضرب قصب ونحوه حرامٌ، لقوله عليه الصلوة والسلام: "استماع الملاهى معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر": أى بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ماخلق لأجله كفرٌ بالنعمة لاشكر، فالواجب كل الواجب أن يجتنب كى لايسمع، لِمَا روى أنه عليه الصلوة والسلام أدخل أصبعه فى أذنه عند سماعه". (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۳۴۹/۶، كتاب الحظر والإباحة، قبيل: فصل فى اللبس، سعيد)

"دلّت المسئلة على أن الملاهى كلها حرام حتى التغنى بضرب القضيب ..... واختلفوا فى التغنى المجرد: قال بعضهم: إنه حرام مطلقاً والاستماعُ إليه، لإطلاق ماروياه". (تبيين الحقائق: ۳۰/۷، ۳۱، كتاب الكراهية، فصل فى الأكل والشرب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۱/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر فى الغناء واللهو وسائر المعاصى والأمر بالمعروف، رشيديه)

(۲) "وكره بيع السلاح من أهل الفتنة ..... لأنه إعانة على المعصية .....وعرف بهذا أنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب الذى يتخذ منه المعازف". (النهر الفائق: ۲۶۸/۳، كتاب الجهاد، باب البغاة، رشيديه)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية قيّد بالسلاح؛ لأن بيع مايتخذ منه السلاح كالحديد ونحوه لا يكره، ولايكره بيع مايُتخذ منه المزامير وهو القصب والخشب". (البحر =

Made searchable using ScribeTools.com

ہے کہ آمدنی زیادہ ہونے کے باوجود کوئی خیر برکت نہیں ہوتی۔ اللہ کے سامنے روکر توبہ کرلیں اور حلال روزی مانگیں خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ معمولی مزدوری کرلیں اگرچہ اپنی شان کے خلاف ہو۔

فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سورۂ الحمد شریف مع بسم اللہ ۴۱/ بار، اول وآخر درود شریف ۱۱/ بار۔ نماز فجر کے بعد سورۂ ﴿إذا جاء نصر الله﴾ ۲۱/ بار، ظہر کے بعد ۲۲/ بار، عصر کے بعد ۲۳/ بار، مغرب کے بعد ۲۴/ بار، عشاء کے بعد ۲۵/ بار پڑھا کریں۔ نیز کوئی ایک وقت مقرر کرکے باوضو قبلہ رو بیٹھ کر درود شریف ۵۰۰/ بار پڑھا کریں، انشاء اللہ روزی فراغت کی ملے گی اور پریشانی دور ہوگی۔ خدائے پاک اپنا فضل فرمائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۵/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۵/ ۸۹ھ۔

شراب کے لئے بوتل فروخت کرنا

سوال[۷۸۰۹]: ایک شخص کباڑی کا کام کرتا ہے جیسے پرانا لوہا اور پلاسٹک اور خالی شدہ بوتلیں خریدنے اور بیچنے کا کام کرتا ہے، اس میں شراب کی بھی خالی شدہ بوتلیں آجاتی ہے، وہ بوتل شراب بنانے والے کو فروخت کرتا ہے جس میں شراب ساز دوبارہ شراب بھی فروخت کرتا ہے۔ کیا مذکورہ بالا کام کرنے کے لئے شراب

= الرائق: ۵/ ۲۴۰، كتاب السير، باب البغاة، رشيديه)

"وكره بيع السلاح من أهل الفتنة؛ لأنه إعانة على المعصية، قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ [المائدة: ۲]

وإنما يكره بيع نفس السلاح دون مالايقاتل به، إلابصنعة كالحديد؛ لأن المعصية تقع بعين السلاح بخلاف الحديد، ألاترى أن العصير والخشب الذى يتخذ منه المعازف لايكره بيعه؛ لأنه لامعصية فى عينها". (تبيين الحقائق: ۴/ ۱۹۹، كتاب السير، باب البغاة، دارالكتب العلمية بيروت)

"قلت: وأفاد كلامهم أن ما قامت المعصية بعينه، يكره بيعه تحريماً، وإلا فتنزيهاً، نهر". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "(قوله: لأنه إعانة على المعصية)؛ لأنه يقاتل بعينه، بخلاف مالا يقاتل به إلا بصنعة تحدث فيه كالحديد، ونظيرُه كراهة بيع المعازف؛ لأن المعصية تقام بها عينها". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/ ۲۶۸، سعيد)

کی بوتلیں بیچنا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر یہ بوتلیں صرف شراب ہی کے لئے استعمال ہوتی ہیں، اَور کسی کام میں استعمال نہیں ہوتیں تو ان کو فروخت کرنا ایک حیثیت سے شراب فروخت کرنے والوں اور خریدنے والوں کی اعانت ہے(۱) اور حدیث پاک میں شراب بیچنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، خریدنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، اگر چہ وہ اس کو پیتا نہ ہو(۲)، اس لئے اس سے پرہیز کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"والثالث: بیع أشیاء لیس لها مصرف إلافی المعصیة، فیتمحض بیعها وإجارتها وإن لم یصرح بها، ففی جمیع هذه الصور قامت المعصیة بعین هذاالعقد، والعاقدَانِ کلاهما آثمان بنفس العقد، سواء ستعمل بعد ذلک أم لا". (جواهر الفقه، تفصیل الکلام فی مسئلة الإعانة علی الحرام: ۴۴۸/۲، دارالعلوم کراچی)

"ولما کان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار: ۳۵۰/۶، کتاب الخطر والإباحة، قبیل: فصل فی اللبس سعید)

"قال النووی: فیه تصریح بتحریم کتابة المترابیین والشهادة علیهما، وبتحریم الإعانة علی الباطل". (مرقاة المفاتیح: ۵۱/۶، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۲۸۰۷)، رشیدیه)

(۲) "عن أنس رضی اللہ تعالی عنه، قال: لعن رسو ل اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی الخمر عشرةً: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إلیه، وساقیها، وبائعها، وآکل ثمنها، والمشتری لها والمشتری له". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۴۲، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثانی، قدیمی)

Made searchable using ScribeTools.com

شراب کی خالی بوتلوں کی بیع

سوال[۷۸۱۰]: شراب کی خالی بوتلوں کو لاکر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ بوتلیں شراب کی کمپنی میں جاتی ہیں اوران میں شراب بھری جاتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بوتل مالِ متقوم ہے(۱)، اس کا خریدنا اورفروخت کرنا فی نفسہ درست ہے۔ جوشخص اس میں شراب بھرتا ہے وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے(۲)۔ بعض ائمہ نے اس کو بھی منع کیا ہے کہ اس میں بھی ایک قسم کی اعانت علی المعصیۃ ہے، وھو الأحوط(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "والمالية تثبت بتموّل الناس كافةً أوبعضهم، والتقوّم يثبت بها وبإباحة الانتفاع به شرعاً".
(ردالمحتار: ۴/۵۰۱، كتاب البيوع، سعيد)
(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۰، (رقم المادة: ۱۲۶، ۱۲۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "لايكره بيع الجارية المغنية، والكبش النطوح، والديک المقاتل، والحمامة الطيارة؛ لأنه ليس عينها منكراً، وإنما المنكر فی استعماله المحظور". (تبيين الحقائق: ۴/۱۹۹، كتاب السير، باب البغاة، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولابأس بأن يواجر المسلم داراً مِن الذمی ليسكنها، فإن شرب فيها الخمر أوعَبَد فيها الصليب أو دخل فيها الخنازير، لم يلحق المسلمَ إثمٌ فی شیٍّ مِن ذلک؛ لأنه لم يواجرها لذلک، والمعصية فی فعل المستأجر". (المبسوط للسرخسی: ۱۶/۴۳، كتاب البيوع، باب الإجارة الفاسدة، غفارية)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب السير، باب البغاة: ۵/۲۴۰، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۴/۲۶۸، كتاب الجهاد، باب البغاة، سعيد)

(۳) "وجاز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه الخمر؛ لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره. وقيل: يكره لإعانته علی المعصية". (ردالمحتار: ۶/۳۹۰، كتاب الحظر والاباحة، فصل فی البيع، سعيد)

لیکن اگر بائع کو معلوم ہے کہ خریدار اس کو ناجائز کام میں استعمال کرے گا تو اس کے ہاتھ فروخت کرنا مکروہ ہے: =

پتنگ کی ڈور اور آتشبازی کی تجارت

سوال[۷۸۱۱]: ۱..... پتنگ کی ڈور کا کاروبار یعنی اسکی کمائی جائز ہے یا نہیں؟

۲.....آتشبازی کا کاروبار اور کمائی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....جوڈور صرف پتنگ کے کام آتی ہے، اَور کسی کام میں نہیں آتی ہے اس کا کاروبار مکروہ ہے(۱)۔

۲.....یہی حکم آتشبازی کا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۵ھ۔

= "ثم السبب إن لم يكن محركاً وداعياً، بل موصلاً محضاً، وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لايحتاج فى إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل، كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً ..... فكله مكروه تحريماً بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً". (جواهر الفقه، باب تفصيل الكلام فى مسئلة الإعانة على الحرام، عنوان: أقسام السبب وأحكامه: ۴۵۲/۲، مكتبة دارالعلوم كراچى)

(۱) پتنگ بازی اور آتشبازی کئی مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں، چنانچہ مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پتنگ اڑانا جائز نہیں، اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

۱- کبوتر کے پیچھے بھاگنے والے کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے:

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رأى رجلاً يتبع حمامةً فقال: "شيطان يتبع شيطانةً". (أبوداؤد: ۱۹۴/۲)

کبوتر بازی میں انہماک کی وجہ سے امور دینیہ و دینویہ سے غفلت کا مفسدہ پتنگ بازی میں بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا یہ وعید اس کو بھی شامل ہے۔

۲- مسجد کی جماعت بلکہ خود نماز سے ہی غافل ہوجانا، شراب اور جوئے کے حرام ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمائی ہے: ﴿ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوة﴾.

۳- پتنگ اکثر مکانوں کی چھت پر کھڑے ہوکر اڑائے جاتے ہیں، جس سے آس پاس والے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے۔ ..... =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

آتش بازی بنانا اور اس کی تجارت کرنا

سوال[۷۸۱۲]: آتش بازی بنانے والے کی آمدنی کیسی ہے، کیا آتش بازی بنانا گناہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جی ہاں! گناہ ہے(۱)، مگر اس کی تجارت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۴- بعض اوقات پتنگ اڑاتے اڑاتے پیچھے کو ہٹتے ہیں اور نیچے گر جاتے ہیں، چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں، اس میں اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس پر آڑ نہ ہو۔

۵- بے جا مال صرف کرنا تبذیر اور حرام ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا گیا ہے۔

پتنگ بازی کا باہم مقابلہ مصیبت میں تسابق وتفاخر ہے جو حرام ہے اور اس پر کفر کا خطرہ ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم"۔(أحسن الفتاوی: ۱۷۶/۸، باب متفرقات الحظر والإباحة، سعید)

(وكذا في جواهر الفقه، باب أحكام القمار، عنوان: پتنگ بازی اور کبوتر بازی: ۳۵۰/۲)

(وبهشتی زیور، ص: ۴۰۸، ششم)

اسی وجہ سے پتنگ بازی کا سامان فروخت کرنا اعانت على المعصية کی بناء پر ناجائز ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل".

(مرقاة المفاتيح، باب الرباء، الفصل الأول: ۵۱/۶، رشيديه)

(وكذا في شرح النووي على الصحيح لمسلم: ۲۸/۲، باب الربا، قديمي)

(۱) چونکہ آتش بازی میں مال فضول اور بے محل صَرف ہوتا ہے اور قرآن کریم میں مال کے فضول اڑانے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے، نیز دین ودنیا کا فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے بھی یہ ممنوع اور ناجائز ہے: ..... =

.....

= قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن المبذرین کانوا إخوان الشیطین﴾ (الاسراء: ۲۷)

"کل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله، وتأدیبه لفرسه، ومناضلته بقوسه".

(الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۹۵/۶، سعید)

"عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یقول ..... "کل شئ یلهو به الرجل باطلٌ إلا رمیه بقوسه، وتأدیبه فرسه، وملاعبته امرأته، فإنهن من الحق".

(مشکوة المصابیح، کتاب الجهاد، باب إعداد آلة الجهاد، الفصل الثانی، ص: ۳۳۷، قدیمی)

(وکذا فی جواهر الفقه، باب أحکام القمار: ۳۵۸/۲)

(وبهشتی زیور، ص: ۴۰۸، حصۂ ششم)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"والثالث: بیع أشیاء لیس لها مصرف إلا فی المعصیة، فیتمحض بیعها وإجارتها وإن لم یصرح بها، ففی جمیع هذه الصور قامت المعصیة بعین هذاالعقد، والعاقدَان کلاهما آثمان بنفس العقد، سواء استعمل بعد ذلک أم لا". (جواهر الفقه، تفصیل الکلام فی مسئلة الإعانة علی الحرام: ۴۴۸/۲، دارالعلوم کراچی)

"لکن الإعانة هی ماقامت المعصیة بعین فعل المُعِین، ولا یتحقق إلا بنیة الإعانة أوالتصریح بها أو تعینها فی استعمال هذا الشئ بحیث لایحتمل غیر المعصیة". (جواهر الفقه، تفصیل الکلام فی مسئلة الاعانة علی الحرام، أقسام السبب وأحکامه، القسم الثانی: ۴۵۲/۲، دارالعلوم کراچی)

"وماکان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار: ۳۵۰/۶، کتاب الحظر والإباحة،قبیل: فصل فی اللبس سعید)

"قال النووی: فیه تصریح بتحریم کتابة المترابیین والشهادة علیهما، وبتحریم الإعانة علی الباطل".

(مرقاة المفاتیح: ۵۱/۶، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۲۸۰۷)، رشیدیه)

بظاہر کراہت کا قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا اُن جیسے مسائل کے متعلق حلّت کا قول منقول ہے:

"ویجوز بیع البربط والطبل والمزمار والدف والنردّ وأشباه ذلک فی قول أبی حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ، وعندهما لایجوز بیع هذه الأشیاء قبل الکسر". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۱۶/۳، کتاب =

Made searchable using ScribeTools.com

مسلمانوں کے لئے سادھوؤں کے لباس کا کاروبار کرنا

سوال[۷۸۱۳]: ہمارے ملک برما میں ہندو مسلم مشترکہ آبادی ہے۔اور ہندوؤں کے ہاں ایک رسم رائج ہے، وہ یہ کہ جب ان میں کا کوئی اولاد حدِ بلوغ کو پہونچ جاتی ہے تو اس کے سر کو منڈوا دیتے ہیں اور ایک کپڑا بطورِ کفنی (۱) کے بمقدار تیرہ ہاتھ لمبائی کے ہلدی سے رنگ کر اس لڑکے کو پہنا دیتے ہیں۔ پہنانے کے بعد کسی مندر کے سادھو کو دیتے ہیں، اس قسم کے کپڑا کو برہمی زبان میں ''پھونگچی تنگا'' (سادھو کا لباس) کہتے ہیں۔ پھونگچی بمعنی ''سادھو''۔ چاؤں بمعنی ''مندر''۔ اور یہ لباس مذکور سوائے سادھوؤں کے کوئی استعمال نہیں کرتا۔

اس قسم کا کپڑا مسلمانوں کو خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں جو کہ خاص سادھوں کے شعار میں سے ہے؟ بینوا بالدلیل والتفصیل وتوجروا بأجر جزیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کپڑا کی خرید وفروخت مسلمانوں کے لئے شرعاً درست ہے، پھر کفار اس کو خرید کر اور رنگ کر جس طرح اور جس کام کے لئے چاہیں استعمال کریں، مسلمانوں پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (۲)۔ اور مخصوص طور پر

= البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز، الفصل الخامس فی بیع المحرم الصید وفی بیع المحرمات، رشیدیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی: ۳۰۳/۷، کتاب البیوع، الفصل السادس فیما یجوز ومالایجوز بیعه، نوع آخر فی بیع المحرمات، غفاریه کوئٹه)

(۱) ''کفنی: فقیروں کے پہننے کا پیراہن جو مردے کی کفنی کی طرح ہوتا ہے۔ وہ بے آستین کرتا جو مردے کو پہناتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۷، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "لایکره بیع الجاریة المغنیة، والکبش النطوح، والدیک المقاتل، والحمامة الطیارة؛ لأنه لیس عینها منکراً، وإنما المنکر فی استعماله المحظور". (تبیین الحقائق: ۱۹۹/۴، باب البغاة، دارالکتب العلمیة بیروت)

"رجل آجر بیتاً لیتخذ فیه ناراً أو بیعةً أو کنیسةً، أو یباع فیه الخمر، فلابأس به، وکذا کل موضع تعلقت المعصیة بفعل فاعل مختار". (خلاصة الفتاوی: ۳۷۶/۴، ۳۷۷، امجد اکیڈمی لاهور) =

ایسا کپڑا بھی فروخت کرنا درست ہے جو کہ مخصوص ہے اور سادھوں کا شعار ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک یہ کفار کا شعار کچھ اعزاز کی چیز نہیں، بلکہ وضع کے اعتبار سے اس میں ان کی تذلیل ہے:

"وفی المحیط: لایکره بیع الزنانیر من النصرانی والقلنسوة من المجوسی؛ لأن ذلك إذلالٌ لهما". درمختار، ص:۲٤٥(۱)۔

تاہم ایسی تجارت سے اجتناب واحتیاط بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ربیع الثانی/ ٦۷ھ۔

پوجا میں کام آنے والی چیزیں فروخت کرنا

سوال[۷۸۱۴]: ہمارے محلّہ میں ایک عطار طبقہ ہے، وہ تمام ناجائز طریقہ سے روزی کماتا ہے، جیسا کہ کافور، سیندور(۲)، گنیش کی مورتیں(۳)، نرسودھا، ہندو دیوتاؤں سے جو روزی کمائی جاتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم آپ جلد سے جلد جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطار طبقہ اگر ایسی چیزیں فروخت کرتا ہے کہ وہ غیر مسلم کے پوجا کے بھی کام میں آتی ہیں اور خود وہ

= "ولا بأس بأن یواجر داراً من الذمی لیسکنها، فإن شرب فیها الخمر، أو عبَدَ فیها الصلیب، أو دخل فیها الخنازیر، لم یلحق المسلمَ إثمٌ فی شئ من ذلک؛ لأنه لم یواجرها لذلک، والمعصیة فی فعل المستأجر". (المبسوط للسرخی: ۱٦/۴۳، کتاب البیوع، باب الإجارة الفاسدة، غفاریه کوئٹه)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٦/۳۹۲، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، سعید)

"لایکره بیع الزنانیر من النصرانی، والقلنسوة من المجوسی؛ لأن ذلک إذ لالٌ لهما". (تبیین الحقائق: ۴/٦۵، کتاب الکراهیة، فصل فی بیع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "سیندور: سرخ رنگ کا ایک سفوف جسے ہندو عورتیں مانگ میں بھرتی ہیں"۔(فیروز اللغات، ص: ۸۳، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "گنیش: شوجی اور پاربتی کا بیٹا، جسے ہندو دانائی اور مشکل کشائی کا دیوتا مانتے ہیں"۔(فیروز اللغات، ص: ۱۱۱۰، فیروز سنز، لاهور)

Made searchable using ScribeTools.com

چیزیں نجس یا حرام نہیں جیسے کافور تو ایسی چیزوں کی قیمت جائز ہے(۱)، ان کا مسجد میں دینا درست ہے۔ اگر مورتی کی تجارت کرتا ہے تو وہ منع ہے(۲)، ان سے کہہ دیا جائے کہ جائز چیزوں کی قیمت سے روپیہ حاصل کرکے دیں تو مسجد میں لیا جائے گا ورنہ نہیں(۳)، اللہ تعالیٰ پاک مال کو قبول فرماتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۹۴ھ۔

تعلیمی تاش کی بیع

سوال[۷۸۱۵]: تعلیمی تاش کی بیع اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی کا خریدنا، فروخت کرنا اور کھیلنا کیسا ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنو إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوه، لعلکم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"عن جابر رضی الله تعالی عنه أنه سمع رسو ل الله صلی الله علیه وسلم یقول عام الفتح وهو بمکة: "إن الله ورسو له حرّم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام". (مشکو ة المصابیح، ص: ۲۴۱، کتاب البیو ع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، قدیمی)

(۲) "والحاصل أن جواز البیع یدور مع حل الانتفاع". (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۵/۶۹، کتاب البیو ع، باب البیع الفاسد، سعید)

(وکذا فی الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۸۴، کتاب البیو ع، باب البیع الفاسد، غفاریه کوئٹه)

"والضابط عندهم أن کل مافیه منفعة تحل شرعاً، فإن بیعه یجوز؛ لأن الأعیان خلقت لمنفعة الإنسان". (الفقه الإسلامی وأدلته، الفصل الأول، عقد البیع، المبحث الرابع: البیع الباطل والبیع الفاسد: ۵/۳۴۳۱، رشیدیه)

(۳) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلی الله علیه وسلم: "إن الله طیب لایقبل إلا طیباً، وإن الله أمر المؤمنین بما أمربه المرسلین". الخ. (مشکوة المصابیح، کتاب البیو ع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قدیمی)

Made Searchable by ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

فی نفسہ یہ مالِ متقوم ہے، خرید وفروخت درست ہے(۱)، لیکن یہ تاش اوراس کا کھیلنا بسا اوقات پیش خیمہ اورذریعہ ہوتا ہے قمار کا کہ اس پر مالی ہار جیت کا معاملہ ہونے لگتا ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت سے اور کھیل سے احتراز چاہیے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

---

(۱) "والمالية تثبت بتمول الناس كافةً أوبعضهم، والتقوم إذاً يثبت بالمالية وبإباحة الانتفاع به شرعاً". (ردالمحتار: ۴/۵۰۱، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۰، (رقم المادة: ۱۲۶، ۱۲۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰، رشيديه)

(۲) "وماكان سبباً لمحظور، فهو محظور". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل: فصل فی اللبس: ۶/۳۵۰، سعيد)

"عن الحسن بن علی رضی الله تعالیٰ عنهما قال: حفظت من رسو ل الله صلی الله عليه وسلم: "دعْ مايريبک إلی ما لا يريبک". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۲، كتاب البيوع، باب الكسب الحلال وطلب الحلال، الفصل الثانی، قديمی)

واضح رہے کہ مذکورہ تعلیمی تاش کا حکم عام تاش سے مختلف ہے، کیونکہ عام تاش کسی معتد بہا فائدہ سے خالی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ایسے کھیل تماشے جن کے تحت میں کوئی معتد بہا فائدہ دین دنیا کا ہے وہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں، خواہ ان پر بازی لگائی جائے، یا انفرادی طور پر کھیلا جائے، پھر بازی پر کوئی رقم لگائی جائے یا نہیں، اور رقم بھی دوطرفہ ہو یا یک طرفہ، ہر حال ایسے لغو کھیل شرعاً مطلقاً ناجائز ہیں، حدیث میں ہے:

"كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة: ملاعبته أهله وتأديبه لفرسه ومناضلة بقوسه". [ردالمحتار: ۵/۲۵۳] کبوتر بازی، پتنگ بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی، چوسر، شطرنج، تاش، کتوں کی ریس وغیرہ سب اسی ناجائز صورت کے افراد ہیں"۔ (جواهر الفقه: ۲/۳۵۸، دارالعلوم كراچی)

(نور الدين عفاالله عنه)

Made searchable using ScribeTools.com

مہوا کی بیع غلہ سے

سوال[۷۸۱۶]: مہوا (موہا)(۱) سے کوئی اناج برابر وزن یا کم وبیش بدل سکتے ہیں یا نہیں؟

محمد عثمان بمبئی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

بدل سکتے ہیں(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

''مہوا'' نشہ آور پتہ کی بیع

سوال[۷۸۱۷]: مہوا کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں، جبکہ لینے والا اس سے شراب کشید کرتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

''مہوا'' خود نجس یا نشہ آور نہیں، اس کی بیع جائز ہے، پھر خریدار اپنے عمل سے خود اس سے شراب

---

(۱) ''مہوا: ایک درخت جس کا پھل کھاتے، بیجوں کا تیل نکالتے اور پھولوں کی شراب بناتے ہیں''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۴، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "(فإن وجد الوصفان): أی الكيل أو الوزن مع الجنس، حرم الفضل. وإن عدما، حلّا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لاالنسأ". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

"(فحرم الفضل والنسأ بهما): أی بالجنس والقدر، لمابيّنا أنهما علة الربا. (والنسأ فقط بأحدهما): أی حرم النسأ وحل التفاضل بوجود أحدهما". (تبيين الحقائق: ۴/۴۵۲، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"(وحرم الفضل والنسأ بهما، والنسأ فقط بأحدهما): أی حرم التأخير لاالفضل بوجود القدر فقط والجنس فقط". (البحر الرائق: ۶/۲۱۳، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۵/۱۷۲، سعيد)

(وكذا فی الهداية: ۳/۸۱، كتاب البيوع، باب الرباء، مكتبه شركت علميه ملتان)

بناتا ہے تو یہ اس کا عمل ہے، مہوا فروخت کرنے والے پر اس کی ذمہ داری نہیں (۱)، خود یہ نیت نہ کرے کہ شراب بنانے کے لئے فروخت کررہا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۵ھ۔

چھوٹے گز سے کپڑا ناپ کر دینا

سوال[۷۸۱۸]: چھوٹے گز رکھنا اور اس سے کپڑا ناپ کر دینا کیسا ہے، اس طرح کمائی ہوئی رقم کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) "وجاز بيع العصير من خمار؛ لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره ..... ولأن العصير يصلح الأشياء كلها جائز شرعاً، فيكون الفساد إلى اختيار". (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل فى البيع: ۶۴/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"ويجوز بيع عصير العنب ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقوم بنفس العصير، بل بعد تغيره، فصار عند العقد كسائر الأشربة من عسل ونحوه". (مجمع الأنهر: ۲۱۴/۴، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، غفاريه كوئٹه)

"ويجوز بيع عصير ممن يعلم أنه يتخذه خمراً؛ لأن المعصية لاتقو م بعينه بل بعد تغيره". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۳۹۱/۶، سعيد)

(وكذا فى جواهر الفقه، تفصيل الكلام فى مسئلة الإعانة على الحرام، أقسام السبب وأحكامه، القسم الثانى: ۴۵۲/۲، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۲) "ان بيع العصير ممن يتخذه خمراً إن قصد به التجارة، فلا تحرم. وإن لأجل التخمير حَرُم". (الأشباه والنظائر، الفن الأول: مباحث النية: ۹۷/۱، إدارة القرآن كراچى)

"ولكن الإعانة حقيقةً هى ماقامت المعصية بعين فعل المُعين ولايتحقق إلابنية الإعانة، أو التصريح بها، أو تعينها فى استعمال هذا الشئ بحيث لايحتمل المعصية". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام فى مسئلة الإعانة على الحرام، أقسام السبب وأحكامه، القسم الثانى: ۴۵۲/۲، مكتبه دارالعلوم كراچى)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

عرفاً جس قدر گز لوگوں میں مشہور ہے جس کو سب لوگ جانتے ہیں، اس سے چھوٹے گز رکھنا اور اس سے ناپ کر کپڑا بیچنا خریدار کو دھوکہ دینا ہے جو کہ شرعاً ناجائز ہے(۱)۔ خریدار نے بڑے گز کی قیمت دی ہے، حالانکہ اس کو کپڑا چھوٹے گز سے دیا گیا ہے تو جس قدر قیمت زائد وصول کی ہے، وہ اس کے لئے ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دودھ میں پانی ملا کر بیچنا

سوال[۷۸۱۹]: آج کل جو لوگ دودھ کی تجارت کرتے ہیں، دودھ میں پانی ملا کر بیچتے ہیں، کچھ بھینسوں والے پانی ملا کر دوکانداروں کو دیتے ہیں، پھر دوکاندار اس میں اَور پانی ملا کر بیچتے ہیں، اس لئے دودھ میں مزا بھی نہیں رہتا۔ اگر دوکانداروں کو کہتے ہیں کہ بھائی اب ۱۵ اور ۱۶/ سیر کے دام لیتے ہیں تو دودھ میں پانی

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی وسلم مرّ علی صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "ياصاحب الطعام! ماهذا"؟ قال: أصابته السماء يارسول الله! قال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتی يراه الناس"؟ ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذی، ص: ۲۴۵، أبواب البيوع، باب ماجاء فی كراهية الغش فی البيوع، سعيد)

(وفيض القدير: ۱۱/۵۹۲۴، (رقم الحديث: ۸۸۷۸)، مكتبة نزار مصطفیٰ الباز رياض)

(۲) "وإن باع ثوباً علی أنه عشرة أذرع كل ذراع بدرهم، أخذه المشتری بعشرة لو عشرةً ونصفاً بلاخيار، وبتسعةٍ لوتسعةً ونصفاً بخيار. ولو قال: كل ذراع بكذا ونقص، أخذ بحصته أو ترک. وإن زاد، أخذ كل ذراع بكذا أو فسخ، لما قدمنا أنه وإن كان وصفاً إذا أفرد بثمن صار أصلاً، وارتفع عن التبعية، فنزل كل ذراع منزلة ثوب". (البحر الرائق: ۵/۴۸۶، كتاب البيع، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴/۲۸۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۱۲۴، كتاب البيوع، الباب الثامن فی جهالة المبيع أو الثمن، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ماوقع عليه العقد وإن البائع أو المشتری أنه أقل أو أكثر: ۴/۵۴۴، سعيد)

ملا کر نہ دو۔ اس پر جواب ملتا ہے کہ ہم پانی ملا کر ہی دیں گے، تمہارا جی چاہے لو یا نہ لو۔ اس پر انہوں نے جواز کا فتوی گھڑ رکھا ہے، ہم تو کہہ دیتے ہیں، چونکہ ضرورت مند جیسا ملتا ہے، یہ مجبوری لے کر کھا پی لیتے ہیں، لیکن دل بہت دُکھتا ہے۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہ دھوکہ نہیں دیتے، بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اس میں پانی ملا رکھا ہے، تو یہ شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

---

(۱) "عن حكيم بن حزام رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم: "البيّعان بالخيار مالم يتفرقا، فإن صدقا وبيّنا بُورِكَ". الحديث(الصحيح لمسلم). قال العلامة النووى رحمه الله تعالىٰ: "أى بين كل واحد لصاحبه مايحتاج إلى بيانه من عيب ونحوه فى السلعة والثمن، وصدقه فى ذلك". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، كتاب البيوع، باب ثبوت خيار المجلس للمتبايعين: ٦/٢، قديمى)

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "البيّعان بالخيار، مالم يتفرقا، فإن صدقا": أى فى صفة المبيع والثمن وما يتعلق بهما "وبيّنا": أى عيب الثمن والمبيع "بورك": أى أكثر النفع "لهما فى بيعهما": أى شرائهما، والمرادفى عقدهما "وإن كتما وكذبا، محقت بركة بيعهما". (مرقاة المفاتيح: ٤٦/٦، كتاب البيوع، باب الخيار، الفصل الاول، رشيديه)

"عن عقبة بن عامر رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "المسلم أخو المسلم، ولايحل لمسلم باع من أخيه بيعاً فيه عيب، إلا بيّنه له". (سنن ابن ماجة، ص: ١٦٢، باب من باع عيباً فليبيّنه، قديمى)

"أجمع الفقهاء على أن البراءة من عيوبٍ سماها للمشترى ولم يرها جائزةٌ". (إعلاء السنن: ٩٣/١٤، باب البيع بالبراءة من كل عيب، إدارة القرآن كراچى)

"وصح البيع بشرط البراءة من كل عيب". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ٢٧٣/١، باب الخيارات ومطالبه، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ٨٩، (رقم المادة: ١٨٩)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار: ٤٢/٥، مطلب فى البيع بشرط من كل عيب، سعيد)

Made Searchable using ScribeTools.com

دھان میں پانی ملاکر فروخت کرنا

سوال[۷۸۲۰]: فی الحال گاؤں میں چالیس روپے کا ایک بورہ دھان فروخت ہوتا ہے، بیوپاری لوگ مالک سے دوروپیہ زیادہ دے کر خریدتے ہیں یعنی نقد بیالیس روپیہ سے خریدتے ہیں، پھر بیوپاری لوگ اس دھان میں پانی ملاکر آڑھت والے کو فروخت کرتے ہیں۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ مالک جانتا ہے کہ بیوپاری اس دھان میں پانی ملاکر فروخت کرے گا تو اس مالک کی بیع ناجائز ہے، کیونکہ وہ جاننے کے باوجود بیوپاری کو دیتا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب نقد روپے سے بیع ہورہی ہے تو ناجائز نہیں ہے۔

اب کہنا یہ ہے کہ مالک جاننے کے باوجود بیوپاری کو وہ مال فروخت کرلے یہ جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب اور نام حوالہ فرماکر دین کی بڑی خدمت انجام دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس علم کے باوجود مالک کے لئے بیوپاری کے ہاتھ اصل دھان کا فروخت کرنا درست ہے(۱)، بیوپاری اگر اس میں پانی ملاکر دھوکہ دے کر فروخت کریگا تو وہ خود گنہگار ہوگا: "من غشنا فليس منا". الحديث(۲)۔ اصل مالک قدیم پر اس کا گناہ نہیں ہوگا: ﴿ولا تزر وازرةٌ وِزرَ أخرى﴾(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۲/۵۹ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۴۴، رقم الحاشية : ۱)

(۲) (سنن ابن ماجة، ص: ۱۶۱، باب النهى عن الغش، قديمى)

(وفيض القدير: ۱۱/۵۹۲۴، (رقم الحديث: ۸۸۷۹)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول صلى الله عليه وسلم مرّ برجل يبيع طعاماً، فسأله: "كيف تبيع"؟ فأخبره فأوصى إليه أن "أدخل يدك فيه". فأدخل يده، فإذا هو مبلول، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس منا من غشنا". (سنن أبى داؤد، باب فى النهى عن الغش: ۱/۱۳۳، إمداديه ملتان)

"عن واثلة بن الأسقع رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من باع عيباً لم ينبه، لم يزل فى مقت الله، أولم تزل الملائكة تلعنه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۹، كتاب البيوع، باب المنهى عنها من البيوع، الفصل الثالث، قديمى)

(۳) (سورة فاطر: ۱۸)

ایجاب کے بعد، قبول سے پہلے مجلس ختم ہوجانے پر دوسرے شخص کا زیادہ قیمت میں خریدنا

سوال[۷۸۲۱]: ایک غیر مسلم نے اپنی مملوکہ زمین ایک مسلم کے ہاتھ فروخت کرنے کا ارادہ کیا، خریدار نے اس زمین کی قیمت ساڑھے آٹھ سو روپے لگائی۔ یہی گفتگو ایک دوسرا مسلمان سن رہا تھا، اس نے کہا کہ میں نے اس بات میں کوئی دخل نہیں دیا، مگر غیر مسلم مالک نے خریدار سے یہ کہا کہ میں سوچ کر تم کو اس کا جواب دوں گا۔ خرید وفروخت کی کوئی پختہ بات نہیں ہوئی تھی کہ مجلس برخواست بعد ہوگئی۔ ازاں دوسرے مسلمان نے غیر مسلم مالک زمین سے زمین کو ۹۶۰/ روپیہ میں خرید لیا۔ پس اب دریافت طلب یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے استحقاق خریدار زمین پہلے شخص کو ہے جس نے ۸۵۰/ روپیہ زمین کی قیمت لگائی تھی، یا دوسرے شخص کو ہے جس نے ۹۶۰/ روپیہ میں وہ زمین خریدی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس نے آٹھ سو پچاس روپے قیمت لگائی تھی، مالک نے زمین اس کے ہاتھ فروخت نہیں کی اور نہ یہ وعدہ کیا کہ میں تیرے ہاتھ اس قیمت پر فروخت کردوں گا، بلکہ یہ کہا کہ ”یہ سوچ کر جواب دوں گا“ وہ مجلس بھی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد دوسری مجلس میں دوسرے شخص نے نو سو ساٹھ روپے میں قطعی طور پر خرید لی تو وہ اس کی ملک میں آگئی، پہلے شخص کا اس میں قضاءً کوئی حق نہیں رہا، البتہ دوسرے شخص کے لئے افضل یہ تھا کہ جب پہلے شخص کو اس کی تجویز کردہ قیمت پر فروخت کرنے سے مالک انکار کردیتا تب اس سے معاملہ کرکے خریدتا، تاہم پہلا شخص اب دوسرے شخص سے لینے کا حقدار نہیں:

”ولا بأس ببيع مَن يزيد وهو بيع الفقراء وبيع من كسدت بضاعته. والاستيام على سوم الغير مكروهٌ. والفرق بين المزايدة والاستيام على سوم الغير أن صاحب المال إذا كان ينادى على سلعته، فطلبها إنسان بثمن فكفّ عن النداء وركن إلى ماطلب منه ذلك الرجل، فليس للغير أن يزيد فى ذلك، وهذا استيام على سوم الغير. وإن لم يكفّ عن النداء، فلابأس لغيره أن يزيد، ويكون هذا بيع المزايدة، ولايكون استياماً على سوم الغير.

Made searchable using ScribeTools.com

وإن كان الدلال هوالذى ينادى على السلعة وطلبها إنسان بثمن، فقال الدلال: حتى أسأل، فلابأس للغير أن يزيد بعد ذلك فى هذا الحالة، فإن أخبر الدّلال المالك، فقال: بعه بذلك واقبض الثمن، فليس لأحد أن يزيد بعد ذلك، وهذااستيام على سوم الغير، كذا فى المحيط". فتاوى عالمگيرى:۳/ ۲۱۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۲۱۰، كتاب البيوع، الباب العشرون فى البياعات المكروهة، رشيديه)

"والاستيام على سوم الغير مكروه، قال عليه الصلوة والسلام: "لايستام الرجل على سوم أخيه". فظن بعض الناس أن بيع المزايدة استيامٌ على سوم الغير، وليس كذلك، والفرق بين المزايدة وبين الاستيام على سوم الغير عرفاً أن صاحب المال إذا كان ينادى على سلعة فطلبه إنسان بثمن، فكفّ عن النداء، وركن إلى ماطلب منه ذلك الرجل، فليس للغير أن يزيد فى ذلك، وهذا استيام على سوم الغير. وإن لم يكف عن النداء، فلابأس لغيره أن يزيد، ويكون هذا بيع المزايدة، ولايكون استياماً على سوم الغير". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۸/ ۲۶۱، كتاب البيوع، الفصل الخامس والعشرون فى البياعات المكروهة والإباح الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لايسم المسلم على سوم أخيه". قوله: "لايسم المسلم على سوم أخيه" صورة السوم أن يتراضيا بثمن ويقع الركون به، فيجئ آخر، فيدفع للمالك أكثر أومثله. قال الخير الرملى: ويد خل فى السوم الإجارة. والحاصل أن موقع النهى إن مايأتى بعد استقرار الثمن بين البائع والمشترى الأول وبعد ركونهما إلى البيع ..... مفاد هذاالنهى عند الجمهور هوكراهة البيع على بيع أخيه والسوم على سوم أخيه، فلوفعل أحدٌ ذلك، صح البيع". (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه وسومه على سومه وتحريم النجش: ۱/ ۳۲۵، دارالعلوم كراچى)

(وكذا فى إعلاء السنن: ۱۴/ ۱۸۳، كتاب البيوع، باب النهى عن سوم بعض على بعض، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/ ۱۰۱، سعيد)

غیر قانونی مال خرید کر دوسرے مُلک میں فروخت کرنا

سوال[۷۸۲۲]: بنگلہ دیش کا سامان لاکر انڈیا میں فروخت کرتے ہیں جو انڈیا کی سرکار کے خلاف ہے۔ تو انڈیا کے لوگوں کو وہ سامان خرید کر استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص جو سامان خریدے وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے(۱)، اس کو اپنے سامان کا حق ہوجاتا ہے کہ خود استعمال کرے، یا کسی کو ہبہ کردے، یا فروخت کرے(۲)۔ اور پھر اس سے خریدنے والے کو اس کا استعمال جائز ہوتا ہے، کیونکہ وہ مالک ہوگیا، لیکن آدمی جب کسی حکومت کے ماتحت رہتا ہے تو اس کے قانون کی پابندی قانوناً لازم ہوتی ہے، اس کے خلاف کرنا قانونی چوری ہے(۳)، جس سے عزت ومال دونوں کا خطرہ ہوتا ہے، اپنی عزت ومال کو خطرہ میں ڈالنا دانشمندی نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) "وأما حكمه فثبوت الملك فى المبيع للمشترى، وفى الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

"ومحله المال، وحكمه ثبوت الملك: أى فى البدلين لكل منهما فى بدل". (ردالمحتار: ۵۰۶/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(۲) "كل يتصرف فى ملكه كيف شاء.....اهـ". (شرح المجلة لسلم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لايمنع أحد من التصرف فى ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ..... اهـ". (شرح المجلة، الكتاب السابع فى الحجر والإكراه والشفعة، الباب الثالث، الفصل الأول فى بعض قواعد فى أحكام الأملاك: ۶۵۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۴۴۸/۵، كتاب القضاء، باب القاضى إلى القاضى وغيره، مطلب: اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك، سعيد)

(۳) "لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض، فكيف فيما هو طاعة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۲۶۴/۴، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

راشن کارڈ سے مال لیکر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۷۸۲۳]: آج کل راشن میں شکر اور ڈالڈا اور دیگر اشیاء- جو راشن کارڈ میں ملتی ہیں- اپنے کارڈ سے حاصل کر کے اس کو بلیک دام میں- جو عموماً زیادہ ہوتے ہیں- لوگ فروخت کر لیتے ہیں، اس سے ان کو فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

راشن کارڈ کے ذریعہ سے خرید کر آدمی مالک ہو جاتا ہے(۱)، مالک کو اپنی چیز فروخت کرنے کا حق ہے، جس قیمت پر چاہے فروخت کرے(۲) لیکن اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اگر یہ خلافِ قانون ہے تو پھر عزت اور مال کا خطرہ ہے، نفع کی خاطر عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا دانشمندی کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۸۸ھ۔

کنٹرول نرخ کے خلاف بیع، صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟

سوال[۷۸۲۴]: کنٹرول کی حالت سب پر روشن ہے، اگر دلال لوگ خفیہ طور سے قیمتِ مقررہ

---

(۱) "وحكمه ثبوت الملك للمشترى فى المبيع، وللبائع فى الثمن إذا كان باتاً". (حاشية الشلبى على التبيين، كتاب البيوع: ۲۷۶/۴، دارالكتب العلمية بيروت)

"وأما حكمه، فثبوت الملك فى المبيع للمشترى، وفى الثمن للبائع إذا كان البيع باتاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

"وحكمه ثبوت الملك: أى فى البدلين لكل منهما فى بدل". (ردالمحتار: ۵۰۶/۴، كتاب البيوع، سعيد)

"إعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع وهبة". (الدرالمختار: ۴۶۳/۶، كتاب الصيد، سعيد)

(۲) "هو (أى البيع) مبادلة المال بالمال بالتراضى". (البحر الرائق: ۴۲۹/۵، كتاب البيع، رشيديه)

"أما تعريفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳، كتاب البيوع، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲۷۵/۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

"كلٌّ يتصرف فى ملكه كيف شاء". (شرح المجلة، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

Made Searchable by ScribeTools.com

سے زیادہ قیمت لے کر مال فروخت کردے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (دلال اپنے پیسے سے مال خرید کر لایا ہے، صرف اتنی بات ہے کہ حکومت نے کتنی شرائطِ جبریہ مقرر کردی ہے، نہ کہ مالک نے)۔ اور کنٹرولِ ریٹ کے دام سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کی نوبت نہ آئے، نیز عزت اور نقصانِ مال کا خطرہ نہ ہو (جیسا کہ علم ہونے پر مقدمہ چلتا ہے اور جرمانہ ہوجاتا ہے) تو درست ہے (۱)۔ اگر اپنے اخراجات بھی کنٹرول نرخ سے لیتا ہے تو صدقۂ فطر بھی اس نرخ سے ادا کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) تسعیر یعنی کنٹرول ریٹ مقرر کرنا زیادتی بھاؤ کی وجہ سے جائز ہے: "وإن كان أرباب الطعام يتحكّمون على المسلمين ويتعدّون عن القيمة تعدياً فاحشاً، وعجز القاضي عن صيانة حقوق المسلمين إلا بالتسعير، فلا بأس بالتسعير بمشورة أهل الرأى والبصر، فإذا فعل ذلك، ثم تعدّىٰ رجلٌ عن ذلك القدر، فباعه بثمنٍ فوقه، أجازه القاضي يعنى أمضاه ولم يبطله". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب البيوع، الفصل الخامس والعشرون في البياعات المكروهة، فصل في الاحتكار: ۲۶۸/۸، غفاريه كوئٹه)

"فإن باع بأكثر مما سعره، أجازه القاضي". (مجمع الأنهر: ۳۱۵/۴، كتاب الكراهية، فصل في البيع، غفاريه كوئٹه)

"وظاهره أنه لو باعه بأكثر، يحل وينفذ البيع. ولا ينافي ذلك ما ذكره الزيلعي وغيره من أنه لو تعدّى رجلٌ وباع بأكثر، أجازه القاضي؛ لأن المراد أن القاضي يُمضيه ولا يفسخه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۰۰/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۷۱/۸، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(۲) "وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ..... وتعتبر القيمة يوم الوجوب ..... ويقوّم في البلد الذي المال فيه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۸۵/۲، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

باب حطّ الثمن وزیادته نقداً ونسیئةً

(نقداورادھار میں قیمت کے اتار چڑھاؤ کا بیان)

ادھار میں مال کی قیمت زیادہ لینا

سوال[۷۸۲۵]: ۱.....اگر کوئی شخص بوجۂ مجبوری روپیہ ادھار لیتا ہے اور پھر کوئی چیز اس کی ادائیگی میں دیتا ہے تو روپیہ دینے والا شخص بازاری قیمت سے کافی کم قیمت لگاتا ہے، جیسے دھان کی قیمت ۱۶۰/، مگر بھاؤ طے کرتا ہے ۱۰۰/ روپے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

۲..... نقد بیل یا بھینس کی قیمت ۲/ ہزار ہے تو ادھار میں کچھ دینے کے بعد بھی دوگنی سے ڈھائی گنی لی جاتی ہے۔اس میں لینے والے کو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱،۲.....خرید وفروخت میں اگر قیمت نقد دیجائے تو عموماً وہ کم ہوتی ہے، ادھار کا معاملہ ہو تو قیمت زیادہ ہوتی ہے، شرعاً یہ درست ہے(۱)، لیکن زیادہ فرق بے مروّتی ہے، خاص کر جب کہ خریدار حاجت مند ہو کہ اس

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: نهی رسو ل الله صلی الله عليه وسلم عن بيعتين فی بيعة". قال الترمذی: "وقد فسّر بعض أهل العلم: قالوا: بيعتين فی بيعةٍ أن يقول: أبيعُک هذاالثوب بنقدٍ بعشر وبنسيئةٍ بعشرين ولايفارقه علی أحد البيعتين، فإذا فارقه علی أحدهما، فلابأس إذا كانت العقدة علی واحد منها". (جامع الترمذی: ۱/۲۳۳، باب النهی عن بيعين، سعيد)

"وإذا عقد العقد علی أنه إلی أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أوقال: إلی شهر بكذا، أو إلی شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه علی ثمن معلوم، ولنهی النبی صلی الله عليه وسلم من شرطين فی بيع..... وهذا إذا افترقا علی هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتی قاطعه علی ثمن معلوم وأتمّا العقدعليه، فهو جائز". (المبسوط للسرخسی: ۱۳/۹، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كوئٹه) =

کے پاس گذارہ کرنے کے لئے غلہ نہیں ہے، یا کھیتی کا وقت ہے بیل نہیں ہے۔

نقد ادا کرنے کے لئے روپیہ بھی نہیں ہے، مجبوراً ادھار لیتا ہے تو وہ مستحق رحم وشفقت ہے، اس کو مجبور اور بے بس پاتے ہوئے زیادہ قیمت لینا خلافِ مروت ہے۔ حدیث میں ہے: ''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا'' (۱) اور: ''جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا ہے اس پر رحم نہیں ہوتا ہے'' (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

ادھار میں قیمت زیادہ لینا

سوال[۷۸۲۶]: ادھار کی صورت میں قیمت میں اضافہ کرے تو بیع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر فروخت کرتے وقت بات صاف کرلی جائے کہ مثلاً دو ماہ بعد قیمت دی جائے گی اور یہ قیمت ہے تو شرعاً ایسا کرنا درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۸۷ھ۔

= ''لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يُزاد فى الثمن لأجل الأجل، والشبهة فى هذاملحقة بالحقيقة''. (الهداية: ۷۶/۳، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى الدرالمختارمع رد المحتار: ۱۴۲/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(وكذا فى فتح القدير: ۲۶۲/۶، كتاب البيوع، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، ص: ۷، ۸، دارالعلوم كراچى)

(۱) ''عن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''الرّٰحمون يرحمهم الرحمن، ارْحَموا مَن فى الأرض، يرحمكم من فى السماء''. (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثانى، ص: ۴۲۳، قديمى)

(۲) ''عن جرير بن عبدالله رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''لايرحم الله من لايرحم الناس''. (مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول، ص: ۴۲۱، قديمى)

(۳) ''البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح، يلزم أن تكون المدة معلومةً فى البيع بالتأجيل والتقسيط =

Made searchable using ScribeTools.com

ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی

سوال[۷۸۲۷]: زید نے ایک رکشا چار سو روپے کا خریدا اور زید نے اس رکشے کو ساڑھے چھ سو روپے میں دیا اور اس وقت بکر سے زید نے پچاس روپے لیا اور بقایا چھ سو روپے ساڑھے بارہ روپے کے ہفتہ کے حساب سے دیتا رہے، جب تک رقم وصول نہ ہو جائے یہ قسط دیتا رہے گا اور رقم پوری ہو جانے کے بعد رکشا بکر کے نام کر دیگا۔ اس مدت میں رکشا بکر بھی استعمال میں لائے گا اور توڑ پھوڑ کا ذمہ دار بکر ہی ہوگا۔ تو اس طرح سودا کرنا درست ہے یا نہیں، جبکہ ادھار کی آسانی کی وجہ سے ۴۰۰/ کی قیمت ۶۰۰/ ہوگئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا شرعاً وعرفاً درست ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح کی ہے: "ألاترى أنه يزاد فى الثمن لأجل الأجل"(۱) ۔لیکن اتنی زیادتی نہ کی جائے جو کہ عرفاً قابلِ برداشت نہ ہو

= إذا عقد البيع على تأجيل الثمن إلى كذا يوماً أو شهراً، أو إلى وقت معلو م عند العاقدين كيوم قاسم أو النيروز، صح البيع إذا كان يوم القاسم أو النيروز معلوماً عند المتبايعين. أمالو كان مجهولاً عندهما أو عند أحدهما فقط، فلايصح". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۴، ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱۳/۳، كتاب البيوع، غفاريه كو ئٹة)

(۱) (الهداية: ۶۷/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولو اشترى بألف نسيئة وباع بربح مأة ولم يبين، خيّر المشترى؛ لأنه يزاد على الثمن لأجل الأجل، فكان له شبهة بالمبيع، والشبهة فى هذا الباب ملحقة بالحقيقة". (تبيين الحقائق: ۴۳۳/۴، كتاب البيوع، باب التولية، دارالكتب العلمية بيروت)

"من اشترى ثوباً بعشرة نسيئةً وباعه بربح واحد حالاً، ولم يبين ذلك فعلم المشترى خيانته، يصير مخيراً: إن شاء رده، وإن شاء قبله؛ لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يزاد فى الثمن لأجل الأجل، والشبهة فى هذاملحقة بالحقيقة". (مجمع الأنهر: ۱۱۲/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفاريه كوئٹه)

کہ یہ خلافِ مروّت ہے(۱)۔فقہاء نے بیع مرابحہ کا مستقل عنوان قائم کیا ہے، اس میں اس کے شواہد موجود ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۸۹ھ۔

ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانا

سوال[۷۸۲۸]: زید نے گڑ چالیس روپے من خریدا، دو ماہ بعد گڑ کا بھاؤ ۳۶/ روپے ہوگیا (فی من) ایک شخص عمر نے زید سے سو روپے بطور قرض مانگے، زید نے اس کو روپے نقد تو نہ دیئے، بلکہ وہی گڑ جو

---

(۱) "ولایسعّر حاکم إلا إذا تعدی الأرباب عن القیمة تعدیاً فاحشاً، فیسعر بمشورة أهل الرأی". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۹۹، سعید)

"واعلم أنه لارد بغبن فاحش هو مالا یدخل تحت تقویم المقوّمین فی ظاهر الروایة، وبه أفتی بعضهم مطلقاً کما فی القنیة. ثم رقم وقال: ویفتی بالرد رفقاً بالناس، وعلیه أکثر روایات المضاربة، وبه یفتی. ثم رقم وقال: إن غره: أی غر المشتری البائع أو بالعکس أو غرّه الدلال، فله الرد، وإلا لا، وبه أفتی صدر الإسلام وغیره". (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة: ۵/۱۴۲، سعید)

"وإن کان أرباب الطعام یتحکمون علی المسلمین، ویتعدون عن القیمة تعدیاً فاحشاً، وعجز القاضی عن صیانة حقوق المسلمین إلا بالتسعیر، فلا بأس بالتسعیر بمشورةٍ من أهل الرأی والبصر". (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی: ۸/۲۶۸، الفصل الخامس والعشرون فی البیاعات المکروهیة والأرباح الفاسدة، غفاریه کوئٹه)

"عن علی بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه قال: "سیأتی علی الناس زمان عضوض یعض الموسر علی مافی یده ولم یؤمر بذلک، قال الله تعالی: ﴿ولاتنسوا الفضل بینکم﴾. ویباع المضطرون، وقد نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن بیع المضطر ..... قال الشامی: وهو أن یضطرّ الرجل إلی طعام وشراب أو غیرها، ولا یبیعه البائع إلابأکثر من ثمنها بکثیر، وکذلک فی الشراء منه ..... قال الخطابی: إن عقد البیع مع الضرورة علی هذا الوجه جائز فی الحکم ولا یفسخ، إلا أن سبیله فی حق الدِّین والمروءة أن لا یباع علی هذا الوجه، وأن لا یقتات علیه بما له، ولکن یعاون ویقرض ویستمهل له إلی المیسرة". (إعلاء السنن: ۱۴/۲۰۵، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع المضطر، إدارة القرآن کراچی)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

چالیس کے بھاؤ خریدا تھا چالیس کے بھاؤ دیا، جب کہ اس وقت چھتیس روپے بھاؤ ہے۔ کیا زید نے ٹھیک کیا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر عمر نے زید سے روپیہ قرض مانگا اور زید نے روپیہ نہیں دیا، بلکہ گڑ چالیس روپیہ من دیدیا یعنی فروخت کردیا اور عمر نے اس کو خرید کرلیا تو شرعاً یہ بیع درست ہوگئی (۱)، عمر کے ذمہ چالیس من کے حساب سے خریدے ہوئے گڑ کی قیمت لازم ہوگی، اگر چہ گڑ کی قیمت ۳۶/ روپے من بازار میں ہے اور زید نے چالیس روپیہ من بازار میں خریدا تھا۔

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہوتا ہے اور یہ شرعاً درست ہے (۲)، لیکن جو غریب اپنی ضرورت سے کوئی چیز خریدتا ہے اور قیمت اس کے پاس موجود نہیں تو وہ مستحق شفقت ہے، مستحق رحم وکرم ہے، اس سے اتنی قیمت لینا جس سے اس کو خسارہ ہو، یہ بات خلافِ مروت ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۵/۸۹ھ۔

---

(۱) "(هو مبادلة المال بالمال بالتراضي، ويلزم): أي البيع (بإيجاب وقبول)". (النهر الفائق: ۳/۳۳۹، كتاب البيوع، إمداديه ملتان)

"أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء المحدثين، فقد أجازوا البيع المؤجل بأكثر من سعر النقد بشرط أن يبتّ العاقدان بأنه بيع مؤجل بأجل معلوم وبثمن، متفق عليه، عند العقد". (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، أحكام البيع بالتقسيط، زيادة الثمن من أجل التأجيل، ص: ۷، دارالعلوم كراچى)

(۲) "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يُزاد فى الثمن لأجل الأجل، والشبهة فى هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية: ۳/۷۶، كتاب البيوع، باب التولية والمرابحة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"لأن الأجل فى نفسه ليس بمال، فلايقابله شئ حقيقةً إذا لم يشترط زيادة الثمن بمقابلته قصداً، ويُزاد فى الثمن لأجله؛ إذ ذكر الأجل بمقابلة الأجل قصداً". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۵/۱۴۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب العاشر فى الشروط التى تفسد البيع والتى لاتفسده: ۳/۱۳۶، رشيديه)

(وكذا فى جامع الترمذى: ۱/۲۳۳، كتاب البيوع، باب النهى عن بيعتين، سعيد)

(۳) "عن على بن أبى طالب رضى الله تعالىٰ عنه قال: "سيأتى على الناس زمان عضوض يعضّ الموسر على =

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا

سوال[۷۸۲۹]: زیادہ نفع کی حرص میں کوئی چیز اضعافاً مضاعفۃً قیمت میں ادھار فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(۱)، مگر خلافِ مروّت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ھذا، ۱۳/ جمادی الاول/ ۵۹ھ۔

= مافی یده ولم یؤمر بذلک، قال الله تعالی: ﴿ولاتنسوا الفضل بینکم﴾. ویباع المضطرون، وقد نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن بیع المضطر ..... قال الشامی: وهو أن یضطرّ الرجل إلی طعام وشراب أو غیرها، ولا یبیعه البائع إلابأکثر من ثمنها بکثیر، وکذلک فی الشراء منه ..... قال الخطابی: إن عقد البیع مع الضرورة علی هذا الوجه جائز فی الحکم ولا یفسخ، إلا أن سبیله فی حق الدِّین والمروءة أن لا یباع علی هذا الوجه، وأن لا یقتات علیه بما له، ولکن یعاون ویقرض ویستمهل له إلی المیسرة". (إعلاء السنن: ۲۰۵/۱۴، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع المضطر، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (راجع، ص: ۱۵۵، رقم الحاشیة: ۲)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بینکم، إن الله بما تعملون بصیر﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"وقد نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن بیع المضطر". الحدیث..... هو أن یضطر الرجل إلی طعام وشراب أو غیرها، ولا یبیعه البائع إلا بأکثر من ثمنها بکثیر، وکذلک فی الشراء منه ..... وقال الخطابی: إن عقد البیع مع الضرورة علی هذا الوجه جائز فی الحکم ولایفسخ، إلا أن سبیله فی حق الدین والمروءة أن لا یباع علی هذاالوجه وأن لا یقتات علیه بما له، ولکن یعاون ویقرض ویستمهل له إلی المیسرة، حتی یکون له فی ذلک بلاغ". (إعلاء السنن: ۲۰۵/۱۴، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع المضطر، إدارة القرآن کراچی)

"والوجه الآخر أن یضطر إلی البیع لدین یرکبه أو مونةٍ ترهقه، فیبیع مافی یده بالوکس من أجل الضرورة، فهذا سبیله فی حق الدین، والمروءةُ أن لا یباع علی هذاالوجه، وأن لایقتات علیه بما له، ولکن یعاون ویقرض ویستمهل له إلی المیسرة". (بذل المجهود: ۲۵۲/۵، کتاب البیوع، باب فی بیع المضطر، إمدادیه)

Made searchable using ScribeTools.com

نقد وادھار کی قیمت میں فرق

سوال[۷۸۳۰]: زید مثلاً سینے کی مشین یا ریڈیو وغیرہ کی تجارت کرنا چاہتا ہے اور اس میں یہ رواج ہے کہ نقد فروخت کرنے کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے اور قسطوار قیمت ادا کرنے میں قیمت نقد سے زیادہ لی جاتی ہے۔ تو اس طرح تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کیا صورت جواز کی ہوسکتی ہے کہ زید اپنی دوکان کے دو حصے کرلے ایک میں نقد کا بھاؤ رکھے ایک میں ادھار کا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر مجلس میں ہی نقد یا ادھار کا معاملہ صاف ہوجائے کہ خریداری نقد ہے یا ادھار تو اس طرح تجارت درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

نقد میں قیمت کم ادھار میں زیادہ

سوال[۷۸۳۱]: ۱.....عبداللہ نے عبدالغفار سے ماہ جمادی الثانیہ میں دکان خریدی، عبدالغفار نے

---

(۱) "نهى رسو ل الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين فى بيعة. وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بيعتين فى بيعة أن يقول: أبيعك هذا الثوب بنقدٍ بعشرةٍ وبنسيئةٍ بعشرين، ولايفارقه على أحد البيعتين، فإن فارقه على أحدهما، فلابأس به إذا كانت العقدة على أحد منها". (جامع الترمذى: ۱/۲۳۳، أبواب البيوع، باب ماجاء فى النهى عن بيعتين فى بيعة، سعيد)

"وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ونهى النبى صلى الله عليه وسلم عن شرطين فى بيع، وهذا هو تفسير الشرطين فى بيع ..... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمنٍ معلومٍ وأتمّا العقدعليه، فهو جائز ؛ لأنهما ما افترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد". (المبسوط للسرخسى: ۱۳/۹، باب البيوع الفاسدة، غفاريه كو ئٹة)

"لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألاترى أنه يُزاد فى الثمن لأجل الأجل". (الهداية: ۳/۷۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق: ۶/۱۹۰، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

کہا کہ تم آج ہی قیمت دیتے ہوتو کوئی بات ہی نہیں ہے، بازاری قیمت لے لوں گا اور اگر ماہ رجب میں دیتے ہو تو قیمت زیادہ لوں گا۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۲]: ۲.....دوسری صورت یہ ہے کہ دھان ادھار لئے گئے، جس کی وجہ سے قیمت زیادہ بازار سے لی جارہی ہے۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۳]: ۳.....دھان ادھار لئے گئے اور ادائیگی قیمت کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا، بازاری نرخ کا علم نہیں، لیکن عبدالغفار نے کہا کہ ۲۵/ روپیہ من لوں گا۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۴]: ۴.....خود عبدالغفار دھان ادھار دے رہا ہے اور قیمت رجب میں وصول کرنے کے لئے کہہ رہا ہے اور قیمت کی بھی تعیین کردی، بازاری نرخ کا علم نہیں ہے، نمبر: ۳، ۴، میں تعین کا فرق اور عدمِ تعینِ وقت کا فرق۔

ایضاً

سوال[۷۸۳۵]: ۵.....دھان ادھار دیئے جارہے ہیں اور قیمت کی ادائیگی ماہ رجب میں بازاری قیمت سے ہوگی۔ اس صورتوں میں سے کونسی جائز ہے اور کونسی ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اس طرح گول مول طریقہ پر بیع درست نہیں ہے(۱)، پہلے خریدار سے دریافت کرلیا جائے کہ تم

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: نهی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن بیعتین فی بیعة". "وعن سماک عن عبدالرحمن بن عبدالله بن مسعود عن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: نهی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن صفقتین فی صفقة". (إعلاء السنن: ۱۴/ ۱۷۴، کتاب البیوع، باب النهی عن بیعتن فی بیعة، إدارة القرآن کراچی)

Made searchable using ScribeTools.com

قیمت اب دو گے یا رجب میں دو گے، اگر اس نے کہا کہ اب دوں گا تو اس کو بتادیا جائے کہ ۲۰/ روپے قیمت لوں گا، اگر اس نے کہا رجب میں دوں گا تو اس کو بتادیا جائے کہ ۲۵/ روپے قیمت لوں گا۔ غرض ایک بات متعین ہوجائے (۱)۔

۲.....ادھار کی وجہ سے معمولی زیادہ قیمت طے کرلینا درست ہے (۲)۔

۳..... دام دینے کا وقت اس طرح مقرر کرلیا جائے کہ نزاع نہ ہو تو یہ بیع درست ہوگی، ورنہ فاسد ہوگی (۳)۔

۴..... یہ درست ہے (۴)۔

۵..... یہ بیع فاسد ہے، اس میں قیمت نہیں ہے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۵۷، رقم الحاشية : ۱)

(۲) (راجع، ص: ۱۵۷، رقم الحاشية : ۱)

(۳) "وبثمن حال مؤجل بأجل معلوم ..... قيد بمعلوم؛ لأن جهالة الأجل تفضى إلى المنازعة، فالبائع يطالب فى مدة قريبة والمشترى يأباها، فيفسد". (مجمع الأنهر: ۱۳/۳، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"(بأجل معلوم)؛ لأن جهالته تفضى إلى المنازعة، فيفسد". (الدرالمنتقى بذيل مجمع الأنهر: ۱۳/۳، كتاب البيوع، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"يلزم أن تكون المدة معلومةً فى البيع بالتأجيل والتقسيط: أى أنه يلزم أن يكون الأجل معلوم الوقت عند كلا العاقدين؛ لانّ جهالته تفضى إلى النزاع، فيفسد البيع به". (شرح المجلةٍ لسليم رستم باز، ص: ۱۲۵، (رقم المادة: ۲۴۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۴) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۵) "يلزم أن يكون الثمن معلوماً، فلوجهل الثمن، فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۲، (رقم المادة: ۲۳۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولابد من معرفة قدر ووصف ثمن غير مشار؛ لأن جهالتهما تفضى إلى النزاع المانع من التسليم والتسلم، فيخلو العقد عن الفائدة، وكل جهالة تفضى إليه يكون مفسداً". (تبيين الحقائق: =

Made Searchable by ScribeTools.com

مرض الوفات میں کم قیمت پر بیع

سوال[۷۸۳۶]: ۱.....اگر کسی چیز کی خریداری میں کم قیمت ادا کی جائے اور فروخت کنندہ سے زیادہ قیمت بوجۂ مجبوری یا بیماری یا ضعیف العمری یا ناامید زیست کی بناء پر ایک دو یوم مرنے سے قبل فروخت کنندہ سے دیگر اشخاص کے بلامشورہ، خفیہ طور پر کہ جو بااعلان نہ ہو، ایسا بیعنامہ کرایا جائے تو اس بات میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

۲..... جب کہ خریدار مذکور خود رقم قرض کے اندراج کو تسلیم کرتا ہے، لیکن قیمتِ باقی ماندہ کو ادا نہیں کرتا اور جو شئے بیعنامہ فروخت کنندہ سے حاصل کی گئی ہے، اس کے جز کی واپسی بھی عدمِ ادائیگیٔ قیمت کے لحاظ سے نہیں کرتا ہے جس سے رقم ادا شدہ اور شئے حاصل شدہ مساوی حالت میں ہو جاویں۔

۳.....اگر فروخت کنندہ فوت ہو چکا ہے اور خریدار مذکور قیمت قرض کو مانتا ہے تو یہ قیمت باقی ماندہ خریدار اگر ادا کریں، تو وارثانِ فروخت کنندہ مذکورہ اس قیمت کے پانے کے مستحق ہوں گے۔

۴.....اگر کسی جائیداد یا مکانِ مقبوضہ خود کی بابت یہ علم ہو جاوے کہ اس کی قیمت یا معاوضہ اصل مالک کو ادا نہیں ہوا اور صرف قانونی قبضہ ایک عرصۂ دراز سے مطابق قانونِ دنیوی چل رہا ہے، لہٰذا ایسا قبضہ بدستور باقی رکھنا جائز ہے، یا بعد ادائیگیٔ قیمت معاوضہ مالکان کو قبضہ کرنا جائز ہوگا؟

نیازمند سید ممتاز علی، قصبہ نہٹور، ضلع بجنور، ۸/ ذی الحجہ/ ۱۳۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اگر یہ بیعنامہ ایسے شخص کے حق میں ہوا ہے کہ جو شرعاً بائع کا وارث بھی ہے تو یہ بیع بقیہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے، وہ اجازت دیں گے تو نافذ ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔ اگر یہ بیعنامہ کسی اجنبی کے حق میں

= ۴/۲۸۰، کتاب البیوع، دار الکتب العلمیة بیروت)

"لایصح البیع فی غیره: أی فی غیر المشار إلیه بلامعرفة قدره کعشرة ونحوها، وصفته ککونه مصریاً أو دمشقیاً؛ لأن جهالتهما تفضی إلی النزاع المانع من التسلیم والتسلم، فیعری العقد عن المقصود، وکل جهالة هذاصفتها تمنع الجواز". (مجمع الأنهر: ۳/۱۲، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الدر المنتقی بذیل مجمع الأنهر، کتاب البیوع: ۳/۱۲، مکتبه غفاریه کوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

ہوا ہے (یعنی جو شرعاً وارث نہیں) تو اس کا حکم یہ ہے کہ دیانت داری اور تجربہ کار آدمی اس چیز کی قیمت تجویز کریں اور پھر دیکھیں کہ مشتری نے اس سے کس قدر کم ادا کی ہے، اگر وہ کمی بائع کے ایک ثلث ترکہ کے برابر یا اس سے کم ہو تب تو یہ بیع صحیح ہوگی، ورنہ اجازتِ ورثہ پر موقوف ہے، اگر ورثہ بالغ ہوں تو مشتری سے کہا جاوے گا کہ اس کی قیمت پوری کرو، ورنہ بیع کو فسخ کر دیا جائے گا (۱)، کیونکہ کہ یہ کمی وصیت کے حکم میں ہے، هكذافي مرآة المجتبى: ۱/۱۹۱ (۲)۔

۲..... بیع کی صحت وعدمِ صحت کا حکم جواب نمبر: ۱، میں آچکا ہے۔ اگر خریدار بیع کو برقرار اور اس شئ کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو شرعاً اس کی وہی صورت ہے، اس کے خلاف کرنا گناہ ہے اور معصیت ہے۔

۳.....اس کا جواب نمبر: ۱، سے ظاہر ہے۔

۴..... ایسا قبضہ ناجائز ہے (۳)، یا مالکان کی قیمت ادا کردے، یا ہبہ کرالے۔ اگر وہ بیع یا ہبہ

---

(۱) "إذا باع المريض في مرض موته شيئاً من ماله لأحد ورثته، صار ذلك موقوفاً على إجازة سائر الورثة، فإن أجازوا بعد موت المريض، نفذ البيع، وإلا فلا. وإذا باع المريض في مرض موته شيئاً من أجنبيّ بثمن المثل، صح بيعه. وإن باعه بدون ثمن المثل وسلم المبيع، كان بيعه بيع محاباة يعتبر من ثلث ماله، فإن كان الثلث وافياً بها، صحّ. وإن كان الثلث لايفي بها، لزم المشترى إكمال مانقص من ثمن المثل، وإعطاء ه للورثة، فإن فعل، لزم البيع، وإلاكان للورثة فسخه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص ۲۲۱، ۲۲۲، (رقم المادة: ۳۹۳، ۳۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وقف بيع الغاصب على إجازة المالك..... وبيع المريض لوارثه على إجازة الباقى".

(الدرالمختار). "أو على صحة المريض، فإن صح من مرضه نفذ، وإن مات منه ولم تُجز الورثة، بطل".

(ردالمحتار: ۵/۱۱۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل فى الفضولى، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۵۴، الباب الثانى عشرفى أحكام البيع الموقوف، رشيديه)

(۲) لم أجده

(۳) "عن سعيد بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوّقه يوم القيامة من سبع أرضين". (مشكوة الصابيح، ص: ۲۵۴، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، قديمى)

"عن سمرة رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "على اليد ما أخذت حتى تؤدى". =

پر رضامند نہ ہوں بلکہ اپنا مکان وغیرہ خالی کرانا چاہیں تو اپنا قبضہ اٹھانا اور مکان کو خالی کرنا واجب ہے، بلکہ پہلے اپنا قبضہ اٹھا کر مالک کے قبضہ میں دیدیا جاوے، اس کے بعد بیع یا ہبہ کی گفتگو کی جاوے تاکہ ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ رہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/محرم الحرام/ ۵۷ھ۔

مبیع میں زیادتی کا مطالبہ کرنا

سوال[۷۸۳۷]: اگر کوئی شخص ایک سودا خریدے اور خریدار بیچنے والے سے علاوہ خریدشدہ چیز کے اَور کوئی چیز مانگے جس کو ''رنگا'' کہتے ہیں اور بیچنے والا خوشی سے دے بھی دے تو کیا وہ رنگا مانگنا اور لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ رنگا جزوِ بیع ہے، لہٰذا اگر اس شئ کے واپس کرنے کی نوبت آئے تو رنگا بھی واپس کرنا ہوگا(۲)، ایسی

= (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى، ص: ۲۵۵، قديمى)

(۱) "وعن أبى حرّة الرقاشى عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلابطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۲) "وكذا صح الزيادة فى المبيع، ولزم البائعَ دفعُها إن قبل المشترى ذلك؛ لأنه تصرف فى حقه وملكه، ويلتحق بالعقد، فيصير حصتَه من الثمن، حتى لو هلكت الزيادة قبل القبض، تسقط حصتُها من الثمن". (مجمع الأنهر: ۳/۱۱۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل: لا يصح بيع المنقول، غفاريه كوئٹه)

"وصح الزيادة فى المبيع، ولزم البائعَ دفعُها إن فى غير سلم وقبل المشترى، وتلتحق أيضاً بالعقد، فلو هلكت الزيادة قبل قبض، سقط حصتُها من الثمن". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۱۵۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فى التصرف فى المبيع والثمن، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۶/۲۰۰، كتاب البيع، فصل فى بيان التصرف فى المبيع، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴/۴۴۲، كتاب البيوع، باب التولية، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۳، (رقم المادة: ۲۵۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

صورت میں رنگے کا رواج ترک کردینا چاہئے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۲/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/صفر/ ۶۸ھ۔

اصل مطالبہ سے زائد کا دعویٰ کرنا

سوال[۷۸۳۸]: میں نے مقروض ہوکر سودی لئے ہوئے قرض سے ایک انجن خریدا تھا جو حالات ناسازگار ہونے کی بناء پر مجھے ۲۹۰۰/ میں بیچنا پڑا۔ ۲۱۰۰/ وصول کرلئے، ۸۰۰/ روپے چالو ہونے پر وعدہ کیا گیا ہے، مگر اب وہ روپیہ دیتا نہیں۔ عدالت سے فیصلہ ہوگا۔ وکیل کہتے ہیں کہ ۲۹۰۰/ ہی کا دعویٰ کرو۔ جب کامیابی کی کچھ امید ہے ایسی صورت میں ۲۹۰۰/ کا دعویٰ کرسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ۲۱۰۰/ روپے کے وصول پانے کی آپ نے ان کو رسید دے دی ہے تو آپ یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ۲۱۰۰/ روپے وصول کرچکا ہوں، ۸۰۰/ باقی ہیں (۱)۔ بیعنامہ مکمل ہوجانے اور انجن فٹ ہوکر چالو ہوجانے کے بعد محض بقیہ ۸۰۰/ واجب الادا کے مطالبہ پر تو شاید بیع کو عدالت فسخ نہ کرے، بلکہ آپ کا روپیہ دلوادے۔ اگر آپ نے ۲۱۰۰/ کی رسید نہیں دی اور آپ ۸۰۰/ کا مطالبہ کریں اور عدالت اس کی کل قیمت ۸۰۰/ ہی تجویز کردے، بیعنامہ تحریر موجود نہ ہو تب بھی آپ کو ۸۰۰/ روپیہ مل جائے تو مطالبہ پورا ہوجائے گا۔

اگر بیع فسخ کردے اور انجن آپ کو واپس ملے تو آپ کو ضابطہ میں ۸۰۰/ دینا پڑے گا۔ اس صورت میں

---

(۱) "عن ابن عمر وعائشة رضی اللہ تعالیٰ عنهم: أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، قال: "من طلب حقاً، فلیطلبه فی عفاف واف أو غیر واف". (سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب حسن المطالبة: ۲/۱۷۴، قدیمی)

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: جاء رجل یطلب نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بدین أو بحق، فتکلم ببعض الکلام، فهمّ صحابة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم به، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "مه إن صاحب الدین له سلطان علی صاحبه حتی یقضیه". (سنن ابن ماجة، أبواب الصدقات، باب: لصاحب الحق سلطان: ۲/۱۷۴، قدیمی)

قانوناً آپ نفع میں رہیں گے، ۱۳۰۰/ آپ کو بچے گا (مگر شرعاً اس کا رکھنا درست نہیں ہوگا)۔ تاہم اگر قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے (جن کو میں نہیں جانتا) ۲۹۰۰/ ہی کا دعویٰ کرنا ضروری ہے تو فیصلہ اور ڈگری ہونے پر آپ کو صرف مطالبہ ۸۰۰/ ہی رکھنے کا حق ہوگا، جو رقم زائد ملے اس کو واپس کرنا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۸۵ھ۔

مقررہ قیمت سے زیادہ قیمت پر چوری کا مال فروخت کرنا، اور بلیک کرنا

سوال[۷۸۳۹]: کیا بلیک کرنا گناہ ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ مالک کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اپنی ملکیت جس قیمت پر چاہے فروخت کرے (۲)، لیکن مالک اگر مال کو زیادہ قیمت پر فروخت کریں اور عام مخلوق قیمت کی زیادتی کی وجہ سے سخت پریشان ہو اور اس کا حل بجز نرخ متعین کرنے (کنٹرول) کے کچھ نہ ہو تو حکومت کے لئے درست ہے کہ اہل الرائے کے

---

(۱) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب بيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

(۲) "ويكره التسعير ..... ولأن الثمن حق العاقد، فلاينبغى له أن يتعرض لحقه". (مجمع الأنهر: ۲۱۵/۴، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

"وأما لايسعر لِمَاروى أن السعر قد غلا بالمدينة، فطلب من النبى صلى الله عليه وسلم أن يُسعّر، فأبىٰ، وقال: "إن الله تعالى هو المسعّر القابض الباسط الرازق". وفى حديث الحر قال: "الله تعالى يخفض ويرفع، وإنى لأرجو أن ألقى الله تعالى وليس لأحدٍ منكم عندى مظلمةٌ". ولأن الثمن حق البائع؛ لأنه يقابل ملكه، فيكون التقدير إليه". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۲۶۸/۸، الفصل الخامس والعشرون فى البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، فصل فى الاحتكار، غفاريه كوئٹه)

Made Searchable using ScribeTools.com

مشورے سے قیمت متعین (کنٹرول) کردے (۱) جس میں مالک کا نقصان بھی نہ ہو اور عام مخلوق کو پریشانی سے نجات مل جائے، پھر بلیک کرنا یعنی متعینہ نرخ سے زائد پر فرخت کرنا قانون شکنی ہے، جس کے نتیجہ میں خطرہ ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہیئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

افیم کی بلیک کا حکم

سوال[۷۸۴۰]: افیم کی بلیک کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بلیک (۳) قانونی جرم ہے (۴)، منفعت کی خاطر جان، مال، عزت، کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "ولا يسعّر حاكم إلا إذا تعدّى الأرباب عن القيمة تعدياً فاحشاً، فيسعر بمشورة أهل الرأى". (الدرالمختار: ۳۹۹/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

"ويكره التسعير إلا إذا تعدّى أرباب الطعام فى القيمة تعدياً فاحشاً، فلا بأس به بمشورة أهل الخبر" (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۱۵/۴، غفاريه كوئٹة)

"وإن كان أرباب الطعام يتحكّمون على المسلمين ويتعدّون عن القيمة تعدياً فاحشاً، وعجز القاضى عن صيانة حقو ق المسلمين إلابالتسعير، فلا بأس بالتسعير بمشورةٍ من أهل الرأى والبصر". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۲۶۸/۸، الفصل الخامس والعشرون فى البياعات المكروهة، والأرباح الفاسدة، فصل فى الاحتكار ، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(وكذا فى الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل فى البيع: ۲۱۵/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۳۷۰/۸، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، رشيديه)

(۲) "طاعة الإمام فيماليس بمعصية واجبة". (ردالمحتار: ۱۷۲/۲، كتاب الصلوة، باب العيدين، سعيد)

(۳) "بلیک: مقررہ قیمت سے زیادہ پر چوری سے مال فروخت کرنا"۔ .....=

بلیک مارکیٹ

سوال[۷۸۴۱]: بغیر سیل ٹیکس ادا کئے پوشیدہ طور پر مال کی فروختگی کیسی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اپنے مال کی تجارت خاطر خواہ طریقہ پر جائز ہونے کے باوجود سیل ٹیکس انسپکٹر سے چھپانا اور چوری سے فروخت کرنا اپنی عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو کہ قرینِ دانشمندی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۳۸۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= ''بلیک مارکیٹ: مقررہ مارکیٹ سے زیادہ قیمت پر چوری مال فروخت کرنا''۔(فیروز اللغات، ص: ۲۱۴، فیروز سنز لاهور)

(۴) حکومتی مقرر کردہ قوانین کی خلاف ورزی شرعاً ناجائز ہے، جب کہ اس میں شرعی مفسدہ نہ ہو: "طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض". (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۴/۲۶۴، سعيد)

(۵) "درء المفاسد أولىٰ من جلب المنافع. ومما يتفرع من هذه القاعدة أن الرجل يمنع من التصرف فى ملكه إذا كان تصرفه يضرّ بجاره ضرراً فاحشاً؛ لأن درء المفاسد عن جاره أولى من جلب المنافع لنفسه". (شرح المجلة، ص: ۳۲، (رقم المادة: ۳۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"درء المفاسد أولى من جلب المنافع، فإذا تعارضت مفسدةٌ ومصلحةٌ، قدم دفع المفسدة غالباً". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۴، الفن الأول، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن كراچى)

(۱) راجع الحاشية السابقة)

Made searchable using ScribeTools.com

فصلٌ فی سُلفة الثّمن فی البیع

(بیعانہ کا بیان)

بیعانہ کا حکم

سوال[۷۸۴۲]: ادھر دستور ہے کہ جب کوئی شئ خرید وفرخت کی بات چیت ہوتی ہے تو بات کو پختہ ومستحکم بنانے کے لئے چیز والا خریدار سے کچھ رقم یا نقد روپیہ لیتا ہے، اس کو ''بیعانہ'' کہتے ہیں۔ اگر خریدار نے بات چیت کے مطابق وہ چیز لی تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں لی تو وہ بیعانہ سوخت ہوجاتا ہے، خریدار کو واپس نہیں ملتا ہے۔ ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ بیعانہ جزوِ قیمت ہے جس کو پیشگی وصول کیا جاتا ہے، پھر بقیہ قیمت معاملہ پختہ ہونے پر وصول کرلی جاتی ہے۔ اگر معاملۂ بیع طے نہ ہو بلکہ ختم ہوجائے تو یہ بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے، اس کو روکنا اور سوخت کردینا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن بیع العربان. قال مالک: وذلک فیماتری -والله تعالی أعلم- یشتری الرجل العبد أو الولیدة أویتکاری الدابة، ثم یقول للذی اشتری منه أو تکاری منه: أعطیتُک دیناراً أو درهماً أو أکثر من ذلک أو أقل علی أنی أخذت السلعة أو رکبتُ ماتکاریت منک، فالذی أعطیتُک من ثمن السلعة أو من کراء الدابة، وإن ترکتُ ابتیاع السلعة أو کراء الدابة فما أعطیتُک لک باطلٌ بغیر شئ". (إعلاء السنن: ۱۶۶/۱۴، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع العربان، إدارة القرآن کراچی)

"ونهی عن بیع العربان أن یقدم إلیه شئ من الثمن، فإن اشتری حُسب من الثمن، وإلافهو له مجاناً، وفیه معنی المیسر". (حجة الله البالغة: ۲۸۸/۲، بیوع فیها معنی المیسر، قدیمی) =

بیعانہ لینے سے بیع

سوال[۷۸۴۳]: عمر نے زید کو ایک مکان کا چوتھائی حصہ چار سو روپیہ میں فروخت کردیا اور مبلغ سو روپیہ بطورِ بیعانہ لے کر یہ تحریر لکھ دی کہ میں مبلغ سو روپے بطورِ بیعانہ اب لیتا ہوں اور مبلغ تین سو روپے رجسٹری کے وقت لوں گا۔ زید نے جب عمر بائع سے رجسٹری کا تقاضا کیا تو عمر بائع رجسٹری کو ٹالتا رہا اور کچھ عرصہ بعد مکان پر جبراً اپنا قبضہ کرلیا اور جو مبلغ سو روپے بطورِ بیعانہ لیا تھا اس کے واپس دینے سے بھی انکار کردیا۔ اب یہ باتیں دریافت طلب ہیں:

۱.....کیا یہ بیع صحیح ہوگئی یا نہیں؟

۲.....اگر صحیح ہوگئی تو بائع کو مکان پر جبراً بلا رضامندیٔ زید (مشتری) قبضہ کرلینا جائز ہے یا نہیں؟

۳.....کیا بائع عمر کو جبراً بیع کے فسخ کا اختیار ہے؟

۴.....اگر صحیح نہیں ہوئی، یا بائع کو جبراً فسخِ بیع کا اختیار ہو تو مبلغ سو روپیہ بائع کے ذمہ ضروری ہے یا نہیں؟

۵.....مشتری کو اپنے اس روپیہ کے واپس لینے کا حق ہے یا نہیں جو اس نے بطورِ بیعانہ بائع کو دیئے تھے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....صحیح ہوگئی (۱)۔

= "بیع العربان: وصورته أن یشتری الرجل شیئاً فیدفع إلی المبتاع من ثمن ذلک المبیع شیئاً علی أنه إن نفذ البیع بینهما، کان ذلک المدفوع من ثمن السلعة، وإن لم ینفذ ترک المشتری بذلک الجزء من الثمن عند البائع، ولم یطالبه به، وإنما صار الجمهور إلی منعه؛ لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأکل مالٍ بغیر عوض". (بدایة المجتهد ونهایة المقتصد، الباب الرابع فی بیوع الشروط والثنیا: ۸/۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۸، أبواب التجارات، باب بیع العربان، قدیمی)

(۱) "البیع ینعقد بإیجاب وقبول". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۷۵، (رقم المادة: ۱۶۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

۲.....نہیں(۱)۔

۳.....نہیں(۲)۔

۴.....بیع تھی، اب اگر بائع اس کو فسخ کرنا چاہے تو مشتری کی رضامندی سے مبلغ سو روپے واپس دے کر فسخ کرسکتا ہے(۳)۔

۵.....اگر بائع مکان نہیں دیتا اور جھگڑا کرتا ہے تو مشتری کو حق حاصل ہے کہ اپنا روپیہ واپس لے لے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۷/۳/۵۳ھ۔

جواب صحیح ہے: عبداللطیف، ۲۷/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

= "البيع مبادلة مالٍ بمالٍ، وينعقد بإيجاب وقبول". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۴، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹة)

"هو (أى البيع) مبادلة المال بالمال بالتراضى، ويلزم بإيجاب وقبول". (كنز الدقائق، كتاب البيوع: ۵/۴۲۹، رشيديه)

(۱) "وفى بيع سلعة بثمن سلم هو أولاً إن لم يكن مؤجلاً". (ملتقى الأبحر). قال الفقيه عبدالرحمن بن محمد رحمه الله تعالىٰ: "فإنه لو كان موجلاً لايمكن التسليم أولاً، بل يجب تسليم المبيع". (مجمع الأنهر: ۳/۳۱-۳۲، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"القبض ليس بشرط فى البيع، إلا أن العقد إذا تم، كان على المشترى أن يسلم الثمن أولاً، ثم يسلم المبيع إليه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۳۶، (رقم المادة: ۲۶۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "من شرائطها (أى الإقالة) اتحاد المجلس ورضا المتعاقدين؛ لأن الكلام فى رفع عقد لازم". (رد المحتار: ۵/۱۲۱، باب الإقالة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۵۷، كتاب البيوع، الباب الثالث عشر فى الإقالة، رشيديه)

"للعاقدين أن يتقايلا البيع برضاهما بعد انعقاده، فالرضا شرط فى الإقالة، كمافى سائر العقود". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۹۲، (رقم المادة: ۱۹۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) یعنی اقالہ کرکے اپنے پیسے واپس لے لے: "وينفسخ البيع: أى ويجب ردّ مثل الثمن الأول". (شرح المجلة لخالد الأتاسى: ۲/۷۷، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا فى النهر الفائق: ۳/۴۵۲، كتاب البيوع، باب الإقالة، قديمى)

Made Searchable by ScribeTools.com

باب المتفرقات

اناج کی بیع فصل کی قیمت

سوال[۷۸۴۴]: اس وقت نرخ گندم پانچ سیر ہے اور ایک غریب آدمی جس کے یہاں اناج نہیں ہے ہم سے اناج لینا چاہتا ہے تو اس کو بجائے ۵/ سیر کے چار سیر دیتے ہیں اور اس سے وعدہ کرا لیتے ہیں کہ فصلِ ربیع یعنی ساڑھی میں اناج اسی بھاؤ کا جو بھاؤ فصلِ ربیع میں ہوگا لیا جائے گا۔ آپ تحریر فرمادیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں بھاؤ کی کیا شرط ہے، اناج بطورِ قرض دیجئے، جتنے سیر یا من اناج دیں اتنے سیر من اپنا اناج ساڑھی میں واپس لے لیں (۱)، خواہ کچھ ہی بھاؤ ہو قیمت سے کچھ تعلق نہیں (۲)۔ اگر فروخت کرنا ہے

---

(۱) "ویجوز القرض فیما هو من ذوات الأمثال کالمکیل والموزون والعددیّ المتقارب کالبیض". (الفتاوی العالمکیریة: ۳/ ۲۰۱، کتاب البیوع، الباب التاسع عشر فی القرض والاستقراض، رشیدیه)

"القرض عقد مخصوص یرد علی دفع مال مثلی لآخر لیردّ مثله، وصح القرض فی مثلیّ لافی غیره". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/ ۱۶۱، کتاب البیوع، فصل فی القرض، سعید)

"فلایجوز قرض ما لا مثل له..... فتعین أن یکون الواجب فیه ردّ المثل، فیختص جوازه بماله مثل". (بدائع الصنائع: ۱۰/ ۵۹۶، کتاب القرض، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "والذی یتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة ومشاهدة معاملات الناس أن المثلیة المطلوبة فی القرض هی المثلیة فی المقدار، والکمیّة دون المثلیة فی القیمة والمالیة". (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، مسئلة تغیر قیمة العملة وربطها بقائمة الأسعر، عرض المسئلة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم کراچی)

"وکذا کل مایکال ویوزن لما مرّ أنه مضمونٌ بمثله، فلاعبرة بغلائه ورخصه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/ ۱۶۲، کتاب البیوع، فصل فی القرض، سعید)

Made searchable using ScribeTools.com

تو فروخت کردیجئے، اور ساڑھی میں قیمت لے لیں۔ جس وقت پر آپ نے فروخت کیا ہے، اسی وقت کی قیمت لی جائے خواہ ساڑھی میں کچھ بھی بھاؤ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اگر ساڑھی میں اس کے پاس قیمت نہ ہو، اور بجائے قیمت کے اناج دینا چاہیں تو اس وقت نرخ طے کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

کمہار سے بلا قیمت لوٹے لینا

سوال[۷۸۴۵]: بعض دیہات کی افتادہ زمین سے کمہار مٹی لے جاتے ہیں(۱) اور گاؤں والے ان سے لوٹے یا اَور برتن اس اجرت پر مقرر کرلیتے ہیں، اور یہ لوٹے مسجد میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر گاؤں والے اس زمین کے مالک ہیں اور وہ مٹی کمہاروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں اور کمہار قیمت میں لوٹے وغیرہ دیتے ہیں تو ان لوٹوں کا استعمال درست ہے(۲)۔ اگر مالک نہیں ہیں تو ان کو کمہاروں سے لوٹے مفت لینے کا کوئی حق نہیں اور اس صورت میں وہ لوٹے کمہاروں کو لوٹانا ضروری ہے(۳)، گھر میں

---

(۱) ''کمہار: مٹی کے برتن بنانے والا، کوزہ ساز''۔(فیروز اللغات، ص: ۱۰۳۱، فیروز سنز لاهور)

(۲) اسلئے کہ مبیع کا مملوک ہونا ضروری ہے:''یشترط لنفاذ البیع أن یکون البائع مالکاً کالمبیع أو وکیلاً لمالکه''. (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۲۰۳، (رقم المادة: ۳۶۵)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

''وشرط فی المبیع کونه مالاً متقوماً شرعاً مقدور التسلیم فی الحال أو ثانی الحال، وزاد فی البحر: أن یکون مملوکاً فی نفسه''. (الدر المنتقی بذیل مجمع الأنهر: ۵/۳، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

''أما شرائط المعقود علیه فأن یکون موجوداً مالاً متقوماً مملوکاً فی نفسه''. (البحر الرائق، کتاب البیع: ۴۳۳/۵، رشیدیه)

(۳) ''عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ''ألا! لاتظلموا، ألا! لا یحل مال امرئ إلابطیب نفس منه''. (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵۵، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، قدیمی)

''عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: ''علی الید ما أخذت حتی تؤدی''. (مشکوة المصابیح،=

استعمال کرنا، یا مسجد میں دینا جائز نہیں (۱)۔ اگر گاؤں والے مالک ہونے کے بعد تعرض نہیں کرتے تو لوٹے لینا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کھوٹے روپے کا حکم

سوال[۷۸۴۶]: تجارت میں اگر پیسہ روپیہ کھوٹا آئے تو اس کو کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر معلوم ہے کہ کس کے پاس سے آیا ہے تب تو اسی کو دیدے (۲)، جس طرح بھی ممکن ہو، خواہ

= المصدر السابق)

"التصرف فی مال الغیر حرام، فیجب التحرز عنه". (فتح القدیر: ۵۱۵/۶، کتاب البیوع، فصل: ومن اشتری شیئاً ماینقل، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه..... أو وکالةٍ منه أو ولایةٍ علیه، وإن فعل، کان ضامناً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۱) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلی الله علیه وسلم: "إن الله طیب لایقبل إلاطیباً، وإن الله تعالی أمر المؤمنین ما أمر به المرسلین". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۴۱، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، قدیمی)

(۲) "ومن قبض زیفاً بدل جیدٍ غیر عالم به، فأنفقه، أوهلک فهو قضاء": قال فی المجمع: "قید بالإتلاف؛ لأنه لو کان قائماً، یرده ویسترد الجید عندهم". (مجمع الأنهر: ۱۵۴/۳، ۱۵۵، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفایه کوئٹة)

"(ومن قبض زیفاً بدل جید) کان له علی آخر (غیر عالم به) فلو علم وأنفقه، کان قضاءً اتفاقاً (فأنفقه أو هلک) فلو قائماً، ردّه اتفاقاً". (الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳۱۴/۳، کتاب البیوع، مسائل شتی، غفاریه کوئٹه)

"ولو قبض زیفاً بدل جید، کان له علی آخر جاهلاً به، فلو علم وأنفقه، کان قضاءً اتفاقاً، ونفق أو أنفقه فلو قائماً، رده اتفاقاً". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲۳۳/۵، کتاب البیو ع، باب المتفرقات، سعید)

Made searchable using ScribeTools.com

بتا کر خواہ دھوکہ سے (۱)۔ اگر معلوم نہ ہو تو دھوکہ دینا جائز نہیں (۲)، بتا کر دے دیا جائے اگر چہ لینے والا کم قیمت پر لے، یا اگر کسی جگہ اس سے کچھ ظلماً لیا جائے تو وہاں بلا بتائے بھی دینا درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۲/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

مبیع مقدارِ معین سے کم یا زائد نکلے

سوال [۷۸۴۷]: مسمیٰ عبدالرحمٰن نے ایک کپڑا بیس گز ایک روپے چار آنہ کا فروخت کیا، وہ کپڑا پونے بیس گز ہوا، خریدار نے ایک روپے چار آنہ نہیں دیا، بلکہ چار گرہ کے دام کاٹ کر دیتا ہے ۳/ دیتا ہے، مسمی عبدالرحمٰن خریدار کو کہتا ہے کہ چار گرہ کے دام نہ کاٹ، مگر خریدار نے ضرور کاٹ لئے۔ اس کے بعد مسمیٰ عبدالرحمٰن ایک کپڑا بیس گز اَور فروخت کرنے گیا، اس کی قیمت بھی ۱۴/ آنے قرار پائی، مگر جس وقت ناپا تو سوا بیس گز ہوا، اب خریدار کہتا ہے کہ میں تو پورے بیس گز کے دام دوں گا، مسمیٰ عبدالرحمٰن نے ہر چند کہا مگر اس نے پورے بیس گز کے دام ۱۴/ دیئے، چار گرہ کے نہیں دیئے۔

---

(۱) اس لئے کہ یہ درحقیقت اپنے حق کو حاصل کرنا ہے جو جائز ہے:

"وَجَدَ دنانير مديونه، وله عليه درهم، له أن يأخذه، لاتحادهما جنساً في الثمنية".

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/ ۱۵۱، كتاب الحجر، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى وسلم مرّ على صبرة من طعام، فأدخل يده فيها، فنالت أصابعه بللاً، فقال: "ياصاحب الطعام! ماهذا"؟ قال: أصابته السماء يارسول الله! قال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس"؟ ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، ص: ۲۴۵، أبواب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، سعيد)

(وفيض القدير: ۱۱/ ۵۹۲۴، (رقم الحديث: ۸۸۷۸)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(وسنن أبي داود: ۲/ ۱۳۳، كتاب البيوع، باب في النهي عن الغش، مكتبه إمداديه ملتان)

(ومشكوة المصابيح: ۲/ ۲۴۸، كتاب البيوع، باب المنهي عنها من البيوع، الفصل الأول، قديمي)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۲)

اب غور طلب یہ ہے کہ کپڑے میں ایک پیسہ کاٹ لیا اور دوسرے کپڑے میں جو سوا بیس گز تھا ان کا پورا ایک روپیہ چار آنے بھی دیا، کیا اس خریدار کو وہ پیسہ جائز ہوسکتا ہے؟ والسلام۔

معرفت: مولوی شبیر احمد گنگوہی، طالبعلم مدرسہ ہذا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیس گز کپڑا فروخت کیا اور مجموعہ کی قیمت ۱۴/ بتائی اور فی گز کے حساب سے کوئی قیمت نہیں بتائی اور معاملہ ایجاب وقبول سے پختہ کردیا اور ناپنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بیس گز سے کچھ کم مثلاً پونے بیس گز ہے تو خریدار کو قیمت کاٹنے کا اختیار نہیں، بلکہ چاہے پوری قیمت دے کر خریدے اور چاہے واپس کردے، واپس کرنے کا اختیار ہے۔ اور اگر ناپنے کے بعد معلوم ہوا کہ بیس گز سے کچھ زائد مثلاً سوا بیس گز ہے تو وہ سب کا سب ۱۴/ میں خریدار کا ہوگیا، فروخت کرنے والے کو زیادہ قیمت طلب کرنے، یا واپس لینے کا اختیار نہیں:

"ومن اشترى ثوباً على أنه عشرة أذرع بعشرة، أو أرضاً على أنها مأة ذراع بمأة، فوجدها أقلّ، فالمشترى بالخيار: إن شاء أخذ بجملة الثمن، وإن شاء ترك. وإن وجدها أكثر من الذراع الذى كان، فهو للمشترى، ولا خيار للبائع". هدايه :۳/ ۲۸ (۱) ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۷/ ۵۳ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۳/۲۴، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وفى المذروع يأخذ الأقل بكل الثمن، أو بفسخ، والزائد له بلا خيار للبائع". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۸، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

"وإن نقص ذراع، أخذ بكل الثمن أو ترك. وإن زاد فللمشترى، ولا خيار للبائع؛ لأن الذرع فى المذروع وصف؛ لأنه عبارة عن الطول فيه، لكنه وصف يستلزم زيادة أجزاء، فإن لم يفرد بثمن، كان تابعاً محضاً، فلا يقابل بشئ من الثمن". (البحر الرائق: ۵/۴۸۵، كتاب البيع، رشيديه)

"وإن باع المذروع مثله على أنه مأة ذراع مثلاً، أخذ المشترى الأقل بكل الثمن أو ترك ..... وأخذ الأكثر بلا خيار للبائع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴/۵۴۳، كتاب البيوع، مطلب: المعتبر ماوقع عليه العقد وإن ظن البائع أو المشترى أنه أقل أو أكثر، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴/۲۸۴، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com ools.com

بیع میں سامان زیادہ دے دیا تو کیا کرے؟

سوال[۷۸۴۸]: زید سائیکل مرمت کا کام کرتا ہے اور سامان دوسرے بڑے دوکاندار سے خرید کر لاتا ہے، ایک مرتبہ سامان لینے گیا تو اس بڑے دوکاندار کے نوکر نے کچھ سامان مالک کی چوری سے زیادہ دیدیا، وہاں تو زید نے کچھ خیال نہیں کیا، لیکن گھر آکر بیجک ملایا تو سامان زیادہ نکلا۔ اب زید پس وپیش میں ہے کہ اگر مالک پر راز افشاء کرتا ہے تو ملازم کی ملازمت جاتی ہے اور نہیں کہتا تو مالک مکان کی چوری ہوتی ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں زید کو کیا کرنا چاہئے، سامان کی قیمت ملازم کو دے یا کہ نہ دے؟ جواب تمام باتوں کا قرآن وحدیث کی رو سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہہ کر بڑے دوکاندار کو دے سکتا ہے کہ حساب میں اتنے روپے آپ کا میری طرف ہے، وہ یہ ہے، لے لیجئے، تو یہ صورت بہتر ہے(۱)، اگر ایسا نہیں کرسکتا تو ہدیہ کے طور پر دیدے، ملازم کے خیانت کرنے سے وہ سامان زید کے لئے حلال نہیں ہوگا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۹۴ھ۔

---

(۱) اس لئے کہ مذکورہ سامان کا حکم امانت کا ہے اور امانت مالک کو واپس کرنا ضروری ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. "وذلک بالتسليم إليه عند القدرة". (تبيين الحقائق: ۲۱۶/۴ كتاب اللقطة، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أدّ الأمانة إلى من ائتمنک، ولا تخن مَن خانک". (جامع الترمذي: ۲۳۹/۱، أبواب البيوع، سعيد)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۱۶/۱۱، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۲۶، (رقم المادة: ۷۶۹، ۷۷۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعي". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۱۱۰، (رقم المادة: ۲۶۹)، الصدف پبلشرز)

بازار سے خریدی ہوئی دوا کو اپنی بتا کر نفع زیادہ لینا

سوال[۷۸۴۹]: اگر کوئی شخص بازار سے ہمدرد کی دوائیں خرید کر مریضوں کو اس نام سے دے کہ گویا یہ دوائیں میں اپنی دے رہا ہوں اور اصل محنت سے کئی گناہ منافع حاصل کریں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمدرد کا اگر وہ ایجنٹ نہیں، بلکہ اپنے پیسہ سے خرید کر مالک ہو کر دوائیں فروخت کرتا ہے اور نفع لیتا ہے تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قیمتِ مبیع وصول کرنے کی ایک صورت

سوال[۷۸۵۰]: زید کی اراضی بکر نے قیمتِ متعینہ میں خریدی، لیکن بکر نے وقتِ متعینہ پر پوری رقم ادا نہیں کی، لیکن کھیت بکر کے قبضہ میں دیدیا گیا اور بکر پر ابھی چوتھائی رقم باقی ہے۔ تو اب صورت یہ کی گئی کہ اس فروخت شدہ اراضی سے ڈھائی ایکڑ اراضی علیحدہ تصور کر کے آٹھ سو روپیہ لگان سے اسی کو دیدیتے ہیں، اب بکر سیزن پر باقی ماندہ رقم کے علاوہ اور آٹھ سو روپیہ لگان کے دے گا۔ تو یہ آٹھ سو روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ بیع کل اراضی کی ایک معاملہ سے ہوئی اور سب مبیع قرار دی گئی ہے، پھر کچھ مخصوص قطعہ کو غیر مبیع اور ملکِ بائع قرار دے کر تجویز کر کے مشتری کو- جو سب زمین کا بذریعۂ بیع مالک ہو چکا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

"عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قیل: یا رسول اللہ! أیّ الکسب أطیب؟ قال: "عمل الرجل بیدہ، وکل بیع مبرور". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۴۲، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثالث، قدیمی)

"عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باع حلساً وقدحاً". الحدیث. (جامع الترمذی، : ۱/ ۲۳۱، أبواب البیوع، باب ماجاء فی بیع من یزید، سعید)

Made searchable using ScribeTools.com

ہے- لگان پر دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ نکلا کہ اب مشتری اپنی ہی ملک کا لگان بائع کو دے گا، اب بائع باقی ماندہ چوتھائی قیمت سے زائد لینے کا حقدار نہیں (۱)۔ مشتری کو لازم ہے کہ وہ باقی ماندہ قیمت جلد از جلد ادا کردے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۸/۸۹ھ۔

۵/کلوشکر کے لئے ۲۵/کلو کی درخواست دینا

سوال[۷۸۵۱]: چینی کی اگر ۵/کلو کی ضرورت ہو تو درخواست ۲۵/کلو کی دینی پڑتی ہے، تب کہیں ۵/کلو مل پاتی ہے، اگر ۵/کلو کی درخواست دیں تو بمشکل ایک کلو ہی مل پائے گی جس سے ضرورت پوری نہیں ہوگی۔ تو مذکورہ بالا صورت کذب میں تو داخل نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں ۵/کلو کا عنوان ۲۵/کلو ہے اور حکومت کی نظر میں بھی اس کا معنون ۵/کلو ہی ہے، تو عنوان اور معنون کا یہ فرق گویا حکومت کی طرف سے تجویز کردیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۹۳ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) جتنی قیمت پر بیع ہوئی ہے اتنی ہی قیمت لینے کا بائع حقدار ہے اور باقی ماندہ رقم کے علاوہ لگان کے نام سے مزید رقم مشتری سے لینا سود ہے، کیونکہ یہ مشتری ہے، اس کے ذمہ باقی ماندہ قرض رقم کا نفع لینا ہے، اور قرض پر نفع لینا صریح سود ہے:

"كل قرض جرّ منفعةً فهو ربا". (فيض القدير: ۴۴۸۷/۹، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا فى الأشباه والنظائر: ۹۸/۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى فقه السنة، القرض: ۱۴۷/۳، ۱۴۸، دارالكتب العربى بيروت)

باب بیع الحقوق المجرّدة

(حقوقِ مجردہ کی بیع کا بیان)

گڈول کی شرعی حیثیت

سوال[۷۸۵۲]: ایک کتابوں کی دوکان ہے جس کا نام رحمانیہ لائبریری ہے، دور دراز کے مقامات سے کتابوں کے آرڈر آتے ہیں۔ اس دوکان رحمانیہ لائبریری کے دو بھائی مالک ہیں، یہ رحمانیہ لائبریری دونوں بھائیوں کے باپ نے قائم کی تھی۔ اب یہ دوکان آپس میں تقسیم کرنی ہے، مال یعنی کتابیں شریعتِ اسلامیہ کے قانون کے مطابق تقسیم کرلی جائیں گی، لیکن نام کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس لئے جناب والا سے دریافت یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں گڈول یعنی نام کی کیا حیثیت ہے؟ دنیاوی قانون کے اعتبار سے نام بھی جائیداد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی قیمت مثل جائیداد کے ہوتی ہے، لہذا مطلع فرمایا جائے کہ نام رحمانیہ لائبریری کی قیمت بھی شمار ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گڈول یعنی ''نام'' درحقیقت مال نہیں (۱)، بلکہ بمنزلۂ حیثیتِ عرفیہ کی ہے جس کی کوئی قیمت نہیں، قانون نے اس کو جو کچھ حیثیت دی ہے، وہ شریعت کی رو سے فتویٰ لے کر نہیں دی ہے، اس لئے یہ باہمی رضامندی سے معاملہ طے کرلیا جائے (۲)۔ جو بھائی حکم شرع کی قدر کرتے ہوئے عمل کرے گا، انشاء اللہ

---

(۱) ''المال مایمیل إلیه طبع الإنسان، ویمکن ادّخاره إلی وقت الحاجة، منقولاً کان أوغیر منقول''. (شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۱/۱۷، (رقم المادة: ۱۲۶)

(۲) لیکن اگر ایک بھائی دست برداری کے طور پر اپنے حصے کا عوض لینا چاہے تو یہ جائز ہے:

''ولا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة، وعلی هذا لایجوز الاعتیاض عن الوظائف بالأوقاف. وفیها فی آخر بحث تعارض العرف مع اللغة: المذهب عدم اعتبار العرف الخاص، =

Made searchable using ScribeTools.com

نقصان میں نہیں رہے گا، ایثار سے کام لینا دنیا وآخرت میں بہت زیادہ عزت ومنفعت کا ذریعہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۱۴۰۱ھ۔

ٹیکسی کے پرمٹ کی بیع اور اس کی شرکت

سوال[۷۸۵۳]: ۱..... مسمی ''الف''، بمبئی میں ایک ٹیکسی کا پرمٹ رکھتا ہے۔ اس پرمٹ پر جو گاڑی پرانی ہوچکی تھی اس کے عوض حکومت کی طرف سے نئی گاڑی حاصل کرنے کے لئے اجازت نامہ ملا ہے، یہ اجازت نامہ چونکہ محدود ہوتا ہے، اس لئے اس کی مدت ختم ہوجانے کی صورت میں دوبارہ ملنے کا امکان نہیں ہے۔ اس اجازت نامہ کی بدولت ایک نئی کار کمپنی سے خریدی جائے تو مبلغ اٹھارہ ہزار پانچ سو روپیہ ہوتی ہے۔ اس کار کو خریدنے کے لئے میں استطاعت نہیں رکھتا، اس لئے مسمی ''ب'' سے میں حصہ داری کرنا چاہتا ہوں جو کہ اس موٹر پر اپنی رقم مکمل خرچ کرے گا اور یہ رقم وصول ہوجانے کے بعد ہی حصہ داری شروع ہوگی، اور یہ حصہ داری ابھی طے نہیں ہوتی ہے، نصف نصف یا کم وبیش ہوگی۔

حکومت پرمٹ اس صورت میں دیتی ہے کہ ''الف'' ہی ٹیکسی کا کاروبار کرے، کسی حصہ داری کی اجازت نہیں، ویسے بمبئی میں زیادہ تر ٹیکسی کا کاروبار حصہ داروں کی صورت میں ہوتا ہے اور حکومت اس سے واقف بھی ہوتی ہے۔ آپ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ ''الف'' کو حصہ داری کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۲..... حکومت کی طرف سے جو ٹیکسی کا پرمٹ ملتا ہے، اب سے پہلے اس کو لوگ ماہانہ کچھ رقم پر تین چار

= لكن أفتى كثير باعتباره، وعليه فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمال". (الدر المختار: ۵۱۹/۴، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لخالد الأتاسى: ۱۲۱/۱، (رقم المادة: ۲۱۶)، حقانيه پشاور)

''اپنے کاروبار کا کوئی نام رکھنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے، جس کو آج کل اصطلاح میں ''گڈول'' کہتے ہیں، لیکن اگر ایک شخص نے اپنے کاروبار کا نام ''عطرستان یا گلشن ادب'' رکھ لیا، اور اس سے اس کا تجارتی مفاد وابستہ ہوگیا تو دوسرے شخص کو وہ نام رکھنے کا حق نہیں رہا، اور جب کہ ایک خاص نام کے ساتھ مستقبل میں تحصیلِ مال اور تجارتی منفعت مقصود ہے تو گڈول کا معاوضہ لینا جائز ہے''۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب المعاملات، حقِ تصنیف سے متعلق سوال وجواب: ۳۱۷/۲، مکتبہ رحمانیہ)

Made Searchable by ScribeTools.com

سال کے لئے لیتے تھے، مگر چونکہ اب پرمٹ عام طور سے دستیاب ہوتا ہے، اس کی مانگ نہیں رہی، مگر چونکہ مجھے نئی گاڑی کا اجازت نامہ ملا ہے اور میں خود گاڑی رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا، کچھ لوگ میرے پرمٹ کو ماہانہ ۴۵/ روپے اور دو ہزار روپے سے الگ دے کر نئی گاڑی کی زندگی تک جو کہ ۶، ۷/ سال تک رہتی ہے، اس مدت کی رقم یکمشت دینا چاہتے ہیں۔ اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ بغیر ماہانہ کے صرف یکمشت ہی رقم دینا چاہتے ہیں جو کہ مبلغ چار ہزار روپے سے زائد نہیں ہوتی۔ تو کیا رقم لینا بھی ''الف'' کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

۳..... ''اب'' مجھ سے گاڑی میں حصہ داری کرنا چاہتے ہیں، اور وہ ایک شرط یوں بھی رکھتے ہیں کہ چونکہ ٹیکسی کا ڈرائیور عموماً کم دستیاب ہوتے ہیں، اس لئے گاڑی تمام دن یا اس کے کچھ حصے میں ''الف'' کو چلانی پڑے گی، بمبئی میں ٹیکسی ڈرائیور خواہ وہ ٹیکسی کا مالک ہو یا نہ ہو، ٹیکسی چلانے کی اجرت بطورِ کمیشن ۲۰/ فیصد طعام کے خرچ کے بعد لیتا ہے۔ تو اس طرح کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

۴..... ایک شرط یوں بھی ہوتی ہے کہ اجرت کے بجائے کچھ رقم طے کر لی جائے جو کہ گذارہ کے لئے کام آسکے۔ تو یہ رقم لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حصہ داری گاڑی کی قیمت وصول ہونے کے بعد ہی شروع ہوگئی۔

۵..... ایک شرط یوں بھی ہوتی ہے کہ دو چار گھنٹہ چلا کر اور اس وقت کی تمام آمدنی ''الف'' اپنے استعمال میں لے لے۔ تو یہ رقم لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اگر ''الف'' حصہ داری نہ کرے تو لامحالہ دوسروں کی گاڑی چلانی پڑے گی جو کہ کمیشن کی صورت میں ہوگی۔ اور الف چونکہ بنسبت دوسرے ڈرائیوروں کے روزگار میں کمتر رہتا ہے، اس لئے عموماً دوسرے کی گاڑی کم ملتی ہے، اور ملتی بھی ہے تو اس صورت میں کہ ڈرائیور نہ ہونے کے باعث گاڑی پڑی ہو تو بادل نخواستہ اس کو دیں گے۔ تو یہ کمیشن پر چلانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ''الف'' اگر ''ب'' سے =/۱۸۵۰۰/ روپے قرض لیکر کمپنی سے گاڑی خرید لے، پھر اس کی آمدنی سے ادا کر دے تو قرض ختم ہو جائے گا، پھر حصہ داری کرے، اس طرح کہ مثلاً نصف قیمت ''ب'' سے لے لے

Made searchable using ScribeTools.com

اورگاڑی دونوں کی شرکت ہوکر آمدنی بھی نصف نصف ''ب'' کی رہے(۱) اوراس سے حصہ داری ہوجائے۔ اورآمدنی نصف نصف ہوکر ''الف'' اپنے حصہ آمدنی میں سے ''ب'' کا قرض بھی ادا کرتا رہے، چونکہ کل قیمت ''ب'' نے دی ہے جس میں سے نصف ''الف'' کے ذمہ بطورِ قرض ہے، تو یہ بھی درست ہے۔ قانون بھی غالبًا اس طرح نہیں ہوگا۔

۲..... پرمٹ ایک حق ہے جس کے ذریعہ گاڑی خریدنے کا اختیار ہے، اس کے عوض روپیہ لینا درست نہیں(۲)۔

۳،۴..... میں شریک حصہ دار نہیں، اس وقت گاڑی چلانے کی اجرت مقررہ (۸ یا ۱۰) روزانہ یا ماہانہ لینا شرعاً درست ہے(۳)۔

۵..... یہ صورت درست نہیں(۴)۔

---

(۱) "والحيلة فى ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذلك الرجل ونصف الدجاجة ونصف بذر الفليق بثمن معلوم حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركةً بينهما، فيكون الحادث منها على الشركة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۵/۲، كتاب الشركة، الباب الخامس فى الشركة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى التاتارخانيه: ۶۷۱/۵، الشركة بالأعمال، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "وشرط المعقود عليه ..... كونه موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً فى نفسه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۵۰۵/۴، سعيد)

"وفى الأشباه : لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة". (الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب: لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة: ۵۱۸/۵، سعيد)

(۳) "وهى (أى الإجارة) بيع منفعة معلومة بعوض معلوم ..... والمنفعة تعلم تارةً ببيان المدة كالسكنى والزراعة، فتصح مدةً معلومةً أىّ مدة كانت". (مجمع الأنهر: ۵۱۱/۳، ۵۱۳، كتاب الإجارة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدرالمختار: ۶،۵/۶، كتاب الإجارة، الباب الأول فى تفسير الإجارة وركنها، الخ، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۹/۴، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۴) "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أى بنصف الغزل، أو أستأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو =

۶.....کمیشن پر اجرت لینا درست نہیں (۱)، روزانہ یا ماہانہ یا گھنٹوں کے اعتبار سے مقرر کی جائے (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کتابوں کا حقِ طباعت بیچنا

سوال[۷۸۵۴]: بعض لوگ کتابوں کی رائلٹی وصول کرتے ہیں کہ میری کتاب اگر ایک ہزار کی تعداد میں چھپی ہو تو مجھے مبلغ ایک سو روپے، اور دو ہزار کی تعداد میں اگر چھپی ہو تو دو سو روپے دو۔ یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

ظہیر الاسلام بنی گنج ہردوئی۔

= ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه، فسدت فی الكل؛ لأنه استأجر بجزءٍ من عمله". (ردالمحتار: ۶/۵۷، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وفسدت استيجار حائک لينسج له غزلاً ببعضه، أو حماراً ليحمل عليه طعاماً بقفيز منه، أو ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه، فسدت فی الكل؛ لأنه استأجر بجزءٍ من عمله". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۵۳۹، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی البحر الرائق: ۸/۴۱، كتاب الإجارة، باب الاجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا فی الهداية: ۳/۳۰۳، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "ويفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۴۷، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"(يفسد الإجارة بشرط ..... الفساد قديكون لجهالة قدر العمل بأن لايعين محل العمل، وقد يكون لجهالة قدر المنفعة بأن لايبيّن المدة، وقد يكون لجهالة البدل والمبدل". (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۲۹، رشيديه)

(۲) "ويشترط أن تكون الأجرة معلومةً، سواء كانت من المثليات أومن القيميات أو كانت منفعةً أخرى؛ لأن جهالتها تُفضِی إلى المنازعة، فيفسد العقد". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۵۴، (رقم المادة: ۴۵۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

دوسرا شخص اگر کتاب چھاپے تو اس سے یہ روپیہ لینا جائز نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۶/۳/۹۴ھ۔

حقِ طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا

سوال[۷۸۵۵]: اپنی کسی تالیف وتصنیف کا حقِ اشاعت محفوظ کرانا اور دوسروں کو اس کی اشاعت سے روکنا کیسا ہے؟ حق محفوظ کرانے سے جہاں مالی مفاد ملحوظ ہوتا ہے، وہاں یہ بات بھی پیشِ نظر ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ کتاب کی طباعت واشاعت میں صحت وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتے اور بعض لوگ تو کتر بیونت کر کے اصل کتاب ہی کو ناقص شکل میں چھپا لیتے ہیں۔ نیز بعض حضرات حقِ اشاعت کے محفوظ کرنے کے سلسلہ میں یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ہم نے تو اس حبسِ وقت کی قیمت کے طور پر یہ حق محفوظ کرایا ہے، جو اس تصنیف کی صورت میں ہوا ہے۔ یہ توجیہ قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب مصنف کوئی تصنیف کرتا ہے تو وہ اس کا مالک ہے جس قدر اس میں محنت کی دردسری، دلسوزی، وعرق ریزی سے جو مسودہ بنایا جاتا ہے، اس کو پورا حق ہے کہ جس قدر قیمت میں معاملہ ہوسکتا ہو، اس قیمت پر فروخت کرے، چند اوراق کی قیمت ہزاروں یا لاکھوں روپے قیمت ہوسکتی ہے۔ بغیر قیمت کے کسی کو نہ دے نہ نقل کی اجازت دے۔ لیکن جب اس کی کتاب چھپ کر بازار میں آگئی اور کسی شخص نے قیمت دیکر خریدی تو اس خریدی ہوئی کتاب سے نفع حاصل کرنے کا مشتری کو پورا اختیار ہے، کیوں کہ وہ اس کا مالک ہے، وہ اپنی ملک کو محفوظ کر کے بھی رکھ سکتا ہے، فروخت بھی کرسکتا ہے، مستعار بھی دے سکتا ہے، نقلیں بھی کرا سکتا ہے، چھپوا بھی سکتا ہے، پھر چھپوا کر قیمت پر فروخت بھی کرسکتا ہے، مستعار بھی دے سکتا ہے، بلکہ مفت تقسیم بھی کرسکتا ہے۔ اور اس میں مصنف کو ثواب پہونچانے کی نیت کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ مصنف کو حق نہیں پہونچتا ہے کہ مشتری جو کہ مالک

---

(۱) (سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''حقِ طباعت کی بیع اور اصل کتاب میں تغیر کرنا'')

ہے اس کو اس کی مملوکہ شئ میں تصرفات سے روکے (۱)۔

البتہ اصل کتاب میں کتر بیونت کرنا جس سے اصل مضمون خبط ہوجائے یا مقصودِ مصنف کے خلاف ہوجائے، یہ کتاب کے ساتھ خیانت ہے، اور اس ترمیم شدہ چیز کو اصل مصنف کی طرف منسوب کرنا افتراء وخداع ہے، اس کی اجازت نہیں، یہ شرعاً بھی ناجائز ہے اور اخلاقاً وعرفاً بھی مذموم وشنیع ہے۔ ھذا عندی، دل چاہے تو دیگر علماء سے بھی تحقیق فرمالیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۳ھ۔

حقوقِ طبعِ تصانیف کی بیع

سوال[۷۸۵۶]: بہت سے مصنفین ومولفین خود اپنی تصنیف کو، یا پھر وہ کسی ادارہ کو اپنی تصنیف فروخت کردیتے ہیں تو وہ ادارہ حکومت سے قانونی طور پر اس کے جملہ حقوق اپنے لئے محفوظ کرالیتا ہے، تاکہ

(۱) صحیح یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب کے حقِ تصنیف کو محفوظ کرسکتا ہے کوئی اَور چھپوا نہیں سکتا ہے:

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "من عمّر أرضاً لیست لأحد، فهو أحق". (جامع الأصول، الکتاب السادس فی إحیاء الموات، (رقم الحدیث: ۱۳۰): ۳۴۷/۱، دارالفکر بیروت)

"عن أسمر بن مضرس رضی الله تعالی عنه قال: أتیت النبی صلی الله علیه وسلم: "من سبق إلی مالم یسبقه مسلم، فهو له". (سنن أبی داود: ۸۱/۲، کتاب الخراج، إمدادیه ملتان)

"وإن کان العلامة المناوی رحمه الله تعالیٰ رجّح أن هذاالحدیث وارد فی سیاق إحیاء الموات، ولکنه نقل عن بعض العلماء أنه یشمل کل عین وبئر ومعدن، ومن سبق لشئ منها، فهی له، ولاشک أن العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب". (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، بیع الحقوق المجردة، حق الابتکار وحق الطباعة، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، دارالعلوم کراچی)

"والمؤلف قد بذل جهداً کبیراً فی إعداد مؤلفه، فیکون أحق الناس به، سواء فیما یمثل الجانب المادّی وهو الفائدة المادیة التی یستفیدها من علمه، أو الجانب المعنوی وهو نسبة العمل إلیه". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۲۸۶۱/۴، القسم الثانی: النظریات الفقهیة، المبحث الرابع: أحکام الحق، حق التألیف والنشر والتوزیع، رشیدیه)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com ools.com

دوسرے شخص کے لئے اس کی طباعت کی قانونی طور پر گنجائش نہ رہے۔ اور رجسٹری کرانے کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی سے منتفع ہوتے رہیں، چنانچہ شیخ الہند کا ترجمۂ کلام پاک، تعلیم الاسلام از حضرت مفتی صاحب، دینی تعلیم کے رسالے از الجمعیۃ بکڈپو وغیرہ کئی مثالیں ایسی ہیں کہ جن کے حقوقِ طبع محفوظ ہیں اور جن کی طباعت بلا اجازت قانونی جرم ہے۔ سرکاری قانون سے قطع نظر شرعی نقطۂ نظر سے اس سلسلہ میں چند امور دریافت طلب ہیں:

۱.....اس طرح بذریعۂ رجسٹری کسی کتاب کے حقوق اپنے لئے محفوظ کرالینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲.....ایسی تصنیف کہ جس کے حقوقِ طبع محفوظ ہیں اور جس نے محفوظ کر رکھے ہیں، اس کے پاس سے مناسب قیمت پر جس وقت جس قدر بھی مطلوب ہو، دستیاب ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں دوسرے کے لئے بلا استصواب واستفسار کے یا استصواب واستفسار پر انکار اور منع کردینے کی شکل میں طبع کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۳.....اپنی رجسٹری شدہ یا غیر رجسٹری شدہ کسی تصنیف کے حقوقِ طبع کسی فرد، یا ادارہ کے ہاتھ فروخت کردینا، یا اس کے معاوضہ میں رقم وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۴..... مذکورہ بالا امور کے سلسلہ میں مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا رائے تھی؟ اگر آں محترم کے علم میں ہو تو براہ کرم اس سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتاوی رشیدیہ کامل مطبوعہ کراچی، ص: ۱۷۷، میں ہے:

سوال: ''حقِ تصنیفِ کتب کا ہبہ یا بیع یا ممنوع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ''حقِ تصنیف کوئی مال نہیں، جس کا ہبہ یا بیع ہوسکے، لہٰذا یہ باطل ہے: "ولا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة". أشباه"(۱)۔

لہذا:

---

(۱) (الأشباه والنظائر، ص: ۲۴۹، كتاب البيوع، الفن الثانی، درالفكر بيروت)

۱.....یہ بے اثر ہے(۱)۔

۲..... اجازت ہے۔

۳.....درست نہیں(۲)۔

---

(۱) لیکن صحیح یہ ہے کہ مصنف کو حقوقِ طبع محفوظ کرنے کا حق حاصل ہے کسی کو بغیر اجازت کے طبع کرانا جائز نہیں، کما تقدم ،فليراجع، ص: ۱۸۴، رقم الحاشية: ۱)

(۲) لیکن علماء نے حقوق طبع کے فروخت کرنے کی اجازت دی ہے:

"لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة، وعلى هذالايجوز الاعتياض عن الوظائف بالأوقاف. وفيها فى آخر بحث تعارض العرف مع اللغة: المذهب عدم اعتبار العرف الخاص، لكن أفتى كثيرٌ باعتباره، وعليه فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمال". (الدرالمختار، كتاب البيوع، مطلب: لايجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة: ۵۱۸/۴، سعيد)

"ومقتضى ذلك أن يجوز النزول عن حق الابتكار أو حق الطباعة لرجل آخر بعوضٍ يأخذه النازل، لكن هذا إنما يتأتى فى أصل حق الابتكار وحق الطباعة، أما إذا قرن هذا الحق بالتسجيل الحكومى الذى يبذله المبتكر من أجله جهده وماله ووقته، والذى يعطى هذاالحق مكانة قانونية تمثلها شهادة مكتوبة بيد المبتكر وفى دفاتر الحكومة، وصارت تعتبر فى عرف التّجار مالاً متقوماً، فلايبعد أن يصير هذا الحق المسجّل ملحقاً بالأعيان والأموال بحكم هذا العرف السائر، وقد أسلفنا أن للعرف مجالاً فى إدراج بعض الأشياء فى حكم الأموال والأعيان؛ لأن المالية –كماحكينا عن ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ– تثبت بتمول الناس، وأن هذا الحق بعد التسجيل يحرز إحراز الأعيان ويُدّخر لوقت الحاجة إدخار الأموال". (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، بيع الحقوق المجردة، حق الابتكار وحق الطباعة، ص: ۱۲۲، دارالعلوم كراچى)

"والقول بجواز الاعتياض عن حق المؤلف بالمال لايتعارض مع نصٍ، إنما يتعارض مع القياس، والقياس يترك بالعرف العام باتفاق العلماء. هذا إذا سلمنا أن حق المؤلف عن الحقوق المجردة، وهذا غير مسلّم إنما المسلّم والمقرر أنه من القسم الثانى من الحقوق التى تثبت لأصحابها ابتداءً، فلايكون القول بجواز الاعتياض بالمال متعارضاً مع نص ولا مع قياس". (حق الابتكار فى الفقه الإسلامى المقارن، ص: ۱۸۰، مؤسسة الرسالة، بيروت) ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

۴..... مجھے علم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= (وكذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/ ۱۲۱، (رقم المادة: ۲۱۶)

مفتی نظام الدین اعظمی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ''اب رہا یہ سوال کہ حقِ طباعت کا معاوضہ لینا مصنف کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ حقوق مجردہ میں سے وہ جن میں کوئی مالی منفعت نہیں پائی جاتی، یا وہ تحصیلِ مال کا ذریعہ نہیں بن سکتے بلکہ محض دفعِ ضرر کے لئے اثبات حق ہوتا ہے، مثلاً: حقِ شفعہ سُوئے جوار سے مامون رہنے کے لئے یہ حق دیا گیا ہے، بے شک ایسے حقوق کا مالی معاوضہ لینا جائز نہیں، لیکن بعض حقوق ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ صاحبِ حق کی مالی منفعت حال یا مستقبل میں متعلق ہوتی ہے، مثلاً: حق وظائف یعنی شاہی مناصب، تو ان کا معاوضہ مال کی صورت میں لینا، یا مال کے معاوضہ میں حق سے دست بردار ہونا جائز ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حق خلافت سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دست برداری دے کر معاوضہ قبول فرمایا تھا۔[الأشباه والنظائر للحموی وشامی فی غاية الأوطار]. اسی طرح کتاب کا حق طباعت جب کہ اس کے ساتھ مصنف کی مالی منفعت حال یا مستقبل میں متعلق ہے وہ حق بالاصالۃ ہے اور مصنف اس حق کو معاوضہ لے کر منتقل بھی کر سکتا ہے''۔(نظام الفتاوی: ۲/ ۳۱۴، کتاب المعاملات)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "ولا يخفى أن صاحب الوظيفة ثبت له الحق فيه بتقرير القاضي على وجه الأصالة لا على وجه رفع الضرر، فإلحاقها بحق الموصى له بالخدمة، وحق القصاص ومابعده أولى من إلحاقها بحق الشفعة والقسم . وهذا كلام وجيه لايخفى على نبيه، وبه اندفع ماذكره بعض محشي الأشباه من أن المال الذي يأخذه النازل عن الوظيفة رشوة، وهي حرام بالنص، والعرف لايعارض النص. وجه الدفع ماعلمت من أنه صلح عن حق كما في نظائره، والرشوة لاتكون بحق. واستدل بعضهم للجواز بنزول سيدنا الحسن ابن سيدنا علي رضي الله تعالىٰ عنهما عن الخلافة لمعاوية رضي الله تعالىٰ عنه على عوض، وهو ظاهر أيضاً . وهذا أولىٰ مما قدمناه في الوقف عن الخيرية من عدم الجواز ومن أن للمفروغ له الرجوع بالبدل، بناء على أن المذهب عدم اعتبار العرف الخاص والجواز ومن أن للمفروغ له الرجوع بالبدل، بناء على أن المذهب عدم اعتبار العرف الخاص .....

ورأيت بخط بعض العلماء عن المفتي أبي السعود أنه أفتى بجواز أخذ العوض في حق القرار والتصرف، وعدم صحة الرجوع وبالجملة، فالمسألة ظنية والنظائر المتشابهة للبحث فيها مجال، وإن كان الأظهر فيها ماقلنا، فالأولىٰ ماقاله في البحر من أنه ينبغي الإبراء العام بعده. والله سبحانه تعالىٰ أعلم".

(ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب في العرف الخاص والعام: ۴/ ۵۲۰، سعيد)

باب مایتعلق بالحصص

(حصص کی خرید وفروخت)

شیئرز کی بیع اوراس کی زکوٰۃ

سوال[۷۸۵۷]: ۱.....ہمارے یہاں شیئرز کی ایک کمپنی ہے،اس کے اس شیئرز کی قیمت مثلاً دس روپیہ ہے تو زید نے دس شیئرز خریدے، وہ کمپنی منافع کچھ نہیں دیتی،مگر جب اس کو بیچتے ہیں تو اگر کمپنی کو نفع ہوتا ہے تو وہ نفع دیتی ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو نقصان کے ساتھ اصل روپیہ کو واپس کرتی ہے۔تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یانہیں؟اگر جائز ہے تو جب وہ روپیہ مل جاوے گا تو زمانۂ ماضی کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یانہیں؟ اوراگر ملنے سے قبل اس کی زکوٰۃ ادا کرے تو نفع کے حساب سے یا نقصان کے حساب سے ادا کریں؟

۲.....یہ کمپنی دوسری کمپنی کو روپیہ دیتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ سود پر ہی دیتی ہوگی اور کمپنی ہمیں سود میں سے دیتی ہوگی۔تو اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟اور جب نقصان کا خطرہ ہو تو اپنے شیئرز کو بیچ کر اپنی اصل قیمت لے لینا صحیح ہے یانہیں؟

۳.....چھ ہزار روپیہ کا شیئرز رکھا تو اس میں سے پانچ سو روپیہ کمیشن ایجنٹ کٹ جاتا ہے۔تو اب ہمیں ساڑھے پانچ ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے،یا چھ ہزار کی؟ جبکہ ۵۰۰/ روپیہ ایجنٹ خود رکھ لیتا ہے،اسے بینک میں جمع ہی نہیں کرتا، تو اب بینک سے چھ ہزار روپے ملنے کا انتظار کر کے روپیوں کو روکے رکھنا جائز ہے یانہیں؟

۴.....زید کی پوری آمدنی سودی ہے تو اس کے ساتھ تعلق رکھنا،اس کے گھر پر فیس ادا کر کے کھانا کھانا کیسا ہے؟اوراگر بعض آمدنی سود کی ہے اور بعض حلال طریقہ کی تو اس کا کیا حکم ہے؟اگر کوئی غیر مسلم دوست ہو اوراس کا کاروبار سود کا ہو،اس کے گھر کا کھانا کیسا ہے؟اور غیر مسلم کے ساتھ تعلق رکھنا کیسا ہے؟

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اگر کوئی کمپنی تجارت کرتی ہے اور اسی مقصد کے لئے دس دس روپیہ کا لوگوں کو شریک بناتی ہے اور روپیہ کے مقدار کے اعتبار سے ہی نفع ونقصان کی تعیین کرتی ہے تو یہ صورت جائز ہے(۱) بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو، شراب وغیرہ کی تجارت نہ ہو(۲)۔

---

(۱) "أما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة، وهى أن تشترك اثنان فى نوع بر أو طعام، أو يشتركان فى عموم التجارات". (الهداية: ۲/۶۲۹، كتاب الشركة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وأما عنان ..... إن تضمنت وكالة ..... فتصح من أهل التوكيل وإن لم يكن أهلاً للكفالة". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴/۳۱۱، كتاب الشركة، سعيد)

"أما شركة العنان، فهى أن يشترك اثنان فى نوع من التجارات برّ أو طعام، أو يشتركان فى عموم التجارات، ولا يذكرَانِ الكفالة خاصةً، وصورتها أن يشترك اثنان فى نوع خاص من التجارات، أو يشتركان فى عموم التجارات". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۱۹، الباب الثالث فى شركة العنان، رشيديه)

(وكذا فى امداد الفتاوى، كتاب الشركة، القصص السنى فى حكم حصص كمپنى: ۳/۴۹۴، دارالعلوم كراچى)

(۲) "أن يكون التصرف مباحاً شرعاً، فلا يجوز التوكيل فى فعل محرم شرعاً كالغصب، أو الاعتداد على الغير". (الفقه الإسلامى وأدلته، باب الوكالة، شروط الوكالة: ۴/۱۵۴، حقانيه پشاور)

"إذا دفع المسلم إلى النصرانى مالاً مضاربةً بالنصف، فهو جائز، إلا أنه مكروه، فإن اتّجر فى الخمر والخنزير فربح، جاز على المضاربة فى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وينبغى للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الثانى والعشرون فى المضاربة بين أهل الإسلام وأهل الكفر: ۴/۳۳۳، رشيديه)

"لأن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى الموكل، فصار كأنه باشره بنفسه، فلا يجوز". (الهداية: ۳/۵۹، باب البيع الفاسد، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى المبسوط للسرخسى، كتاب المضاربة، باب مضاربة أهل الكفر: ۲۲/۱۰۹، مكتبه حبيبيه، كوئٹه)

Made Searchable by ScribeTools.com

ہر شخص کو اپنے اپنے رأس المال کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، نفع اگر ہر سال ملتا ہے تو اس کو بھی اصل ہی میں محسوب کرلیا جاوے(۱)۔ اگر نفع ہر سال نہیں ملتا ہے، بلکہ معاملہ ختم ہونے پر اصل مال مع نفع کے ملتا ہے تب بھی اصل مال کی زکوٰۃ دے تو (سالانہ ادا کرنے کی بناپر) بری الذمہ ہوجاوے گا، صرف نفع کی زکوٰۃ باقی رہ جاوے گی، وہ بھی ادا کردی جاوے، اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تب بھی براءت میں تو شبہ ہی نہیں (۲)۔

۲..... اگر کمپنی کا کاروبار سود پر ہی چلتا ہے، خود مستقل تجارت نہیں کرتا ہے تو اس کی شرکت ہی ناجائز ہے (۳)، اپنا روپیہ واپس لے لیا جاوے، اگر وہ کچھ نفع دے تو واپس کردیا جائے (۴)۔

۳..... جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی رقم ساڑھے پانچ ہزار رہ گئی تو زکوٰۃ بھی اتنے ہی روپے

---

(۱) "(والمستفاد) ولو بهبة أو إرث (وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه) فيزكيه بحول الأصل". (الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۹۹، سعيد)

"(قوله: وإن هلك): أى بعض النصاب، سقط حظه: أى حظ الهالك: أى سقط من الواجب فيه بقدر ماهلك". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۸۳، سعيد)

(۲) "(و) لا فى (هالك بعد وجوبها) ومنع الساعى فى الأصح ..... وإن هلك بعضه، سقط حقه". (الدرالمختار). "قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: ولا فى هالك): أى لاتجب الزكاة فى نصاب هالك بعد الوجوب: أى بعد مضى الحول بل تسقط، وإن طلبها الساعى منه، فامتنع حتى هلك النصاب على الصحيح ..... (قوله: وإن هلك بعضه): أى بعض النصاب سقط حظه: أى الهالك: أى سقط من الوجوب فيه بقدر ماهلك منه". (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۸۳، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقى من الربوا إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ (سورة البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹)

(۴) "والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب: فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

کی ہوگی (۱)۔ اگر وہاں صرف سود پر رقم دی جاتی ہے تو اس میں شرکت ہی درست نہیں، جلد از جلد روپیہ نکال لیا جاوے (۲)۔

۴..... جب متعین طور پر معلوم ہو کہ یہ سود کی آمدنی کھاتا ہے تو فیس ادا کر کے، یا بغیر ادا کئے ہوئے کھانا درست نہیں، مسلم ہو یا غیر مسلم، سب کا حکم ایک ہے، اگر مخلوط آمدنی ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سودی کمپنی کے حصص خریدنا

سوال[۷۸۵۸]: موجودہ دور میں محفوظ سرمایہ مثلاً زرعی جائیداد و مکانات وغیرہ سب خطرہ میں ہے، کیونکہ جو قابض ہو جاتا ہے وہ چھوڑتا نہیں۔ اس لئے محفوظ سرمایہ کے لئے کمپنی کے حصص خریدنا کیسا ہے، جب کہ آج کل علماء نے بیمہ کی حالتِ موجودہ میں اجازت دے دی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب دشواریاں بڑے سرمایہ کے لئے ہیں جس کے ذریعہ منڈی میں اپنی خاص اونچی حیثیت قائم کرنا

---

(۱) "(قوله: ولا فی هالک، الخ): أی لاتجب الزکوة فی نصاب هالک بعد الوجوب: أی بعد مضی الحول بل تسقط ..... (قوله: وإن هلک): أی بعض النصاب، سقط حظه: أی حظ الهالک: أی سقط من الواجب فیه بقدر ما هلک". (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب زکوة الغنم: ۲/۲۸۳، سعید)

(۲) (راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً)

(۳) "أهدی إلی رجل شیئاً أو أضافه، إن کان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن یعلم بأنه حرام، فإن کان الغالب هو الحرام، ینبغی أن لا یقبل الهدیة ولا یأکل الطعام، إلا أن یخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۴۲، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، رشیدیه)

"إذا کان غالب مال المهدی حلالاً، فلا بأس بقبول هدیته وأکل ماله مالم یتبین أنه من حرام. وإن کان غالب ماله الحرام، لا یقبلها ولا یأکل". (الأشباه والنظائر: ۱/۳۴۳، القاعدة الثانیة إذا اجتمع الحلال والحرام، إدارة القرآن کراچی)

اور نام پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے، اپنی گذراوقات اور نفقاتِ واجبہ ادا کرنے کے لئے نہ اتنے سرمایہ کی ضرورت ہے نہ اس میں دشواریاں ہیں، لہٰذا غیر ضروری سرمایہ فراہم کرنے کے لئے ممنوعاتِ شرعیہ کا ارتکاب وبال ہی وبال ہے، خواہ سودی کمپنی کے حصص ہوں یا کوئی اَور صورت (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/محرم الحرام/۶۳ھ۔

---

(۱) ایسی کمپنیوں کے حصص خرید کر سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے اس بات کا خیال رہے کہ اگر یہ کمپنیاں سودی لین دین سے کمپنیاں چلاتی ہوں تو ان کے حصص خریدنا ناجائز ہے، اور اگر سودی کاروبار نہیں کرتیں تو چند شرائط سے ان کے حصص خریدنے کی گنجائش ہے:

۱- کمپنی حلال کاروبار کرے حرام نہ ہو، مثلاً وہ سودی بینک نہ ہو، سود وقمار پر مبنی انشورنس کمپنی نہ ہو، شراب یا اس کے علاوہ اور کوئی حرام کام کرنے والی کمپنی نہ ہو۔

۲- کمپنی کے کچھ منجمد اثاثے ہیں، مثلاً: بلڈنگ، زمین، مشین وغیرہ، رقم صرف نقدی شکل میں نہ ہو اور یہ شرط دراصل اپنے حصص کو دوسرے پر فروخت کرنے کے لئے ہے، کیونکہ رقم جب نقد ہو اور اس سے منجمد اثاثے نہیں خریدے گئے تو اس نقد رقم کو دوسرے پر کم یا زیادہ قیمت پر فروخت کرنا سود ہے جو حرام ہے۔

۳- کمپنی اگر سود کا لین دین کرتی ہو تو سالانہ میٹنگ میں سود کے خلاف آواز اٹھائی جائے، کیونکہ یہ ہر مسلمان کا بنیادی فرض ہے کہ وہ اپنی اقتصادی زندگی کے ہر دائرے اور معاشی زندگی کے ہر پہلو سے سود کے لین دین کو ہر صورت میں بیخ وبن سے اکھاڑے اور اس کے خلاف مجمع میں آواز اٹھائی جائے۔

۴- جب سود کے خلاف آواز اٹھانا کارآمد نہ ہو تو اس شخص کو منافع تقسیم ہوتے وقت جو نفع سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے اس کو بغیر نیتِ ثواب کسی مستحق زکوۃ کو دیا جائے۔ ملخصاً۔ (فقہی مقالات، شیئرز کی خرید وفروخت: ۱/۱۴۴-۱۵۱، میمن اسلامک پبلشرز)

قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرّم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹) ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

نیلام کے ذریعے خرید وفروخت

سوال[۷۸۵۹]: سوتی گنج میرٹھ میں ایک چھوٹی سی کباڑی مارکیٹ ہے جس میں موٹروں کے پرزے نیلام ہوتے ہیں۔ اب ان کی یونین بن گئی ہے، کیونکہ پہلے لوگ مال ادھار لے جاتے تھے اور پیسہ نہیں دیتے تھے، اس سے چھوٹے تاجر بہت پریشان ہوتے تھے، اب یونین بنائی گئی ہے جس کے دوسو ممبران ہیں جو پانچ پانچ روپیہ ماہوار دیتے ہیں۔ اس طرح جو روپیہ جمع ہوتا ہے اس سے یونین فروخت کنندہ کے مال کو آڑھت کے طریقہ پر نیلام کرتی ہے اور قیمت جو آخری ہوتی ہے اس میں سے پانچ پیسہ فی روپیہ کے حساب سے کاٹ کر باقی فروخت کنندہ کو فوراً دیدیتی ہے۔

اور خریدار پر لازم ہوتا ہے کہ وہ پندرہ روز کے اندر پوری قیمت یونین کو ادا کردے، ورنہ اس پر پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ کردیا جاتا ہے۔ اس طرح یونین کو پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ کی رقم بچتی ہے، یہ بچت کے روپیہ یونین اپنے ممبران پر تقسیم کردیتی ہے۔ غرض! یہ یونین آڑھت کے طریقہ پر کام کرتی ہے۔ اگر مال کے خریدار بھاگ جائیں، یا روپیہ ادا نہ کریں تو اس کی ذمہ داری یونین پر ہوتی ہے، مالکِ مال پر نہیں ہوتی۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے:

۱.....یونین کا یہ فعل سود ہے یا نہیں؟

۲.....اگر سود ہے تو شرعی طریقہ پر اس کا متبادل طریقہ کیا ہے، تاکہ یہ یونین باقی رہ سکے اور لوگوں کا

= وقال الله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يأتى على الناس زمان، لايبالى المرء ماأخذ منه أمن الحلال أم من الحرام". (صحيح البخارى، كتاب البيوع، باب من لم يبال من حيث كسب المال: ۱/۲۷۶، قديمى)

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من رآى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الإيمان: ۱/۵۱، قديمى)

کاروبار ٹھپ نہ ہو؟

۳.....خریداری سے جو جرمانہ لیا جاتا ہے، شرعاً اس کی کوئی جائز صورت ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر ہوسکتی ہے تو وہ کیا ہے؟

۴..... یونین کا مالکِ مال پر کوئی جبر نہیں ہے، جو اپنی خوشی سے چاہے اسی کا مال یونین نیلام کرتی ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۴.....نیلام میں آخری بولی پر یونین قیمت اپنے پاس سے ادا کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یونین خود خریدار ہے اور بولی بھی یونین ہی بولتی ہے تو بائع بھی ہے یعنی بائع کی طرف سے وکیل ہے، یہ طریقہ غلط ہے(۱)۔ نیز مال فروخت ہوجائے اور خریدار کا قبضہ ہوجانے کے بعد پندرہ روز میں قیمت وصول نہ ہونے پر پانچ پیسہ فی روپیہ جرمانہ وصول کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ سود ہے(۲)۔

---

(۱) "إذا اشترى الوكيل بالبيع مال موكله لنفسه، لا يصح وإن أطلق له الموكل بقوله: بعْ ممن شئتَ؛ لأنه يصير حينئذٍ متولياً طرفى العقد، وهو لا يجوز". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰۸، (رقم المادة: ۱۴۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الوكيل بالبيع لا يملك شراء ه لنفسه؛ لأن الواحد لا يكون مشترياً وبائعاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۸۹/۳، كتاب الوكالة، الباب الثالث فى الوكالة بالبيع، رشيديه)

"الوكيل بالبيع لا يملك شراء ه لنفسه؛ لأن الواحد لا يكون مشترياً وبائعاً، فيبيعه من غيره، ثم يشتريه منه". (البحرا الرائق: ۲۸۲/۷، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

(وكذا فى منحة الخالق بذيل البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۲۸۲/۷، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۵۲۱/۵، كتاب الوكالة، فصل: لا يعقد وكيل البيع والشراء، سعيد)

(۲) "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". (فيض القدير: ۴۴۸۷/۹، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن على أمير المؤمنين رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعةً فهو ربا". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جرّ منفعةً فهو ربا: ۴۹۸/۱۴، إدارة القرآن كراچى) =

Made Searchable by ScribeTools.com Made searchable using ScribeTools.com

معاملہ اس طرح کیا جائے کہ اصل مالک بولی بولے اور آخری بولی پر یونین خود خریدے اور قیمت اپنے پاس سے پوری دیدے، پھر بولی بولنے والے سے اپنا معاملہ مستقلاً نفع لگا کر لے، مثلاً دس پیسہ فی روپیہ۔ اگر اس خریدار سے معاملہ کرلے کہ ایک ماہ کے اندر پوری قیمت ادا کرنا ضروری ہے، اگر وہ ایک ماہ کا وعدہ نہ کرے بلکہ دو ماہ کا وقت لے تو اس سے اس طرح معاملہ کیا جائے کہ پندرہ پیسہ فی روپیہ منافع یونین لے گی تو اس طرح شرعاً درست ہے، جرمانہ بالکل نہ لے (۱)۔ یہ بیع مرابحہ ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ ۷/ ۸۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كل قرض جرنفعاً حرام: ۵/۱۶۶، سعيد)

(۱) "(قوله: لابأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لايجوز، اهـ. ومثله في المعراج. وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، قال في الشرنبلالية: ولايفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه ..... لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، سعيد)

(۲) "المرابحة بيع ما شراه بما شراه به وزيادة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۰۶، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، غفارية كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۱۷۷، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

فصلٌ فی بیع الاستجرار

(بیعِ استجر ارکا بیان)

پیشگی قیمت دے کر تھوڑا تھوڑا مبیع وصول کرنا

سوال[۷۸۷۰]: ہماری طرف جن کی گائے بھینس دودھ دیتی ہے، وہ دودھ باندھ دیتے ہیں، اور ماہ بماہ قیمت کا حساب کر لیتے ہیں۔ بعض غریب وضرورت مند کچھ رقم پیشگی لے لیتے ہیں اور دودھ میں حساب وضع ہوتا رہتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دودھ دے کر ماہ بماہ قیمت لیتے رہنا تو درست ہے(۱)، مگر پیشگی روپیہ دے کر دودھ لینے دینے میں کراہت ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

---

(۱) "ما يستجره الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها، جاز استحساناً". (الدرالمحتار مع ردالمحتار: ۵۱۶/۴، كتاب البيوع، سعيد)

"ومما تسامحوا فيه وأخرجوه عن هذه القاعدة ما فى القنية: الأشياء التى تؤخذ من البياع على وجه الخرج، كما هو العادة من غير بيع كالعدس والملح والزيت ونحوها، ثم اشتراها بعد ما انعدمت، صح، فيجوز بيع المعدوم هنا". (البحر الرائق، كتاب البيع: ۴۳۴/۵، رشيديه)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب البيوع: ۸/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۲) چونکہ پیشگی روپیہ دینے کی حیثیت قرض کی ہے جس میں آئندہ ہونے والی بیع مشروط ہوتی ہے اور قرض میں شرط لگانا ناجائز ہے: ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

.....

= "قال فی الولو الجية: دفع دراهم إلى الخباز، فقال: اشتريتُ منک مأة منٍّ من خبز، وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء، فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزاً غير مشار إليه، فكان المبيع مجهولاً. ولو أعطاه دراهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل فی الابتداء: اشتريتُ منک، يجوز، وهذا حلال وإن كانت نيته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطی، والأن المبيع معلوم: فينعقد البيع صحيحاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع: ۵۱۶/۴ مطلب: البيع بالتعاطی، سعيد)

"ولا بأس بأن يضع الرجل عند الرجل درهماً، ثم يأخذ منه بثلث أو بربع أو بكسر معلوم سلعةً معلومةً". (مؤطا الإمام مالک، ص: ۵۹۰، كتاب البيوع، باب جامع بيع الطعام، مير محمد كتب خانه)

"ويصح أيضاً ولو كان الإعطاء من أحد الجانبين فقط، وبه يفتی. وصورته أن يتفقا على الثمن، ثم يأخذ المشترى المبتاع ويذهب برضا صاحبه من غير أن يدفع الثمن، أو أن يدفع المشترى الثمن للبائع ويذهب بدون قبض المبيع، فإن البيع لازمٌ على الصحيح". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۳۶/۱، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فی بحوث فی قضايا فقهية معاصرة، البيع بالتعاطی والاستجرار، ص: ۶۹، دارالعلوم كراچی)

لیکن مذکورہ صورت میں بیعِ لاحق کی شرط لگانا متعارف ہے اور حنفیہ کے نزدیک ایسی شرط جو متعارف ہو جائے وہ جائز ہوتی ہے اگرچہ وہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو، اس لئے مذکورہ صورت بھی جائز ہے:

"والذی يظهر لی أن هذا المبلغ دفعة تحت الحساب، وهی، وإن كانت قرضاً فی الاصطلاح الفقهی، من حيث يجوز للمد له أن يصرفها فی حوائج نفسه، من حيث كونها مضمونة عليه، ولكنها قرض يجوز فيه شرط البيع اللاحق؛ لكونه شرطاً متعارفاً، فإن الدفعات تحت الحساب لايقصد بها الإقراض، وإنما يقصد بها تفريغ ذمة المشترى عن أداء الثمن عند البيع اللاحق، وأن يتيسر له شراء الحاجات دون أن يتكلف نقد الثمن فی كل مرة، فهذا قرض تعورف فيه شرط البيع، والشرط كلما كان متعارفاً، فإنه يجوز عند الحنفية، وإن كان مخالفاً لمقتضى العقد، كما فی شراء النعل بشرط أن يحذوه البائع". (بحوث فی قضايا فقهيه معاصره، البيع بالتعاطی والاستجرار، الاستجرار بمبلغ مقدم، ص: ۶۷، مكتبه دارالعلوم كراچی) =

ماہانہ پرچوں کی بیع

سوال[۷۸۷۱]: فی زماننا جو رسالوں اور پرچوں (ماہناموں) کی خریداری کا دستور ہے کہ خریدار ابتدائے سال میں پیشگی قیمت روانہ کردیتا ہے اور سال بھر تک رسالے اور پوچے ہفتہ وار و ماہوار وغیرہ تیار کراکے مالک کی جانب سے خریدار کے پاس روانہ کئے جاتے ہیں۔ آیا یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ یہ معاملہ درست نہیں "لأنه بيع معدوم"۔ اور بکر کہتا ہے کہ درست ہے "للضرورة"۔ اس میں کس کا قول صحیح ہے؟

مولوی محمد یٰسین صاحب، مدرسہ احیاء العلوم، مبارکپور اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ درست ہے، مجموعۂ قیمت کو سال بھر کے پرچوں پر تقسیم کرکے ہر ہر پرچہ کی وصولیابی کے وقت اس کی بیع کو درست کہا جائے گا۔ گویا یہ ایک بیع نہیں، بلکہ بیوعِ متعددہ ہیں، ہر ہر پرچہ کی بیع اس وقت ہوتی ہے جب وہ مشتری کے پاس پہونچتا ہے، اور اس وقت وہ موجود ہے معدوم نہیں، هكذا في إمداد الفتاوىٰ(۱)۔

= "ولا بيع بشرطٍ لا يقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه نفعٌ لأحدهما، أو لمبيع من أهل الاستحقاق، ولم يجْرِ العرف به، ولم يَرِد الشرع بجواز. أما لو جرى العرف به كبيع نعل مع شرط تشريكه أو ورد الشرع به كخيار شرط فلا فساد كشرط أن يقطعه البائع ويخيطه قباء مثال لمالا يقتضيه العقد وفيه نفع للمشترى أو يستخدمه مثال لما فيه نفع للبائع". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۸۵، سعيد)

(۱) "متأخرین نے جائز رکھا ہے اور اس کی تفصیل بیع استجرار میں صاحب ردالمحتار نے ذکر کی ہے"۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/۱۳۲، جدید آلات اور جدید معاملات کے احکام، دارالعلوم کراچی)

"قال في الولوالجية: دفع دراهم إلى الخباز، فقال: اشتريتُ منك مأة منٍّ من خبز، وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء، فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه؛ لأنه اشترى خبزاً غير مشار إليه، فكان المبيع مجهولاً. ولو أعطاه دراهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء: اشتريتُ منك، يجوز، وهذا حلال وإن كانت نيته وقت الدفع الشراء؛ لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطي، والآن المبيع معلوم، فينعقد البيع صحيحاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع: =

Made searchable using ScribeTools.com

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۱/ ذی قعدہ/ ۶۹ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= ۴/۵۱۶ مطلب: البيع بالتعاطى، سعيد)

"ولا بأس بأن يضع الرجل عند الرجل درهماً، ثم يأخذ منه بثلث أو بربع أو بكسر معلوم سلعةً معلومةً". (مؤطا الإمام مالک، ص: ۵۹۰، كتاب البيوع، باب جامع بيع الطعام، مير محمد كتب خانه)

"ويصح أيضاً ولو كان الإعطاء من أحد الجانبين فقط، وبه يفتى. وصورته أن يتفقا على الثمن، ثم يأخذ المشترى المبتاع ويذهب برضا صاحبه من غير أن يدفع الثمن، أو أن يدفع المشترى الثمن للبائع ويذهب بدون قبض المبيع، فإن البيع لازمٌ على الصحيح". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى شرح المجلة لخالد الأتاسى: ۱/۳۶، (رقم المادة: ۱۷۵)، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فى بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، البيع بالتعاطى والاستجرار، ص: ۶۹، دارالعلوم كراچى)

Made Searchable by ScribeTools.com

فصلٌ فی بیع الفضولی

(بیعِ فضولی کا بیان)

بیعِ فضولی

سوال[۷۸۷۲]: بکر کا کتب خانہ ہے اور خالد جو کہ بکر کے نزدیک معتبر مراہق قریب البلوغ لڑکا ہے، اس کو بٹھا کر بکر کسی کام کو گیا۔ زید کتب خانہ کے اندر آیا خریدار کی حیثیت سے، بکر کی عدم موجودگی میں خالد نے کچھ کتابیں انتہائی کم قیمت کر کے دیدیں اور یہ کہا کہ میری کتابیں ہیں اور زید قیمت خالد کو دے کر چلا آیا۔ اب بکر تو موجود ہے لیکن خالد نہیں۔ آیا وہ کتاب زید کو خریدنا درست نہیں جبکہ صاف صریح دلالت اس بات پر ہے کہ یہ کتابیں بکر کی ہیں اور وہ جھوٹ بول کر اپنا کام لینا چاہ رہا ہے، اب زید کیا کرے، آیا بکر کو وہ کتابیں دکھانے کے بعد قیمت طے کرائے، یا صدقہ کردے، یا اپنے پاس رکھے مالک کی حیثیت سے؟ فقط۔

بندہ محمد عبدالرحمٰن، ۲۲/شعبان/۶۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے اگر خالد کو اپنی کتابوں کے فروخت کرنے کا وکیل نہیں بنایا تو یہ بیع، بیعِ فضولی ہوئی ہے جو کہ بکر کی اجازت پر موقوف ہے(۱)، براہ راست بکر سے معاملہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "بيع الفضولي إذا أجاز صاحب المال أو وكيله أو وصيه أو وليه نَفذَ، وإلا انفسخ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۱۲، (رقم المادة: ۳۷۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومن باع ملك غيره بغير أمره، فالمالك بالخيار: إن شاء أجاز البيع، وإن شاء فسخ". (الهداية: ۸۸/۳، كتاب البيوع، باب الاستحقاق، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولمن باع فضوليٌّ ملكه أن يفسخه، وله أن يجيزه، يعني ينعقد بيعه موقوفاً على إجازة المالك". (مجمع الأنهر: ۱۳۴/۳، كتاب البيوع، باب الحقوق والاستحقاق، فصل في بيع الفضولي، =

Made searchable using ScribeTools.com

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارن پور، ۲۳/۸/۶۲ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= غفارية كوئٹه)

"ومن باع ملک غيره، فللمالک أن يفسخه ويجيزه إن بقى العاقَدانِ والمعقود عليه، وله وبه لو عرضا يعنى أنه صحيح موقوف على الإجازة". البحر الرائق: ۲۴۵/۶، كتاب البيع، باب الاستحقاق، فصل فى بيع الفضولى، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴۸۳/۴، كتاب البيوع، باب الاستحقاق، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب البيوع: ۱۱۳/۵، مطلب: البيع الموقوف نيفّ وثلاثون، سعيد)

باب المرابحة والسَّلَم

الفصل الأول فی المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

بیع مرابحہ

سوال[۷۸۷۳]: ۱.....میں دوکانداروں کو ادھار مال فروخت کرتا ہوں، وہ مجھے پہلے آڈر دیتے ہیں، یہ بھی طے کرلیا کہ کانپور والا مال جس کی خریداری ایک روپے کی ہوگی وہ ۱۷/ آنے میں فروخت ہوگا اور دہلی کا ایک روپیہ کا مال ۱/۲۵، میں فروخت ہوگا بشرطیکہ مال صحیح سالم ہو اور تاجر کی مرضی کے موافق ہو۔ تو اس طرح نفع لینا درست ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۷۸۷۴]: ۲.....ایک شخص نے اپنا مال خود کرایہ پر دے کر اس کے ہاتھ منگوایا، اگر لانے والے سے روپیہ تلف ہوجاتا یا مال ٹوٹ جاتا تو اس کی ذمہ داری اس پر نہیں تھی، بہرحال وہ مال لے آیا اور اس نے میرے قبضہ میں دیدیا، اس کے بعد میں نے وہ مال نفع لگا کر اس کے ہاتھ فروخت کردیا۔ تو یہ نفع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اس طرح فروخت کرنا درست ہے(۱)۔

---

(۱) "هی (أی التولیة) بیع بثمن سابق، والمرابحة به وبزیادة". (کنز الدقائق، کتاب البیوع، باب التولیة والمرابحة، ص: ۲۴۵، رشیدیه)

"المرابحة بیع ما شراه بما شراه به وزیادة". (ملتقی الأبحر: ۱۰۶/۳، کتاب البیوع، باب =

Made searchable using ScribeTools.com

۲..... یہ جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۸ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= المرابحة الخ ، غفارية كوئٹه)

(۱) "المرابحة بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۱۳۳/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة ، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴۲۲/۴، كتاب البيوع، باب التولية، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۷۳/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة، إمداديه ملتان)

الفصل الثانی فی السَّلَم

(بیع سَلَم کا بیان)

بیع سَلَم میں جہالتِ ثمن کی ایک صورت

سوال[۷۸۷۵]: ایک شخص قرض روپے چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دو ماہ کے بعد روپیہ کے بعد گندم کو اس وقت کے بھاؤ سے چار سیر زیادہ دوں گا اور اصلی معروف دوں گا۔ تو اس طریقہ سے قرض لینا اور دینا اور پھر اسی طریقہ سے ادا کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں یہ شرط کرنا کہ ''اس وقت کے بھاؤ سے چار سیر زیادہ دوں گا'' مفسدِ بیع ہے، کیوں کہ یہ بیع سلم ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ اسی وقت یعنی روپیہ دیتے وقت نرخ متعین کرلیا جاوے(۱) اور صورت مسئولہ میں

---

(۱) "وشرطه (أی السلم) بیان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل وأقلُّه شهر، وقدر رأس المال فی المکیل والموزون والمعدود، ومکان الإیفاء فیما له حمل من الأشیاء". (کنز الدقائق، ص: ۲۵۵، باب السلم، رشیدیه)

"وشرطه بیان الجنس کبُرٍّ وشعیر، والنوع کسقیة، أو بخسیة، والصفة کجید أو ردئ، والقدر نحو کذا رطلاً أو کیلاً بما لا ینقبض ولا ینبسط، وأجل معلوم وأقله شهر فی الأصح، وقدر رأس المال إن کان کیلیاً أو وزنیاً أو عددیاً، فلا یجوز فی جنسین بلا بیان رأس مال کل منهما ..... ومکان إیفائه إن کان له حمل ومؤنة". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۴۱، ۱۴۲، کتاب البیوع، باب السلم، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الهدایة: ۳/۹۶، کتاب البیوع، باب السلم، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۲۱۴، ۲۱۵، باب السلم، سعید)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۱۴/۳۹۸، أبواب السلم، إداره القرآن کراچی)

Made Searchable using ScribeTools.com

نرخ مجہول ہے، لہٰذا یہ معاملہ ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۶/محرم/۵۷ھ۔

قرض لے کر فصل کٹتے وقت قرض کے بدلے اناج دینا

سوال[۷۸۷۶]: احمد صاحب اناج کا بیوپار کرتے ہیں اور دوسرے بیوپار بھی کرتے ہیں۔ برسات میں ہم کو روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے تو ہم لوگ پہلے ہی بھاؤ کر کے مال کا روپیہ لے جاتے ہیں اور اسی بھاؤ سے فصل پر اناج دیدیتے ہیں خواہ بھاؤ کم ہو یا زیادہ۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں، یہ سود تو نہیں؟ اس کا خلاصہ صاف لکھ دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر روپیہ قرض دیا جائے تو پھر اس روپیہ کی واپسی لازم ہے(۱)، اس میں زیادتی کی شرط کرنا سود ہے(۲)۔ البتہ اگر واپسی کے وقت روپیہ موجود نہ ہو اور روپیہ کے عوض غلہ وغیرہ دینا چاہے تو دیتے وقت جو

---

(۱) "هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثليّ لآخر، ليردّ مثله، وصح في مثليّ لا في غيره". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۵/۱۶۱، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، سعيد)

"الديون تُقضىٰ بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب: ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود. ۲/۳۸۹، سعيد)

(۲) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا" (فيض القدير: ۹/۴۴۸۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن علي أمير المؤمنين رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جر منفعةً، فهو ربا" أخرجه الحارث بن أبي أسامة في مسنده، قال الشيخ: حديث حسن لغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، بابٌ: كل قرض جرّ منفعةً فهو ربا: ۱۴/۵۱۲، ۵۱۳، إدارة القرآن كراچی

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلبٌ: كل قرض جر نفعاً حرام: ۵/۱۶۶، سعيد)

معاملہ کرلیا جائے وہ درست ہے، مثلاً جس وقت روپیہ قرض لیا، اس وقت غلہ کا نرخ تیرہ روپیہ کا تھا اور جب روپیہ واپس کرنے کا وقت آیا تو غلہ کا نرخ دس روپیہ کا ہوگیا اور دس کے حساب سے بجائے روپیہ دینے کے غلہ دیدیا تو یہ سود نہیں بلکہ درست ہے(۱)۔

اگر روپیہ قرض نہیں دیا بلکہ غلہ خریدا، اس طرح کہ روپیہ اب دیدیا اور غلہ لینے کا وقت فصل کا موقع تجویز کرلیا اور غلہ کا نرخ ابھی تجویز کرلیا کہ اس کے حساب سے غلہ لیں گے اور فلاں قسم کا غلہ ہو، فلاں جگہ پہونچانا ہوگا تب بھی درست ہے۔ اگر روپیہ دیتے وقت غلہ کا نرخ تیرہ کا ہو جو روپیہ دیا گیا ہے وہ اس صورت میں پیشگی قیمت ہے(۲)، قرض نہیں، یہ بھی سود نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۸۵ھ۔

---

(۱) "والثانی: بیع العین بالدین نحو بیع السلع بالأثمان المطلقة وبیعها بالفلوس الرائجة، والمکیل والموزون والمعدود المتقارب دیناً". (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۴/۴۹۹، کتاب البیوع، باب السلم، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی فتح القدیر: ۶/۲۴۷، کتاب البیوع، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۶/۲۴۷، کتاب البیوع، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "وشرطه (أی السلم) بیان الجنس والنوع والصفة والقدر والأجل وأقلُّه شهر، وقدر رأس المال فی المکیل والموزون والمعدود، ومکان الإیفاء فیما له حمل من الأشیاء". (کنز الدقائق، ص: ۲۵۵، باب السلم، رشیدیه)

"وشرطه بیان الجنس کبُرٍّ وشعیر، والنوع کسقیة، أو بخسیة، والصفة کجید أو ردئ، والقدر نحو کذا رطلاً أو کیلاً بما لا ینقبض ولا ینبسط، وأجل معلوم وأقله شهر فی الأصح، وقدر رأس المال إن کان کیلیاً أو وزنیاً أو عددیاً، فلا یجوز فی جنسین بلا بیان رأس مال کل منهما ..... ومکان إیفائه إن کان له حمل ومؤنة". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۴۱، ۱۴۲، کتاب البیوع، باب السلم، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الهدایة: ۳/۹۶، کتاب البیوع، باب السلم، مکتبه شرکت علمیه ملتان) ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

بیع سلم

سوال[۷۸۷۷]: کوئی شخص بالکل غریب ہے کھانے کو کچھ نہیں، اس نے ۱۰/ روپیہ اس شرط پر دیا کہ جو بھی غلہ مثلاً گندم یا مکئی ہوگی وہ کٹنے پر دو سیر یا تین سیر کے لوں گا، مثلاً بازار میں بھاؤ ڈیڑھ سیر کا نکلا۔ تو اب اس کو حسبِ وعدہ تین سیر کے غلہ لینا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ طے شدہ معاملہ ہے یا سود ہو جائے گا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع سَلَم ہے، جو غلہ دینا طے پائے اس کی حفاظت اور نرخ وغیرہ اس طرح مقرر کرلیا جائے کہ نزاع کا اندیشہ نہ رہے، پھر وقت پر بازاری نرخ کچھ بھی ہو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ جو نرخ طے کیا گیا ہے اسی نرخ سے دینا ہوگا، کذا فی الشامی(۱)۔ مگر اتنا نرخ مقرر کرنا جس سے غلہ دینے والے کو زیادہ نقصان ہو اور وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے اسے منظور کرلیتا ہو، یہ ہمدردی اور مروت کے خلاف ہے کہ وہ بیچارہ مستحقِ امداد ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في ردالمحتار: ۵/۲۱۴، ۲۱۵، باب السلم، سعيد)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۴/۳۹۸، أبواب السلم، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وأجل، وأقله شهر، وقدر رأس المال في مكيل وموزون، وعدد غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيما له حمل ..... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۵/۲۱۴، ۲، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"لا يصح السلم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ إلا بسبع: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير. ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسية. وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردي. ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يُوفِيه فيه". (الهداية: ۳/۹۶، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

(۲) "عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، قال: "سيأتي على الناس زمان عضوض يعضّ بعض =

بیع سلم میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ

سوال[۷۸۷۸]: موجودہ وقت میں جیٹھ(۱) کے ماہ میں دھان(۲) پچیس روپیہ مَن بازار میں فروخت ہوتا ہے، زید نے کہا کہ اگر کاتک(۳) کے مہینے میں دھان کی قیمت دو گے تو ۳۵/ روپے لوں گا۔ تو ایک من دھان کے بدلہ میں ۳۵/ روپیہ لینا درست ہے یا نہیں؟

۲.....بیع سلم کی صورت تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....نقد اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں کمی وبیشی ہوتی ہے، یہ شرعاً سود نہیں ہے(۴)۔ جس قیمت پر

= الموسر على ما في يديه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنسوا الفضل بينكم﴾ ويباع المضطرون، وقد نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، باب النهى عن بيع المضطر: ۱۴/ ۲۰۴، ۲۰۵، إدارة القرآن كراچى)

(۱) ''جیٹھ: ہندی سال کا دوسرا مہینہ جو پندرہ مئی سے ۱۵/ جون تک ہوتا ہے''۔(فيروز اللغات، ص: ۵۰۶، فيروز سنز، لاهور)

(۲)''دھان: چھلکے دار چاول، چاول کا پودا''۔(فيروز اللغات، ص: ۶۶۰، فيروز سنز، لاهور)

(۳)''کاتک: ہندی سال کا ساتواں مہینہ، تقریباً ۱۵/ اکتوبر سے ۱۵/ نومبر تک کا زمانہ''۔(فيروز اللغات، ص: ۹۶۹، فيروز سنز، لاهور)

(۴) "وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا أو شهرين بكذا، فهو فاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهى النبى صلى الله عليه وسلم عن شرطين فى بيع ..... وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما، ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم، وأتمّا العقد عليه، فهو جائز". (المبسوط للسرخسى: ۱۳/ ۹، باب البيوع الفاسدة، ، غفاريه كوئٹه)

"إن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا ترى أنه يزاد فى الثمن لأجل الأجل، والشبهة فى هذا ملحقة بالحقيقة". (الهداية: ۳/ ۷۶، كتاب البيوع، باب المرابحة، إمداديه ملتان)

(وكذا فى ردالمحتار: ۵/ ۱۴۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية ، قبيل: مطلب فى الكلام على الرد بالغبن الفاحش، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

دھان فروحت کیا ہے وقتِ مقررہ پر وہی قیمت لینا درست ہے، لیکن جو شخص غریب ہے اور قیمت ادا نہیں کرسکتا اس کے ساتھ احسان کرنا چاہئے، قیمت میں زیادہ اضافہ کرنا خلافِ مروّت ہے(۱)۔

۲.....بیع سلم یہ ہے کہ روپیہ پہلے دیا جائے اور گندم وغیرہ بعد میں وصول کیا جائے اور بیع کے لئے جنس، نوع، صفت، وقت، وصولیابی کی جگہ وغیرہ کی ایسی طرح تفصیل کردی جائے کہ نزاع کا احتمال باقی نہ رہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔

بیع سلم میں مبیع کی قیمت کم کرنا

سوال[۷۸۷۹]: مثلاً آج کل منجی کا بھاؤ ۲۵/ روپیہ من ہے، ہم سے زید روپیہ قرض مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فصل پر تم کو آٹھ روپیہ مَن منجی دیدوں گا۔تو اس طریقے سے روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ ﴿ولاتنسوا الفضل بینکم﴾ (سورة البقرة: ۲۳۷)

"والثانی: أن یضطر إلی البیع لدین أو مؤنة ترهقه، فیبیع ما فی یده بالوکس من أجل الضرورة، فسبیله من حیث المروءة أن لا یترک حتی یبیع ماله، ولکن یعاون، ویقرض، ویستمهل له إلی المیسرة حتی یکون له فیه بلاغ". (إعلاء السنن: ۲۱۴/۱۴، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع المضطر، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی بذل المجهود، کتاب البیوع، باب فی بیع المضطر: ۲۵۲/۴، معهد الخلیل کراچی)

(۲) "وشرطه بیان جنس ونوع وصفة وقدر وأجل، وأقله شهر ..... وقدر رأس المال إن تعلق العقد بمقداره کما فی مکیل، وموزون، وعددی، غیر متفاوت، ومکان الإیفاء فیماله حمل أو مؤنة ..... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۵/۵ : ۲، ۲۱۶، کتاب البیوع، باب السلم، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲۶۵/۶، باب السلم، رشیدیه)

(وکذا فی ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، باب السلم، غفاریه کوئٹه)

Made Searchable by ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

قرض کااس طرح معاملہ کرناشرعاً درست نہیں: "لأن الأقراض تُقضى بأمثالها" (۱)۔ البتہ بیع سلم کا معاملہ کیا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ قیمت پیشگی دی جائے اور منجی بعد فصل وصول کی جائے، اس کے لئے نرخ، قسم، وصولی کی جگہ، وصولی کا وقت، غرض سب چیزیں اس طرح صاف صاف طے کرلی جائیں کہ بعد میں نزاع نہ ہو(۲)۔ فصل پر عامۃً جونرخ ہواس کی پابندی لازم ہوگی، مگراس کا خیال رہے کہ اس بیع سلم کوقرض لینے اورنرخ سے زیادہ منجی دینے کا حیلہ نہ بنایا جائے، جس سے سود کے ساتھ مشابہت ہوجائے، اس میں احتیاط کی ضرورت ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) "إن الديون تقضىٰ بأمثالها". (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، كتاب الأيمان، مطلبٌ: الديون تُقضى بأمثالها، سعيد)

"القروض يجب فى الشريعة الإسلامية أن تقضى بأمثالها". (بحوثٌ فى قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم كراچى)

"فصل فى القرض: هو عقد مخصوص يَرد على دفع مال مثلىّ لآخر، ليَردّ مثله، وصح القرض فى مثلىّ لا فى غيره". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

(۲) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وقدر وأجل، وأقلُّه شهر ..... وقدر رأس المال إن تعلق العقد بمقداره كما فى مكيل، وموزون، وعددى، غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيماله حمل أو مؤنة ..... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۱۵/۵، ۲۱۶، باب السلم،سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲۶۵/۶، باب السلم، رشيديه)

(وكذا فى ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، باب السلم؛ غفاريه كوئٹه)

(۳) "وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لايحل سلف وبيع". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب المنهى عنها من البيوع، الفصل=

Made searchable using ScribeTools.com

ایک من مکئی کے عوض ایک من گیہوں کی بجائے بیع سلم کی جائز صورت

سوال[۷۸۸۰]: یہاں پر بعض تجّار لوگ زمینداروں کو ایک من مکئی وعدہ پر دیتے ہیں کہ فلانے مہینے میں اس کی جگہ ایک من گیہوں لیں گے۔ زمیندار لوگ لے لیتے ہیں اور وعدہ کئے ہوئے پر دیتے ہیں۔ اور اس میں ملا لوگ بھی مختلف ہیں، بعض حرام اور بعض جائز کہتے ہیں کہ وعدہ معلوم ہونے پر جائز ہے اور مجہول ہونے پر ناجائز ہے، بعض کیل ووزن کی بات نکالتے ہیں، لہٰذا جو صحیح ہو تحریر فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ ناجائز ہے، اگر جائز طریق پر کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ فی الحال مکئی فروخت کردی جائے اور اس کی قیمت وصول کرکے کاشتکار کو یا جس سے خریدنا چاہیں اس کو دیدیں کہ اس روپیہ کے عوض ہم فلاں مہینے میں اس قسم کے اس نرخ پر گیہوں لیں گے اور وہ اس کو منظور کرلے، پس یہ صورت شرعاً درست ہے:

"إذا بيع قفيز حنطة بقفيزى شعير يداً بيد، حل الفضل، فإن أحد جزئى العلة وهو الكيل موجود هنا دون الجزء الآخر وهو الجنسية ..... فلا يصح سلم هروى فى هروى، لوجود الجنس والنسأ فى المسلم فيه، ولا سلم بر فى شعير بوجود القدر مع النسأ، اهـ". مجمع الأنهر: ۲/ ۸۵(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۶/ ۵/ ۵۸ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۲۱/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

= الثانی، ص: ۲۴۸، قدیمی)

ذكر المحشى: "أى لايحل أن يقرضه قرضاً ويبيع منه شيئاً بأكثر من قيمته؛ لأن كل قرض جرّ نفعاً حرام". (حاشية مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۱) (مجمع الأنهر، شرح الملتقى الأبحر: ۳/ ۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

"وعلته: أى علة تحريم الزيادة القدرُ مع الحنس، فإن وُجدا حرم الفضل: أى الزيادة والنسأ، وإن عدما حلا، وإن وجد أحدهما حلّ الفضل وحرم النسأ". (ردالمحتار: ۵/ ۱۷۱، ۱۷۲، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد) ..... =

بیع سلم میں روپیہ کے عوض دھان ہی لینے کی شرط

سوال[۷۸۸۱]: ایک شخص آج ایک روپیہ کا چاول مثلاً ۸/ سیر ہے اور اس خریدنے والے سے یہ کہے کہ میں دو مہینے کے بعد تم سے اس روپیہ کے عوض ۳۲/ سیر دھان لوں گا(۱)۔ اور جو شخص اس شرط پر وہ چاول لیجاتا ہے اسی کو دیا جاتا ہے اور دوسرے کو اس بھاؤ پر نہیں مل سکتا۔ تو ایسی صورت میں یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

آفاق احمد بستوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع ناجائز ہے(۲)، جواز کی صورت یہ ہے کہ چاول کا معاملہ بلاشرطِ مذکور کیا جائے، پھر اس کی قیمت

= "(فإن وجد الوصفان): أی الكيل أو الوزن مع الجنس (حرم الفضل وحرم النسأ. وإن عد ما، حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حلّ التفاضل لا النسأ". (ملتقى الأبحر: ۳/ ۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی البحر الرائق: ۶/ ۲۱۳، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا فی الهداية: ۳/ ۸۱، كتاب البيوع، باب الربوا، إمداديه ملتان)

(وكذا فی إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، الربا فی كل مايكال ويوزن وأن الجيد والردئ فی الربويات سواء: ۱۴/ ۲۶۰، ۲۶۱، إدارة القرآن كراچی)

"باب السلم: هو بيع آجل بعاجل، ويصح فيما أمكن ضبط صفته ومعرفة قدره، لا فی غيره، فيصح فی المكيل والموزون ..... وشرطه بيان الجنس كبُرٍّ أو شعير، والنوع كسقية أو بخسية، والصفة كجيد أو ردی، والقدر نحو كذا رطلاً أو كيلاً بما لا ينقبض ولا ينبسط، وأجل معلوم، وأقله شهر فی الأصح، وقدر رأس المال ..... ومكان إيفائه إن كان له حمل ومؤنة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۱۴۲، ۱۴۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(۱) "دھان: چھلکے دار چاول، چاول کا پودا"۔ (فيروز اللغات، ص: ۶۶۰، فيروز سنز، لاهور)

(۲) "ولا بيع بشرط ..... لا يقتضيه العقد، ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو فيه نفع لمبيع، هو من أهل الاستحقاق للنفع بأن يكون آدمياً ..... ولم يَجرِ العرف به، ولم يَرِدِ الشرع بجوازه". =

Made searchable using ScribeTools.com

میں جو ایک روپیہ واجب ہوگا، بہتر یہ ہے کہ وہ روپیہ ادا کردے، اگر اپنے پاس نہ ہو تو اس بائع سے یا کسی دوسرے شخص سے قرض لے کر دیدے، اس کے بعد بائع وہ روپیہ مشتری کو دے اور معاملۂ سلم باقاعدہ طے کرے کہ اتنے روز بعد اس حساب سے اس روپیہ کے عوض اس قسم کے دھان مجھے دیدینا۔ غرض سلم کی پوری شرائط کی رعایت کرے کہ وصولیابی کے وقت کسی چیز کے ذکر نہ کرنے یا مبہم رہ جانے کی وجہ سے نزاع پیدا نہ ہو(۱)۔

اگر چاول خریدتے وقت روپیہ ادا کرنے کی نوبت نہ آئے تو یہ بھی جائز ہے کہ چاول کی بیع پوری ہونے کے بعد اس طرح معاملہ کرے کہ میرا روپیہ جو تمہارے ذمہ چاول کی قیمت کا واجب ہے، اس کے عوض اتنی مدت بعد اس نرخ سے اتنے دھان دے دینا۔

صورت مسئولہ کے عدمِ جواز کی وجہ یہ ہے کہ اگر چاول کی قیمت روپیہ کو قرار دیا جائے تب تو یہ شرط کہ اس روپے کے عوض دھان لوں گا (روپیہ نہیں لوں گا) شرطِ فاسد ہے، نیز صفقۃٌ فی صفقۃ ہے اور یہ دونوں

= (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۸۵/۵، سعيد)

"ليس كل شرط يفسد البيع، بل لابد أن لا يقتضيه العقد ولا يلائمه ولا يتعارف، وكان فيه منفعةٌ لأحد المتعاقدين، وللمعقود عليه، وهو من أهل الاستحقاق، ولم يرد الشرع بجوازه". (النهر الفائق: ۴۳۴/۳، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۹۱/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۱۴۰/۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(۱) "وشرطه بيان جنس ونوع وصفة وأجل، وأقلُّه شهر، وقدر رأس المال فى مكيل وموزون، وعدد غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيما له حمل ..... وقبض رأس المال قبل الافتراق". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۱۴/۵، ۲۱۵، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"لا يصح السلم عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ إلابسبع: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير. ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسية. وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردى. ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود. وتسمية المكان الذى يُوْفِيه فيه". (الهداية: ۹۶/۳، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

چیزیں مفسدِ بیع ہیں، کما هو مصرح فی کتب الفقه مثل الهداية(۱) والدر المختار(۲) وغیرهما(۳)۔ اوراگر چاول کی قیمت دہان کوقرار دیا جائے، یہ ربا ہے، ومنعه أظهر من أن يذكر(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ۷/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف ۲۸/ رجب/ ۵۸ھ۔

ایک من گندم دے کر آئندہ فصل پر سَوا دو من گندم لینا

سوال[۷۸۸۲]: ۱.....ایک دوکاندار سے دوسرے شخص نے دو من غلہ گندم مثلاً لیا، اور تحریر کر دیا کہ دو ماہ بعد یعنی فصل گندم کٹنے کے بعد اس کے عوض سوا دو من دوں گا، اس کو اس جگہ بہتوی کہتے ہیں، یہ لین دین

---

(۱) "ومن باع عبداً على أن يعتقه المشترى أو يدبّره أو يكاتبه، أو أمةً على أن يستولدها، فالبيع فاسد؛ لأن هذا بيع وشرط، وقد نهى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن بيع وشرط ..... وكل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعةٌ لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق، يفسده..... وكذلك لو باع عبداً على أن يستخدمه البائع شهراً، أو داراً على أن يسكنها أو على أن يقرضه المشترى درهماً أو على أن يُهدى له هدية؛ لأنه شرط لايقتضيه العقد ..... ولأنه لو كان الخدمة والسكنى يقابلهما شئ من الثمن، يكون إجارةً فى بيع ولو كان لايقابلهما، يكون إعارةً فى بيع، وقد نهى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن صفقتين فى صفقةٍ". (الهداية: ۳/ ۲۶۲، ۲۶۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(۲) (الدرالمختار مع رد المحتار: ۵/ ۸۵، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "ولا بيع بشرط ..... لايقتضيه العقد ولايلائمه، وفيه نفع لأحدهما، أو فيه نفع لمبيع هومن أهل الاستحقاق للنفع بأن يكون آدمياً ..... ولم يَجرِ العرف به، ولم يرد الشرع بجوازه". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/ ۸۴، ۸۵، سعيد)

(۴) "وعلته القدر والجنس، فيحرم بيع الكيلى والوزنى بجنسه متفاضلاً أو نسيئةً ..... فإن وجد الوصفان، حرم الفضل والنسأ. وإن عدما حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لا النسأ". (ملتقى الأبحر: ۳/ ۱۱۹، ۱۲۰، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

Made Searchable using ScribeTools.com

جس میں تفاضل بھی ہے اور مہلت بھی نہ یداً بیدٍ اور نہ سواءً بسواء ہے۔ یہ صورت بیع سلم کے اندر شرائطِ سلمیہ کے ملحوظ رکھنے کے بعد داخل ہے یا نہیں؟ جبکہ دونوں طرف سے جنس ہے نقد نہیں، داخل ہوکر جائز ہے یا نہیں؟

ایک مَن گندم کو رقم تصور کرکے آئندہ فصل میں اس کے عوض سَوا مَن گندم لینا

سوال[۷۸۸۳]: ۲.....ایک من غلہ جس کی قیمت مثلاً دو روپیہ ہے، دوکاندار نے کہا کہ یہ ایک من غلہ جس کی قیمت اس وقت بازاری نرخ کے لحاظ سے دو روپیہ ہوتے ہیں، گویا تم کو دو روپیہ دے رہا ہوں، گیہوں کی فصل کٹنے کے بعد ان دو روپیوں کا گندم سوا من لوں گا، اس صورت میں وہی گندم دیتا ہے، اور گندم تفاضل کے ساتھ لیا ہے، نقد پھر بھی نہیں دیا، فرق اتنا ہے کہ پہلی صورت میں گندم قیمت کرکے نہیں دی تھی اس میں قیمت پائی گئی۔ اس صورت میں بھی لینا دینا جنس کا ہے فقط ربوا سے بچنے کے لئے بطور حیلہ کے یہ سلم میں داخل ہوکر جائز ہے یا نہیں؟

دو من گندم قرض دے کر دو ماہ بعد دو من گندم واپس لینا

سوال[۷۸۸۴]: ۳.....تیسری صورت قرض کی ہے کہ ایک قیمت کے دوسرے کو دو من گندم قرض دے دو ماہ کے بعد پھر وہی دو من لے گا، اس میں تفاضل وزیادتی تو نہیں البتہ نسیئۃً ہے، یدٌ ابیدٍ نہیں ہے۔ آیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....یہ صورت ناجائز ہے:"العاشر: أن لا يشمل البدلين أحد وصفى علة ربا الفضل، وهو القدر والجنس، اه". فتاویٰ عالمگیری(۱)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۱۸۰، الباب الثامن عشر فى السلم، رشيديه)

"عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "الذهب بالذهب مثلاً بمثل، والفضة بالفضة مثلاً بمثل، والتمر بالتمر مثلاً بمثل، والبر بالبر مثلاً بمثل، والملح بالملح مثلاً بمثل، والشعير بالشعير مثلاً بمثل، فمن زاد أو ازداد، فقد أربى". (جامع الترمذى: ۱/۲۳۵، أبواب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، وكراهية التفاضل فيه، سعيد)

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلاً بمثل يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۵، باب الربا، قديمى) ..... =

۲.....اس صورت میں دومعاملہ ہوئے: ایک تو یہ کہ ایک من غلہ دوروپیہ میں فروخت کیا، دوسرا یہ کہ ان دوروپیوں کے عوض فلاں وقت سَوا دومن غلہ لوں گا: پہلا بیع اجل کا ہے(۱) اور دوسرا بیع سلم کا ہے(۲)، پس اگر معاملہ پختہ اور ختم ہونے کے بعد مستقل طور پر دوسرا معاملہ کیا ہے، اس طرح کہ اولاً ایک من غلہ فروخت کیا اور اس میں کوئی شرط خلافِ مقتضائے عقد نہیں لگائی، البتہ قیمت مؤجل رہی جس کی اجل متعین کردی، پھر اس کے بعد دوسرا معاملہ کیا کہ تمہارے ذمہ دوروپیہ واجب الادا ہے، ان کے عوض اس نرخ سے فلاں وقت گیہوں دیدینا اس نے منظور کرلیا تو یہ معاملہ درست ہوگیا۔ اگر پہلے معاملہ کے لئے دوسرے معاملہ کو شرط قرار دیا ہے، مثلاً اس طرح معاملہ کیا کہ ایک من غلہ دوروپیہ کا اس شرط پر تمہارے ہاتھ فروخت کیا کہ فلاں ماہ میں اس دوروپیہ کے عوض تم سے سوا دومن غلہ لوں گا تو یہ ناجائز ہے(۳)، اس سے نہ بیعِ اجل ہوئی نہ بیع سلم۔

۳..... یہ جائز ہے، یہ قرض ہے: "الأقراض تقصی بأمثالها"(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۱/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/۱/۵۹ھ، صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= (وسنن ابن ماجه، ص: ۱۶۳، أبواب التجارات، باب الصرف ومالایجوز متفاضلاً یداً بید، قدیمی)

(۱) "البیع مع تأجیل الثمن، وتقسیطه صحیح". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۴)

"ویصح البیع بثمن حال ومؤجل بأجل معلوم". (مجمع الأنهر: ۱۳/۳، کتاب البیوع، غفاریه کوئٹه)

(۲) "فإن البیع یکون سلماً وهو بیع الدین بالعین". (فتح القدیر: ۲۴۷/۶، کتاب البیوع، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"باب السلم: هو بیع آجل بعاجل، ویصح فیما أمکن ضبط صفته ومعرفة قدره .....

وشرطه بیان الجنس کبُرّ أو شعیر، والنوع". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب البیوع، باب السلم: ۱۳۷/۳، ۱۴۱، غفاریه کوئٹه)

(۳) "لو کان فی الشرط منفعة لأحد المتعاقدین بأن شرط البائع أن یقرض المشتری أو علی القلب، یفسد البیع". (خلاصة الفتاوی: ۵۰/۳، الفصل الخامس فی البیع، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة: ۶۳/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی ردالمحتار: ۸۵/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(۴) "الدیون تقضی بأمثالها". (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الضرب والقتل =

Made searchable using ScribeTools.com

بیع سلم کی تین صورتیں

سوال[۷۸۸۵]: (الف) ہمارے یہاں مروج ہے کہ زمیندارلوگ ساہوکاروں کو کپاس لکھ دیتے ہیں(۱) یعنی فصل سے پہلے تحریر کردیتے ہیں کہ میں دس من کپاس مثلاً بحساب فی من ۲۰/ .....دوں گا اور تحریر دینے کے وقت رقم یا تو بالکل نہیں دیتے اور (۲۰/) فی من کے حساب سے اسی وقت لے لیتے ہیں، باقی ادائیگی کپاس کے بعد وصول کرتے ہیں، یا ساری رقم اسی وقت لے لیتے ہیں۔ تو مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے کس صورت میں بیع جائز ہے اور کس میں نہیں؟

(ب) اگر تحریر کرتے وقت مروج بھاؤ سے کم نرخ پر بیع کریں، مثلاً متعاقدین کی رضا سے ۲۰/ کی بجائے ۱۶/ نرخ طے ہوا اور زمیندار نے تمام رقم اسی وقت وصول کرلی۔ تو اس صورت میں بیع جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

بندہ نوراحمد، مدرسہ نور پور بٹوانی، ریاست بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع سلم ہے، اگر دیگر شروط بھی موجود ہوں تو تیسری صورت میں بیع درست ہے، پہلی دوصورتوں میں درست نہیں (۲)۔

= وغير ذلک، مطلب: الديون تقضى بأمثالها، سعيد)

"القروض يجب فى الشريعة الإسلامية أن تقضى بأمثالها". (بحوثٌ فى قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم كراچى)

"فصل فى القرض: هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثلىّ لآخر، ليَردّ مثله. وصح القرض فى مثلىّ، لا فى غيره". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

(۱) "ساہوکار: تجار، سوداگر"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۷۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) پہلی دوصورتوں میں رأس المال پر قبضہ نہیں ہوا اور تیسری صورت میں قبضہ ہوگیا:

" وقبض رأس المال قبل التفرق شرط بقائه، فلو أسلم مأةً نقداً ومأةً ديناً على المسلم إليه =

(ب)درست ہے:"والسادس: أن يكون (رأس المال) مقبوضاً فی مجلس السلم ..... وفی النوازل: رجل أسلم عشرة دراهم فی عشرة أقفزة حنطة، ولم تكن الدراهم عنده، فدخل بيته، ليخرج الدارهم، إن دخل حيث يراه المسلم إليه، لا يبطل السلم، وإن توارىٰ عنه بطل، كذا فی الخلاصة، اه". عالمگیری:۳/۱۷۹(۱)۔

"ولا بأس بالسلم فی القطن والكتان والأبريشم، اه". عالمگیری :۳/۱۸۵(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۵/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۷/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

بلا شرائط بیع سلم

سوال[۷۸۸۶]: بیع سلم جائز تو ہے، لیکن اگر مع شرائط نہ ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اور عدمِ شرائط کے ساتھ اس بیع کے کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

= فيكرّ، بطل فی حصة الدين فقط". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۴۴، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

"ولا يصح السلم حتى يقبض رأس المال قبل أن يفارقه فيه". (الهداية: ۳/۹۸، كتاب البيوع، باب السلم، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وبقی من الشروط: قبض رأس المال قبل الافتراق ..... وهو شرط بقائه على الصحة لا شرط انعقاده بوصفها، فينعقد صحيحاً، ثم يبطل بالافتراق بلا قبض". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۵/۲۱۶، ۲۱۷، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"(وقبض رأس المال قبل الافتراق) والصحيح أنه شرط بقائه على الصحة، فينعقد صحيحاً بدونه، ثم يفسد بالافتراق بلا قبض". (البحر الرائق: ۶/۲۷۱، كتاب البيع، باب السلم، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴/۵۱۴، باب السلم، سعيد)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۷۹، الباب الثامن عشر فی السلم، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۸۵، الباب الثانی فی بيان ما يجوز السلم فيه وما لا يجوز، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

جب مع شرائط نہ ہوتو جائز نہیں (۱)، ناجائز بیع کرنے والا گنہگار ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ ہذا، ۱۲/ جمادی الاولی/ ۵۹ھ۔

بیع سلم کی شرطیں

سوال [۷۸۸۷]: بیع سلم کی کتنے شرائط ہیں؟ کیا ایک شرط کے ترک ہوجانے سے بیع سود ہوجاتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بیع سلم کی صحت کے لئے چند شرائط ہیں: جس چیز میں بیع سلم کی جارہی ہے اس کی جنس معلوم ہو، مثلاً: گیہوں یا جو۔ نیز اس گیہوں وغیرہ کی کیفیت اس طرح بیان کردی جائے کہ لیتے وقت جھگڑا نہ ہو، مثلاً: فلاں قسم کا گیہوں ہو، بہت پتلا نہ ہو، نہ پالا مارا ہو (۳)، عمدہ ہو خراب نہ ہو، اس میں دیگر شی چنے مٹر ملی نہ ہو، مقدارِ مبیع معلوم ہو، تاریخِ ادائیگی کی تعیین ہو، اور کم از کم ایک مہینہ کی مدت ومہلت ہو، رأس المال کی مقدار متعین ہو، اگر مبیع

---

(۱) "ولا يصح السلم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ إلا بسبع شرائط: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير. ونوع معلوم كقولنا: سقية أو بخسية. وصفة معلومة كقولنا: جيد أو رديّ. ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال". (الهداية: ۳/۹۶، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۲۱۴، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۴/۵۰۸، كتاب البيوع، باب السلم، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۱۸، (رقم المادة: ۳۸۵)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وعلى كل واحد منهما فسخه قبل القبض، أو بعده مادام في يد المشترى إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (ردالمحتار: ۵/۹۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "پالا مار جانا: برف یا کہرے کا کسی سبز چیز کو خشک کر جانا۔ پالے کا مارا: سردی سے ٹھٹھرا ہوا، سردی کی وجہ سے خشک ہوا پودا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۶۶، فیروز سنز، لاهور)

Made Searchable by ScribeTools.com

وزنی شئے ہو جس کے لے جانے میں مزدوری لگتی ہو تو دینے کی جگہ معلوم ہو، جس چیز پر بیع سلم کی جارہی ہے وہ چیز ایسی ہو کہ لینے اور وصول پانے کے زمانہ تک بازار میں ملتی ہو، نایاب نہ ہو، مجلسِ عقد ہی میں رأس المال حوالہ کردیا گیا ہو۔

شرائطِ مذکورہ میں سے کسی ایک کا فقدان بیعِ سلم کے فساد کو مستلزم ہوگا، هكذا فى كتب الفقه(۱)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۸۸ھ۔

مبیع نہ دینے کی صورت میں بیع سلم کا حکم

سوال[۷۸۸۸]: ایک شخص نے تجارت کے لئے پچاس روپیہ بایں طریق ایک دوسرے شخص سے لئے کہ لینے کے دن سے چار ماہ بعد متعین تاریخ کو ان پچاس روپیوں کے بالعوض دو من گھی ادا کرے گا۔ اگر گھی

---

(۱) "لايصح السلم عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ إلا بسبع شرائط: جنس معلوم كقولنا: حنطة أو شعير. ونوع معلوم كقولنا: سقية أوبخسية. وصفة معلومة كقولنا: جيد أو ردىّ. ومقدار معلوم كقولنا: كذا كيلاً بمكيال معروف، أو كذا وزناً. وأجل معلوم، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود. وتسمية المكان الذى يُوْفِيه فيه إذا كان له حمل ومؤنة ..... ولا يصح السلم حتى يقبض رأس المال قبل أن يفارقه فيه". (الهداية: ۹۸/۳، كتاب البيوع، باب السلم، شركت علمية ملتان)

"ولا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجوداً من حين العقد إلى حين المحل، حتى لو كان منقطعاً عند العقد موجوداً عند المحل أو على العكس أو منقطعاً فيما بين ذلك، لايجوز". (الهداية: ۹۵/۳، باب السلم، شركت علميه ملتان)

(وكذا فى ردالمحتار: ۲۱۴/۵، ۲۱۵، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱۴۱/۳، ۱۴۲، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۵۰۸/۴، ۵۰۹، كتاب البيوع، باب السلم، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۸/۳، ۱۷۹، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر فى السلم، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

نہ ہوسکا تو جتنی رقم بدن (۱) مروجہ کے طریق کے مطابق ہوگی اس کو تاریخِ متعین پر ادا کردے گا، اور آج کل کی بدن مروجہ کی صورت بنیوں (۲) کے یہاں یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی بدن پر روپیہ لینے والا شخص جنس مقرر کو وقت پر ادا نہیں کرتا تو ایام جنسِ معہودہ کے ادا کرنے کے مقرر ہوتے ہیں، ان سے جو دن ایسا ہو کہ سبھی جنس معہودہ گراں فروخت ہو تو اس نرخ کے حساب سے دام کاٹتے ہیں، مثلاً: مقررہ مدت چار ماہ ہے اور جنس مقررہ ادا نہ ہوسکی اور جنس معہود کے دام ادا کرتے ہیں تو ان چار ماہ میں اگر گھی آدھ سیر کا کسی روز فروخت ہوگیا تو دو من گھی کے دام ایک سو ساٹھ روپے لیں گے۔

اب اگر یہ رقم مذکور مقروض سے تاریخِ مقررشدہ پر نہ ادا کی تو ایک سو ساٹھ روپیوں پر سود چالو ہو جاوے گا، مالک جب چاہے تین سال کے اندر اندر بذریعہ ڈگری اپنی رقم بمع سود وصول کرسکتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو جائے کہ گھی سیر کا فروخت ہوتا تھا اور اس وقت ڈیڑھ سیر کے نرخ پر بدنی ہوئی تھی اور بدنی ہوتے ہی مثلاً گھی دو سیر کا ہوگیا تو بنیا دو من گھی کے دام سیر کے نرخ کے حساب سے کاٹتے ہیں، دو سیر کے نرخ سے دو من گھی کے چالیس روپیہ نہ کاٹیں گے، یعنی مطلب یہ کہ پورے پچاس روپیہ یا پچاس سے کم روپیہ کبھی نہیں لیتے۔

اس مسئلہ میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ اگر یہ روپیہ لینے والا شخص کسی سے بدنی مذکورہ پچاس روپیہ لیتا تو مشکل سے روپیہ ملتے اور ان پر روپیہ لیتے ہی سود چالو ہو جاتا تو اس سے بہتر تو یہی ہے کہ بایں طور روپیہ لے لے اور اس بدنی کی صورت میں چونکہ مقروض کو اپنے مال حقیقت کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہے کہ بہر صورت اس دو من گھی کو وقت پر ادا کردوں گا، تو اس صورت میں تاہم ایک بگڑی صورت بیع سلم کی جب بھی ہے۔ اس یقین مذکور کی بناء پر ایک ایسا معاملہ کرلیا جائے تو شرعاً درست ہے یا نہیں؟ نیز دوسری صورت یہ ہے کہ پچاس روپیہ لیتا تو ہے بدنی پر لیکن لینے والے کی نیت روپیہ لیتے ہی یہ ہوتی ہے کہ وقت پر وہ دام ادا کردوں گا جو دو من گھی کے مالک دام کاٹے گا تو اس صورت کا حکم بھی بیان فرمایا جائے۔

عبداللہ، موضع مالپوری، ضلع گوڑگانوں تحصیل نوح۔

مورخہ ۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۹ھ۔

---

(۱) ''بدنا: شرط لگانا، اقرار کرنا، خاطر میں لانا، سمجھنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۸۹، فیروز سنز، لاهور)

(۲) ''بنیا: بقال، آٹا دال بیچنے والا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۲۰، فیروز سنز، لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً ناجائز ہے، اس روپیہ کے عوض اس نرخ سے فلاں تاریخ کو گھی دیدوں گا تو درست ہے، لیکن گھی نہ دینے کی صورت میں بدنی مروجہ کے طریق پر رقم کی ادائیگی کو شرط قرار دینا مفسد ہے اور بیع ان عقود میں سے ہے جو کہ شرطِ فاسد سے فاسد ہوجاتی ہے۔ گھی کے ادا نہ کرسکنے کی صورت اصلی رقم کی واپسی بلا کمی بیشی لازم ہے، کمی بیشی ناجائز ہے اور اس پر سود بالکل ہی حرام ہے:

"ولا يجوز لرب السلم شراء شيئ من المسلم إليه برأس المال قبل قبضه، لقوله عليه السلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك": أى لا تأخذ إلا ماسلمت فيه حال قيام العقد أو رأس مالك بعد الانفساخ، اهـ". مجمع الأنهر :١/١٠٣(١)۔

---

(١) (مجمع الأنهر: ٣/١٤٥، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

"فإن تقايلا السلم، لم يشتر رب المال من المسلم إليه برأس المال شيئاً: يعنى قبل قبضه بحكم الإقالة، لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك" : أى إلا سلمك حال قيام العقد، أو رأس مالك حال انفساخه". (تبيين الحقائق: ٤/١١٧، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

"ولا يجوز لرب السلم شراء شئ من المسلم إليه برأس المال بعد الإقالة قبل قبضه بحكم الإقالة، لقوله عليه الصلوٰة والسلام: "لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك": أى إلا سلمك حال قيام العقد، أو رأس مالك حال انفساخه". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٥/٢١٩، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا فى الهداية: ٣/٩٩، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)

"كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". الحارث عن على". (فيض القدير: ٩/٤٤٨٧، (رقم الحديث: ٦٣٣٦)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن على أمير المؤمنين رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". أخرجه الحارث بن ابى أسامة فى مسنده، قال الشيخ: حديث حسن لغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، بابٌ: كل قرض جر منفعةً فهو ربا: ١٤/٤٩٨، إدارة القرآن ، كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، مطلبٌ: كل قرض جرنفعاً حرام: ٤/١٦٦، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

محض مال حیثیت کے اعتماد پر کسی عقد میں شرطِ فاسد کا لگانا درست نہیں ہے(۱)، اس صورت میں اصل رأس مال دینا تو درست ہے اور زیادہ دینا ناجائز ہے، البتہ اس میں ایک دھوکہ ہے وہ یہ ہے کہ دوسرا اس خیال میں ہے کہ مجھے وقتِ متعین پر گھی ملے گا اور یہ شروع سے ہی رأس المال ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس لئے یہ نیت بھی ممنوع ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲۳/۵/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۵/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۵/۵۹ھ۔

قیمتِ متعینہ میں تاخیر کی وجہ سے زیادتی

سوال[۷۸۸۹]: زید نے بکر کو ایک من دھان دیا اور زید نے بکر کے ساتھ شرط کیا کہ پوس(۲) مہینہ میں تم سے ڈیڑھ روپیہ لوں گا، مگر غریب اس وقت روپیہ ادا نہ کرسکا۔ دھان(۳) آسان ہے۔ اگر زید اسی نرخ معینہ کا اس وقت کے بازار کے حساب سے دھان لے تو یہ دھان لینا اس نرخ کا بیع سلم کے مطابق ہے یا نہیں؟ یا اور کسی طرح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ فقط۔

مولوی ابوالحسن صاحب۔

---

(۱) "لیس کل شرط یفسد البیع، بل لابد أن لا یقتضیه العقد، ولا یلائمه، ولا یتعارف، وکان فیه منفعة لأحد المتعاقدین، وللمعقود علیه، وهو من أهل الاستحقاق، ولم یَرد الشرع بجوازه". (النهر الفائق: ۴۳۴/۳، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی ردالمحتار: ۸۵/۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۱۴۰/۶، کتاب البیع، باب البیع الفاسد، رشیدیه)

(۲) "دھان: چھلکے دار چاول"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز، لاهور)

(۳) "پوس: فصل سن (بکرمی) کا نواں مہینہ جو تخمیناً دسمبر کی پندرھویں تاریخ سے جنوری کی پندرھویں تاریخ تک رہتا ہے"۔

(فیروز اللغات، ص: ۳۰۹، فیروز سنز، لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ بیع سلم نہیں، کیونکہ بیع سلم کے لئے تو ضروری ہے کہ مشترکہ روپیہ پہلے دے اور مسلم فیہ کی صفات متعین کر کے وقتِ معینہ پر مسلم فیہ وصول کرلے(۱) اور یہاں ایسا نہیں ہوا، بلکہ یہاں ایک من دھان کی ڈیڑھ روپیہ کے عوض بیع کی اور ڈیڑھ روپیہ کی ادائیگی کا وقت معین کردیا ہے۔ اب اصل تو یہ ہے کہ بکر سے اپنا ڈیڑھ روپیہ زید وصول کرلے، اگر بکر کے پاس ڈیڑھ روپیہ موجود نہیں تو وہ دھان فروخت کر کے کسی جگہ سے ڈیڑھ روپیہ لاکر زید کو دیدے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ زید اس ڈیڑھ روپیہ کے عوض بکر سے اس وقت کے نرخ سے دھان لے لے، اس میں سود نہ ہوگا۔

اگر زید اولاً دھان ڈیڑھ روپیہ کے عوض فروخت نہ کرتا بلکہ یہ کہتا کہ ایک من دھان اس وقت لے لو اور پھر فلاں ماہ میں اس ایک من کے عوض مثلاً ڈیڑھ من مجھے دینا، یا اس طرح معاملہ کرتا کہ اس وقت ایک روپیہ کے دھان میں لے لوں گا تو ناجائز ہوتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۱/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "وشرطه بيان جنس، ونوع، وصفة، وقدر، وأجل وأقله شهر ..... وبيان قدر رأس المال في مكيل، وموزون، وعددي غير متفاوت، ومكان الإيفاء فيماله حمل ..... وبقي من الشروط قبضُ رأس المال بل الافتراق، وهو شرط بقائه على الصحة لاشرط انعقاده بوصفها، فينعقد صحيحاً، ثم يبطل بالافتراق بلا قبض". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۲۱۶، ۲۱۷، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۱۷۹، كتاب البيوع، الباب الثامن عشر في السلم، الفصل الخامس في الإقالة في المسلم والصلح فيه وخيار العيب، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۶/۲۷۱، كتاب البيع، باب السلم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/۱۴۴، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

(۲) "وعلته: أي علة تحريم الزيادة القدرُ مع الجنس، فإن وُجدا حرم الفضل: أي الزياده والنسأ. و.. =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

بیع سلم فی الفلوس

سوال[۷۸۹۰]: زید ایک عالم شخص ہے، روپیہ کی ترقی کے لئے اس صورت سے ایک معاملہ کرتا ہے کہ زید نے عمر کو ۶/ ماہ کے وعدہ پر ۲۰۰/ روپیہ قرض دیا اور قرض دیتے وقت عمر سے اس مضمون کی ایک دستاویز لکھوالی کہ میں نے مبلغ ۲۰۰/ روپیہ ۶/ ماہ کے وعدہ پر بطور سلم عمر کو دیا، میعاد کے ختم ہونے پر فی روپیہ نو دونی (بڑی چوگوشہ والی) کے حساب سے وصول کرلوں گا، عمر نے اس کو قبول کرلیا۔

میعاد گذرنے پر عمر نے حسبِ قرارداد دوسو روپیہ کی دونیان نو دونی کے حساب سے ۱۸۰۰/ دونیان زید کے حوالہ کردیں، پھر ان دونیوں کو بازار میں لیجا کر روپیہ ونوٹ سے تبادلہ کرلیا۔ عوام کو جب اس معاملہ کی اطلاع ہوئی تو سود خوری کی تہمت لگائی، اس پر زید نے کہا کہ میرا یہ معاملہ بیع سلم ہے اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک علاوہ سونے چاندی کے سکوں کے اَور تمام سکوں میں بیع سلم درست ہے، تمام کتب فقہ درمختار شامی وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ معاملہ بیع سلم ہے یا سود کا حیلہ ہے، اگر سود کا حیلہ ہے تو بیع سلم فی الفلوس کی کونسی صورت ہے جو درست ہے؟ مثال سے واضح فرمادیا جاوے۔

نیز دستاویز والے معاملے میں سود لینے کا کیا قرینہ ہے اور اس کی کیا علامت ہے اور اگر یہ معاملہ بیع سلم ہے اور عندالشیخین جائز ہے تو ایسی حالت میں جبکہ عوام اس صورت کے مرتکب کو سود خوری کی تہمت لگائیں اور زید مذہبی مقتدا بھی ہو تو اس کو ایسے معاملات سے اجتناب ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نظر اقدس میں کوئی عبارت کتب فقہ حنفی کی ایسی ہو کہ بیع سلم فی الفلوس میں اگر نیت سود لینے کی ہو تو حرام ہے ورنہ درست تو اس کے نشان سے مطلع فرماویں۔

محمد ساجد درگاہ، بازار کٹک۔

= عدما، حلا. وإن وجد أحدهما، حل الفضل وحرم النسأ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۱۷۲، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۱۲۰، ۱۲۱، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴/۴۵۰، ۴۵۱، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا فى الهداية: ۳/۸۰، كتاب البيوع، باب الربوا، إمداديه ملتان)

الجواب حامداًومصلیاً:

فقہائے حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ بیع سلم فی الفلوس شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے، بلکہ ظاہرالروایت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی جواز کی منقول ہے،البحر الرائق: "وظاهر الرواية عن الكل الجواز". :٦/١٥٦(١)۔ فتح القدير: ٥/٣٢٧(٢)۔ شامی: ٥/٣١٨(٣) اوردیگر کتب میں بھی ظاہر الروایۃ ائمۂ ثلاثہ سے جواز کی موجود ہے۔

اصل یہ ہے کہ اثمان یعنی سونا، چاندی میں بیع سلم جائز نہیں اور سلم، تانبا، کانسی وغیرہ کو اگر سکہ بنالیا جائے تو اس کو اصطلاحاً ثمن کہا جاوے گا، حقیقت میں وہ ثمن نہیں، جس وقت اس اصطلاح کو توڑ دیا جائے گا تو ثمنیت باطل ہوجائے گی۔ جب دو مسلمان کسی ایسے سکہ میں بیع سلم کرلیں حالاں کہ وہ جانتے ہیں کہ ثمن میں بیع بسلم جائز نہیں تو لامحالہ کہا جائے گا کہ انہوں نے اصطلاحی ثمنیت کو باطل کردیا تو اب وہ نہ شرعاً ثمن ہے نہ اصطلاحاً، بلکہ مثل دوسری غیر متفاوت اشیاء کے ہے، جیسے ان اشیاء میں بیع سلم عدداً جائز ہے، اسی طرح اس سکہ میں بھی جائز ہوگئی:

"وأما السلم فى الفلوس عدداً، فجائز عند أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله تعالىٰ ، وعند محمد رحمه الله تعالىٰ لا يجوز، بناءً على أن الفلوس أثمان عنده، فلايجوز السلم فيها

---

(١) "(الفلس)؛ لأنه عددىّ يمكن ضبطه، فيصح السلم فيه ..... وظاهر الرواية عن الكل الجواز".
(البحر الرائق: ٦/٢٦١، كتاب البيع، باب السلم، رشيديه)

(٢) "(قوله: وكذا فى الفلوس عدداً): أى يجوز السلم فى الفلوس عدداً، هكذا ذكره محمد رحمه الله تعالىٰ فى الجامع من غير ذكر خلاف، فكان هذا ظاهر الرواية عنه". (فتح القدير: ٧/٧٥، كتاب البيوع، باب السلم، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(٣) "(قوله: وفلس) قيل: وفيه خلاف محمد لمنعه بيع الفلس بالفلسين، إلا أن ظاهر الرواية عنه كقولهما". (ردالمحتار: ٥/٢١٠، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)
(وكذا فى النهر الفائق: ٣/٤٩٨، كتاب البيوع، باب السلم، إمداديه ملتان)
(وكذا فى مجمع الأنهر: ٣/١٣٩، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)
(وكذا فى تبيين الحقائق: ٤/١٠٥، كتاب البيوع، باب السلم، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

كما لايجوز السلم فى الدراهم والدنانير. وعندهما ثمنيتها ليست بلازمة، بل تحتمل الزوال؛ لأنها تثبت بالاصطلاح، فتزول بالاصطلاح، وإقدام العاقدين على عقد السلم فيها مع علمهما أنه لا صحة للسلم فى الأثمان اتفاقٌ منهما على إخراجهما عن صفة الثمنية، فتبطل ثمنيتها فى حق العاقدين سابقاً على العقد، وتصير سلعاً عدديةً، فيصح السلم فيها، كما فى سائر السِّلَع العددية". بدائع: ۵/۲۰۸(۱)۔

اس میں شک نہیں کہ ایک حیلہ سود کا ہے، مگر جب فقہاء نے جائز لکھا ہے تو عوام کے حرام کہنے سے حرام نہیں ہوسکتا، البتہ اس قسم کے حیلہ سے بچنا اَولیٰ وافضل ہے(۲)، خصوصاً جب کہ اس حیلہ کی وجہ سے علماء کو سود خواری کی تہمت لگائیں اور برا سمجھیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۳/ جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ جمادی الثانیہ/۵۲ھ۔

اشکال بر جوابِ مذکورہ

سوال[۷۸۹۱]: ۱..... مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ ”اس میں شک نہیں کہ یہ ایک حیلہ سود کا ہے، مگر

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل: وأما الذى يرجع إلى المسلم فيه: ۷/۱۲۷، دار الكتب العلمية بيروت)

”قال محمد رحمه الله تعالىٰ فى ”الجامع الصغير“: ويجوز السلم فى الفلوس عدداً. ذكر المسئلة مطلقاً من غير ذكر خلاف، فمِن مشايخنا مَن قال: إن جواز السلم فى الفلوس قولهما؛ لأن ثمنية الفلوس عندهما قابلة للبطلان؛ لأن الفلوس إنما صار ثمناً باصطلاح الناس، وإلا فهى سلعة فى الأصل. وما ثبت باصطلاحهم على خلافه، فإذا أقدما على السلم فيها، والسلم لايجوز إلا فى المثمن ذلك إبطالاً لاصطلاح الأول، فعادت سلعةً، فيجوز السلم فيها“. (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۸/۱۸۸، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى المبسوط للسرخسى: ۱۲/۱۶۲، كتاب البيوع، غفاريه كوئٹه)

(۲) قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ”دع مايريبك إلى مالا يريبك“. (فيض القدير: ۶/۳۲۴۵، (رقم الحديث: ۴۲۱۱)، نزار مصطفىٰ الباز رياض)

جب کہ فقہاء نے، الخ''۔تو عرض یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک یہ حیلہ یقینی سود کا ہے، پھر فقہاء جائز کیسے لکھ سکتے ہیں، کیا ہمارے فقہاء حیلہ سے سود لینے کی تعلیم دیتے ہیں، مجھ کو وقت درس حضور نے سمجھایا تھا کہ شبۂ ربا بھی حرام ہے، فقہاء نے اس سے بچنے کی تاکیدِ شدید فرمائی ہے۔

۲.....حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ امدادیہ، تتمۂ اُولیٰ، جلد ثالث، ص:۱۶۷ اور تتمۂ ثالثہ، ص:۲۳، میں بیع سلم فی الفلوس کے جواب میں بیع سلم کی صحت تسلیم کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اس حیلہ سے مقصود سود لینا ہے، لہٰذا ناجائز ہوگا''(۱)۔

۳.....سائل کو بیع سلم فی الفلوس کی صحت اور اتفاقی جواز میں کلام نہیں، مقصود یہ ہے کہ واقعہ مندرج سوال بیع سلم میں داخل ہے یا حیلہ سے سود لینا؟ حضور نے فرمایا ''حیلہ سے سود لینا''۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ اس کی علامت کیا ہے جس سے ہم سمجھ لیں کہ یہاں سے سود لینا مقصود ہے، سائل کا خیال ہے کہ زید کا فوراً بازار میں جا کر دونیوں کے نوٹ اور روپیہ سے تبادلہ کرنا اس کی علامت ہے کہ

---

(۱) ''**سوال**: ایک مسئلہ کے جواب کا خواستگار ہوں، بارہا لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ بیع سلم فی الفلوس جائز ہے یا نہیں؟ آج تک اس کا جواب نہیں دے سکا، حضور سے اس کا جواب چاہتا ہوں، انگریزی سکہ کے ایک روپیہ دے کر انگریزی سکہ بیس آنہ پیسہ پر بیع سلم کرنا درست ہے یا نہیں؟ دلائل کی ضرورت نہیں صرف حکم کافی ہے۔

الجواب: قال فی الدر: ویصح فیما أمکن ضبط صفته کجودته وردائته ومعرفة قدره ککیل وموزون، وخرج بقوله: ''مثمن'' الدراهم والدنانیر؛ لأنها أثمان، فلم یجز فیها سلم -خلافاً لمالک- وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس، الخ''. قال الشامی: ''قیل: وفیه خلاف محمد، لمنعه بیع الفلس بالفلسین، فهو ثمن عنده، إلا أن ظاهر الروایة عنه کقولهما، وبیان الفرق فی النهر وغیره، اهـ''. (۳۱۵/۴)

اس سے معلوم ہوا کہ پیسوں میں سلم جائز ہے جب کہ شرائطِ سلم کی رعایت کی جائے۔ واللہ اعلم۔

لیکن جہاں ربا لینے کے لئے اس کو حیلہ قرار دیا گیا ہو وہاں باقاعدہ ''مقدمة الحرام حرام'' اس کو ناجائز کہا جائے گا۔ جواز اس صورت میں ہے کہ اتفاقاً ہو جائے اور اس میں إفضاء إلی ترویج الربا کا احتمال نہ ہو''۔(اشرف علی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔(إمداد الأحکام تکملۂ إمداد الفتاویٰ، کتاب البیوع، فصل فی بیع السلم، بیع سلم بالفلوس جائز ہے یا نہیں: ۴۲۵/۳، ۴۲۶، مکتبه دار العلوم کراچی)

Made searchable using ScribeTools.com

مقصود سلم کی آڑ میں سود ہے۔ یہ خیال صحیح ہے یا نہیں؟

۴.....بیع سلم فی الفلوس کی وہ کونسی صورت ہے جس میں مقصود بیع ہو، سود نہیں؟

محمد حسین بجنوری، وارد حال کٹک۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے فقہائے حنفیہ -رحمہم اللہ تعالیٰ- حیلہ سے سود لینے کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ سود سے بچنے کا طریق اور مخرج بتلاتے ہیں، جس حیلہ سے سود لینا یا کسی شئ حرام کا ارتکاب یا ابطالِ حقِ غیر مقصود ہو اس سے ہمارے فقہاء نے منع فرمایا ہے اور جس حیلہ سے تخلص عن الحرام یا توصل إلی الحلال مقصود ہو، اس کی اجازت دی ہے، بلکہ اس کو مستحسن کہا ہے:

"من مذهب علمائنا أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل، فهي مكروهة. وكل حيلة يحتال بها الرجل لينخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلال، فهي حسنة. والأصل في جواز هٰذا النوع من الحيل قول الله تعالىٰ ﴿وخذ بيدك ضغثاً، فاضرب به ولا تحنث﴾ وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي عليه وعلى نبينا الصلوٰة والسلام عن يمينه التي حلف: "ليضربنّ امرأته مأة عود". وعامة المشايخ علٰى أن حكمها ليس بمنسوخ، وهو الصحيح من المذهب، كذا في الذخيرة". عالم گيري: ٤/٨٢٨، أول كتاب الحيل(١)۔

ایک شخص کسی وجہ سے حرام میں مبتلا ہونے والا ہے، اگر وہ اس حرام سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کرے تو شرعاً کچھ مذموم نہیں:

"الحِيَل جمع حيلة، وهي الحرق في تدبير الأمور، وهي تقليب الفكر حتى يهتدي إلى المقصود". الفن الخامس في الحيل في الأشباه، ص: ٤١٧(٢)۔

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/٣٩٠، كتاب الحيل، الفصل الأول، رشيديه)

(٢) (الأشباه والنظائر، ص: ٤٧٧، الفن الخامس: الحيل، دار الفكر المعاصر بيروت)

لیکن مفتی اعظمِ ہند حضرت مولانا کفایت اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: "فقہائے کرام نے فلوس میں بیع سلم کے جواز =

Made Searchable by ScribeTools.com

بہت سے فقہاء نے کتاب الحیل کو کتاب المخارج سے تعبیر کیا ہے:

"قال أبو سليمان: كذبوا على محمد، ليس له كتاب الحيل، وإنما هو الهرب من الحرام، والتخلص منه حسن، قال تعالىٰ ﴿وخذ بيدك ضغثاً﴾ الخ. وذكر في الخبر: أن رجلاً اشترىٰ صاعاً من تمر بصاعين، فقال صلى الله عليه وسلم: "أربيت، هلا بعت تمرك بسلعتك، ثم ابتعت بسلعتك تمراً". وهٰذا كله إذا لم يؤد إلى الضرر". انتهىٰ أشباه(۱)۔

اگر نیت فاسد ہو تو حیلہ ناجائز ہے، لیکن نیت پر اطلاع ہونا مشکل ہے، اس لئے حکمِ قطعی کسی کی نیت کے متعلق نہیں لگایا جاسکتا۔

۲.....حضرت حکیم الامت أدام اللہ فیوضہم نے جو کچھ تحریر فرمایا، خود جناب قائل ہیں کہ انہوں نے بیعِ سلم کی صحت کو تسلیم کرلیا ہے اور فسادِ نیت کی وجہ سے اس قسم کے معاملات کو ناجائز کہا ہے، سو حضرت کی تحریر یہاں کے جواب کے خلاف نہیں۔

۳.....سائل کا خیال بظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے، لیکن احتمال یہ بھی کہ اول زید کو دونیوں کی ضرورت تھی پھر رائے بدل گئی، اس لئے قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے کہ زید کا مقصود حیلہ سے سود لینا ہی ہے۔

۴.....کسی شخص کو کسی کام کے لئے ایسے سلور کی ضرورت ہے جس میں دوسری دھاتیں اس نسبت سے پڑی ہوں جس نسبت سے سلور کی چوگوشہ دونیوں میں ہوتی ہیں اور کہیں ایسا سلور بغیر سکہ کے ملتا نہیں تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ بیع سلم مقصود ہے، سود نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۶/ ۷/ ۵۲ھ۔

جب عاقل بالغ کے کلام میں دو محمل ہوں: ایک صحیح ایک فاسد، تو شریعت کی تعلیم ہے کہ اس کا کلام صحیح

= کی جو دلیل پیش کی ہے کہ: "لأن الثمنية تثبت في حقهما باصطلاحهما، فتبطل بإبطالهما" مخدوش ہے، اس لئے کہ موجودہ دَور میں کسی چیز کی ثمنیت حکومتی قانون کی رو سے عمل میں آتی ہے، اس لئے فلوس میں بیع سلم کے جواز کا فتوی دینا مشکل ہے"۔ (كفايت المفتي: ۵۹/۸، كتاب البيوع، دار الإشاعت كراچی)

(وكذا في إمداد الأحكام، كتاب البيوع، فصل في بيع السلم، بیع السلم بالفلوس جائز ہے یا نہیں؟: ۴۲۵/۳، ۴۲۶، مكتبه دار العلوم كراچی)

(۱) (الأشباه والنظائر، الفصل الخامس، الحيل، ص: ۳۹۷، قديمی)

Made searchable using ScribeTools.com

محمل پر حمل کیا جائے گا(۱)۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/ رجب/۵۲ھ۔

قسطوں پر روپیہ جمع کر کے سامان حاصل کرنا اور انعام لینا

سوال[۷۸۹۲]: یہاں پر سائیکل کے ایک تاجر نے چند ماہ سے یہ طریقہ شروع کیا ہے کہ سائیکل کے خریداروں کو بیس ماہ کے لئے ممبر خریداری بناتا ہے، ہر خریدار کو ایک خریداری نمبر دیتا ہے، ہر خریدار ہر ماہ مبلغ ۱۲/ روپیہ بیس ماہ تک جمع کرتا رہتا ہے، جب کہ کل رقم مبلغ ۲۴۰/ روپیہ ہو جاتی ہے تو سائیکل خریدار کو دے دی جاتی ہے۔ نیز دوکاندار اپنے خریداروں سے ہی لے کر ہر ماہ ایک سائیکل بطور انعام دیتا ہے، اپنے ممبران میں سے جس کا نمبر خریداری مقرر کردہ نمبر مطابق ہوتا ہے۔

انعام پانے والے خریدار کو اختیار ہوتا ہے، چاہے اب قسطیں بند کر دے اور یہ سائیکل لے لے، یا دوسری سائیکل قسطوں کے اختتام پر حاصل کر لے۔ تو مذکورہ شکل کو بیع سلم مانا جائے گا یا نہیں؟ اور اس شکل میں بیع فاسد ہے یا باطل یا بیع صحیح ہے؟ اور یہ انعام لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیع سلم کے لئے مجلسِ عقد میں (رأس المال) ثمن پر مسلم الیہ کا قبضہ ضروری ہے، وہ یہاں مفقود ہے۔ اگر ثمن کا کچھ حصہ دے دیا جائے اور کچھ حصہ مسلم الیہ کی طرف بطورِ دین کے ذمہ میں پہلے سے تھا تو مقدارِ دَین میں بیع سلم باطل ہو جائے گی اور صرف مقدار مخصوص میں صحیح رہے گی:

"فإن أسلم مأتی درهم فی کرّبرٍ مأة ديناً عليه: أی علی المسلم إليه ومائة نقداً نقدها

---

(۱) "الأصل أن أمور المسلمين محمولة على السداد والصلاح حتى يظهر غيره". قال السيد عميم الإحسان: "من مسائله أن من باع درهماً ودیناراً بدرهمين ودينارين، جاز البيع، وصرف الجنس إلى خلاف جنسه تحرياً للجواز حملا لحال المسلم على الصلاح". (قواعد الفقه، أصول الإمام الكرخی، (رقم القاعدة: ٦)، ص: ١٢، الصدف پبلشرز)

(وأيضاً فی قواعد الفقه، القواعد الفقهيه، (رقم القاعدة: ٥٢)، ص: ٦٣، الصدف پبلشرز)

رب السلم وافترقا على ذلك، فالسلم فى حصة الدين باطل، اھ". درمختار(۱)۔

اورصورت مسئولہ میں تو بائع کے ذمہ مقدار بائع کو دی جائے۔اور پھراس قرض کے عوض سائیکل خریدی جائے تو یہ بیع مداینہ کے قبیل سے ہوجائے گی(۲)۔

ہر ماہ ایک سائیکل انعام میں دینا، یہ لالچ دے کرخریداروں کو بڑھانا ہے کہ خریدار بلاضرورت مبلغ ۱۲/ روپے ماہانہ جمع کرادیا کریں، پھرایک سائیکل تو بہرحال ملے ہی گی، ممکن ہے کہ انعام بھی نکل آوے، اگر اس انعام کی صورت میں خریدارکا روپیہ ضائع ہونے کی کوئی صورت نہیں، جیسا کہ عبارتِ سوال سے ظاہر ہوتا ہے اور قیمت بھی پوری دیتا ہے، یہ نہیں کہ قیمت پوری ہونے سے پہلے (خواہ ایک ہی خط پر سہی) اگر نام نکل آئے تو

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۱۸/۵، باب السلم، سعيد)

"وقبض رأس المال قبل التفرق شرط بقائه، فلو أسلم مأةً نقداً ومأةً ديناً على المسلم إليه فى كر، بطل فى حصة الدين فقط". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۴۴/۳، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه)

"فإن أسلم مأتى درهم فى كُرّ بر مأةً ديناً عليه ومأةً نقداً، فالسلم فى الدين باطل: أى فى حصة الدين؛ لأنه دين بدين". (تبيين الحقائق: ۵۱۵/۴، كتاب البيوع، باب السلم، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲۷۳/۶، كتاب البيوع، باب السلم، رشيديه)

(۲) "فإن وقع الصلح عن إقرار، اعتبر فيه ما يعتبر فى البياعات: إن وقع عن مال بمال، فتجرى فيه الشفعة إذا كان عقاراً ..... ولوكان نقدين، لهماحكم الصرف، حتى لو لم يقبض المصالح عليه فى المجلس، يبطل الصلح". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۳۰/۴، كتاب الصلح، رشيديه)

"وإذا وقع عن إقرار، اعتبر فى مايعتبر فى البياعات: إن وقع عن مال بمال لوجود معنى البيع، وهو مبادلة المال بالمال فى حق المتعاقدين بتراضيهما، فتجرى فيه الشفعة إذاكان عقاراً". (الهداية: ۲۴۵/۳، كتاب الصلح، شركت علميه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق: ۴۳۴/۷، كتاب الصلح، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

سائیکل مل جائے اور بقیہ قیمت ساقط ہوجائے تب تو بظاہر یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ تو جوئے کی شکل میں ہوکر ناجائز ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۸۹ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "ولاخلاف بين أهل العلم فى تحريم القمار، وأن المخاطرة من القمار". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۲۹، باب تحريم الميسر، دارالكتب العلمية بيروت)

"وسمى القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه ،وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع ۶/۴۰۳، سعيد)

فصلٌ فی الاحتکار

(ذخیرہ اندوزی کا بیان)

ذخیرہ اندوزی کا حکم

سوال[۷۸۹۳]: ایک شخص کی آمدنی کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ وہ پیاز، لہسن، آلو، گیہوں وغیرہ خرید کر جمع کر لیتا ہے اور جب یہ چیزیں مہنگی ہو جاتی ہیں تب بیچتا ہے۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بستی میں یہ اشیاء بکثرت موجود ہیں اور اس شخص کے خریدنے سے کوئی تنگی پیش نہیں آتی اور دیر بعد جب موسم نہ رہے، ان کو گراں فروخت کرتا ہے اور گراں بھی اس قدر جو کہ قابلِ برداشت ہے تو اس میں گناہ نہیں، اس کی آمدنی درست ہے۔ اگر اس کے خریدنے سے تنگی اور پریشانی ہوتی ہے اور وہ ناقابلِ برداشت گراں فروخت کرتا ہے تو یہ سخت گنہگار ہے(۱) اور یہ طریقہ موجبِ لعنت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وإن اشترى فى ذلک المصر، وحبسه، ولا يضر بأهل المصر، لابأس به. وإذا اشترى من مكان قريب من المصر، فحمل طعاماً إلى المصر، وحبسه، وذلک يضرّ بأهله، فهو مكروه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۳/۳، كتاب البيوع، الباب العشرون فى البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة، فصل فى الاحتكار، رشيديه)

"الاحتكار مكروه، وإنه على وجوه: أحدها: أن يشترى طعاماً فى مصر أو ما أشبهه، ويحبسه، ويمتنع من بيعه ،وذلک يضر بالناس، فهو مكروه ..... والثانى: أن يشترى فى مكان قريب من المصر، فحمل إلى المصر، وحبسه، وذلک يضر بأهل المصر، فهو مكروه أيضاً للحديث". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۲۶۶/۸، كتاب البيع، فصل فى الاحتكار، غفاريه كوئٹه)

"احتكار قوت الآدميين والبهائم فى بلد يضر بأهلها: يعنى يكره الاحتكار فى بلد يضر بأهلها؛ =

Made Se[redacted]ools.com Made searchable using ScribeTools.com

ذخیرہ اندوزی کا حکم

سوال[۷۸۹۴]: عمروفصل کے موقعہ پرازقسم سبزی مثلاً آلو،اروی، پیاز وغیرہ خریدتا ہےاور جب فصل نکل جاتی ہےتو فروخت کرتا ہے جب کہ گراں ہوجاتی ہیں اشیائے مذکورہ۔تو کیا صورت مذکورہ احتکار میں داخل نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگراس کے خریدنے سے بستی والوں کوضرر ہوتا ہے کہ وہ چیز نایاب ہوجاتی ہے، یا گراں ہوجاتی ہےتو یہ احتکار میں داخل ہوکرممنوع ہے،اگرضرر نہیں ہوتا تو ممنوع نہیں ہوتا:

"وكره احتكار قوت البشر كتينٍ وعنب ولوز، والبهائم كتبن وقتّ فى بلد يضر بأهله لحديث: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". فإن لم يضر، لم يكره، اه". درمختار۔

"والتقييد بقوت البشر قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ، وعليه الفتوىٰ، وكذا فى الكافى. وعن أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ: كل ماأضر بالعامة حبسه، فهو احتكار. (قوله: كتين وعنب ولوز): أى مما يقوم به بدنهم من الرزق، ولو دخناً، لاعسلاً وسمناً. (قوله: وقت) بالقاف والتاء المثناة من فوق الفصفصة -بكسر الفائين- وهى الرطبة من علف الدواب، اه. وفى المغرب: القتّ اليابس من الاسفست، اه، ومثله فى القاموس. وقال فى الفصفصة -بالكسر-: هونبات، فارسيته اسفست، تأمل. (قوله: فى بلد) أو مافى حكمه كالرستاق،

= لقوله عليه الصلوة والسلام: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (البحر الرائق: ۸/۳۷۰، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۷/۲۰، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، سعيد)

(وكذا فى ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۲۱۲، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

(۲) "عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول اللهصلى الله عليه وسلم. "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۵۶، أبواب التجارات، باب الحكرة والجلب،قديمى)

والقرية. (قوله: يضر بأهله) بأن كان البلد صغيراً، اهـ". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) (ردالمحتار مع الدرالمختار: ۳۹۸/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع ، سعيد)

"ويكره الاحتكار فی أقوات الآدميين والبهائم إذا كان ذلک فی بلد يضرّ الاحتكار بأهله، وكذلک التلقی، فأما إذا كان لا يضر، فلا بأس به. والأصل فيه قوله عليه الصلوٰة والسلام: "الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون". (الهداية: ۴۶۸/۴، كتاب الكراهية، فصل فی البيع، مكتبه شركت عنميه ملتان)

"ويكره الاحتكار فی أقوات الآدميين والبهائم ببلد يضر بأهله؛ لأنه تعلق به حق العامة". (ملتقی الأبحر). "قيد بقوله: (يضر بأهله)؛ لأنه لو كان المصر كبيراً لا يضر بأهله، فليس بمحتكر؛ لأنه حبس ملكه، ولا ضرر فيه لغيره". (مجمع الأنهر: ۳/۴ ۲، كتاب الكراهية، فصل فی البيع، غفاريه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

باب الصرف

(نقدی کی بیع کا بیان)

نوٹ وروپیہ کی بیع ریز گاری کے ساتھ

سوال[۷۸۹۵]: ریز گاری روپیہ چاندی سکہ سابق، یاروپیہ کانسی سکہ جدید، یانوٹ سے کمی بیشی یعنی نوٹ یاروپیہ دے کر چودہ یا اٹھارہ آنے سے لینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوروپیہ خالص چاندی کا روپیہ ہو، یااس میں چاندی غالب ہواس کی بیع ایسی ریز گاری کے عوض جو خالص چاندی کی ہو، یااس میں چاندی غالب ہوکمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے، اس میں برابری ضروری ہے۔اور ایسی ریز گاری کے عوض جونہ خالص چاندی کی ہواورنہ اس میں چاندی غالب ہو، کمی بیشی کے ساتھ بھی درست ہے، اس میں برابری ضروری نہیں۔

اور جوروپیہ نہ خالص چاندی کا ہواورنہ اس میں چاندی غالب ہو، اس کی بیع ایسی ہی قسم کی ریز گاری کے عوض کمی بیشی کے ساتھ شرعاً درست ہے، اس میں برابری ضروری نہیں، البتہ خالص وغالب چاندی کی ریز گاری کے عوض اس وقت درست ہوگی جب کہ اس کی چاندی روپیہ کی چاندی سے زائد ہو، خواہ کسی قسم کی ہو، کم زیادہ لیناد یناد رست نہیں۔اسی طرح نوٹ کے عوض روپیہ کم زیادہ لیناد یناد رست نہیں ہے:

"وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ، حتى لا يصح بيع الخالصة بهما، ولا بيع بعضها ببعض إلامتساوياً وزناً، ولا يصح الاستقراض بهما إلا وزناً. وغالب الغش ليس فى حكم الدراهم والدنانير، فيصح بيعها بجنسها متفاضلاً، اه". كنز۔

"أى وزناً و عدداً؛ لأن الحكم للغالب، فلا يضر التفاضل لجعل الغش مقابلاً بالفضة،

أو الذهب الذی فی الأخر، ولکن یشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف فی البعض لوجود الفضة أو الذهب من الجانبین. ویشترط فی الغش أیضاً؛ لأنه لا یتمیز إلا بضرر. وکذا إذا بیعت بالفضة الخالصة أو الذهب الخالص، لابد أن یکون الخالص أکثر من الفضة أو الذهب الذی فی المغشوش، حتی یکون قدره بمثله، والزائد بالغش علی مثال بیع الزیتون بالزیت".

بحر: ۲۱۷/٦ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال[۷۸۹٦]: ریزگاری کی قلت کی وجہ سے نوٹ کے بارہ آنہ یا چودہ آنہ دینا یا لینا سودی لین دین میں شامل ہے یا نہیں؟ جبکہ قانوناً ہر دو یعنی نوٹ اور روپیہ کے سولہ آنہ قیمت مقرر ہو، کیا حکم شرعی ہے کہ اس کا مرتکب کس گناہ میں شامل ہوگا؟

---

(۱) (البحر الرائق: ۳۳۴/٦، کتاب الصرف، رشیدیه)

"وما غالبه الفضة أو الذهب فضةٌ وذهبٌ، فلا یجوز بیع الخالص به، ولا بیع بعضه ببعض إلامتساویاً وزناً، ولا استقراضه إلا وزناً. وما غلب علیه الغش منهما، فهو فی حکم العروض، فبیعه بالخالص علی وجوه حلیة السیف، ویصح بیعه بجنسه متفاضلاً بشرط التقابض فی المجلس". (ملتقی الأبحر). "(قوله: علی وجوه السیف)؛ لأنه إذا کانت زیادة الخالصة معلومةً، یجوز البیع لو تقابضا قبل الافتراق، وتکون الفضة بالفضة، والزیادة فی مقابلة الغش هو النحاس وغیره علی مثال بیع الزیتون بالزیت. أما إذا کانت الخالصة مثل ما فی المغشوش، أو أقل، أو لم یعلم أیهما أقل، فلا یجوز". (مجمع الأنهر: ۱٦۷/۳، کتاب الصرف، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲٦٥/٥، ۲٦٦، کتاب البیوع، باب الصرف، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۱۱۰/۳، کتاب الصرف، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة ۲۱۹/۳، کتاب الصرف، الباب الثانی فی أحکام العقد بالنظر إلی المعقود علیه، الفصل الأول فی بیع الذهب والفضة، رشیدیه)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ کے عوض کمی زیادتی جائز نہیں (۱)، روپیہ کے عوض کمی زیادتی درست ہے (۲) اور ریزگاری اور روپیہ میں خالص بیع صرف نہیں۔ البتہ اگر ایک جانب خالص چاندی یا غالب چاندی ہو اور دوسری طرف بھی ایسا ہی ہو تو مساوات شرط ہے (۳)، ورنہ چاندی کے مقابلہ میں چاندی اور کھوٹ (۴)، یا دوسری دھات کے مقابلہ

---

(۱) "بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً ..... والذى يظهر لهذ العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ فى زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها فى كل شئ، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا بمصر اعيه لكل من هب ودب، فينبغى أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۸، دارالعلوم كراچى)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك فى العدالى والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال فى ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، يفتح باب الربا". (الهداية: ۳/۱۱۰، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۲) "اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فصّ أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع ليس بصرف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثانى فى أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث فى بيع الفلوس: ۳/۲۲۴، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۵/۱۸۰، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

واضح رہے کہ ازمنۂ ماضیہ میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ لوہے اور کاغذ سے بنتا ہے اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلہ کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے، كما تقدم فى الحاشية المتقدمة.

(۳) "عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولاتبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعضها ولا تبيعو منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۴، كتاب المساقاة والمزارعه، باب الربا، قديمى)

(۴) لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ خالص چاندی زیادہ ہو، تاکہ چاندی، چاندی اور زائد کھوٹ کے بدلے ہو جائیں: "لا بيع =

Made Searchable by ScribeTools.com

میں کھوٹ یا چاندی یا دوسری دھات ہونے سے بیع ہوجائے گی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الزيتون بالزيت والسمسم بالشيرج حتى يكون الزيت والشيرج أكثر ما فى الزيتون والسمسم، لتكون الزيادة بالثجير". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۲۶/۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

"إذا كانت زيادة الخالصة معلومةً، يجوز البيع لو تقابضا قبل الافتراق، وتكون الفضة بالفضة والزيادة فى مقابلة الغش هو النحاس وغيره على مثال بيع الزيتون بالزيت". (مجمع الأنهر: ۱۶۷/۳، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲۲۵/۶، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

(۱) "بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً ..... والذى يظهر لهذ العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ فى زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها فى كل شئ، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا بمصر اعيه لكل من هب ودب، فينبغى أن يختار قول محمد رحمه الله تعالى". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۵۸۸/۱، دارالعلوم كراچى)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك فى العدالى والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال فى ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، يفتح باب الربا". (الهداية: ۱۱۰/۳، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، مكتبه دارالعلوم كراچى)

"اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فصّ أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع ليس بصرف". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصرف، الباب الثانى فى أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث فى بيع الفلوس: ۲۲۴/۳، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۱۸۰/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

واضح رہے کہ ازمنۂ ماضیہ میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ لوہے اور کاغذ سے بنتا ہے اس لئے ریزگاری کے ساتھ تبادلہ کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے، كما تقدم فى العبارة الأولىٰ.

Made searchable using ScribeTools.com

دینار کی قیمت

سوال[۷۸۹۷]: دو دینار شرعی کی قیمت کیا ہوتی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو دینار کی قیمت بازار سے دریافت کی جائے، شریعت نے اس کی قیمت مقرر نہیں کی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۱/۸/۸۷ھ۔

درہم کی قیمت

سوال[۷۸۹۸]: درہم کی قیمت موجودہ روپے کے حساب سے کتنی ہونی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کے ۵۰۰/ درہم کا وزن ۱۳۲/ تولہ ہے(۱)، قیمت بازار سے دریافت کرلی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۹ھ

روپیہ، نوٹ، ریزگاری کی متفاضلاً بیع

سوال[۷۸۹۹]: ۱.....فی الحال جو روپیہ رائج ہیں جس میں چاندی کم اور غش غالب ہو ان کو، یا

---

(۱) مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”جب کہ یہ متفق علیہ ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور تحقیق مذکور سے ثابت ہوگیا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک پانچواں حصہ رتی کا ہے تو حساب نکالنے سے واضح ہوگیا کہ چاندی کا نصاب باون تولہ چھ ماشہ ہے اور چونکہ رائج الوقت روپیہ ہمارے زمانہ میں ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے تو روپیہ سے چون روپیہ بارہ آنے چھ صحیح چھ بٹہ تئیس پائی نصاب زکوۃ ہوا..... درہم کا جو وزن اوپر بیان کیا گیا ہے، تمام احکام ومعاملات شرعیہ میں جہاں کہیں درہم بولا گیا ہے، یہی درہم شرعی مراد ہوگا۔

اس لئے عورت کے مہر کی کم سے کم مقدار جو حنفیہ کے نزدیک دس درہم ہے، دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوئی اور مہر فاطمی کی مقدارِ منقول پانچ سو درہم ہے، اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی“۔ (جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی، سونے سے صحیح نصاب: ۱/۴۲۳، ۴۲۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

نوٹ کو پہلے کے روپیہ کے عوض تفاضلاً بیچنا جس میں چاندی غالب اور کھوٹ کم ہو جائز ہے یا نہیں؟

۲.....روپیہ یا نوٹ کی بیع ریزگاری یا پیسوں سے تفاضلاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز ہر ریزگاری کا ایک حکم ہے یا مثل گلٹ کی ریزگاری کا دوسرا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

۳.....آج کل کا روپیہ اور پہلے کا روپیہ دونوں مساوی الحکم ہیں یا پہلا روپیہ نقد کے حکم میں ہے اور فی الحال جو رائج ہے عروض کے حکم میں ہے؟

محمد یٰسین مبارکپوری، مدرس احیاء العلوم۔

الجواب: ۱، ۲، ۳ :سکوں کا ایک حکم ہے، کھوٹ کے کم وبیش کی وجہ سے قیمت کم وبیش نہیں ہوتی، اس لئے صحیح یہ ہے کہ اس کی بیع تفاضلا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

عبدالرؤف قادری داناپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....موجودہ روپیہ کو سابقہ روپیہ کے عوض تفاضلاً بیچنا شرعاً درست ہے، کیونکہ موجودہ روپیہ میں چاندی مغلوب بلکہ معدوم ہونے کی وجہ سے چاندی کے حکم میں نہیں کہ تفاضلاً بیع کی صورت میں ربا لازم آئے اور تساوی واجب ہو، بلکہ اس میں ہر طرح کی کمی بیشی درست ہے۔ نوٹ حوالہ ہے(۱)، اس میں کمی بیشی جائز نہیں: "لأن الأقراض تقضی بأمثالها"(۲)۔

اور کمی بیشی کی صورت میں ربا لازم آئے گا۔ اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ موجودہ روپیہ میں بھی کچھ چاندی موجود ہے تو پھر اتنی شرط ضروری ہوگی کہ سابقہ روپیہ میں جس قدر چاندی ہے وہ اس چاندی سے زائد رہے جو کہ موجودہ روپیہ میں ہے، اس کے خلاف نہ ہو یعنی دونوں کی چاندی مساوی نہ ہو اور موجودہ روپیہ کی چاندی زائد نہ

---

(۱) اب نوٹ کی حیثیت حوالہ کی نہیں، بلکہ ثمنِ عرفی کی ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ "نوٹ بمنزلہ روپے کے ہے" کے تحت حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بھی تصریح کی ہے۔

(۲) (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، کتاب الأیمان، سعید)

"القروض یجب فی الشریعة الإسلامیة أن تقضی بأمثالها" (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، ص: ۱۷۴، مکتبه دار العلوم کراچی)

Made searchable using ScribeTools.com

ہو، نیز تقابض ضروری ہوگا اوراس وقت موجودہ روپیہ کی چاندی کواتنی چاندی کے مقابلہ میں قرار دیا جائے گا اور کھوٹ کوزائد چاندی کے مقابلہ میں،ودلیله ما سیأتی۔

۲.....نوٹ کے عوض ناجائز ہے(۱)، روپیہ کے عوض جائز ہے، ہر ریزگاری کا ایک ہی حکم ہے، اتحادِ جنس کے وقت تساوی وتقابض ضروری ہے، کما سیأتی۔

۳.....موجودہ روپیہ ستوقہ چاندی کے حکم میں نہیں بلکہ فلوسِ نافقہ یا عروض کے حکم میں ہے اور گذشتہ روپیہ چاندی غالب ہونے کی وجہ سے فضہ کے حکم میں ہے:

"وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ، حتى لا يصح بيع الخالصة بهما ولا بيع بعضها ببعض إلا متساوياً وزناً، وغالب الغش ليس فى حكم الدراهم والدنانير؛ لأن العبرة للغالب فى الشرع، فصح بيعها بجنسها متفاضلاً: أى بالمغشوش مثلها عدداً أو وزناً؛ لأن الغش من كل واحد منهما تقابل بالفضة أو الذهب الذى فى الأخير، فلا يضرّ التفاضل فيهما لاختلاف الجنس. ويشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف فى البعض لوجود الفضة والذهب من الجانبين، ويشترط فى الغش أيضاً؛ لأنه لا يتميز إلا بضرر. وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو

---

(۱) اس لئے کہ نوٹ کا حکم فلوسِ نافقہ کا ہے اور فلوس میں تفاضل کے ساتھ بیع ناجائز ہے، البتہ روپیہ کے عوض تفاضل کے ساتھ اس لئے جائز ہے کہ روپیہ چاندی کا ہے اور ریزگاری دوسری دھات کی ہے:

"بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الفلس الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً ..... والذى يظهر لهذ العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولىٰ بالأخذ فى زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها فى كل شئ، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا بمصر اعيه لكل من هب ودب، فينبغى أن يختار قول محمد رحمه الله تعالىٰ". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۱/۵۸۸، دارالعلوم كراچى)

"ومشايخنا لم يفتوا بجواز ذلك فى العدالى والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال فى ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه، يفتح باب الربا". (الهداية: ۳/۱۱۰، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، مكتبه دارالعلوم كراچى)

الـذهـب الـخـالص، لابدأن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذى فى المغشوش حتى يكون قدره بمثله والزائد بالغش، اه". زيلعى شرح كنز(١)۔

قـولـه فـى الـمتـن: "(وغـالـب الـغـش ليـس فى حكم الدراهم إلىٰ آخره) اعلم أن الـكـرخى رحمه الله تعالىٰ يسمى هذا النوع الستوق، فقال: الستوق عندهم ما كان الصفر أو الـنـحـاس هـو الـغالب، فإذا كان الصفر أو النحاس هو الغالب كانت فى حكم الصفر أو الـنـحـاس، حتـى لاتبـاع بـالـصـفـر أو النحاس إلا مثلاً بمثل يداً بيد، ولكن إذا بيعت هذه الـدراهـم بـجـنسهـا متـفـاضلاً جـاز، ويـصـرف الجنس إلى خلاف الجنس تجويزاً للعقد، ويشتـرط الـقبـض لكونه صرفاً؛ لأنه بيع فضة بفضة، فلما اشترط القبض فى الفضة، اشترط فـى الـصـفر أو النحاس أيضاً؛ لأن فى تمييزه ..... مضرةٌ، انتهى". شلبى حاشية زيلعى: ٤/١٤١(٢).

وأيضاً فيه: "لما كان الغالب فيهما الغش، صارت كالفلوس"(٣).

"ومـا غلب عليه الغش منهما، فهو فى حكم العروض لا فى حكم الدراهم والدنانير؛ إذ الحكم للغالب فى الشرع، اه". مجمع الأنهر: ٢/١٢٠(٤).

وفيـه: ٢/٨٦: "وجـاز بيـع فـلـس مـعيـن بفلسين معينين عند الشيخين –رحمهما الله تـعـالىٰ– خـلافـاً لـمحمد رحمه الله تعالىٰ، اه".(٥)۔ وأيضاً فيه: ٢/١١٩: "وصح بيع درهم صحيح ودرهمين غلة بدرهمين صحيحين ودرهم غلةٍ، اه".(٦).

---

(١) (تبيين الحقائق: ٤/٥٦١، ٥٦٢، كتاب الصرف، سعيد)

(٢) (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ٤/٥٦٢، كتاب الصرف، سعيد)

(٣) (تبيين الحقائق: ٤/٥٦٣، كتاب الصرف، سعيد)

(٤) (مجمع الأنهر: ٣/١٦٧، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(٥) (مجمع الأنهر: ٣/١٢٣، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(٦) (مجمع الأنهر: ٣/١٦٦، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

Made Searchable using ScribeTools.com

والبسط فی البحر(۱) ورد المحتار(۲) ومرآۃ المجلۃ وغیرھا من کتب الفقہ المتون۔

عباراتِ مذکورہ سے گذشتہ روپیہ موجودہ روپیہ وریزگاری سب کا حکم معلوم ہوگیا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۷/۹/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۸/۹/۶۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رمضان/۶۴ھ۔

---

(۱) "وغالب الفضة والذهب فضةٌ وذهبٌ يعنى، فلا يصح بيع الخالصة بها ولا بيع بعضها ببعض إلا متساوياً وزناً ..... وغالب الغش ليس فى حكم الدراهم والدنانير، فيصح بيعها بجنسها متفاضلاً: أى وزناً وعدداً؛ لأن الحكم للغالب، فلا يضر التفاضل لجعل الغش مقابلاً بالفضة أو الذهب الذى فى الآخر، ولكن يشترط التقابض قبل الافتراق؛ لأنه صرف فى البعض لوجود الفضة أو الذهب من الجانبين، ويشترط فى الغش أيضاً؛ لأنه لا يتميز إلا بضرر. وكذا إذا بيعت بالفضة الخالصة أو الذهب الخالص، لابد أن يكون الخالص أكثر من الفضة أو الذهب الذى فى المغشوش، حتى يكون قدره بمثله والزائد بالغش على مثال بيع الزيتون بالزيت". (البحر الرائق: ۳۳۴/۶، كتاب الصرف، رشيديه)

(۲) "وما غلب فضته وذهبه فضةٌ وذهبٌ حكماً، فلا يصح بيع الخالص به ولا بيع بعضه ببعض إلا متساوياً وزناً ..... والغالب عليه الغش منهما فى حكم عروض اعتباراً للغالب، فصح بيعه بالخالص إن كان الخالص أكثر من المغشوش ليكون قدره بمثله والزائد بالغش". (ردالمحتار: ۲۶۵/۵، ۲۶۶، كتاب البيوع، باب الصرف، سعيد)

"وصح بيع الفلس المعين بفلسين معينين عندهما، وقال محمد: لايجوز؛ لأن الفلوس الرائجة أثمان وهو لايتعين، ولذا لاتتعين الفلوس إذا قوبلت بخلاف جنسها كالنقدين". (البحر الرائق: ۲۱۹/۶، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

"وصح أيضاً بيع درهم صحيح ودرهمين غلة بدرهمين صحيحين ودرهم غلة". (النهر الفائق: ۵۳۶/۳، كتاب الصرف، مكتبه امداديه ملتان)

(وكذا فى الهداية: ۱۱۰/۳، كتاب الصرف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى فتح القدير: ۱۵۱/۷، كتاب الصرف، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۱۹/۳، كتاب البيوع، الباب الثانى فى أحكام العقد، رشيديه)

نوٹ کی بیع کمی بیشی سے

سوال[۷۹۰۰]: بٹہ داری جائز ہے کہ نہیں یعنی کہ ایک روپیہ کے دام کسی سے لیتا ہو تو وہ روپیہ لیتا ہے اور اس کو ساڑھے پندرہ آنے واپس کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ روپیہ اس کو لینا جائز ہے یا سود لینا ہوگا، یا نوٹ دے کر پندرہ آنے لیتا ہے تو یہ ایک آنہ رکھ لیتا ہے لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نورالدین مچھرسنگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب چاندی کی بیع چاندی کے عوض کی جائے تو اس میں کمی زیادتی ناجائز ہے، اگر چاندی کی بیع چاندی کے علاوہ کسی دوسری شئ کے ساتھ کی جائے خواہ وہ سونا ہو خواہ سلور، پیتل، تانبا وغیرہ کچھ ہو تو اس میں برابری شرط نہیں، بلکہ کمی زیادتی جائز ہے(۱)، اور پیسہ اصلِ خلقت کے اعتبار سے ثمن نہیں بلکہ متعاقدین نے اصطلاحاً اس کو ثمن قرار دیا ہے اور اس کا رواج ہوگیا ہے، لہٰذا شرعاً اس کی بھی گنجائش ہے کہ زید وعمر جب فلوس کی بیع کریں تو مروجہ ثمنیت کا اعتبار ساقط کر کے اپنی بیع میں علیٰحدہ یعنی رواج کے علاوہ فلوس کی قیمت متعین کرلیں:

"واعلم أن الفلوس ليست بثمن فى الأصل، وإنما ضربت لتقام مقام الكسور من الفضة لحاجة الناس إلى ذلك فى شراء الدراهم اه". در منتقى: ٤/١٢٣(٢)۔

"وكذا فى الفلوس: أى يصح السلم فيها عدداً؛ لأن الثمنية ليست خلقية، وإنما الجواز فيها بالاصطلاح، فللعاقدين إبطالها، خلافاً لمحمد؛ لأنها أثمان. وفى البحر: وظاهر الرواية عن الكل الجواز، اه". مجمع الأنهر: ٢/٩٨(٣)۔

---

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (الصحيح لمسلم: ٢/٢٥، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمى)

(وسنن ابن ماجة، ص: ١٦٣، أبواب التجارات، قديمى)

(٢) (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ٣/١٧١، كتاب الصرف، غفاريه كوئٹه)

(٣) (مجمع الأنهر: ٣/١٣٩، كتاب البيوع، باب السلم، غفاريه كوئٹه) ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

ایک روپیہ کا نوٹ دے کر ۱۵/ آنہ لینا درست نہیں کیونکہ نوٹ کی خود قیمت ایک روپیہ یا ۱۵/ آنہ نہیں، بلکہ یہ ایک حوالہ اور رسید ہے(۱)، جتنے کی یہ رسید ہے اتنا ہی لیا دیا جاسکتا ہے اس میں کمی زیادتی جائز نہیں، ورنہ بدل قرض میں زیادتی کمی لازم آئے گی جو کہ ربا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

نوٹ بمنزلۂ روپے کے ہے

سوال[۷۹۰۱]: موجودہ دور میں بیع صحیح کی شرعی پابندی کس طرح کی جائے جبکہ خریداری نوٹوں سے کی جاتی ہے جس سے چاندی سونا بھی خریدا جاتا ہے، ایک وقت میں ایک مقام پر خریداری نہیں ہوتی، قیمت میں دین بذریعہ چیک دیا جاتا ہے، یا وی پی سے بھی کیا جاتا ہے، اس حالت میں بیع شرعی کے شرائط پورے نہیں ہوتے، ورنہ کرنے والا گنہگار رہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب جبکہ روپیہ کا وجود بہت کم ہوگیا ہے گویا کہ نایاب ہوگیا تو نوٹ کو ہی بمنزلہ روپیہ کے قرار دیدیا گیا کہ سارا کاروبار اب نوٹ ہی سے ہوتا ہے، اگر نوٹ کی وہی اصل حیثیت (حوالہ) رہے تو عام مخلوق حرجِ عظیم

= مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ: ''فقہاء کی دلیل "لأن الثمنية تثبت في حقهما باصطلاحهما، فتبطل بإبطالهما". مخدوش ہے، ممکن ہے کہ فقہائے کرام کے زمانے میں ایسا ہی ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں مقدمۂ اُولیٰ کی صحت غیر مسلّم ہے، بلکہ "الثمنية تثبت بقانون الحكومة، ولا ترتفع إلا بقانون الحكومة". اس لئے جواز في الفلوس النافقه کا فتویٰ دینا مشکل ہے''۔ (كفاية المفتي: ۵۹/۸، باب السلم، فلوس میں بیع سلم کا حکم، دار الإشاعت کراچی)

اس لئے فلوس کی ثمنیت کو ساقط کر کے علیٰحدہ قیمت مقرر کر کے بیع کرنے کا جواز مشکل ہے۔

(۱) لیکن موجودہ نوٹ کی حیثیت حوالہ کی نہیں، بلکہ ثمن عرفی کی ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ بعنوان: ''نوٹ بمنزلہ روپے کے ہے''، میں مفتی صاحب نے موجودہ نوٹ کو ثمن قرار دیا ہے۔

میں مبتلا ہوگی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

حج میں نوٹ کا تبادلہ کمی زیادتی سے

سوال[۷۹۰۲]: عام ملکوں کی حکومتوں کا دستور ہے کہ وہاں کی حکومت سعودیہ عربیہ میں حاجیوں کو خرچ کے لئے ایک خاص قسم کا نوٹ دیتی ہے جو سعودیہ عربیہ میں گراں قیمت پر فروخت ہوتا ہے، تو کیا حج کا سو روپے والا نوٹ اس ملک کے دوسرے نوٹ سے کمی زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ نوٹ حکومت سعودیہ عربیہ میں چلانے کے لئے دیا جاتا ہے، اس کو اپنے ملک میں زیادہ قیمت پر چلانا درست نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ڈالر کی بیع کمی زیادتی سے

سوال[۷۹۰۳]: زید سعودیہ عربیہ میں ملازمت کے دوران ڈالر (کرنسی) خریدتا ہے اور ہندوستان

---

(۱) "وبالجملة صارت هذه الأوراق اليوم كالنقود، ويطلق عليها اسم النقد والعملة فى العربية والإنكليزية والأردية ..... فالذى أرىٰ أن القول بثمنيتها أصبح قوياً منذ أن جعلتها الحكومات أثماناً قانونيةً، وجبرت الناس بقبولها عند اقتضاء ديونهم". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۲۰، باب تحريم مطل الغنى، دارالعلوم كراچى)

"فالذى أراه حقاً وأدين الله عليه: أن حكم الورق المالى كحكم النقدين فى الزكاة سواء بسواء؛ لأنه يتعامل به كالنقدين تماماً، ولأن مالكه يمكنه صرفه وقضاء مصالحه به فى أىّ وقت شاء، فمن ملك النصاب من الورق المالى ومكث عنده حولاً كاملاً، وجبت عليه زكاته". (شرح الفتح الربانى: ۸/۲۵۱، آخر باب الزكاة الذهب والفضة)

(وكذا فى بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، ص. ۱۵۹، دارالعلوم كراچى)

(۲) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قانونِ حکومت کو مدنظر رکھ کر "درست نہیں" فرمایا، ورنہ ان نوٹوں کا دوسرے ملک کے نوٹوں سے نفسِ تبادلہ میں بظاہر کوئی حرج نہیں، كما سيأتى تخريجه تحت المسئلة الآتية آنفاً.

Made searchable using ScribeTools.com

میں جہاں بھی اس کو ڈالر کا بھاؤ اچھا ملتا ہے اسے فروخت کر دیتا ہے، ایسا کرنے پر اس کو بینکوں کے سرکاری بھاؤ سے کہیں زیادہ فائدہ ڈالر میں مل جاتا ہے۔ کیا اس کو ایسا کرنا جائز ہے جبکہ ہندوستان کی حکومت غیر اسلامی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ڈالر کی حیثیت وہ ہے جو کہ انڈیا میں نوٹ کی ہے، یہ اصالۃً وہ رسید اور حوالہ تھا، اس رقم کا جو اس میں درج ہے کہ اس کے ذریعہ رقم وصول کی جاسکتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ اب رقم تقریباً معدوم ہو چکی اور سب جگہ نوٹ ہی رقم کی طرح مستعمل ہے، پس یہ نوٹ بھی اب مبیع بن چکا ہے، اس کی بیع کمی زیادتی کے ساتھ درست ہے تو ڈالر کی بیع بھی کمی زیادتی کے ساتھ درست ہے، مگر اس کا خیال رہے کہ یہ قانونی جرم نہ ہو جس سے عزت اور مال دونوں خطرہ میں پڑ جائیں (۱)۔ اگر ڈالر کی حیثیت وہ نہیں جو ہندوستان میں نوٹ کی ہے تو اس کا حکم بھی

---

(۱) "وأما العملة الأجنبية من الأوراق فهي جنس آخر، فيجوز مبادلتها بالتفاضل، فيجوز بيع ثلاث ربيات باكستانية بريال واحد سعودي. ثم إن العملات المختلفة لها قيمة معهودة في البنوك والدوائر الحكومية، فهل تجوز المبادلة بأكثر أو أقل من هذه القيمة المعهودة كما يفعل ذلك في السوق السوداء؟ والجواب: أننا لما اعتبرنا العملة الأجنبية جنساً آخر، فالأصل أن التفاضل في مثله جائز شرعاً بالغاً مّا بلغ، فلا تكون المبادلة على خلاف سعرها الحكومي ربا، ولكن يمنع من ذلك، لكونه مخالفةً لأولي الأمر إذا كانت الحكومة إسلاميةً، ولكونه عرضاً للنفس لعقوبات قانونية إذا كانت الحكومة غير إسلامية". (تكملة فتح الملهم: ۱/ ۵۹۰، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، حكم الأوراق النقدية، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، دارالعلوم كراچی)

"وإذا عدم الوصفان: الجنس والمعنى المضموم إليه، حل التفاضل والنسأ لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة. وإذا وُجدا، حرم التفاضل والنسأ لوجود العلة. وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر، حل التفاضل وحرم النسأ". (الهداية: ۳/ ۸۱، باب الربا، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

Made Searchable by ScribeTools.com

دوسرا ہوسکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

ڈالر کم زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال[۷۹۰۴]: ملیشیا میں ایک سو ڈالر کی قانونی قیمت ۲۴۵/ روپے ہندوستانی ہے، مگر بلیک مارکیٹ میں ۱۰۰/ ڈالر کی قیمت ۳۵۰/ روپیہ ہے، کبھی زیادتی بھی ہوتی ہے۔تو یہ زائد قیمت لے کر ڈالر دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کا روپیہ اور ملیشیا کا روپیہ برابر نہیں ہے، جو نرخ گورنمنٹ نے مقرر کر رکھا ہے وہ ایک قانونی چیز ہے، اس سے کم زیادہ پر فروخت کرنے میں جو روپیہ حاصل ہوگا وہ روپیہ شرعاً جائز ہوگا، مگر قانون کی رعایت بھی رعایا کے ذمہ لازم ہے کہ اس کے خلاف کرنے سے روپیہ وعزت دونوں کا خطرہ ہے، عزت کی حفاظت بھی شرعاً ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۸۸ھ۔

غیر ملکی پونڈ وغیرہ کی بیع

سوال[۷۹۰۵]: ممالکِ غیر سے پاؤنڈ کی شکل میں لندن بینک کا ڈرافٹ ہندوستان آتا ہے، اس ڈرافٹ کا گورنمنٹ آف انڈیا نے جو بھاؤ متعین کیا ہے اس بھاؤ سے انڈیا کی بینک میں ڈرافٹ کو نہ توڑواتے ہوئے خانگی تاجروں کے ہاں گورنمنٹ کے معینہ بھاؤ سے زیادہ رقم ملنے کی وجہ سے ڈرافٹ توڑوانا جائز ہے یا نہیں، اس فعل کا مرتکب کیسا ہے؟

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''ڈالر کی بیع کمی زیادتی سے'')

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسا کرنے پر قانونی گرفت نہیں تو اس کی گنجائش ہے(۱)، بشرطیکہ مسلم کو خسارہ نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

سونے کے سیال پانی کی بیع

سوال[۷۹۰۶]: حل (یعنی سونے کا سیال پانی تیزابی اشیاء ڈال کر سونے کو محلول کر کے بنایا جاتا ہے اور اسے جوڑی پر پوتا جاتا ہے جس سے چوڑی سنہری خوشنما معلوم ہوتی ہے) یہاں بالعموم اس کی فروخت ادھار ہوتی ہے، لیکن اس زمانہ میں جب کہ ذریعۂ خرید چاندی نہیں، بلکہ نوٹ ہے تو حل کی ادھار خرید وفروخت سود میں تو داخل نہیں، کیا عموم بلویٰ کی وجہ سے درست ہے؟

خریدار نظام۔

---

(۱) "وأما العملة الأجنبية من الأوراق فهي جنس آخر، فيجوز مبادلتها بالتفاضل، فيجوز بيع ثلاث ربيات باكستانية بريال واحد سعودي. ثم إن العملات المختلفة لها قيمة معهودة في البنوك والدوائر الحكومية، فهل تجوز المبادلة بأكثر أو أقل من هذه القيمة المعهودة كما يفعل ذلك في السوق السوداء؟ والجواب: أننا لما اعتبرنا العملة الأجنبية جنساً آخر، فالأصل أن التفاضل في مثله جائز شرعاً بالغاً مّا بلغ، فلا تكون المبادلة على خلاف سعرها الحكومي ربا، ولكن يمنع من ذلك، لكونه مخالفةً لأولي الأمر إذا كانت الحكومة إسلاميةً، ولكونه عرضاً للنفس لعقوبات قانونية إذا كانت الحكومة غير إسلامية". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۹۰، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، حكم الأوراق النقدية، دارالعلوم كراچی)

(وكذا في بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۵، ۱۶۶، دارالعلوم كراچی)

"وإذا عدم الوصفان: الجنس والمعنى المضموم إليه، حل التفاضل والنسأ لعدم العلة المحرمة، والأصل فيه الإباحة. وإذا وُجدا، حرم التفاضل والنسأ لوجود العلة. وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر، حل التفاضل وحرم النسأ". (الهداية: ۳/۸۱، باب الربا، كتاب البيوع، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) لیکن یہ شرط صحتِ بیع کے لئے لگانا مشکل ہے، کیونکہ مسلم کو خسارہ کی صورت میں بھی تراضی کے ساتھ جائز ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سودیں داخل نہیں، اس کی خرید وفروخت ادھار بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بٹہ پر نوٹ فروخت کرنا

سوال[۷۹۰۷]: گلٹ یا چاندی کا روپیہ ۲۰/ آنہ میں بیچنا کیسا ہے؟ نیز پھٹے پرانے نوٹ کو بٹے پر لینا دینا کیسا حکم رکھتا ہے؟

صوفی محمد اسحاق انصاری نصیر آباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی یا گلٹ کا روپیہ ۲۰/ آنہ یا ڈیڑھ روپے میں بیچنا شرعاً درست ہے(۲)، کم زیادہ پر پھٹا پرانا

---

(۱) "إن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فصّ أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۲۴/۳، كتاب الصرف، الباب الثانى فى العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث فى بيع الفلوس، رشيديه)

"سئل الحانوتى عن بيع الذهب بالفلوس نسيئةً، فأجاب بأنه يجوز إذا قبض أحد البدلين لما فى البزازية: لو اشترى مأة فلس بدرهم، يكفى التقابض من أحد الجانبين، ومثله ما لو باع فضةً أو ذهباً بفلوس". (رد المحتار: ۱۸۰/۵، كتاب البيوع، آخر كتاب الربا، سعيد)

"وإذا اشترى الرجل فلوساً بدراهم، ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز، وإن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، إن تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا". (المبسوط للسرخسى: ۳۳/۱۴، كتاب الصرف، باب البيع بالفلوس، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الفتاوى الكاملية، ص: ۹۴، باب الربا، دار الكتب العربية پشاور)

(وكذا فى الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۵، كتاب الصرف، رشيديه)

(۲) آنے چونکہ تانبہ کے ہوتے ہیں اس لئے چاندی کے روپیہ کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے، البتہ گلٹ کے روپیہ=

Made searchable using ScribeTools.com

نوٹ درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ناجائز ہے، کیونکہ ان کا حکم فلوسِ نافقہ کا ہے جن میں کمی بیشی کے ساتھ بیع کرنا ناجائز ہے:

"إن اشترى خاتم فضة أو خاتم ذهب فيه فص أو ليس فيه فص بكذا فلساً، وليست الفلوس عنده، فهو جائز، تقابضا قبل التفرق أو لم يتقابضا؛ لأن هذا بيع وليس بصرف". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۲۴/۳، كتاب الصرف، الباب الثانى فى أحكام العقد بالنظر إلى المعقود عليه، الفصل الثالث فى بيع الفلوس، رشيديه)

"فالصحيح الراجح فى زماننا أن مبادلة الأوراق النقدية إنما تجوز بشرط تماثلها، ولا يجوز التفاضل فيها". (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۶۴، دارالعلوم كراچى)

"بيع فلوس معينة بالتفاضل كبيع الواحد بعينه بالفلسين الآخرين بعينها، وفيه خلاف مشهور، فقال محمد رحمه الله تعالىٰ: إنه لا يجوز أيضاً ..... والذى يظهر لهذا العبد الضعيف أن قول محمد رحمه الله تعالىٰ أولى بالأخذ فى زماننا، فإنه قد نفدت اليوم دراهم أو دنانير مضروبة بالفضة أو الذهب، وصارت الفلوس بمنزلتها فى كل شئ، فلو أبيح التفاضل فيها ولو بتعينها، لانفتح باب الربا". (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۵۸۸/۱، دارالعلوم كراچى)

(۱) "عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه أن رسول الله سلى عليه وسلم قال: "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم: ۲۳/۲، ۲۴، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمى)

"عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد" (الصحيح لمسلم: ۲۵/۲، كتاب البيوع، باب الربا، قديمى)

"وفى المعراج: القذر عبارة عن العيار والجنس عبارة عن مشاكلة المعانى، اهـ. والأصل فى هذا الباب الحديث المشهور وهو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الحنطة بالحنطة، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، والذهب بالذهب، مثلاً بمثل، يداً بيد" ..... وحرم الفضل والنسأ =

سناروں سے خاک خرید کر اس سے سونا اور چاندی نکالنا

سوال[۷۹۰۸]: کچھ لوگ سناروں سے خاک خرید کر اس سے سونا چاندی نکالتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= بهما: أى بالقدر والجنس، لوجود العلة بتمامها ..... والنسأ فقط بأحدهما: أى وحرم التأخير لا الفضل بوجود القدر فقط والجنس فقط". (البحر الرائق: ۲۱۲/۶، ۲۱۳، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴۵۲/۴، كتاب البيوع، باب الربا، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱۲۱/۳، كتاب البيوع، باب الربا، غفاريه كوئٹه)

(۱) لیکن اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سونے یا چاندی کی خاک کو سونے یا چاندی کے عوض میں خریدا جائے تو پھر مساوات شرط ہے اور اگر موجودہ نوٹ کے عوض خریدا جائے تو کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے:

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: قال: "لاتبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجز". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲۴/۲، قديمى)

"عن عبدة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، التمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواء بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲۵/۲، قديمى)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۴۵۲/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب البيع، باب الربا: ۲۱۲/۶، ۲۱۳، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۲۱/۳، غفاريه كوئٹه)

Made Se[Made searchable using ScribeTools.com]ools.com

باب البیع بالوفاء

(بیع بالوفاء کا بیان)

بیع الوفاء

سوال[۷۹۰۹]: زید اپنی جائیداد بکر کے حق میں بیع قطعی کرتا ہے اور زید بکر سے یہ درخواست کرتا ہے کہ بکر زید کو یہ رعایت دیدے کہ وہ عرصۂ معینہ فریقین میں اگر زید روپیہ ادا کردے تو بکر زید کو جائیداد واپس کردے۔ آیا یہ بیع شرعاً جائز یا نہیں؟

۱۸/ اگست/ ۳۹ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیعنامہ میں یا مجلسِ عقد میں بطورِ شرط یا بطورِ وعدہ واپسی کا کوئی ذکر نہیں آیا، بلکہ جس طرح اَور لوگ شب وروز بیع وشراء کرتے ہیں، اسی طرح زید وبکر نے بھی بیع وشراء کرلی، پھر کسی دوسری مجلس میں دوسرے وقت زید نے بکر سے اس رعایت کی درخواست کرلی اور بکر نے اس کو منظور کرلیا تو شرعاً یہ بیع درست ہوگئی۔ اب زید کو قانوناً مطالبۂ واپسی کا کوئی حق باقی نہیں رہا(۱)، وہ کسی طرح بکر کو واپسی پر مجبور نہیں کرسکتا، بکر کو اس جائیداد میں

---

(۱) "والصحيح أن العقد الذى جرى بينهما إن كان بلفظ البيع، لا يكون رهناً. ثم ينظر: إن ذكرا شرط الفسخ فى البيع، فسد البيع. وإن لم يذكرا ذلك وتلفظ بلفظة البيع بشرط الوفاء أو تلفظا بالبيع الجائز. وعندهما: هذا البيع عبارة عن عقد غير لازم فكذلك، وإن ذكرا البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة، جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعيد قد تكون لازمةً فتجعل لازمةً لحاجة الناس". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۱۶۵، فصل فى الشروط المفسدة، رشيديه)

"وكذا لو تواضعا الوفاء قبل العقد ثم عقدا بلا شرط الوفاء فالعقد جائز، ولا عبرة بالمواضعة =

مالکانہ تصرف کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے، اگر چاہے تو دوسرے شخص کو ہبہ یا بیع یا رہن سب کچھ کرسکتا ہے، زید کو ان تصرفات سے روکنے کا حق حاصل نہیں۔

اور عرصہ معینہ فریقین میں اگر زید روپیہ ادا کردے تب بھی بکر کو اختیار ہے کہ وہ اگر مناسب سمجھے اور اس کی مصالح کے خلاف نہ ہو، اَور بھی کوئی مانع نہ ہو تو واپس کردے۔ اور اگر مصالح کے خلاف ہو اور نقصان ہوتا ہو تو اس کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ زید کا روپیہ لینے سے انکار کردے، غرض! قضاءً اس پر کوئی حق باقی نہیں رہا، البتہ دیانۃً اس وعدہ کا پورا کرنا بہتر ہے، تاہم اگر وعدہ کرتے وقت تو پورا کرنے کی نیت تھی، لیکن بعد میں کسی مصلحت وذاتی ضرورت یا احتمال نقصان کی بناپر پورا نہیں کرتا تو شرعاً اس پر گناہ نہیں (۱)۔

= السابقة". (جامع الفصولين: ۱/۲۳۷، اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن)

(وكذا فى الفتاوى الأنقروية: ۱/۲۹۳، فى بيع الوفاء، دار الإشاعة العربية قندهار)

(وكذا فى الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب فى بيع الوفاء: ۵/۲۷۶، ۲۷۷، سعيد)

"وعده أن يأتيه، فلم يأته، لا يأثم. قال بعض الفضلاء: فإن قيل: ما وجه التوفيق بين هذين القولين، فإن الحرام يأثم بفعله، وقد صرح فى القنية بنفى الإثم؟ قلت: يحمل الأول على ما إذا وعد وفى نيته الخلف فيحرم؛ لأنه من صفات المنافقين، والثانى على ما إذا نوى الوفاء وعرض مانع". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى، الفن الثانى، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۳۷، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "عن زيد بن أرقم رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عيله وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفى له، فلم يف ولم يجى للمعياد، فلا إثم عليه". قال الأشراف: هذا دليل على أن النية الصالحة يثاب الرجل عليها وإن لم يقترن معها المنوى وتختلف عنها، اهـ. ومفهومه أن من وعد وليس من نيته أن يفى، فعليه الإثم، سواء وفىٰ به أولم يف، فإنه من أخلاق المنافقين. ولا تعرض فيه لمن وعد ونيته أن يفى، ولم يف بغير عذر". (مرقاة المفاتيح: ۸/۶۱۵، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثانى، (رقم الحديث: ۴۸۸۱)، رشيديه)

(وكذا فى مرقاة المفاتيح: ۸/۶۲۷، ۶۲۸، كتاب الآداب، باب المزاح، الفصل الثانى، (رقم الحديث: ۴۸۹۲)، رشيديه)

(وكذا فى فيض القدير: ۲/۸۹۱، (رقم الحديث: ۷۹۴)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

Made searchable using ScribeTools.com

اگر بیعنامہ میں یا اس سے پہلے بطورِ شرط، یا بطورِ وعدہ واپسی کا ذکر آچکا ہے تو یہ بیع رہن کے حکم میں ہے، کل جائیداد جس کی بیع ہوئی ہے رہن رہے گی، بکر کو اس سے انتفاع ناجائز ہے، نہ اس کی آمدنی لے سکتا ہے، نہ اس کو بیع کرسکتا ہے، نہ اجارہ، نہ رہن، نہ ہبہ بلکہ اس جائیداد کا محض محافظ ہے، امین رہے گا اور اس کی جس قدر آمدنی ہوگی وہ بھی تمام رہن رہے گی، روپیہ وصول ہونے پر اس جائیداد کے ساتھ اس آمدنی کی بھی واپسی ضروری ہوگی۔ جس طرح بکر کو اس جائیداد سے اس عرصہ میں نفع حاصل کرنا ناجائز ہے اسی طرح زید کو بھی نفع حاصل کرنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: لعبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۶/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۵۸ھ۔

بائع یا اس کے ورثہ کو مکان دوبارہ فروخت کرنے کا معاہدہ کرنا

سوال[۷۹۱۰]: ایک مکان زید نے پانچ سو روپیہ کا خریدا اور بیعنامہ تحریری لکھے جانے کے بعد بائع نے مشتری سے یہ کہا کہ تم ایک اقرار نامہ علیحدہ اس امر کا لکھ دو کہ دس سال تک اگر بائع یا اس کے ورثہ اس کو واپس لینا چاہیں گے تو میں اسی دام پر واپس کردوں گا تاکہ ہم دونوں کا اطمینان ہوجائے۔ چنانچہ فریقین رضامند ہوگئے۔ بیعنامہ کے علاوہ ایک اقرار نامہ مضمون بالا کا لکھوایا گیا۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا مشتری کو اس مکان خریدشدہ سے منافع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

نثار احمد ٹھیکیدار، محلّہ نخاسہ، شہر سہارنپور، ۳/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

---

(۱) "وفی حاشیة الفصولین عن جواهر الفتاوی: هو أن یقول: بعت منک علی أن تبیعه منی متی جئت بالثمن، فهذا البیع باطل، وهو رهن، وحکمه حکم الرهن، وهو الصحیح. قال السید الإمام: قلت للإمام الحسن الماتریدی: قد فشا هذا البیع، وفیه مفسدة عظیمة، وفتواک أنه رهن، وأنا أیضاً علی ذلک".

(ردالمحتار: ۵/۲۷۶، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب فی بیع الوفاء، سعید)

"لا یحل له أن ینتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له فی الربا؛ لأنه یستوفی دینه کاملاً، فتبقی له المنفعة فضلاً، فیکون ربا". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۶/۴۸۲، کتاب الرهن، سعید)

(وکذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیه: ۱/۲۵۲، مکتبه میمنیه مصر)

(وکذا فی کفایة المفتی: ۸/۱۴۸، دارالإشاعت کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اولاً بیع تام اور پختہ ہوچکی، بعد میں ایک اقرار نامہ بائع اور مشتری کے درمیان بطورِ وعدہ تحریر کیا گیا ہے جس سے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا مشتری مکان کا مالک ہے اور اس مکان سے نفع حاصل کرنا مشتری کو جائز ہے:

"وفی الخیریة: فیما لوأطلق البیع ولم یذکر الوفاء، إلا أنه عهد إلی البائع أنه إن أوفی مثل الثمن یفسخ البیع معه، أجاب: هذه المسئلة اختلف فیها مشایخنا لی أقوال، ونص فی الحاوی الزاهدی: أن الفتویٰ فی ذلك أن البیع إذا أطلق ولم یذکر فیه الوفاء، إلا أن المشتری عهد إلیٰ البائع أنه إن أوفی مثل ثمنه، فإنه یفسخ معه البیع، یکون باتاً حیث کان الثمن ثمن المثل أو بغبن یسیر". ردالمحتار: ۵ /۲۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۱۲/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۵/۱۷۷، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب فی بیع الوفاء، سعید)

"ونص فی الحاوی الزاهدی: أن الفتوی فی ذلک أن البیع إذا أطلق ولم یذکر فیه الوفاء، إلا أن المشتری عهد إلی البائع بعد البیع المطلق أنه إن أوفیٰ بمثل ثمنه، فإنه یفسخ معه البیع، یکون باتاً حیث کان ثمن ثمن المثل أو بغبن یسیر". (الفتاوی الکاملیة ص: ۸۳، مطلب فی بیع الوفاء، حقانیه پشاور)

"إذا أطلق البیع لکن وکل المشتری وکیلاً بفسخ البیع إذا أحضر البائع الثمن أو عهد علی أنه إذا أوفاه فسخ البیع، والثمن لایعادل المبیع، وفیه غبن فاحش، أو وضع المشتری علی أصل المال ربحاً بأن وضع علی مأة عشرین دیناراً، فرهن. وإن کان بلا وضع ربح بمثل الثمن أو بغبن یسیر، فبات". (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۰۷، کتاب البیوع، نوع فیما یتصل بالبیع الفاسد، رشیدیه)

(وکذا فی الحاشیة الجلیلة بذیل جامع الفصولین: ۱/۲۳۶، الفصل الثامن عشر فی بیع الوفاء، اسلامی کتب خانه بنوری ٹاؤن کراچی)

Made searchable using ScribeTools.com

زمین کم قیمت میں واپس کرنے کا وعدہ کرکے بعد میں انکار کرنا

سوال[۷۹۱۱]: زید نے دس پندرہ آدمیوں کے سامنے یہ اقرار کیا کہ میں تمہاری زمین دو ہزار کم میں واپس کردوں گا، کیونکہ اس نے کچھ روپیہ کے بدلہ میں عمر کی زمین لے رکھی تھی اور مدت کوئی متعین نہیں تھی، یہ اقرار تھا کہ جب تو چاہے واپس لے سکتا ہے، اب عمر کے پاس پیسہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی زمین کو واپس لے، اب زید انکار کرتا ہے زمین واپس نہیں کرتا ہے۔ تو زید کا یہ قبضہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے وہ زمین رہن رکھی تھی تو اس کو اس زمین سے نفع حاصل کرنا اور اس کی پیداوار لینا جائز نہیں تھا(۱)، نیز دو ہزار کم کی شرط بھی بیکار اور غیر معتبر تھی، اس کو حق تھا کہ اپنا پورا قرض وصول کرکے زمین واپس کردیتا، اور اب لازم ہے کہ زمین واپس کردے۔ لیکن اگر زمین خریدی تھی اور اس میں یہ شرط تھی کہ دو ہزار کم میں واپس کردے گا، یہ بیع فاسد تھی(۲)، اس کا فسخ کرنا لازم ہے(۳)۔ اگر بیع میں تو شرط نہیں بلکہ بیع مکمل ہونے کے بعد علیحدہ اقرار کیا تھا، تو یہ وعدہ تھا جس کو پورا کرنا اخلاقاً زید کے ذمہ ہے(۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) "لا يحل له أن ينتفع بشئ منه بوجهٍ من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له فی الربا؛ لأنه يستوفی دينه كاملاً، فتبقی له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۸۲/۶، كتاب الرهن، سعيد)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۲۷۳/۴، كتاب الرهن، غفارية كوئٹه)

(۲) "ولا بيع بشرطٍ لايقتضيه العقد ولا يلائمه، وفيه نفع لأحدهما أو لمبيع، وهو من أهل الاستحقاق". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۸۴/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "ويحب علی كل واحد منهما فسخه قبل القبض أو بعده مادام المبيع بحاله فی يد المشتری إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۹۰/۵، ۹۱، سعيد)

(۴) "لو ذكرا البيع بلا شرط، ثم ذكرا الشرط علی وجه العقد، جاز البيع، ولزم الوفاء بالوعد؛ إذ المواعيد قد تكون لازمةً، فيجعل لازماً لحاجة الناس". (ردالمحتار: ۸۴/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فی البيع بشرط فاسد، سعيد) ..... =

Made Searchable by ScribeTools.com

دس سال کی مدت تک مکان فروخت کرنا

سوال[۷۹۱۲]: میں نے اپنی جائیداد سکنائی قیمتی مبلغ دو ہزار روپیہ بوجہ ضرورت خرچ خانگی مبلغ نوسو روپے میں ایک شخص کو اس شرط پر بیع کردی کہ مبلغ نوسو روپیہ مذکورہ بالا دس سال کے اندر ادا کردوں تو مشتری مذکور بیع واپس کردے گا اور میرے حق میں بیعنامہ تحریر کردے گا، بدیں وجہ مشتری مذکور نے ایک اقرار نامہ بھی تحریر کرکے رجسٹری کرادیا کہ وہ دس سال کے اندر اپنا روپیہ لے کر بیع واپس کردے گا اور مشتری مذکور دس سال تک فائدہ آمدنی کرایہ وغیرہ سے اٹھاتا رہے گا۔

لہٰذا یہ مسئلہ دریافت طلب ہے کہ بیع مذکورہ جو کہ میعادی ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ دیگر یہ کہ مشتری جو کہ ہر ماہ میں آمدنی کرایہ وغیرہ وصول کرکے فائدہ اٹھاتا ہے وہ بھی جائز ہے یا ناجائز؟

محمد رفیع، ۵/ جولائی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً یہ بیع صحیح نہیں ہوئی، بلکہ یہ رہن کے حکم میں ہے(۱) اور مشتری کو- جو کہ درحقیقت مرتہن ہے- اس

= (وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۷/۳، إدارة القرآن كراچی)

وكذا في مرقاة المفاتيح: ۶۱۴/۸، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني، رشيديه)

(۱) "وفي حاشية الفصولين: هو أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن، فهذا بيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (ردالمحتار: ۲۷۶/۵، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد)

"أقول: وفي جواهر الفتاوى، في الباب الأول: بيع الرفاء أن يقول: بعت منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن. قال رضي الله عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا، وهو الصحيح. وذكر الإمام محمد بن الفضل البخاري هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملك إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين: ۲۳۴/۱، الفصل الثامن عشر، اسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۳۶۰/۸، كتاب البيع، الفصل العشرون في البيعات المكروهة، غفاريه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

جائیداد سے میعادِ مذکور میں نفع حاصل کرنا جائز نہیں (۱)، جس قدر آمدنی ہوگی، وہ اصل مالک یعنی بائع کی ہوگی جو کہ درحقیقت راہن ہے اور وہ آمدنی بھی جائیداد مذکور کے ساتھ رہن رہے گی (۲)، اصل مالک جبکہ مبلغ نوسو روپیہ- جو کہ صورت مسئولہ میں زرِرہن ہے- واپس کردے گا، اس وقت اس جائیداد اور اس کی آمدنی کے واپس لینے کا حق دار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

عبداللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۳/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

ایضاً

سوال[۷۹۱۳]: زید نے اپنا مکان عمر کے ہاتھ فروخت کردیا اور دستاویز بیع قطعی کی رجسٹری کرادی اور دستاویز کے ساتھ ہی ایک اقرار نامہ عمر سے تحریر کرالیا کہ جو روپیہ زید نے عمر سے وصول کیا ہے، اگر وہ دس سال کے بعد زید عمر کو واپس کردے تو عمر زید کو مکان واپس کردے گا، اور بعد گذر جانے دس سال کے زید کو عمر سے مکان واپس لینے کا کوئی حق نہ ہوگا، مرمت، شکست وریخت دس سال تک عمر کے ذمہ رہے گی۔ ایسی صورت میں عمر کو اس مکان کا کرایہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بیع ہونے سے پہلے اقرار نامہ کی شرائط طے کرلی جاتی ہیں۔

المستفتی: عبدالکریم پسر حاجی رحیم بخش، سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ شرطیں ایجاب وقبول بیع سے پہلے کی گئی ہیں، یا بیع کے ساتھ کی گئی ہیں تو ان دونوں کا ایک

---

(۱) "ولا ينتفع المرتهن استخداماً وسكنى ولبساً وإجارةً وإعارةً؛ لأن الرهن يقتضى الحبس إلى أن يستوفى دينه دون الانتفاع". (البحر الرائق: ۶/۳۸۰، كتاب الرهن، رشيديه)

(۲) "ونماء الرهن كالولد والثمر واللبن والصوف والوبر والأرش ونحو ذلك للراهن، لتولده من ملكه، وهو رهن مع الأصل تبعاً له". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۵۲۱، كتاب الرهن، باب الرهن يوضع على يد عدل، فصل فى مسائل متفرقة، سعيد)

(وكذا فى ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۳۰۴، كتاب الرهن، فصل فى المتفرقات، غفاريه كوئٹه)

حکم ہے(۱)، اگر بیع قطعی کی گئی اور پھر شرطیں لگادی گئیں تب بھی امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان شرطوں کا ایسا ہی حال ہے جیسا کہ نفسِ بیع میں لگالینے سے ہوتا۔ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بیع ہوگئی اور یہ اقرار نامہ علیحدہ ہے(۲)، اُس کا پورا کرنا دیانۃً ضروری ہے، اگر پورا نہیں کرے گا تو وعدہ خلاف کہلائے گا(۳)، اس سے بیع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کو راجح بتایا ہے:

"لو شرط بعد العقد يلتحق بالعقد عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، اه". درمختار۔

"فيصير بيع الوفاء كأنه شرط في العقد. وقدمنا في البيع الفاسد ترجيح قولهم، لعدم التحاق

---

(۱) وہ حکم یہ ہے کہ یہ معاملہ بیع باطل اور بجمیع احکامہ رہن ہے:

"هو أن يقول: بعتُ منك على أن تبيعه مني متى جئتُ بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار: ۲۷۶/۵، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفا، سعيد)

(وكذا في حاشية جامع الفصولين: ۲۳۴/۱، الفصل الثاني عشر في بيع الوفاء وأحكامه وشرائطه وأقسامه، اسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن)

(۲) "وقيد بكون الشرط مقارناً للعقد؛ لأن الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد، قيل: يلتحق عند أبي حنيفة، وقيل: لا، وهو الأصح". (البحر الرائق: ۱۴۲/۶، كتاب البيع، باب البيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا في جامع الفصولين: ۳۲۲/۲، الفصل التاسع والثلاثون، اسلامي كتب خانه بنوري ٹاؤن)

(وكذا في النهر الفائق: ۴۳۵/۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۳/۲، كتاب البيوع، باب الخيار، رشيديه)

(۳) "الخلف في الوعد حرام". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

"قال النووي رحمه الله تعالىٰ: أجمعوا على أن من وعد إنساناً شيئاً ليس بمنهيٍّ عنه، فينبغي أن يفي بوعده". (مرقاة المفاتيح: ۶۲۷/۸، ۶۲۸، كتاب الآداب، باب المزاح، الفصل الثاني، رشيديه)

(وكذا في فيض القدير: ۸۹۱/۲، (رقم الحديث: ۸۹۴)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

Made searchable using ScribeTools.com

الشرط المتأخر من العقد به، اھ". شامی: ٤/٣٧٥(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۴/۱۰/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۴/۱۰/۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۵/شوال/۶۰ھ۔

مکان فروخت کر کے دوبارہ خریدنے کا معاہدہ

سوال[۷۹۱۴]: زید مجبوری کی وجہ سے بکر کے نام اپنا مکان فروخت کرتا ہے اور رجسٹری بھی کراتا ہے، اس طریقہ پر کہ اگر مجھے سہولت ہوگی تو ایک سال بعد رقم ادا کر کے حاصل کرلوں گا اور یہ مکان بکر کا ہوگا۔ کیا یہ طریقہ جائز ہے اور بکر کا زید کے اس مکان کو اپنے تصرف میں لانا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا بیعِ فاسد ہے، بلکہ یہ رہن کے حکم میں ہے، اس کو بیع الوفاء کہتے ہیں، وہ مکان رہن ہوگا(۲)، اس سے نفع اٹھانا مرتہن کو درست نہیں ہوگا۔ لیکن اگر بیع تو بلاشرط کے کرلی جائے، اس کے بعد دوسری مجلس میں پھر واپسی کا معاہدہ کرلیا جائے تو بیع درست ہوجائے گی(۳) اور مدتِ معینہ میں رقم ادا

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب: فی بیع الوفاء: ۵/۲۷۸، سعید)

(۲) "ھو أن یقول: بعتُ منک علی أن تبیعه منی متی جئتُ بالثمن، فھذا البیع باطل، وھو رھن، وحکمه حکم الرھن، وھو الصحیح". (رد المحتار: ۵/۲۷۶، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب فی بیع الوفاء، سعید)

(وکذا فی المحیط البرھانی فی الفقه النعمانی، کتاب البیع، الفصل الخامس والعشرون فی البیاعات المکروھة والأرباح الفاسدة: ۸/۲۶۰، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی حاشیة جامع الفصولین: ۱/۲۳۴، الفصل الثامن عشر فی بیع الوفاء وأحکامه وشرائطه وأقسامه، اسلامی کتب خانه، بنوری ٹاؤن کراچی)

(۳) "لو أطلق البیع ولم یذکر الوفاء إلا أنه عھد إلی البائع أنه إن أوفیٰ مثل الثمن، یفسخ البیع معه؟ أجاب: ھذه المسئلة اختلف فیھا مشایخنا علی أقوال، ونص فی الحاوی الزاھدی: أن الفتوی فی ذلک أن البیع إذا أطلق ولم یذکر فیه الوفاء، إلا أن المشتری عھد إلی البائع أنه إن أوفیٰ مثل ثمنه، فإنه یفسخ

کرنے پر حسبِ معاہدہ وہ مکان واپس کرنا اخلاقاً لازم ہوگا (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۴/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/ ۷/ ۸۷ھ۔

زمین بیچ کر دوبارہ لینے کا دل میں خیال رکھنا

سوال[۵۹۱۷]: زید اپنی مجبوری کی بناء پر بکر سے ایک بیگھ زمین کو مناسب قیمت پر لے کر رجسٹر آفس جا کر بکر کو رجسٹری کر دی اور بکر اس کا مالک بن کر زمین کو آباد کرتا ہے، دوبارہ زمین واپس لینے کی شرط بھی نہیں رہتی ہے، مگر دل میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ معاملہ، معاہدہ کا ہو جس میں واپسی کی شرط نہیں تھی تو یہ بیع صحیح ہوگئی (۲)، پھر زبانی وعدہ خارج سے ہوا، اس کی تکمیل اخلاقاً کر دی جائے: "لأن الخلف فی الوعد حرام". الأشباہ والنظائر (۳)۔ لیکن بیع کو زبردستی واپس لینے کا حق نہیں۔ اگر وعدہ نفسِ بیع میں داخل ہے تو یہ بیع بالوفاء ہے جس کے متعلق شامی نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں راجح یہ ہے کہ یہ صورۃً بیع ہے، مگر معنیً رہن ہے (۴)۔شئ مرہون سے انتفاع مرتہن کو

= معه البيع، يكون باتاً حيث كان الثمن ثمن المثل أو بغبن يسير". (رد المحتار: ۵/۲۷۷، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب فی بيع الوفاء، سعيد)

(وكذا فی الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۸۳، مطلب فی بيع الوفاء، حقانيه پشاور)

(وكذا فی الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۷، كتاب البيوع، نوع فيما يتصل بالبيع الفاسد، رشيديه)

(وكذا فی حاشية جامع الفصولين: ۱/۲۳۶، الفصل الثامن عشر فی بيع الوفاء وأحكامه وشرائطه وأقسامه، اسلامی كتب خانه بنوری ٹاؤن)

(۱) (راجع، ص: ۲۶۱، رقم الحاشية: ۲)

(۲) (راجع، ص: ۲۶۳، رقم الحاشية: ۱)

(۳) (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموی: ۳/۲۳۷، إدارة القرآن كراچی)

(۴) (راجع، ص: ۲۶۳، رقم الحاشية: ۳)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

جائز نہیں (۱)، لہٰذا اتنی مدت میں جو کچھ مال بطورِ نفع حاصل کیا ہے اس کو واپس کردے، یا اس کی قیمت میں جو کہ درحقیقت قرض ہے محسوب کرلے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل رسالہ ہے اس مسئلہ پر جس کا نام "الفلك المشحون" اس میں مفصل طور سے دلائل مذکور ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۸۹ھ۔

کٹ قبالہ کا حکم

سوال[۷۹۱۶]: ہمارے یہاں کٹ قبالہ کا عام رواج ہوگیا ہے، اس کی حقیقت وہی ہے جو بیع الوفاء کی ہے، یعنی لوگ بمجبوری روپیہ اپنی مملوکہ اراضی کا کل یا بعض کو اس شرط پر کہ مثلاً دس، گیارہ برس کی مدت میں جب واپس کردیئے جائیں گے تو زمین واپس کردی جائے (فروخت کرتے ہیں) اور اس وقت تک زمین سے برابر مشتری نفع اٹھاتا رہتا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمین کی بیع واپسی کی شرط پر کی جاتی ہے تو شرعاً یہ بیع نہیں، بلکہ یہ رہن ہے، اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے، واپسی کی مدت تک جو آمدنی مشتری نے حاصل کی ہے، وہ درست نہیں بلکہ سود ہے:

"صورته أن يبيعه العين بألف على أنه إذا رد عليه الثمن رد عليه العين". درمختار۔ "وفي حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوى: هو أن يقول: بعتُ منك على أن تبيعه مني متىٰ جئتُ بالثمن، فهٰذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". شامي: ٤/ ٣٤١(٢)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن ولا إجارته ولا إعارته". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲۷۳/۴، كتاب الرهن، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۳۸/۸، كتاب الرهن، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵۲۳/۶، كتاب الرهن، باب الرهن يوضع على يد عدل، فصل في مسائل متفرقة، سعيد)

(۲) (رد المحتار: ۲۷۶/۵، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء، سعيد) ..... =

بیع الوفاء کی ایک صورت

سوال[۷۹۱۷]: زید نے بکر سے کہا کہ بعوض سترہ سو روپیہ رقبہ دو بیگہ زمین گروی لے لو، بکر نے جواباً کہا کہ میں اس طرح خلاف شرع گروی کی زمین اپنی تحویل میں نہیں لے سکتا، اگر تمہاری مرضی ہو پچھتر سال کے واسطے بطور معاملہ پندرہ سو روپیہ مجھ سے لے کر اپنی دو بیگہ زمین میرے قبضہ میں دیدو اور سالانہ بیس روپے کے حساب سے دو بیگہ کا معاملہ ادا شدہ رقم سے منہا کرتے جاؤ، اگر اس عرصہ میں کسی وقت تم کو ضرورت لاحق ہو تو منہا شدہ رقم کے علاوہ باقی زر مجھے واپس کر کے اپنی زمین لے سکتے ہو، ہمارا اس پر کسی طرح کا حق دنیاوی وشرعی نہ ہوگا، مثلاً دس سال تک تم دوصد روپیہ معاملہ کا منہا کر چکے ہو۔

اب تیرہ سو روپیہ باقی ہے، اس موقع پر تمہاری رائے واپسی کی ہو تو وہ تیرہ سو روپیہ کی رقم دے کر اپنی زمین چھوڑا سکتے ہو اس عرصہ تک کاشتکاری اور اس کا نفع ہمارا مال ہوگا۔

زید نے اس موجودہ صورت پر معاملہ طے کیا اور رقم بکر سے لے لی اور زمین بکر کے حوالہ کردی، مگر کاغذات پٹواری میں اس کا اندراج بلفظ رہن ہوا ہے اور عاقدین کا منشاء رہن کا نہیں ہے۔ اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ موجودہ صورت مذکورہ بالا ٹھیکہ ہے یا رہن؟ جواب سے مشرف فرمادیں۔

اس صورت میں بعض اس کو ٹھیکہ شمار کرتے ہیں اور بعض دیگر رہن۔ پس واضح فرمایا جائے۔ نیز ٹھیکہ اور رہن کا فرق یا مابہ الامتیاز کیا ہے، جس سے ہم لوگوں کو آئندہ دونوں کا فرق معلوم ہوجائے؟ نیز امام احمد رحمہ اللہ

= "أن البيع الذى تعارف عليه أهل سمرقند، وسموه بيع الوفاء تحرزاً عن الربا فى الحقيقة رهنٌ، والمبيع فى يد المشترى كالرهن فى يد المرتهن، لايملكه ولا يحل الانتفاع به". (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، كتاب البيع، الفصل الخامس والعشرون، فى البياعات المكروهة والأرباح الفاسدة: ۸/۲۶۰، غفاريه كوئٹه)

"أقول: وفى جواهر الفتاوى فى الباب الأول: بيع الوفاء أن يقول: بعت منک على أن تبيعه منى متى جئتُ بالثمن. قال رضى الله تعالىٰ عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكر، وهو الصحيح، ذكر الإمام محمد بن الفضل البخارى هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملک إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين. ۲/۲۳۴، الفصل الثامن عشر فى بيع الوفاء، اسلامى كتب خانه بنورى ٹاؤن)

Made searchable using ScribeTools.com

تعالیٰ انتفاع بالمرہون کے کس بناء پر قائل ہوتے ہیں، جبکہ تصریحاتِ علمائے ثلٰثہ کی اس کے خلاف ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عقد کا حاصل یہ ہے کہ مالکِ زمین زید نے اپنی زمین بکر کو کرایہ پر دی ہے اور رقم مذکور بطورِ کرایہ طے کر کے پیشگی وصول کر لی، مجموعی رقم کے ساتھ ہر سال کا کرایہ بھی ظاہر کر دیا اور بکر نے زید کو یہ بھی اختیار دیدیا کہ اگر مدتِ مذکورہ سے قبل اس معاملہ کو فسخ کرنا چاہو اختیار ہے، بقیہ رقم پیشگی وصول شدہ سے، واپس کر دی جائے گی۔

یہ معاملہ شرعاً کرایہ اور ٹھیکہ ہے، رہن نہیں (۱)، مگر حیلہ کی صورت ہے، اس لئے بوقتِ ضرورت ایسی صورت پر عمل کرنا شرعاً درست ہے (۲)۔ رہن میں شئ مرہون کو محض وثوق کے لئے مرتہن کے پاس رکھا جاتا ہے (۳) اور ٹھیکہ کا حاصل ہے "تمليك المنفعة بالعوض". جو کہ رہن میں قطعاً مفقود ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا استدلال اس حدیث سے ہے:

"عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم: "لبن الدر يحلب بنفقة

---

(۱) "هى (أى الإجارة) بيع منفعة معلومة بعوض معلوم دَين أو عين. وما صلح ثمناً، صلح أجرةً". (ملتقى الأبحر، كتاب الإجارة: ۳/۵۱، غفاريه كوئٹه)

"هى تمليك نفع بعوض، وكل ما صلح ثمناً، صلح أجرةً". (الدرالمختار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) "وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام، أو ليتوصل بها إلى حلال، فهى حسنة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۹۰، كتاب الحيل، الفصل الأول فى بيان جواز الحيل وعدم جوازها، رشيديه)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "فهو فك عسرة الطلب عن الراهن، ووثوق قلب المرتهن بما يحصل ماله". (البحر الرائق: ۸/۴۲۷، ۴۲۸، كتاب الرهن، رشيديه)

"ولأنه عقد وثيقة لجانب الاستيفاء، فيعتبر بالوثيقة فى طرف الوجوب، وهى الكفالة". (الهداية: ۴/۵۱۳، كتاب الرهن، مكتبه شركت علميه ملتان)

إذا كان مرهوناً، والظهر يركب بنفقة إذا كان مرهوناً، وعلى الذى يحلب ويركب النفقةُ، اھ".

ابوداؤد نے اس کی تخریج وتصحیح کی ہے(۱)۔اور بذل المجہود:۴/۲۹۴، میں بڑی تفصیل سے اس حدیث پر کلام کرکے اس کا محمل بیان کیا ہے جو کہ ائمۂ ثلاثہ کے خلاف نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۶/ ربیع الثانی/۶۴ھ۔

میعادی بیع اور اس کا نفع

سوال[۷۹۱۸]: ۱.....کریم بخش نے ایک مہاجن سے چار سو روپے سود پر قرض لئے اور اصل وسود کل پانچ سو روپئے ہوگئے۔کریم بخش نے مہاجن سے دوسو پچاس روپے میں اپنا حساب بیباق کرنا طے کرلیا اور مہاجن کو دوسو پچاس روپے دینے کے لئے اپنا مکان عمر کو تین سو روپے میں کردیا اور عمر سے ایک اقرار نامہ لکھوالیا کہ وہ اس کے تین سو روپے واپس کرنے پر مکان اس کو واپس کردے گا، اور چھ ماہوار کرائے کا ایک ٹھیکہ نامہ لکھ کر عمر کو دے دیا۔سوال یہ ہے کہ بیعنامہ میعادی جائز ہے یا ناجائز؟

۲.....یہ کہ چھ روپے ماہوار کریم بخش سے عمر کو کرایۂ مکان لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (سنن أبی داؤد: ۲/۱۴۱، كتاب البيوع، باب فی الرهن، إمداديه ملتان)

(۲) "وقد اختلف العلماء فی تأويله، فقال أحمد بن حنبل: للمرتهن أن ينتفع بالرهن بالحلب والركوب بقدر النفقة ..... وقال الشافعی وأبوحنيفة ومالک وجمهور العلماء رحمهم الله تعالىٰ: لاينتفع من الرهن بشئ، بل الفوائد للراهن والمؤن عليه ..... قال الحافظ فی الفتح: وأجاب الطحاوی عن الحديث بأنه محمول على أنه كان قبل تحريم الربوا، ولما حرم الربوا حرم أشكاله من بيع اللبن فی الضرع، وقرض كل منفعة تجر ربوا. قال: فارتفع بتحريم الربوا ما أبيح فی هذا للمرتهن. واحتج الموفق فی المغنی بأن نفقة الحيوان واجبة، وللمرتهن فيه حق، وقد أمكن استيفاء حقه من نماء الرهن والنيابة عن المالک فيما وجب عليه واستيفاء ذلک من منافعه، فجاز ذلک كما يجوز للمرأة أخذ مؤنتها من مال زوجها عند امتناعه بغير إذنه والنيابة عنه فی الإنفاق". (بذل المجهود: ۵/۲۹۴، كتاب البيوع، باب فی الرهن، إمداديه ملتان)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....بیع میں واپسی کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے(۱) جس کا فسخ کرنا واجب ہوتا ہے(۲)، یہ درحقیقت رہن ہے، رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ سود ہے(۳)، لہٰذا یہ میعادی بیع ناجائز ہے۔

۲.....یہ چھ روپے لینا ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

بیع میعادی میں مبیع سے انتفاع

سوال[۷۹۱۹]: زید اپنا مکان عمر کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اس کی فروختگی کے شرائط یہ ہیں:

---

(۱) "ولو بشرطٍ لايقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين أو لمبيع يستحق، فهو فاسد". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۳/۹۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، غفاريه كوئٹه)

(۲) "ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض، ويكون امتناعاً عنه أو بعده مادام المبيع بحاله فى يد المشترى إعداماً للفساد؛ لأنه معصية، فيجب رفعها". (الدر المختار: ۵/۹۰، ۹۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، سعيد)

(۳) "هو أن يقول: بعت منک على أن تبيعه منى متى جئتُ بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار: ۵/۲۷۶ كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب فى بيع الوفاء، سعيد)

"أقول: وفى جواهر الفتاوىٰ فى الباب الأول: بيع الوفاء أن يقول: بعت منک على أن تبيعه منى متى جئتُ بالثمن؟ قال رضى الله عنه: هذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، هكذا ذكروا، وهو الصحيح. وذكر الإمام محمد بن الفضل البخارى هكذا. وقيل: بيع فاسد يوجب الملک إذا اتصل به القبض، والأول أصح". (حاشية جامع الفصولين: ۱/۲۳۴، الفصل الثامن عشر، اسلامى كتب خانه بنورى ٹاؤن كراچى)

"لا يحل له أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له فى الربا؛ لأنه يستوفى دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (رد المحتار: ۶/۴۸۲، كتاب الرهن، سعيد)

Made Searchable by ScribeTools.com

۱- جو رقم میں نے اس وقت یعنی فروخت کرنے کے وقت عمر سے لی ہے اس رقم کو اگر دس سال میں واپس دیدوں تو زید کو عمر مکان لازمی واپس دے گا، اگر زید دس سال کے اندر رقم عمر کو ادا نہ کرسکا تو بعد گذر جانے دس سال کے بیع قطعی سمجھا جاوے گا یعنی پھر زید اپنا مکان عمر سے واپس نہیں لے سکتا۔

۲- اس دس سال کا کرایہ اس زید کے مکان سے عمر وصول کرے گا اور عمر اپنے تصرف میں لائے گا، اور جو کچھ مرمت، شکست وریخت مکان مذکور میں دس سال کے اندر ہوں گے وہ عمر مرمت کرادے گا۔ ایسی شکل میں زید کے اس مکان کا کرایہ جو میعادی بیع ہے عمر کو اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر کرایہ ناجائز ہے تو بحوالہ کتب تحریر فرمادیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بیع شرعاً رہن کے حکم میں ہے اور شئ مرہون سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، لہٰذا مکان کی شکست وریخت کی مرمت اصل مالک یعنی زید کے ذمہ ہے اور دس سال کے کرایہ کا مالک بھی زید ہی ہے، عمر کو یہ کرایہ تصرف میں لانا درست نہیں:

"وفی حاشیة الفصولین عن جواهر الفتاویٰ: هو أن يقول: بعتُ منك على أن تبيعه منی متی جئتُ بالثمن، فهذا البيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح، اهـ". شامی: ٤/٢٧٤(١)۔

"ونفقة الرهن والخراج والعشر على الراهن، والأصل أن كل مايحتاج إليه لمصلحة الرهن بنفسه ونفقته، فعلى الراهن؛ لأنه ملكه، وكل ما كان لحفظه فعلى المرتهن؛ لأن حبسه له، اهـ". درمختار: ٥/٣٤٦(٢)۔

"لايحل له أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن إذن له الراهن، اهـ". شامی: ٥/٣٤٣(٣)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۴/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/شوال/۶۱ھ۔

---

(۱) (رد المحتار: ۵/۲۷۶، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب فی بيع الوفاء، سعيد)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۸۷، كتاب الرهن، سعيد)

(۳) (ردالمحتار: ۶/۴۸۲، كتاب الرهن، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

باب الربوا

(سود کا بیان)

سود کسے کہتے ہیں؟

سوال[۷۹۲۰]: کیسا نفع سود کہلاتا ہے اور سود کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زیادتی بلا معاوضہ حاصل ہو وہ سود ہے(۱) جیسے ایک من گندم دے کر ایک من ایک سیر گندم لینا، دس

---

(۱) "الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين فى المعاوضة الخالى عن عوض شرط فيه". (الهداية: ۸۰/۳، باب الربا، مكتبه شركت علميه ملتان)

"أما فى اصطلاح الفقهاء، فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذه الزيادة عوض". (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ۲۲۷/۲، مباحث الربا، تعريفه وأقسامه، دار الكتب العلمية بيروت)

"وهو فى الشرع عبارة عن فضل مال لايقابله عوض فى معاوضة مال بمال". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۷/۳، الباب التاسع، الفصل السادس فى تفسير، رشيديه)

"باب الربا: هو فضل مال بلا عوض فى معاوضة مال بمال". (كنز الدقائق، ص: ۲۴۸، باب الرباء، رشيديه)

"الربا ..... وشرعاً فضل ولو حكماً، فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة، فكلها من الربا خال عن العوض بمعيار شرعى، وهو الكيل والوزن مشروط أحد المتعاقدين فى المعاوضة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۶۸/۵، باب الربا، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب البيوع، باب الربا: ۴۴۶/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱۱۹/۳، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب الربا ۵۶۶/۱، مكتبه دار العلوم كراچى)

تولہ چاندی دے کر گیارہ تولہ چاندی لینا، پانچ تولہ سونا چاندی دے کر ساڑھے پانچ تولہ سونا لینا، سو روپے دے کر ایک سو پانچ روپیہ لینا وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۸ھ۔

دارالحرب اور غیر دارالحرب میں سود کے متعلق ایک اہم تفصیلی بحث وتحقیق

سوال[۷۹۲۱]: ہندوستان میں موجودہ حالات میں مختلف کاروبار کے لئے حکومت سے مسلمانوں کو سود پر روپیہ لینا یا دینا کیسا ہے؟

(الف) نیز سود لینے پر ضرورت منداور غیر ضرورت مند دونوں کا حکم ایک ہے یا فرق ہے، اگر فرق ہو تو براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں کہ کس قدر ضرورت اور اضطراب عذر بن چکا ہے؟

(ب) سود کی حرمت مؤبد ومقید ہے، نیز سود کی حرمت جن حالات میں نازل ہوئی وہ کیسے تھے؟ مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشرتی حالت کیا اس وقت موجودہ مسلمانوں سے زیادہ بہتر تھی؟

(ج) "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". الأشباه والنظائر، فن اول(۱) اس کا مصداق کیا ہے؟

(د) فتاوی عزیزی جلد اول، ص:۷ پر ہے: "ودادنِ سود بحربیان بایں وجه حلال است که خورانیدنِ حرام بمسلمانان درست نبست، وآنها حرام خوارند، اگر چیزے بطریقِ سود داده خواهد شد بیش ازیں نیست که حرام خواهد خورد"(۲).

اس عبارت کی اور مبسوط کی متعدد عبارتیں: "ولا ربوا بین حربی ومسلم مستأمن". درمختار: ۲/۴۳ (۳)۔ وغیرہ سے کیا ہندوستان میں موجودہ حالات میں مسلمانوں کو سود پر روپیہ لینے پر استدلال صحیح ہے؟

(ہ) "ولا ربا بین حربی ومسلم". جو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، یہ کس حدیث سے مستنبط

---

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة، ص: ۹۳، قديمی)

(۲) (فتاویٰ عزیزی، مسئلۂ سود دادن بحربیان: ۱/۴۰، رحیمیه دیوبند)

(۳) (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب الربا: ۵/۱۸۶، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

ہے، نیز امام صاحب کے اس قول کی ان آیات قرآنیہ صریحہ دربارۂ حرمتِ ربا کے ساتھ - جن میں اطلاقِ سود کی حرمت وارد ہے - تطبیق کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟

(و) مستأمن کے لئے دارالحرب میں بعض حالات میں اگر سود لینے یا دینے کی گنجائش نکلے تو کیا شرعاً صرف دارالحرب کے اس حکم ہی پر معاملہ ختم ہوجائے گا، یا دارالحرب کے دوسرے احکام کا اطلاق بھی مستامن پر ہوگا؟ براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں، جیسا کہ وجوبِ ہجرت وغیرہ۔

(ز) ہمارے اکابر دیوبند کا اس بارے میں کیا مسلک رہا ہے؟ امید ہے کہ موجودہ حالات کے پیش نظر جوابتلاً اس بارے میں ہورہا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں گے۔

رشید احمد قاسمی، مالپوری، ضلع گوڑگانواں، میوات۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) سود کی حرمت (سود لینے) والے اور سود دینے والے دونوں پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، بلکہ سود کا رُقعہ لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو بھی لعنت میں شریک کیا گیا ہے:

"عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اٰکل الربوٰ وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال: "هم سواء". رواه مسلم". مشکوٰة شریف، ص: ۲٤٤(۱)۔

---

(۱) (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۴، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول، قدیمی)

"وعن عبد اللّٰہ بن حنظلة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه غسیل الملائکة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ وسلم: "درهم ربوا یأکله الرجل وهو یعلم أشدّ من ستة وثلاثین زنیةً".

"وعن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "الربوا سبعون جزءً، أیسرها أن ینکح الرجل أمه". (مشکوة المصابیح، ص: ۲۴۶، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

"وعن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "أربعة حق علی اللّٰہ أن لایدخلهم الجنة ولا یذیقهم نعیمها: مُدمن الخمر، واٰکل الربوا، واٰکل مال الیتیم بغیر حق، والعاق لوالدیه". (المستدرک للحاکم، کتاب البیوع: ۲/۳۷، دارالفکر بیروت)

جوشخص اپنی ضرورت کی وجہ سے مجبور ہے، اپنی مجبوری اور اس مذکورہ لعنت دونوں کو وزن کرلے، پھر اگر ضرورت کا وزن زیادہ ہوتو وہ اپنی مجبوری کی حدتک مجبور ہوگا۔

(ب) سود کی حرمت قطعی ہے، مطلق ہے، مؤبد ہے: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ الآیہ(۱)۔

"عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: أن آخر مانزلت آية الربا وأن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قبض، ولم يفسرها لنا، فدعوا الربوا والريبة". رواه ابن ماجة والدارمی". مشكوة شريف، ص: ٢٤٦(٢)۔

"قوله: (آخرمانزلت): أی آيةٌ تعلقت بالمعاملات آية الربو، ثابتة غير منسوخة، لكن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قبض ولم يفسرها بحيث يحيط بجميع جزئياتها وموادها، فينبغی لكم أن تَدَعوا الربوا الصريح، وما يشبه الأمر فيه تورعاً واحتياطاً. هذا ما يفهم من ظاهر سوق العبارة. وقال الطيبی: يعنی أن هذه الآية ثابتة غير منسوخة غير مشتبهة، فذلك لم يفسرها النبی صلى اللّٰه عليه وسلم، فأخبرها على ماهی عليه، ولا ترتابوا فيها، واتركوا الحيلة فی حل الربوا". لمعات هامش مشكوٰة شريف(۳)۔

جب سود کی حرمت نازل ہوئی، معاشی حالت عامۃً بہت کمزور تھی، ہفتوں بلکہ مہینوں گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، مہر میں دینے کے لئے لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آئی، تن پوشی کو کپڑا تک نہیں تھا، لنگی ہے تو کرتا نہیں، کرتا ہے تو لنگی نہیں، صرف ایک لنگی بدن پر ہے، اس میں نصف مہر میں دینے کو آمادہ ہوگئے(۴)۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الثالث، قديمی)

(۳) (لمعات التنقيح على هامش مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، قديمی)

(۴) عن سهل بن سعد الساعدی رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم جاءته امرأة، فقالت: يارسول اللّٰه! إنی قد وهبت نفسی لك، فقامت قياماً طويلاً، فقام رجل فقال: يارسول اللّٰه! زوجنيها إن لم تكن لك بها حاجة، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "هل عندك من شيٍ تصدقها إياه"؟ قال: ماعندی إلا إزاری هذا، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "إنك إن أعطيتها إزارك =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com ools.com

یہود کے قرض میں دبے ہونے کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلام بنانے کی دھمکی دی گئی، جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ چھوڑ کر روپوش ہونے کا ارادہ کرلیا(۱)، گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا، اندھیرا رہتا تھا

= جلستَ لا إزارلک، فالتمس شیئاً". قال: لا أجد شیئاً، قال: "فالتمس ولو خاتماً من حدید". فالتمس، فلم یجد شیئاً". (سنن أبی داؤد: ۱/۲۸۷، باب فی التزویج علی العمل، إمدادیه، ملتان)

(۱) "أخرج البیهقی عن عبدالله الهورینی رحمه الله تعالیٰ قال: لقیت بلالاً رضی الله تعالیٰ عنه مؤذن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بحلب، فقلت: یابلال! حدثنی کیف کانت نفقة رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ؟ فقال: ماکان له شئ إلا أنا الذی کنت أَلِی ذلک منه منذ بعثه الله إلی أن توفی، فکان إذا أتاه (الإنسان) المسلم فراٰه عائلاً یأمرنی، فأنطلق، فأستقرض، فأشتری البردة والشئ، فأکسوه وأطعمه، حتی اعترضنی رجل من المشرکین، فقال یابلال! إن عندی سعة، فلا تستقرض من أحد إلا منّی، ففعلت، فلما کان ذات یوم توضأت ثم قمت لأؤذن بالصلوة، فإذا المشرک فی عصابة من التجار، فلما رانی قال: یا حبشی! (قال) : قلت: یالبیه! فتجهمنی، وقال قولاً عظیماً -أو غلیظاً- وقال: أتدری کم بینک وبین الشهر؟ قلت: قریب، قال: إنما بینک وبینه أربع لیال، فاٰخذک بالذی لی علیکم، فإنی لم أعطک الذی أعطیتک من کرامتک ولا من کرامة صاحبک، وإنما أعطیتک لتصیرلی عبداً فأذرک ترعی فی الغنم کما کنت قبل ذلک.

قال: فأخذنی فی نفسی مایأخذ فی أنفس الناس، فانطلقت، فناديت بالصلوة حتی إذا صلّیت العتمة، ورجع رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم إلی أهله، فاستأذنت علیه فأذن لی، فقلت: یارسول الله! بأبی أنت وأمی! إن المشرک الذی ذکرت لک أنی (کنت) أتدین منه قد قال: کذا وکذا، ولیس عندک مایقضی عنی ولا عندی وهو فاضحی، فأذن لی أن اٰتی (إلی) بعض هؤلاء الأحیاء الذین قدأسلموا حتی یرزق الله رسوله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم مایقضی عنی".

فخرجت حتی أتیت منزلی، فجعلت سیفی وحرابی ورمحی ونعلی عند رأسی، فاستقبلت بوجهی الأفق، فکلما نمت انتبهت، فإذا رأیت علیّ لیلاً نمت حتی انشق عمود الصبح الأول، فأردت أن أنطلق، فإذا إنسان یدعو: یابلال! أجب رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فانطلقت حتی اٰتیه، فإذا أربع رکائب علیهن أحمالهن، فأتیت رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فقال لی رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم : "أبشر، فقد جاءک الله بقضاء دینک".

فحمدت الله، وقال: "ألم تمرّ علی الرکائب المناخات الأربع؟" قال: قلت: بلی، قال: "فإن =

وغیرہ وغیرہ (۱)۔احادیث وسِیَر میں بڑی حدتک یہ حالات مذکور ہیں، آج کل کا یہاں کا مسلمان عموماً ان حالات سے نا آشنا ہے۔

(ج) قاعدہ تو یہ بیان کیا ہے:"الحاجة تنزل منزلة الضرورة"(۲)۔اسی ذیل میں استقراض بالربح کے جواز کو لکھا ہے، حاجت کی کوئی تفصیل وتشریح شرح میں بیان نہیں کی۔ بظاہر مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس درجہ محتاج ہو کہ کما نہیں سکتا ہے اور بغیر قرض لئے گذارہ کی کوئی صورت نہیں اور قرض بغیر ربا نہیں ملتا، وہ اپنی مجبوری کی حدتک معذور ہے۔

(د) مطبوعہ فتاوی عزیزی میں رطب ویابس کو شامل کردیا گیا، جس میں مبتدعین وروافض کی تدسیس بھی ہے، موضوع روایات بھی ہیں، غلط مسائل بھی ہیں، بغیر سوال وجواب کے بھی بعض عبارات ہیں، اس لئے جب تک کتبِ معتمدہ سے تائید نہ ہوجائے، اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔تقریباً پچاس مقامات کے متعلق تو میری یاداشت میں کلام ونظر۔بعض مسائل تو بالیقین روافض کی تائید میں ہیں۔جس نے حضرت شاہ صاحب کی ''تحفہ اثناء

لک رقابهن وماعليهن -فإذا عليهنّ كسوة وطعام أهداهنّ له عظيم فَدَک- فاقبضهنّ إليک ثم اقض دينک".

قال: ففعلت، فحططت عنهنّ أحمالهنّ، ثم علفتهنّ، ثم عمدت إلى تأذين صلوة الصبح. الخ".

(حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوى رحمه الله تعالىٰ، باب إنفاق الصحابة فى سبيل الله، كيف كانت نفقة النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، قصة بلال رضى الله تعالىٰ عنه فى ذلک مع مشرک: ۲/۲۱۰، ۲۱۱، دارالقلم دمشق)

(۱) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان يأتى علينا الشهر ما نوقد فيه ناراً، إنما هو التمر والماء لا أن نؤتى باللحيم". (صحيح البخارى، كتاب الرقاق، بابٌ: كيف كان عيش النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأصحابه: ۲/۹۵۶، قديمى)

(۲) (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، القاعدة الخامسة، قديمى)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قديمى)

Made searchable using ScribeTools.com

عشریہ'' کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے، حضرت شاہ صاحب کا مزاج ومذہب کیا تھا۔ اس لئے اس مجموعہ کو یہ کہنا کہ حضرت شاہ صاحب ہی کا ہے صحیح نہیں:

"لا [ربوا] بين حربى ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه مطلقاً بلا غدر، خلافاً للثانى والثلثة". درمختار (۱)۔

اس میں بظاہر جواز کا عموم معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ربا اور عقدِ فاسد وقمار میں زیادتی کا حصول دونوں طرف محتمل ہے، لیکن تقاضائے حلت یہ ہے کہ جواز اسی صورت تک محدود ہے جب تک زیادتی مسلمان کو ہو: "لأن ماله ثمة مباح". اس لئے فتح القدیر سے علامہ شامی نے نقل کیا ہے:

"فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة". ردالمحتار: ٤/١٨٨ (۲)۔

پھر اس کی تائید میں شرح السیر الکبیر سے نقل کیا ہے کہ:

"قلت: ويدل على ذلك مافى السير الكبير وشرحه حيث قال: وإذا دخل المسلم دارالحرب بأمان، فلا بأس بأن يأخذ منهم أموالهم بطيب أنفسهم بأىّ وجه كان؛ لأنه إنما أخذ المباح على وجه عُرّى عن الغدر، فيكون ذلك طيباً، والأسير والمستامن سواء، حتى لو باعهم درهماً بدرهمين، أو باعهم ميتةً بدراهم، أو أخذ مالاً منهم بطريق القمار، فذلك كله طيب له، ملخصاً. فانظر كيف جعل موضوع المسئلة الأخذ من أموالهم برضاهم، فعلم أن المراد من الربوا والقمار فى كلامهم ماكان على هذا الوجه وإن كان اللفظ عاماً؛ لأن الحكم يدور مع علته غالباً". ردالمحتار، ص: ۱۸۸ (۳).

---

(۱) (الدرالمختار: ۱۸۶/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۸۶/۵، سعيد)

(۳) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۱۸۶/۵، سعيد)

"ولا بين المسلم والحربى ثمة ..... فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة، وقد ألزم الأصحاب فى الدرس: أن مرادهم من "حل الربا والقمار" ما إذا حصلت الزيادة للمسلم، نظراً إلى العلة وإن كان إطلاق الجواب خلافه". (منحة الخالق على البحر الرائق: ۲۲۶/۶، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه) ..... =

اس تفصیل کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کردہ فتوی میں جو علت بیان کی گئی ہے، اس پر کچھ کلام کرنے کی حاجت نہیں ہی۔ خود اس قول "لا ربوا، الخ". کی حیثیت اور "المبسوط" کی روایات کا جواب آگے آرہا ہے۔

(ہ) نصب الرایہ، ص:۴۴، میں "الحديث الثامن: قال عليه السلام: "لا ربوا بين المسلم والحربى فى دار الحرب" قلت: غريب. وأسند البيهقى فى المعرفة فى كتاب السير عن الشافعى قال: قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: إنما قال أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ هذا؛ لأن بعض المشيخة حدثنا عن مكحول عن رسول الله صلى الله عليه وسلم "أنه لا ربا بين أهل الحرب". أظنه قال: "وأهل الإسلام". قال الشافعى: وهذا ليس بثابت، ولا حجة فيه". انتهى كلامه(۱)۔

یہ حدیث منقطع ہے، مکحول صحابی نہیں، واسطہ غیر معلوم ہے، جس کا صحابی ہونا بھی متعین نہیں کہ انقطاع کو غیر مضر کہا جائے۔ "غريب، ليس بثابت، لا حجة فيه" کی بھی تصریح ہے۔ اصحابِ صحاح نے اس کو اپنی کتاب میں نہیں لیا۔ اگر مرفوع، صریح، ثابت، بلا علتِ قادحہ بھی روایت مل جائے تب بھی نصِ قرآنی کے لئے وہ مقید یا مخصص نہیں بن سکتی، كماهو المذكور فى كتب الأصول(۲)۔

= "وقد التزم الأصحاب فى الدرس: أن مرادهم من حلّ الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم، نظراً إلى العلة وإن كان إطلاق الجواب خلافه". (فتح القدير: ۷/۳۹، كتاب البيوع، باب الربا، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

"دخل مسلم أو ذمى دارالحرب بأمان أوبغيره، وعقد مع الحربى عقد الربا بأن اشترى درهماً بدرهمين، أو درهماً بدينار إلى أجل معلوم، فذلك كله جائز عند الطرفين. وقال القاضى: لايجوز بين المسلم والحربى ثمة إلا ما يجوز بين المسلمين، والصحيح قولهما. رأيت فى بعض الكتب أن هذا الاختلاف فيما إذا اشترى منهم درهمين بدرهم، أما إذا اشترى منهم درهماً بدرهمين، فلايجوز بالاتفاق، كذافى المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۲۴۸، كتاب الصرف، الباب الخامس فى أحكام العقد بالنظر إلى أحوال العاقدين، الفصل السادس فى الصرف فى دار الحرب، رشيديه)

(۱) (نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا، الحديث الثامن: ۴/۴۴، مؤسسة الريان، بيروت)

(۲) "تخصيص القرآن بخاص خبر الآحاد، فالعلماء متفقون على أن اللفظ العام الوارد فى القرآن =

Made searchable using ScribeTools.com

اس روایت کی بناء پر امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو، یا کسی اَور دوسری روایت پر ان کے قول کی بناء ہو، اس قول کی تشریح میں شراح وفقہاء نے کلام کیا ہے: **ایک تشریح** یہ ہے کہ "لاربوا" ہی ہے یعنی "ربا" اس موقعہ پر بھی جائز نہیں، کذافی العنایة(۱)۔

شبہ ہوتا تھا کہ حربی مباح الاموال ہے، اس لئے جس طرح بھی لیا اس کو قطع فرمایا کہ نصِ قطعی سے حرمت جیسا ثابت ہے تو اس کا ارتکاب جائز نہیں کہ تاویل کی حاجت ہو۔

دوسری تشریح یہ ہے کہ دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لیکر جو مسلم داخل ہوں، عقودِ فاسدہ ربویہ کے ذریعہ جو مال حاصل کر کے لے آئے، وہ اسی کی ملک ہے، اس کو مالِ غنیمت تصور کر کے اس میں سے خمس وصول کرنے کا حق بیت المال کو نہیں۔ بخلاف اس کے اگر ایک جماعت حملہ کے لئے جائے اور وہاں سے لائے، اس جماعت کی حفاظت ومدد کی ذمہ داری امام المسلمین نے لی ہے، لہٰذا اس میں سے خمس لینے کا حق ہے، اس تشریح کی صورت میں دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف منتقل ہونے پر ملکِ تام حاصل ہوگی (۲)۔

= يجوز تخصيصه بالقرآن، أو بالسنة المتواترة، ولكنهم يختلفون فى جواز تخصيصة بسنة الآحاد؛ لأن القرآن قطعى الثبوت، والسنة الآحاد ظنية الثبوت، فلا يقوى الظنى على تخصيص القطعى، وهذا ماقال به الأحناف، فلايجوز عندهم تخصيص عام القرآن بسنة الآحاد". (الوجيز فى أصول الفقة، ص: ۳۱۸، طهران إيران)

"وذلك عام كله: أى النصوص الأربعة التى تمسك بها علىّ وابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنهما فى الجمع بين الأختين والعدة، لكن عند الشافعى هو دليل فيه شبهة، فيجوز تخصيصة بخبر الواحد والقياس. أى تخصيص عام الكتاب بكل واحد من خبر الواحد والقياس. وعندنا هو قطعى مساوٍ للخاص، وسيجئ معنى القطعى، فلايجوز تخصيصه بواحد منهما مالم يخص بقطعى". (التوضيح والتلويح، ص: ۷۶، ۷۸، ۷۹، نور محمد كتب خانه)

(۱) "ويحتمل بقوله: "لاربا" النهى عن الربا، كقوله تعالى ﴿ولارفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج﴾. (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۳۹/۷، كتاب البيوع، باب الربا، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(۲) "فى كافى الحاكم: وإن بايعهم الدرهم بدرهمين نقداً أو نسيئةً، أو بايعهم بالخمر والخنزير والميتة، فلابأس بذلك؛ لأن له أن يأخذ أموالهم برضاهم فى قولهما، ويجوز شئ من ذلك فى قول أبى يوسف". (ردالمحتار: ۱۶۶/۴، باب المستامن، سعيد)

Made Searchable by ScribeTools.com

تیسری تشریح یہ ہے کہ مسلم مستامن جو مال عقودِ فاسدہ ربویہ کے ذریعہ دارالحرب میں حربی سے حاصل کرتا ہے، اس پر ربا کا اطلاق نہیں ہوتا، بلکہ جس طرح سے مال مباح حطب وحشیش وغیرہ پر استیلاء سے ملک حاصل ہوجاتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہے، فرق یہ ہے کہ یہاں قابض کی رضامندی ضروری ہے، وہ بصورتِ عقد حاصل ہے، تو موجبِ ملکِ عقد نہیں بلکہ موجبِ ملکِ استیلاء ہے اور عقد صرف تحصیلِ رضائے قابض کے لئے ہے:

"ان مال الحربی لیس بمعصوم، بل هو مباح فی نفسه، إلا أن المسلم المستأمن منع عن تملكه من غير رضاه، ولما فيه من الغدر والخيانة، فإذا بدله باختياره ورضاه، فقد زال هذا المعنى، فكان الأخذ استيلاءً على مال مباح غير مملوك، وأنه مشروع مفيد للملك كالاستيلاء على الحطب والحشيش، وبه تبيّن أن العقد ههنا ليس بتملك بل هو تحصيل شرط التملك، وهو رضاه؛ لأن ملك الحربی لايزول بدونه، وما لم يزل ملكه لايقع الأخذ تملكاً، لكنه إذا زال فالملك للمسلم يثبت بالأخذ والاستيلاء، لابالعقد، فلا يتحقق الربا؛ لأن الربا اسم لفضل يستفاد بالعقد". بدائع الصنائع: ۵/۲۰۲(۱)۔

---

(۱) (بدائع الصنائع: ۷/۸۱، کتاب البیوع، فصل: فی شرائط جریان الربا، دارالکتب العلمیة بیروت)

"إذادخل المسلم دارالحرب بأمان، أو بغير أمان، وعقد مع حربی عقد الربا بأن اشترى درهماً بدرهمين، أو اشترى درهماً بدينار إلى أجل ..... قال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: ذلك كله جائز، وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: لا يجوز بين المسلم وأهل الحرب فی دار الحرب، إلامايجوز بين المسلمين. والصحيح قولهما؛ لأن مال الحربی على الإباحة الأصلية، إلا أن الذى دخل دار الحرب بأمان التزم أن لايعترض لهم ولِمَا فی أيدهم إلا بتراضيهم، فحرم عليه الأخذ بدون رضاهم تحرزاً للغدر. وإذا أعطى برضا هم، فقد انعدم الغدر والخيانة، فيأخذه المسلم بحكم الإباحة الأصلية، وتأثير المعاقدة فی تحصيل الرضا بالأخذ لافی التملك". (المحيط البرهانی: ۸/۳۷۶، کتاب الصرف، فصل العشرون فی الصرف فی دارالحرب، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۴/۴۷۲، کتاب البیوع، باب الربا، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وكذا فی المبسوط للسرخسی: ۱۴/۷۰، کتاب البیوع، باب الصرف فی دارالحرب، مکتبه غفاریه کوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

المبسوط کی روایت: "کل ربوا فی الجاهلية فهو موضوع تحت قدمی" سے قبل کی ہیں، بعد میں تو یہ حکم نازل ہوا تھا: ﴿یا أیها الذین امنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربوا إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ الآیة(۱)۔

سہ ربا اہلِ حرب ہی کے ذمہ تھا جس کو وصول کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، اس مضمون کی روایت بھی المبسوط: ۵/ ۵۷، میں مذکور ہیں(۲)۔

(و) ۱۸۵۷ء میں شاملی کا معرکہ پیش آیا، پھر ریشمی خط کی تحریک چلی۔ کراچی، نینی جیل وغیرہ اسارتِ مالٹا کا واقعہ پیش ہوا۔ ہمارا شاندار ماضی، مسلمانوں کا روشن مستقبل، سفرنامۂ اسیر مالٹا، نقشِ حیات، وغیرہ میں تفصیلات مذکور ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ وعلمہ أتم وأحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

حکومت کے سودی قرضے اور بینکوں کے سود کا شرعی حکم

سوال[۷۹۲۲]: حکومت کے ترقیاتی منصوبوں میں ہندوستانی عوام کی خوش حالی اور فلاح و بہبود کے لئے بہت سے شعبے قائم کئے گئے ہیں جس کے ذریعہ حسبِ ضرورت و مصلحت طویل المیعاد قرضے دیئے جاتے ہیں اور برائے نام سود لیا جاتا ہے۔

چھوٹے انڈسٹریوں سے لیکر بڑے بڑے فیکٹری پلانوں تک میں حکومت قرض دیتی ہے، اس سے غیر مسلم حضرات خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور دن بدن اقتصادی میدان میں ترقی کرتے چلے جارہے ہیں۔ مسلمانوں کو اس قرض کے لینے میں دشواری یہ ہے کہ اس میں سود دینا پڑتا ہے، نیز آج کل لین دین اور تجارتی معاملات بڑی حد تک سودی طور پر چل رہے ہیں، کیونکہ آج کل تجارت کا انحصار بڑی حد تک بینکوں پر ہے جو تمام کے تمام سودی کاروبار پر مبنی ہیں۔

اگر مسلمان حکومت سے قرض لیکر اقتصادی میدان میں آگے بڑھنے کی سعی کرتے ہیں تو قرآن کی

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۹)

(۲) (المبسوط للسرخسی، کتاب البیوع، باب الصرف فی دارالحرب: ۱۴/ ۷۰، مکتبه غفاریه، کوئٹه)

آیات حرمتِ سود اُن کا دامن روکتی ہیں اور اگر اس سے بچنے کی سعی کرتے ہیں تو اقتصادی میدان میں وہ بچھڑے جاتے ہیں۔ وقت کا اہم سوال یہ ہے کہ اُنہیں ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟ ڈربن سے مسٹر احمد صاحب نے اسی قسم کا ایک سوال مرتب کر کے بطور استفساء ہندوستان کے علماء کی خدمت میں روانہ کیا ہے، حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ نے اس کا جواب بڑی تفصیل سے دیا ہے، ہم اس جواب کو من وعن شائع کر رہے ہیں، انشاء اللہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس جواب سے بڑی روشنی حاصل ہوگی۔

قمر الدین ایڈیٹر ماہنامہ نظام کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں، بلکہ منصوص اور قطعی ہے: ﴿وحرم الربوا﴾(۱) اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

تحریمِ ربا نازل ہونے پر بقایا سود کے وصول کرنے کی بھی ممانعت کر دی گئی، بلکہ اس کو بمنزلۂ شرطِ ایمان قرار دیا گیا: ﴿وذروا مابقی من الربوا إن کنتم مؤمنین﴾(۲)۔

''سود کا بقایا چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو'' (قرآن)۔

جو لوگ سود لینے سے باز نہ آئیں ان کے لئے اعلان جنگ ہے: ﴿فإن لم تفعلوا، فأذنو ابحرب من اللّٰہ ورسولہ﴾(۳)۔

''اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود کا بقایا نہ چھوڑا) تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے''۔

سود خوار کا حشر اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿الذین یأکلون الربوا لایقومون إلا کما یقوم الذی

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿أحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاأیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا إن کنتم مؤمنین﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۸)

(۳) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹)

Made searchable using ScribeTools.com

یتخبطه الشیطان من ا ۔س﴾(۱)۔

''جولوگ سودکھاتے ہیں وہ قیامت کے روزاس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کوشیطان نے چھوکرمخبوط بنادیاہو''۔

سودخوار کے لئے سخت وعید ہے:﴿یا أیها الذین اٰمنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا اللّٰه لعلکم تفلحون، واتقواالنار التی أعدت للکافرین﴾(۲)۔

''اے ایمان والو! سود در دسود کر کے نہ کھاؤ، اوراللہ سے ڈرو، شایدتم فلاح پاؤ، اوراس آگ سے ڈرو، جوکافروں کے لئے تیارکی گئی ہے''۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں سب سے زیادہ خوفناک یہ آیت ہے:

"کان أبو۔ ۔فة رحمه اللّٰه تعالیٰ یقول: هی أخوف آیة فی القرآن حیث أوعد اللّٰه المؤمنین بالنار المعدّة للکافرین إن لم یتقوه فی اجتناب محارمه". تفسیر مدارك التنزیل(۳)۔

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ خوفناک

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (سورة ال عمران: ۱۳۰)

وقال اللّٰه تعالیٰ: ﴿یمحق اللّٰه الربوا ویربی الصدقات﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

"﴿وأخذهم الربوا، وقد نهوا عنه﴾ کان الرباء محرماً علیهم، کماحرم علینا ﴿وأخذهم أموال الناس بالباطل﴾ بالرشوة وسائر الوجوه المحرمة". (مدارک التنزیل وحقائق التأویل: ۲۰۲/۱، (سورة ال عمران: ۱۳۰)، قدیمی)

(۳) (تفسیر مدارک التنزیل، ۲۹۶/۱، (سورة النساء: ۱۶۱)، قدیمی)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال القرطبی: "من أخذ مال غیره لاعلی وجه إذن الشرع، فقد أکله بالباطل". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۳۲۳/۲، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

قال العلامة البغوی رحمه اللّٰه تعالیٰ: ﴿بالباطل﴾ بالحرام یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقة والخیانة ونحوها". (معالم التنزیل للبغوی: ۵۰/۲، قدیمی)

آیت، آیتِ مذکورہ بالا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو دوزخ کی آگ کی دھمکی دی ہے جو درحقیقت کافروں کے لئے ہے، اگر مؤمنین خدا سے نہ ڈریں اس کی حرام کردہ چیز (سود) سے پرہیز کرنے میں"۔

انسان کے بدن میں جو گوشت حرام مال سے پیدا ہو، وہ نارِ جہنم ہی کے لائق ہے، سود کا ایک درھم جان بوجھ کر لینا چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید ہے:

"عن عبداللّٰه بن حنظلة غسيل الملائكة رضى اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلاثين زنيةً". رواه أحمد والدار قطنى. وروى البيهقى فى شعب الإيمان عباس رضى اللّٰه تعالىٰ عنه، وزاد وقال: "من نبت لحمه من السحت، فالنار أولىٰ به". مشكوة المصابيح، ص: ٢٤٦ (١)۔

"حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "دیدہ ودانستہ سود کا ایک درھم (چار آنہ بھر) کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے"۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس کا گوشت حرام غذا سے پرورش پایا ہے، وہ جہنم کے ہی زیادہ لائق ہے"۔

سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی کی گواہی دینے والے سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے اور سب کو نفس گناہ میں برابر قرار دیا ہے:

"عن جابر رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكل الربوا

---

(۱) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۵، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمى)

"عن سمرة بن جندب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللى عليه وسلم: "رأيت الليلة رجلين أتيانى، فأخرجانى إلى أرض مقدسة، فانطلقنا حتى أتينا على نهرٍ من دمٍ، فيه رجل قائم، وعلى وسط النهر رجل بين يديه حجارة. فاقبل الرجل الذى فى النهر، فإذا أراد الرجل أن يخرج، رمىٰ الرجل بحجر فى فيه، فرده حيث كان، فجعل كلما جاء ليخرج رمىٰ فيه بحجر، فيرجع كما كان، فقلت: من هذا؟ فقال الذى رأيته: آكل الربوا". (الصحيح للبخارى: ۱/ ۲۸۰، كتاب البيوع، باب آكل الربوٰ وشاهده وكاتبه، قديمى)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". رواه مسلم". مشكوه شريف(۱)۔

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے، سود دینے والے اور سود کا رقعہ لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والے پر اور فرمایا کہ: ''یہ سب کے سب گناہ میں برابر ہیں''۔

سود کے ستّر اجزاء ہیں، سب سے ہلکا جزماں سے بدفعلی کرنے کے برابر ہے، سود سے مال بظاہر بڑھتا ہوا نظر آئے گا، مگر اس کا انجام قلت ہے:

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "الربوا سبعون جزءً أيسرها أن ينكح الرجل أمّه".

"وعن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "إن الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل". رواهما ابن ماجة والبيقهی فی شعب الإيمان، وروی أحمد الأخير". مشكوٰة شريف، ص: ۲٤٦(۲)۔

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''سود کے ستّر درجے ہیں اور ان میں سب سے ہلکا درجہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے کے برابر ہے''۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الأول، قديمی)

"عن علیّ رضی الله تعالیٰ عنه أنه سمع رسول الله صلی الله عليه وسلم: "لعن الله آكل الربوٰ مؤكله وكاتبه ومانع الصدقة، وكان ينهی عن النوح". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴٦، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمی)

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "أتيت ليلة أسری بی علی قوم بطونهم كالبيوت فيها الحيات ترى من خارج بطونهم، فقلت: من هؤلاء ياجبرئيل؟ قال: هؤلاء أكَلَةُ الربوا". (مشكوة المصابيح، المصدر السابق)

(۲) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ۲۴٦، قديمی)

نے فرمایا کہ: ''سود سے اگر چہ مال بڑھتا ہے، مگر اس کا انجام قلت ہے''۔

حرمتِ ربا کی آیت محکم ہے، منسوخ نہیں۔ شبہ ربا سے بھی بچنے کا حکم ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن اٰخرمانزلت اٰیة الربوا، وأن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قبض ولم یفسرها لنا، فدعوا الربو ا والریبة". رواه ابن ماجة، والدار می". مشکوة: ۲٤٦(۱)۔

''قوله: (اٰخر مانزلت اٰیة الربوا) یعنی هی ثابتة غیر منسوخة، لکن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قبض ولم یفسر بحیث یحیط بجمیع جزئیاتها وموادها، فینبغی لکم أن تَدَعوا الربوا الصریح، وما یشتبه الأمر تورعاً واحتیاطاً. هذامایفهم من ظاهر سوق العبارة. وقال الطیبی: یعنی أن هذه الاٰیة ثابتة غیر منسوخة غیر مشتبهة، فلذلك لم یفسرها النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فأجروها علی ماهی علیه، ولاترتابوا فیها، واترکوا الحیلة فی حل الربوا". لمعات ومرقات(۲)۔

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (معاملات سے متعلق) سب سے آخری سود کی آیت ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایسے وقت ہوئی کہ سود کی (ہر ہر جزئیات کی تفصیل) نہیں بیان کی، اس لئے سود کیساتھ ساتھ جس میں سود کا شبہ ہو اُسے بھی چھوڑ دو''۔

''عمر کے قول: "آخر مانزلت" کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت ثابت غیر منسوخ ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جزئیات کو بطورِ احاطہ بیان نہیں فرمایا، اس لئے تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم سود اور سود

---

(۱) (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ۲۴۶، قدیمی)

(۲) حاشیه مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الثالث، (رقم الحاشیة: ۴)، ص: ۴۶۴، قدیمی)

(وبمعناه فی مرقاة المفاتیح: ۶/۶۷، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الثالث، رشیدیه)

Made searchable using ScribeTools.com

کے مشابہ تمام چیزیں تورّع اوراحتیاط کی وجہ سے چھوڑ دو۔ ظاہر عبارت سے یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے۔

طیبی نے کہا کہ یہ آیت ثابت غیر منسوخ غیر مشتبہ ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح نہیں فرمائی، اس لئے تم لوگ اس کو اس کے ظاہری مفہوم پر جاری رکھو اوراس میں کچھ شک نہ کرو اور سود کے حلت کے سلسلہ میں حیلہ حیلہ ترک کردو"۔

مقروض اگر قرض کے دباؤ میں کوئی ہدیہ پیش کرے تو وہ ہدیہ بھی ربا ہے، نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی ہے:

"عن أبی بردة بن أبی موسی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قدمت المدينة، فلقيت عبداللّٰه بن سلام، فقال: إنك بأرض فيها الربوا فاش، فإذا كان لك على رجل حق فأهدىٰ إليك حمل تبنٍ أو حمل شعير أوحمل قت، فلاتأخذه، فإنه ربوا". رواه البخاری". مشكوة المصابيح(۱)۔

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمی)

"عن عبد الله بن مسعو د رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: "الربا ثلاثة وسبعون باباً، أيسرها مثل أن ينكح أمّه، وإن أربى الربا عرض الرجل المسلم". (المستدرک للحاكم، كتاب البيوع: ۳۷/۲، دارالفكر بيروت)

"عن عطاء الخراساني أن عبد الله بن سلام رضی الله تعالیٰ عنه قال: "الربا اثنان وسبعون حوباً، أصغرها حوباً كمن أتیٰ أمه فی الإسلام، ودرهم من الربا أشدُّ من بضع وثلاثين زنيةً، قال: ويأذن الله بالقيام للبَرِّ والفاجر يو م القيامه إلاالأكل الربا، فإنه لايقوم إلاكما يقو م الذی يتخبطه الشيطان من المس". (مصنف عبد الرزاق: ۴۶۱/۱۰، دارالكتب العلمية بيروت)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "من أعان ظالماً بباطل ليدحض بباطله حقاً، فقد برئ من ذمة الله عزوجل وذمة رسو ل الله صلی الله عليه وسلم. من أكل درهماً من ربا، فهو مثل ثلاث وثلاثين زنيةً. ومن نبت لحمه من سحت، فالنار أولى به". (المعجم الصغير للطبرانی: ۱۴۷/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں مدینہ آیا اور حضرت عبداللہ بن سلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: تم ایسے علاقہ میں رہتے ہو جس میں سود کا رواج بہت زیادہ ہے، پس اگر تمہارا کسی پر حق ہو اور وہ تمہیں ہدیہ میں بھوسہ یا جَو کا گٹھر یا، یا گھانس دے تو وہ بھی نہ لو، کیونکہ وہ بھی سود ہے''۔

ہدیۂ مالی کے علاوہ بھی کسی اَور منفعت کے قبول کرنے کی اجازت نہیں:

"عن أنس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "إذا أقرض أحدکم قرضاً، فأهدی إلیه أوحمله علی الدابة، فلایرکبه ولایقبلها، إلا أن یکون جری بینه وبینه قبل ذلك". رواه ابن ماجة والبیهقی فی شعب الإیمان". مشکوة شریف، ص: ٤٢٦ (١)۔

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی کسی کو قرض دے، پس اس قرض خواہ کو اگر قرض دار کچھ ہدیہ دے، یا اپنی سواری پر سوار کرائے تو نہ سوار ہو، اور نہ اس ہدیہ کو قبول کرے، مگر یہ کہ قرض سے پہلے ہدیہ وغیرہ کا لین دین جاری ہو''۔

مسلمانانِ افریقہ کے جو حالات سوال میں درج ہیں، ان کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کے حالات

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۴۶، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

"عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: "ماظهر فی قوم الزنا والربا، إلا أحلوا بأنفسهم عقاب اللّٰہ". (مجمع الزوائد: ۱۱۸/۴، دارالفکر بیروت)

"وکتب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لأهل نجران: "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. هذاما کتب محمدٌ النبی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لنجران ..... ولنجران وحاشیتها جوار اللّٰہ وذمة محمد النبی علی أنفسهم، وملتهم، وأرضیهم ..... ولا یغیر حق من حقوقهم، ولاملتهم ..... ومن أکل الربا من ذی قبل، فذمتی منه بریئة". (دلائل النبوة للبیهقی: ۳۸۹/۵، باب وفد نجران وشهادة الأساقفة لنبیناصلی اللّٰہ علیہ وسلم، دارالکتب العلمیہ بیروت)

Made searchable using ScribeTools.com

زیادہ دردانگیز تھے جن کو خطاب کر کے سود کو حرام قرار دیا گیا، اور سخت وعیدیں سنائی گئیں ہیں۔

وہ حضرات کفار کے قرضہ میں دبے ہوئے تھے، کفار ان کا خون چوس رہے تھے، حتی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوبارہ غلام بنانے کی دھمکی دی گئی تھی جس سے پریشان ہوکر انہوں نے مدینہ پاک سے مخفی طور پر قرض کی ادائیگی کا انتظام ہونے تک کے لئے باہر چلے جانے کا ارادہ کرلیا تھا(۱)۔ وہ حضرات، پیٹ پر پتھر

---

(۱) "أخرج البيهقي عن عبدالله الهورينى رحمه الله تعالىٰ قال: لقيت بلالاً رضى الله تعالىٰ عنه مؤذن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحلب، فقلت: يابلال! حدثنى كيف كانت نفقة رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ؟ فقال: ماكان له شئ إلا أنا الذى كنت أَلِى ذلك منه منذ بعثه الله إلى أن توفى، فكان إذا أتاه (الإنسان) المسلم فراٰه عائلاً يأمرنى، فأنطلق، فأستقرض، فأشترى البردة والشئ، فأكسوه وأطعمه، حتى اعترضنى رجل من المشركين، فقال يابلال! إن عندى سعة، فلا تستقرض من أحد إلا منّى، ففعلت، فلما كان ذات يوم توضأت ثم قمت لأؤذن بالصلوة، فإذا المشرك فى عصابة من التجار، فلما رانى قال: يا حبشى! (قال) : قلت: يالبيك! فتجهمنى، وقال قولاً عظيماً -أو غليظاً- وقال: أتدرى كم بينك وبين الشهر؟ قلت: قريب، قال: إنما بينك وبينه أربع ليال، فاٰخذك بالذى لى عليكم، فإنى لم أعطك الذى أعطيتك من كرامتك ولا من كرامة صاحبك، وإنما أعطيتك لتصيرلى عبداً فأذرك ترعى فى الغنم كما كنت قبل ذلك.

قال: فأخذنى فى نفسى مايأخذ فى أنفس الناس، فانطلقت، فناديت بالصلوة حتى إذا صلّيت العتمة، ورجع رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم إلى أهله، فاستأذنت عليه فأذن لى، فقلت: يارسول الله! بأبى أنت وأمى! إن المشرك الذى ذكرت لك أنى (كنت) أتدين منه قد قال: كذا وكذا، وليس عندك مايقضى عنى ولاعندى وهو فاضحى، فأذن لى أن اٰتى (إلى) بعض هؤلاء الأحياء الذين قد أسلموا حتى يرزق الله رسوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم مايقضى عنى".

فخرجت حتى أتيت منزلى، فجعلت سيفى وحرابى ورمحى ونعلى عند رأسى، فاستقبلت بوجهى الأفق، فكلما نمت انتبهت، فإذا رأيت علىّ ليلاً نمت حتى انشق عمود الصبح الأول، فأردت أن أنطلق، فإذا إنسان يدعو. يابلال! أجب رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ، فانطلقت حيت اٰتيه، فإذا أربع ركائب عليهن أحمالهن، فأتيت رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ، فقال لى رسول الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم : "أبشر، فقد جاء ك الله بقضاء دينك". ..... =

Made Searchable by ScribeTools.com

باندھتے تھے، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش کھا کھا کر گر جاتے تھے(۱)، دودو، تین تین مہینے تک گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی۔

کپڑا ابھی پوری تن پوشی کے لئے موجود نہیں تھا، چادر ہے تو تہہ بند نہیں، تہہ بند ہے تو کرتا نہیں (۲)۔ نکاح کی خاطر مہر میں دینے کو لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آئی، صرف ایک لنگی بدن پر تھی اسی میں سے آدھی لنگی مہر دینے پر آمادہ ہوئے (۳)۔ بچوں کو بھوکا روتا ہوا دیکھ کر تین چار دانے کھجور حاصل کرنے کے لئے یہود کی

= فحمدت الله، وقال: "ألم تمرّ على الركائب المناخات الأربع؟" قال: قلت: بلى، قال: "فإن لک رقابهن وماعليهن -فإذا عليهنّ كسوة وطعام أهداهنّ له عظيم فَدَک- فاقبضهنّ إليک ثم اقض دينک".

قال: ففعلت، فحططت عنهنّ أحمالهنّ، ثم علفتهنّ، ثم عمدت إلى تأذين صلوة الصبح. الخ".

(حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوى رحمه الله تعالىٰ، باب إنفاق الصحابة فى سبيل الله، كيف كانت نفقة النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، قصة بلال رضى الله تعالىٰ عنه فى ذلک مع مشرک: ۲/۲۱۰، ۲۱۱، دارالقلم دمشق)

(۱) "عن محمد بن سيرين قال: كنا عند أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه وعليه ثوبان ممشقان من كتان، فتمخط فى أحدهما، ثم قال: بخ بخ! يتمخط أبوهريرة فى الكتان، لقد رأيتنى وإنى لأخرّ فيما بين منبر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وحجرة عائشة من الجوع مغشياً على، فيجئ الجائى فيضع رجله على عنقى يرى أن بى الجنون، ومابى جنونٌ وما هو إلا الجوع".

"عن فضالة بن عبيد رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان إذا صلى بالناس يخر رجال من قامتهم فى الصلوة من الخصاصة وهم أصحاب الصفة". الحديث. (جامع الترمذى، ابواب الزهد، باب ماجاء فى معيشة أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۶۲، سعيد)

(۲) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة، مامنهم رجل عليه رداءٌ، إما إزارو إما كساء، قد ربطوا فى أعناقهم، فمنها مايبلغ نصف الساقين ومنها ما يبلغ الكعبين فيجمعه بيده كراهية أن تُرىٰ عورته". (مشكوة المصابيح، باب فضل الفقراء وماكان من عيش النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۴۴۷، قديمى)

(۳) "عن سهل بن سعد رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جاء ته امرأة =

Made searchable using ScribeTools.com

مزدوری کرنا پڑتی (۱)۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے نفقہ کے لئے اپنی جہاد میں کام آنے والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی (۲)۔ اسی حال میں آپ کا وصال ہوا (۳)۔ ان حالات کے باجودان

= فقالت: يا رسول الله: إني وهبت نفسي لك، فقامت طويلاً فقام رجل فقال: يارسول الله! زوجنيها إن لم تكن لك فيها حاجة، فقال: "هل عندك من شئ تصدقها"؟ قال: ماعندي إلا إزاري هذا. قال: "فالتمس ولو خاتماً من حديد". فالتمس فلم يجد شيئاً". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الصداق، الفصل الأول، ص: ۲۷۷، قديمي)

(۱) "وأخرج الطبراني -بإسناد حسن- عن فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أتاها يوماً، فقال: "أين ابناي"؟ يعني حسناً وحسيناً- قلت: أصبحنا وليس في بيتنا شئ يذوقه ذائق، فقال علي رضي الله تعالىٰ عنه: أذهب بهما فإني أتخوّف أن يبكيا عليك وليس عندك شئ، فذهب إلى فلان اليهودي. فتوجه إليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فوجدهما يلعبان في شَربة، بين أيديهما فضل من تمر. فقال: "ياعليّ! ألا تقلب ابنيّ قبل أن يشتد الحر"؟

قال: أصبحنا وليس في بيتنا شئ، فلو جلست يارسول الله! حتى أجمع لفاطمة رضي الله تعالىٰ عنها فضل من تمر، فجعله في خرقة، ثم أقبل، فحمل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أحدهما وعلى الأخر حتى أقلباهما. كذا في الترغيب". (حياة الصحابة للعلامة الشيخ محمد يوسف الكاندهلوي رحمه الله تعالىٰ، باب تحمل الشدائد في الله، عنوان: جوع علي وفاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: ۱/۳۱۱، دارالقلم دمشق)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: رهن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يهودياً درعاً وأخذ منه طعاماً". (المسند للإمام أحمد: ۷/۲۳۸، (رقم الحديث: ۲۵۴۰۳)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(ومشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب السلم والرهن، الفصل الأول، ص: ۲۵۰، قديمي)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: ماشبع آل محمد من خبز الشعير يومين متتابعين حتى قبض رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". (مشكوة المصابيح، باب فضل الفقراء وماكان من عيش النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الفصل الأول، ص: ۴۴۶، قديمي)

حضرات کو کفار کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو بھی منع فرمادیا گیا:

﴿ولاتمدّنّ عينيك إلى مامتعنا به أزواجاً منهم زهرة الحيٰوة الدنيا لنفتنهم فيه، ورزق ربك خيرٌ وأبقى﴾(الآية).(۱).

''اور ہرگز آنکھیں اٹھا کر آپ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دنیاداروں) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دنیاوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ اس سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے''۔

نیز ارشاد ہوا: ﴿ولولا أن يكون الناس أمةً واحدةً، لَجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سُقُفاً من فضة ومعارج، عليها يظهرون. ولبيوتهم أبواباً وسرراً عليها يتكئون. وزخرفاً، وإن كل ذلك متاع الحيو ة الدنيا، والأخرة عند ربك للمتقين﴾(۲)۔

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقے کے ہوجاویں گے تو جو خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے لئے بھی ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کردیتے، اور زینے بھی، جن پر چڑھا کرتے اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی، اور یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں خداترسوں کے لئے ہے''۔

مال میں کفار کی حرص کو قرآن پاک نے منع فرمایا ہے، مگر اسی کو آج مسلمان بار بار للچائی ہوی نظریں اٹھا کر دیکھتا ہے اور ان ہی کی رَوش پر چلنے کے لئے راستہ تلاش کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی اسی منزل پر پہنچے گا جس منزل پر وہ پہنچے۔

سودی کاروبار کے ذریعہ سے نہ مسلمان کا مال ترقی کرسکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:''ان

---

(۱) (سورة طه: ۱۳۱)

(۲) (سوره الزخرف: ۳۳-۳۵)

Made searchable using ScribeTools.com

الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل"(۱)۔

''سودخواہ کتنا ہی زیادہ ہو،اس کا انجام کار قلّت ہے''۔

نہ مال محفوظ رہ سکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:﴿يمحق الله الربوا﴾. (سورة البقرة: ٢٧٦)

''اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتے ہیں''۔

لہٰذا سودی کاروبار کو مالِ مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوصِ قرآن وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے، مسلمان کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں، بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکامِ شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔

دینی اور مذہبی اداروں کو اگر حرام مال سے چلایا جائے گا تو ان سے ایسے لوگ تیار ہو کر نکلیں گے جو خود بھی حرام وحلال کی تمیز سے بے بہرہ ہوں گے اور قوم کو حرام سے روکنے کا جذبہ بھی ان میں نہیں ہوگا۔اسی طرح ایسے لوگوں کو تیار کرنا ظاہر ہے کہ کوئی دینی خدمت نہیں جس سے رضائے خداوندی میسر آسکے جو کہ مسلمان کی خلقت کا اصل مقصد ہے۔

جب عام معاشرہ بگڑ چکا ہو، غیر قومیں حرام مال سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوں، تو علماء کا یہ کام نہیں کہ مسلمانوں کے لئے بھی جواز کی راہ نکال کر ان غیر قوموں کے اتباع کا فتوی دیدیں، بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ رضائے خداوندی اور ابدی انعامات کا پورا نقشہ قوم کے سامنے اخلاص وقوت کیساتھ پیش کریں، متعین طور پر بلا کسی تذبذب کے حکم خداوندی سنادیں۔

اگر کوئی شخص مستامن وغیرہ مخصوص حالات میں کسی بَلا میں گرفتار ہوجائے اور اس کے لئے شرعی

---

(۱) "عن ابن مسعود رضی الله تعالی عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "الربا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل". (مسند أحمد بن حنبل: ۱/۲۵۳، (رقم الحديث: ۳۷۴۵)، دار إحياء التراث العربی بيروت)

"عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "ماأجد أكثر من الربا، إلا كان عاقبة أمره إلى قلة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۶۵، باب التغليظ فی الربا، قديمی)

اسباب کے پیشِ نظر کسی قول پر کوئی گنجائش نکل سکتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کو عام ضابطہ بنا کر منہی عنہ کو ختم کر دیا جائے:

﴿هذاصراطی مستقیماً، فاتبعو ہ ولا تتبعوا السبل﴾ (الایة)(۱)۔

''یہ میرا سیدھا راستہ ہے، پس اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو''۔

﴿ولاتتبعوا خطوات الشیطان﴾(۲)۔

''شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو''۔

اگر بگڑے ہوئے معاشرے اور دیگر اقوام کی ترقیات سے متاثر ہو کر مسلمان کے لئے حرام کی راہیں کھول دیں تو اس کا انجام بہت خطرناک ہے۔ علمائے بنی اسرائیل نے اول قوم کو معاصی سے روکا، وہ نہیں رکی تو روکنا چھوڑ دیا اور معاشرہ میں قوم کے ساتھ شریک ہو گئے تو سب پر لعنت کی گئی:

"عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لماوقعت بنو إسرائیل فی المعاصی، نهتهم علمائهم، فلم ینتهوا، فجالَسوهم فی مجالسهم، وآکلوهم وشاربوهم، فضرب الله قلوب بعضهم ببعض، فلعنهم علی لسان داود وعیسی بن مریم، ذلك بماعصو وکانوا یعتدون". قال: فجلس رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وکان متکئاً فقال: "لا، والذی نفسی بیده! حتی تأطِرُوهم اَطْرًا". رواه الترمذی وأبو داود.

فی روایة قال: "کلا، والله! لتأمرُنّ بالمعروف ولتنهوُنّ عن المنکر، ولتأخذنّ علی یدی الظالم، ولتأطرنه علی الحق اطراً، ولتقصرنه علی الحق قصراً، أو لیضربن الله بقلوب

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۶۸)

قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله﴾ (سورة الأنعام: ۱۵۳)

﴿یا أیهاالذین آمنوا لاتتبعوا خطوات الشیطان﴾ (سورة النور: ۲۱)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الناس کلوا مما فی الأرض حلالاً طیباً، ولا تتبعوا خطوات الشیطان﴾ (سورة البقرة: ۱۶۸)

وقال الله تعالیٰ: ﴿کلوا ممارزقکم الله، ولاتتبعوا خطوات الشیطان﴾ (سورة الأنعام: ۱۴۲)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

بعضكم على بعض، ثم ليلعننّكم كما لعنهم". مشكوة شريف، ص: ٤٣٨(١)۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب بنی اسرئیل معاصی میں مبتلا ہوئے تو علماء نے پہلے تو ان کو روکا، لیکن وہ نہیں رکے، مگر اس حال میں بھی ان کی مجلسوں میں اٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے، پس اللہ تعالیٰ نے بعض کے دلوں کو بعض کے ساتھ ملا دیا اور عیسیٰ بن مریم اور داود علیہما السلام کے ذریعہ ان پر لعنت بھیجی، اس لئے انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کر گئے تھے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے تھے، اٹھ کے بیٹھے گئے اور فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یہاں تک کہ تم ان کو حق کی طرف مائل کرو''۔

حرام کا دروازہ کھول دینے پر کیا کیا لعنت نازل ہوگئی۔ اگر طبقہ وارانہ کشاکش اور تباغض وتحاسد پیدا ہو تو اس سے بچانے کی یہ صورت نہیں کہ حرام کا دروازہ کھول دیا جائے، بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ نصوصِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی زیادہ سے زیادہ تلقین کی جائے:

﴿ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض﴾ (٢)۔

"ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، وكونوا عباد الله إخواناً". وفي روايه: "ولا تنافسوا". متفق عليه". مشكوة شريف، ص: ٤٢٧(٣)۔

''اللہ نے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے اس کی تمنا نہ کرو۔

''اور آپس میں حسد، بغض، اور ایک دوسرے کی غیبت مت کرو اور سب لوگ بھائی بھائی بن کر رہو''۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ''دنیا میں ایک دوسرے پر بڑھنے کی

---

(١) (مشكوة المصابيح، ص: ٤٣٨، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني، قديمي)

(٢) (سورة النساء: ٣٢)

(٣) (مشكوة المصابيح، ص: ٤٢٧، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، قديمي)

حرص مت کرو"۔

سرمایہ دار طبقہ کو ایثار و ہمدردی سکھائی ہے:

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یقول: "لیس المؤمن الذی یشبع وجارُه جائع إلی جنبه". مشکوة شریف، ص: ٤٣٤(١)۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "وہ مومن کامل ہی نہیں جو خود تو پیٹ بھرے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو"۔

"عن جریر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی علیه وسلم: "لایرحم اللّٰہ من لا یرحم الناس". متفق علیه". مشکوة شریف(٢)۔

"حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جو لوگوں پر رحم نہ کرے، اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا"۔

غریب طبقہ کو صبر و قناعت کا سبق دیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمومی حالاتِ زندگی سنائے جائیں:

"عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: ماشبع آل محمد من خبز الشعیر یومین متتابعین حتی قُبض رسول اللّٰہ صلی للّٰہ تعالیٰ علیه وسلم". متفق علیه".

---

(١) (مشکوٰة المصابیح، ص: ٤٢٤، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثالث، قدیمی)

(٢) (مشکوٰة المصابیح، ص: ٤٢١، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الأول، قدیمی)

"عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: سمعت أبا القاسم الصادق المصدوق صلی اللّٰہ علیه وسلم: "لا تُنزع الرحمة إلامن شقیّ".

"وعن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "الراحمون یرحمهم الرحمٰن، ارحموا من فی الأرض، یرحمکم من فی السماء". (مشکوة المصابیح، ص: ٤٢٣، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثانی، قدیمی)

Made searchable using ScribeTools.com

مشکوۃ المصابیح(۱)۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لگاتار دو دن تک جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی''۔

"عن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: دخلت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فإذا هو مضطجع علی رمال حصیر لیس بینه وبینه فراش، قد اثر الرمال بجنبه متکئاً علی وسادة من أدمٍ حشوها لیفٌ، قلت: یارسول اللّٰہ! ادعُ اللّٰہ، فلیوسع علی أمتك، فإن فارس والروم قد وسع علیهم، وهم لایعبدون اللّٰہ. فقال: "أوَ فی هذا أنت یابن الخطاب! أولئك قوم عجلت لهم طیباتهم فی الحیوة الدنیا". وفی روایة: "أماترضی أن تکون لهم الدنیا ولنا الأخرة". متفق علیه"(۲)۔

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، جس پر کوئی بستر بچھا ہوا نہیں تھا، جس سے آپ کے پہلو شریف میں چٹائی کے نشان بن گئے (جیسا کہ عموماً چٹائی وغیرہ پر بیٹھنے یا لیٹنے سے ہوتا ہے) اور چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اس پر آپ تکیہ لگائے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ: یارسول

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۴۶، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء وماکان من عیش النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، الفصل الأول ، قدیمی)

"وعنها (أی عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها) قالت: ماشبع اٰل محمد صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یومین من خبزبُرّ إلا وأحدهما تمر".

"وعنها (أی عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها) قالت: توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وماشبعنا من الأسودین". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۳۶۵، کتاب الأطعمة، الفصل الأول، قدیمی)

(۲) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، وماکان من عیش النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، الفصل الأول، ص: ۴۴۷، قدیمی)

اللہ! دعاء فرمایئے کہ اللہ آپ کی امت (مسلمانوں) پر وسعت فرمادے، روم اور فارس جو اللہ کی عبادت نہیں کرتے، ان پر دنیا کس قدر کشادہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اے ابن خطاب! کیا تم ابھی اس خیال میں ہو، ان کے لئے دنیا کی زندگی ہی میں ان کی مرغوبات دیدی گئی ہیں، کیا تم اس پر راضی نہیں، کہ ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے اخرت''۔

"عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: لقد رأيت سبعين من أصحاب الصفة مامنهم رجل عليه رداء: إما إزار وإماكساء، قد ربطوا فی أعناقهم، فمنها مايبلغ نصف الساقين، ومنها مايبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهة أن تُرى عورته". رواه البخاری، اه". مشكوٰة المصابيح، ص: ٤٤٧(١)۔

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر صحابہ کو دیکھا، ان کے پاس کوئی چادر نہیں تھی، اگر ازار یا کملیاں بھی تھی تو اس کی یہ حالت تھی کہ وہ اس کو گلے میں باندھ لیتے تو کسی صحابی کا کپڑا نصف پنڈلی تک ہوتا اور کسی کا ٹخنہ تک، وہ عامۃً اُسے اپنے ہاتھ سے پکڑے رہتے کہ کہیں کشفِ عورت نہ ہوجائے''۔

"عن قتادة بن النعمان رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: "إذا أحب اللّٰه عبداً، حماه الدنيا، كما يظل أحدكم يَحمِی سقيمه الماء". رواه الترمذی، وأحمد". مشكوٰة شريف، ص: ٤٤٨(٢)۔

''حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

(۱) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۴۷، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبی صلی اللّٰه عليه وسلم، الفصل الأول، قديمی)

(۲) (مشكوٰة المصابيح، ص: ۴۴۸، باب فضل الفقراء، وماكان من عيش النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم، الفصل الثانی، قديمی)

Made searchable using ScribeTools.com

علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو دنیا سے ایسے بچاتے ہیں جیسے تم اپنے بیمار کو پانی سے''۔

"عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "من رضی من اللّٰہ بالیسیر من الرزق، رضی اللّٰہ عنه بالقلیل من العمل"(۱)۔

''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تھوڑے رزق پر اللہ سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کے تھوڑے عمل سے راضی رہیں گے''۔

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال:قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "من جاع، أو احتاج، فکتمه الناسَ، کان حقاً علی اللّٰہ أن یرزقه سَنةً من حلال". رواه البیهقی فی شعب الإیمان(۲)۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو بھوکا ہو، یا کوئی حاجت مند ہو اور لوگوں پر ظاہر نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ ایک سال کا حلال رزق اس کے لئے مقدر فرمادیں'' (حاجت ظاہر نہ کرنے کی برکت سے)۔

"عن عمران بن حصین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال:قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "إن اللّٰہ یحب عبده المؤمن الفقیر المتعفف بالعیال". رواه ابن ماجة". مشکوٰة شریف(۳)۔

''عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایسے مؤمن بندہ کو پسند کرتے ہیں جو فقیر ہو، عفیف اور بال

---

(۱) (مشکوة المصابیح، ص: ۴۴۹، الفصل الثالث، باب فضل الفقراء وماکان من عیش النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، قدیمی)

(۲) (مشکوة المصابیح، المصدر السابق)

(۳) (مشکوة المصابیح، المصدر السابق)

Made Searchable by ScribeTools.com

بچوں والا ہو''۔

اسی طرح تعلیماتِ نبویہ عام ہوسکتی ہیں، اورامتِ مسلمہ کا طغرائے امتیاز باقی رہ سکتا ہے جس کے باقی رکھنے کی زیادہ ذمہ داری علماء کے سر ہے۔ اگر دورِ حاضر کے سیلِ رواں میں بہنا شروع کردیا تو یہ امت اپنا تاجِ افتخار مغربی اقوام کی قدموں پر نثار کرکے ان ہی اقوام میں منضم ہوجائے گی اور سخت قسم کا خسارہ اٹھائے گی اور اس طرزِ عمل سے ملتِ اسلامیہ کو بڑا دھکا لگے گا، جس سے قہار کا قہر جوش میں آجائے گا، اور گوناں گوں عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، جس کے کچھ نمونے پیش آبھی رہے ہیں۔ جب نافرمانی عام ہوجائے اور اس طرح پر روک ٹوک نہ کی جائے تو عذابِ عام کی وعید حدیث پاک میں بیان فرمائی گئی ہے:

"عن أبی بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: ما من قوم یعمل فیهم المعاصی، ثم یقدرون علی أن یغیّروا، ثم لا یغیّرون، إلا یو شك أن یعمهم اللّٰہ بعقاب"(۱)۔

''حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس قوم میں خدا کی نافرمانی ہورہی ہو اور کچھ لوگ نافرمانی کو روکنے پر قادر ہوں، پھر بھی وہ نہ روکیں تو ضرور اللہ پاک ان پر ایک عمومی عذاب نازل فرمائے گا''۔

"عن جریربن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: "ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیهم بالمعاصی، یقدرون علی أن یغیّروا علیه ولا یغیرون، إلا أصابهم اللّٰہ منه بعقاب قبل أن یموتوا". رواه أبو داود، وابن ماجة". مشکوة شریف، ص: ٤٣٦، ٤٣٧(٢)۔

''حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''اگر کسی قوم میں کوئی شخص معصیت میں مبتلا ہو اور اہلِ قوم اس کو روکنے پر قادر ہوں، پھر وہ نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ مرنے سے قبل پوری قوم پر عمومی عذاب نازل فرمائے گا''۔

---

(۱) (مشکوة المصابیح، ص: ۴۳۶، ۴۳۷، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) (مشکوة المصابیح، المصدر السابق)

Made searchable using ScribeTools.com

ایسی حالت میں دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی اور خدا تعالی کی طرف سے نصرت وحمایت بھی نہیں ہوگی:

"عن حذيفة رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "والذى نفسى بيده! لَتأمرُنّ بالمعروف ولَتنهوُنّ عن المنكر، أوليوشكنّ الله أن يبعث عليكم عذاباً من عنده، لَتدعُنّه ولا يستجاب لكم". رواه الترمذى". مشكوة المصابيح، ص: ٤٣٦ (١)۔

''حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالی عنقریب اپنا عذاب تم پر نازل کرے گا، پھر تم دعاء کروگے، لیکن دعا قبول نہ کی جائے گی''۔

تو پھر کیا ان تعمیرات اور تجارت میں عذابِ الٰہی روکنے کی قوت ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو عذابِ الٰہی کا سبب ہیں، اگر ان کو حرام طریق (سودی کاروبار) سے تیار نہ کیا جاتا تو عذاب کیوں آتا۔ اور جہاں جہاں عذاب کا نمونہ آیا ہے، کیا وہاں ان تجارات وتعمیرات نے کوئی حفاظت کی؟ اگر موسم خراب ہو اور امرود سے ہیضہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو حفظانِ صحت کے ماہرین حدودِ میونسپلٹی میں بھی امرود کا داخل ہونا بند کرادیتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ بندر اور گدھے امرود کھا رہے ہیں اور ان کو کس وجہ سے ہیضہ نہیں ہوتا کہ ان کی حرص میں انسانوں کو بھی اجازت دیدی جائے۔ فقط۔ واللہ الموفق لما يُحبّ ويرضى۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بینک سے سودی قرض لینا

سوال[۷۹۲۳]: یہاں ملیشیا میں تجارت پیشہ مسلمان آباد ہیں، وہ لوگ بینک سے تجارت کے لئے روپیہ لیتے ہیں، بینک ان سے ایک فیصد زائد وصول کرتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ ملازمت پیشہ ہیں وہ گورنمنٹ سے قرض لیتے ہیں تو اس کو نصف یعنی سو روپیہ میں نصف روپیہ زائد دینا پڑتا ہے۔ یہ سود ہوا یا نہیں؟

---

(۱) (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۶، ۴۳۷، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثانى، قديمى)

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سود ہے، سود لینے اور سود دینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، اور دونوں کو گناہ میں برابر فرمایا گیا ہے:

"عن جابر رضی اللّٰہ تعالی عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسم اٰکل الربوٰ وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: "هم سواء". رواه مسلم". مشکوٰة شریف، ص ۲٤٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سودی قرض لینا

سوال[۷۹۲۴]: میں پرائمری اسکول کا ماسٹر ہوں، پانچ بچے ہیں، والدہ ہیں، گھر کی ضروریات کے لئے سودی قرض لیتا ہوں، ہر وقت دل پریشان رہتا ہے، حتی کہ دین کے کاموں کو بھی اچھی طرح سے نہیں ادا کر پاتا۔ ایسی حالت میں اپنا ذریعۂ معاش ٹھیک کرنے کے لئے سرکار سے صنعتی قرضہ لے سکتا ہوں یا نہیں؟ جس میں کچھ سود بھی قسطوں کے ساتھ ادا کرنا پڑے گا، ایسی صورت میں میرے لئے گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سود لینا اور سود دینا حرام ہے(۲)، اگر گذارہ کی کوئی صورت نہ ہو تو محتاج کے لئے بقدر ضرورت سودی

---

(۱) (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۳، باب الربوا، الفصل الأول، قدیمی)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللّٰہ البیع وحرم الربوا﴾ (البقرة، ۲۷۵)

"عن عبد اللّٰہ بن حنظلة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه غسیل الملائکة قال: قال رسول للّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "درهم ربوا یأکله الرجل وهو یعلم أشدّ من ستة وثلثین زنیةً".

"عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "الربوا سبعون جزاءً أیسرها أن ینکح الرجل أمّه". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

"قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "کل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فیض القدیر، ۴۴۸۷/۹، (رقم الحدیث: ٦۳۳٦)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز، ریاض)

(۲) (راجع رقم الحاشیة: ۱)

Made searchable using ScribeTools.com

قرض لینے کی گنجائش ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

سرکاری قرضہ

سوال[۷۹۲۵]: مرکزی صوبائی حکومتیں کاروبار، کارخانہ جات اور دوسری صنعتوں وغیرہ کی ترقی وترویج کے واسطے روپیہ اور دوسری چیزیں بطورِ قرض معمولی سود پر دیتی ہیں، آپ بخوبی واقف ہیں کہ حکومت کے پاس جو روپیہ ہوتا ہے وہ سب پبلک سے ہی حصول کیا ہوا ہوتا ہے، یا وہ رقم ہوتی ہے جو ہماری حکومت دوسری حکومتوں سے قرض کی شکل میں یا امداد کی شکل میں حاصل کرتی ہے۔

(الف) کیا حکومت سے سود پر انفرادی کاروبار یا کارخانہ جات وغیرہ کے لئے روپیہ قرض لیا جاسکتا ہے؟

(ب) کیا حکومت سے سود پر قرض مندرجہ بالا کاروبار کے واسطے جبکہ اجتماعی منافع کے لئے امداد باہمی

---

(۱) "ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه) قال الحموی: "وذلک نحو أن يقترض عشرة دنانير مثلاً ويجعل لربها شيئاً معلوماً في كل يوم ربحاً". (غمز عيون البصائر للحموی: ۱/۲۹۴، القاعدة الخامسة، الفصل الأول، إدارة القرآن، كراچی)

"المشقة تجلب التيسير". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۴، إدارة القرآن، كراچی)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، ..... وكذا إتلاف المال، وأخذ مال الممتنع من أداء الدين بغير إذنه، ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله". (الأشباه والنظائر، ص: ۸۷، الفن الأول، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، قديمی)

لیکن ضرورت جب پوری ہوجائے تو اس کے بعد مزید سودی قرض کا سلسلہ بڑھانا جائز نہیں:

"الحاجة إذا عمّت كانت لضرورة". (الأشباه للسيوطی، ص: ۱۷۹)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة". (الأشباه والنظائر: ۱/۲۴۵، إدارة القرآن كراچی)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الضرورات تتقدر بقدرها". (شرح المجلة، ص: ۳۰، رقم المادة: ۲۲)

(وكذا في الأشباه والنظائر: ۱/۲۷۶، إدارة القرآن، كراچی)

کی بناپر چلائے جائیں، لیا جاسکتا ہے؟

(ج) کیا اس طرح سود پر قرض لے کر کئے گئے کاروبار سے حاصل شدہ آمدنی جائز ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حکومت نے جو روپیہ دوسری حکومتوں سے قرض لیا ہے وہ اس کی مالک ہوگئی، اور واپسی کی ذمہ دار ہے، جو روپیہ پبلک سے قانونی حد میں یا قاہرانہ قوت سے لیا ہے وہ بھی استیلاء کی وجہ سے اس کی ملک میں آگیا (۱)۔

(الف) سودی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، سود قلیل ہو یا کثیر (۲)، اگر پبلک اس روپیہ کو اپنی ملک تصور کر کے قرض کے نام پر لے اور سود دے تو یہ مزید خسارہ ہے کہ اپنا ہی روپیہ لیا ہے، پھر اس کو واپس کرنا ہے اور سود دینا ہے۔

(ب) اس کی بھی اجازت نہیں (۳)۔

(ج) سود پر قرض لینا تو ناجائز ہوگا، مگر ایسے کاروبار سے جو آمدنی حاصل ہوگی اس کو ناجائز نہیں

---

(۱) "إذا سبى كافر كافراً آخر بدار الحرب، وأخذ ماله، مَلَكه، لاستيلاء ه على مباح..... وإن غلبوا على أموالنا ولو عبداً مؤمناً، وأحرزوها بدارهم، مَلَكوها". (الدرالمختار: ۱۶۰/۴، باب استيلاء الكفار، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۲۴/۲، الباب الخامس في استيلاء الكفار، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۶۰/۵، كتاب السير، باب استيلاء الكفار، رشيديه)

(۲) "عن عبد الله بن حنظلة رضى الله تعالىٰ عنه غسيل الملائكة قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلثين زنيةً". (مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب ماجاء في الرباء: ۱۱۷/۴، دارالفكر)

(ومشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمى)

(۳) "ولهذا لايجوز أن يردّ المقترض إلى المقرض إلاما اقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة: كل قرض جرّ نفعاً، فهو ربا". (فقه السنه، البيع، القرض: ۱۴۸/۳، دارالكتاب العربى بيروت)

"كل قرض جرمنفعةً، فهو ربا". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۴۴۸۷/۹، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثانى، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمى)

Made searchable using ScribeTools.com

کہا جائے گا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

سود پر قرض لینا

سوال[۷۹۲۶]: زید کو روپیہ کی اشد ضرورت پیش آئی اور اس نے بہ مجبوری اپنی جائیداد رہن رکھ کر سود پر روپیہ قرض لے لیا۔ایسی حالت میں جب کہ سخت مجبوری کی حالت میں سود پر روپیہ لیا جائے تو اس کے لئے حکم کیا ہے اور کیا زید بحالتِ مجبوری اس فعل سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود دینا حرام ہے(۲)، ایسے شخص پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے (۳)۔حرام کا ارتکاب

---

(۱) سود پر لی ہوئی رقم قرض ہے، اس میں فی نفسہ کوئی خبث نہیں ہے، بلکہ خبث ان کے درمیان سودی معاملہ اور اس کے بعد مُقرض کو حاصل ہونے والا نفع میں ہے، لہٰذا سود پر لی ہوئی رقم (قرض) سے کاروبار چلا کر مستقرض کو جو نفع ہوتا ہے، وہ حرام نہیں کہلائے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

"وقال الحنفية: يبطل الشرط؛ لكونه منافياً للعقد، ويبقى القرض صحيحاً. وقولهم ببطلان الشرط لكونه منافياً للعقد فيه تصريح بأن القرض إذا كان مشروطاً بالمنفعة يلزم منه انقلابه بيعاً، ولذا أبطلوا الشرط حفظاً للعقد عن الانقلاب، وإلا لم يكن لإبطاله معنى. مرادهم بكون القرض صحيحاً والشرط باطلاً، أن المستقرض إذا قبض الدراهم التى استقرضها بالشرط يصير ديناً عليه، لاتكون أمانةً غير مضمونة. وأما أن الإقراض والاستقراض بالشرط جائز فكلا، فقد صرح فى "الدر" عن "الخلاصة": القرض بالشرط حرام والشرط لغو. وفيه أيضاً: واعلم أن المقبوض بقرض فاسد كمقبوض ببيع فاسد سواء، اهـ". (إعلاء السنن، كشف الدجى عن وجه الربا: ۱۴/۵۳۴، إدارة القرآن كراچى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۳) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسو ل صلى الله عليه وسلم اٰكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". (مشكوة المصابيح، باب الربوا، الفصل الأول، ص: ۲۴۳، قديمى)

اضطرار کی حالت میں معاف ہے، پس اگر جان کا قوی خطرہ ہے، یا عزت کا قوی خطرہ ہے، نیز اَور کوئی صورت اس سے بچنے کی نہیں، مثلاً: جائیداد فروخت ہوسکتی ہے، نہ روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے تو ایسی حالت میں زید شرعاً معذور ہے(۱)۔ اور اگر ایسی ضرورت نہیں بلکہ کسی اَور دنیوی کاروبار کے لئے ضرورت ہے، یا روپیہ بغیر سود کے مل سکتا ہے، یا جائیداد فروخت ہوسکتی ہے تو پھر سود پر قرض لینا جائز نہیں، کبیرہ گناہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۰/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳۰/شوال/۵۶ھ۔

سرکاری سودی قرضہ

سوال[۷۹۲۷]: ۱.....زید کاشتکار ہے اور اپنے ہل بیل سے کاشت کرواتا ہے، اچانک اس کے بیل مرجاتے ہیں اور وہ اپنے پاس سے بیل خرید سکنے کی گنجائش نہیں پاتا۔ لہٰذا اس کو بیلوں کے لئے سودی قرض لینا کیسا ہے؟

۲..... زید کاشتکار کے بوجہ خشک سالی کئی سالوں سے پیداوار بہت ہی کم ہورہی ہے، حتی کہ گھریلو اخراجات کے لئے اس کو قرض لینے کی نوبت آگئی، حالانکہ وہ اتنی زمین رکھتا ہے کہ اگر آبپاشی وغیرہ کا معقول

---

(۱) "ويجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسه، قديمى)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة وإساغة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه". (الأشباه والنظائر، مع شرحه للحموى، ص:۱۸۷، الفن الأول، القاعده الخامسة، قديمى)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به، فمن اضطر غير باغ ولاعاد، فإن اللهغفور رحيم﴾ (سورة النحل: ۱۱۵)

Made searchable using ScribeTools.com

انتظام ہو سکے تو خاصی پیداوار ہو سکتی ہے۔ چونکہ آبپاشی کا انتظام نہیں، بریں بنا زمین افتادہ رہ جاتی ہے، اور پوری زمین نہیں بو سکتے ہیں، زمین کے علاوہ زید کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں رکھتا ہے جس سے اس کا کام چل سکے۔ ایسی مجبوری میں آبپاشی کی غرض سے سرکار سے قرض لینا کیسا ہے؟ جبکہ اس میں سود بھی دینا ہوگا اور کبھی کبھی اصل قرض سے کم وبیش چھوٹ بھی مل جاتی ہے جس کی وجہ سے سود کا اضافہ اور چھوٹ کی کمی مل کر اوسط ادائیگی قرض اصل قرض کے برابر ہو جاتا ہے، لیکن یہ شکل ہمیشہ نہیں ہوتی؟

۳.....سوسائٹی کے بنک (جس میں فیس ممبری جمع کر کے حصہ دار بننا پڑتا ہے اور اس میں صرف حصہ دار ہی کو قرض دیا جاتا ہے) سے قرض لینا اور پیداوار کی ترقی کے لئے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا ہے، حصہ دار بننے کی کوئی صورت نہیں بلکہ سرکار سے براہ راست یا اور کسی شخص خاص سے سودی قرض لینا کیسا ہے؟ تینوں شکلیں یکساں ہیں، یا کوئی فرق ہے، جب کہ معاملۂ سود ہر ایک میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲.....پہلی دونوں صورتوں میں سودی قرض لینے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اگر انسان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے اور بے حد درجے کی پریشانی ہو، اور بلا سود قرض نہ ملتا ہو تو بقدرِ ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے، ہر حالت میں خداوند قدوس کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، اسی پر بھروسہ ہونا چاہیئے، ''یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''. کذافی الأشباہ والنظائر، ص: ۱۱۵(۱)۔

---

(۱) (الأشباہ والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قبیل القاعدة السادسة، قدیمی)

''وفی القنیة من الکراهیة: یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''. (البحر الرائق، کتاب البیع، باب الربا: ۲۱۱/۶، رشیدیه)

''وإذا کانت هناک ضرورة أو حاجة ملحّة اقتضت معطی الفائدة أن یلجأ إلی هذا لأمر، فإن الإثم فی هذا الحال یکون علی آخذ الربا. (الفائدة) وحده وهذا بشرط أن تکون هناک ضرورة أو حاجة حقة لامجرد توسع فی الکمالیات أو أمور یستغنی عنها.....، ومن ناحیة أخری، علیه أن یستنفد کل طریقة للخروج من مازقه المادی، وعلی إخوانه المسلمین أن یعینوه علی ذلک، فإن لم یجد وسیلةً إلاهذ افأ قدم علیه غیر با غ ولاعاد، فإن اللهغفور رحیم''. (الحلال والحرام فی الإسلام لیوسف القرضاوی، ''مؤکل الربا وکاتبه''، ص: ۲۱۹، المکتب الإسلامی، بیروت) .....=

۳.....ایسی سوسائٹی بینک (جس سے قرض لینے کے لئے ممبری فیس دینا ضروری ہو) سے قرض لیناد رست نہیں:"کل قرض جرّنفعاً، فھوحرام"(۱)۔ اورسودی لین دین ممنوع ومذموم ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۳/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۳/۶/۸۸ھ۔

سرکاری سودی قرض

سوال[۷۹۲۸]: ۱.....حکومتِ ہندبطورِقرضہ کے کچھ روپیہ ورقم تجارت وغیرہ کے سلسلہ میں قرض خواہ کو دیتی ہے، پھرحکومت اس روپیہ کی واپسی کے لئے قسط مقرر کرلیتی ہے اوراصل روپیہ سے کچھ زائد لیتی ہے۔پس ایسی صورت میں ہم مسلمانوں کو لینا چاہئے یانہیں؟اورحکومت سے لین دین روپیہ کااس صورت میں کیساہے؟

باہمی سودی فنڈ

سوال[۷۸۲۹]: ۲.....ہم چندنوجوانوں نے ایک فنڈآپس میں جمع کرکے کھول رکھاہے،چنانچہ اس فنڈ کے ماتحت بہت سے سامان خریدے جاتے ہیں،مگراس کے فروخت کی نوعیت کے لئے توخیر جوہے وہ ٹھیک ہے،مگرادھارکاسلسلہ یوں ہے کہ جوسامان لیتاہے اس سے ایک ماہ کی، دوماہ کی مدت متعین کرلی جاتی ہے۔اب اگروہ شخص اس متعینہ مدت میں روپیہ نہیں دیتاہے تو ذمہ دارانِ فنڈ متعینہ مدت کی رقم میں اضافہ کرکے لیتے ہیں۔توکیاایسی صورت میں جائزہے؟

= (وكذا في شرح المجلة للأتاسي: ۱/۵۶، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمي)

"قال عليه السلام: "كل قرض جر منفعةً، فهو ربا". الحرث عن علي رضي الله تعالىٰ عنه".

(فيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۹/۴۴۸۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل اللهالبيع، وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

Made searchable using ScribeTools.com

ایضاً

سوال[۷۹۳۰]: ۳.....ہم کپڑے سازی کا کاروبار کرتے ہیں اور مہاجنوں(۱) کے یہاں سے سوت ادھار لاتے ہیں اور ادھار و نقد میں بڑا فرق ہوتا ہے، مثلاً نقد ۴۵/ روپیہ کا ملے گا اور اگر ادھار لینا ہے تو وہی سوت ۵۰/ روپیہ کا ملتا ہے۔ بہر حال جو حضرات نقد لاتے ہیں، وہ گھر لا کر پھر گاہکوں کو ادھار کا دام رکھ کر فروخت کرتے ہیں، یا نقد لے کر گھر کے کسی آدمی کے نام بھی ادھار فروخت کر دیتے ہیں اور گاہکوں کو ایک اصول کے مطابق نفع رکھ کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....یہ سود ہے اور سود کا لینا بھی حرام ہے، دینا بھی حرام ہے (۲) جس کا گذارہ بغیر اس قرض کے ہوسکتا ہے وہ ہرگز قرض نہ لے۔

۲.....سامان کی دو قیمتیں تجویز کر لی جاویں: ایک نقد کی، دوسری ادھار کی، پھر خریدار سے دریافت کیا جائے کہ آپ کس طرح خریدیں گے، نقد یا ادھار، پھر جو صورت وہ بتائے اس کے موافق اس کو قیمت بتادی جائے اور ادھار کی صورت میں مدت متعین کر لی جائے (۳)۔ اگر خریدار اس مدت میں قیمت نہ دے تو اس پر

---

(۱) ''مہاجنی: ساہوکاری، سوداگری''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۲۱، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "عن أبی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الذهب بالذهب والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، یداً بید، فمن زاد أو استزاد، فقد أربی، الآخذ والمعطی فیه سواء". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۴، باب الرباء، الفصل الأول، قدیمی)

"ماحرم أخذه، حرم إعطاءه..... فأخذ الرشوة ممنوع کإعطائها، ومثل ذلک الربا".

(شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۴)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"ماحرم أخذه حرم إعطاءه..... کالربا". (الأشباه والنظائر، ص: ۱۵۵، الفن الأول، القاعدة الرابعة عشر، قدیمی)

(۳) "البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح، یلزم أن تکون المدة معلومةً فی البیع بالتأجیل والتقسیط".

(شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۱۲۴، (رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶)، مکتبه حنفیه کوئٹه) =

Made Searchable by ScribeTools.com

اضافہ نہ کیا جائے، اس طرح درست ہے، ورنہ سود ہوکر معاملہ ناجائز ہوجائے گا(۱)۔

۳.....نمبر:۲ سے اس کا جواب واضح ہے، ادھار کی مدت کے اعتبار سے قیمتوں میں تفاوت جائز ہے، مگر اس کی صورت بھی یہی ہے کہ خریدار سے دریافت کرلیا جائے کہ کتنی مدت میں قیمت دیگا، اس کے اعتبار سے قیمت بتادی جائے (۲)، اس میں اگر تاخیر ہوتو قیمت میں اضافہ نہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۰ھ۔

ایک روپیہ قرض دیکر ۱۸/ آنہ واپس لینا

سوال[۷۹۳۱]: زید بکر کو ایک روپیہ انتفاع کے لئے بمیعاد ایک سال قرضاً دیتا ہے، لیکن بکر سے

= "لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألايرى أنه يزاد فى الثمن لأجل الأجل". (الهداية: ۷۶/۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، امداديه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق: ۱۱۴/۶، كتاب البيع، باب المرابحة والتوالية، رشيديه)

(۱) "عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الأخذ والمعطى فيه سواء". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۴، باب الرباء، الفصل الأول، قديمى)

"ماحرم أخذه، حرم إعطاءه..... فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا".

(شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ماحرم أخذه حرم إعطاءه..... كالربا". (الأشباه والنظائر، ص: ۱۵۵، الفن الأول، القاعدة الرابعة عشر، قديمى)

(۲) "وإذاعقد العقد على أنه إلى أجل كذابكذا، وبالنقد بكذا، أو قال: على أنه إلى شهر بكذا وإلى شهرين بكذا، فهوفاسد؛ لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهى النبى صلى الله عليه وسلم عن شرطين فى بيع، وهذاهو تفسير الشرطين فى بيع، ومطلق النهى يوجب الفساد فى العقود الشرعية. وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كانا يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأعاد العقد عليه، فهو جائز".

(المبسوط للسرخسى: ۱۳، /۸. باب البيوع الفاسدة، دار المعرفة بيروت)

Made searchable using ScribeTools.com

روپیہ مقروضہ وصول کرنے کے وقت بجائے ایک روپیہ کے اٹھارہ آنہ پیسے لیتا ہے۔اب مطلوب امر یہ ہے کہ صورت مرقومہ شرعاً جائز ہے نہیں؟ تسلی بخش جواب مع دلائل ارقام فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سود ہے،لہٰذا حرام ہے:﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (الآية)(۱)۔ "كل قرض جرّ نفعاً حرام"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۰/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

مال فروخت کرنے پر کچھ پابندی لگانا

سوال[۷۹۳۲]: نیر بنانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بنانے والا سوت (۳) اور کچھ روپیہ لے کر کے

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) (الأشباه والنظائر، الفن الثانی، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمی)

"قوله عليه السلام: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". الحارث عن علیّ رضی الله تعالیٰ عنه" (فيض القدير، ۹/۴۴۸۷، (رقم الحديث: ۲۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز رياض)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو، بأن يقرض على أن يكتب به إلى بلد كذا، ليوفى دينه. وفی الأشباه: كل قرض جرّ نفعاً حرام". (الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض: ۵/۱۶۶، سعيد)

"عن علیّ أميرالمومنين مرفوعاً: "كل قرض جرّ منفعةً، فهوربا". "وعن عطاء قال: كانوا يكرهون كل قرض جرّ منفعةً". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۸، ۵۰۰، كتاب الحولة، إدارة القرآن كراچی)

"محمد قال: أخبرنا أبوحنيفة عن حماد عن إبراهيم رحمهم الله تعالیٰ قال: "كل قرض جرّ منفعةً، فلاخير فيه". (كتاب الآثار، ص: ۱۷۰، باب القرض، سعيد)

"وعن أنس رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: "إذا أقرض الرجلُ الرجلَ، فلايأخذ هديةً". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قديمی)

(۳) "سوت: تاگا، دھاگہ، تار، سیدھ دیکھنے کا ڈور"۔(فيروز اللغات، ص: ۸۱۷، فيروز سنز لاهور)

دیتا ہے اور تیار ہونے والے مال کو اپنی دوکان پر لانے کی پابندی عائد کرتا ہے، اور دوسری قسم کی پابندی میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھتا، مثلاً سوت کو رنگ بھرانا، یا کسی دوسرے کے یہاں مال نہ بھرا جائے، لہٰذا سوت کی جب بکری کر کے دیتا ہے تو اس طرح کی پابندی کہاں تک صحیح ہے؟ بہر کیف سوت رنگاتے رنگاتے روپیہ بڑھ جاتا ہے۔ چونکہ ادھار ہماری طرف زیادہ ہوتا ہے، تو اس میں کمیشن ملتا ہے، بعد میں اس کمیشن کو وہی سوت فروخت کرنے والا لیتا ہے۔

نیز ساڑیاں کر کے جب مزدور لاتا ہے (۱) اور وہی سوت بیچنے والا دلال اس کو بھی بازار میں فروخت کرتا ہے جس میں پلاسٹک کی تھیلی لگتی ہے، اس کی قیمت بازار میں پانچ پیسہ ہے، مگر وہ دس پیسہ رکھتا ہے۔ پس یہ صورت کہاں تک جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب سوت فروخت کیا اور روپیہ قرض دیا ہے تو ان پابندیوں کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۸ھ۔

حفاظت کے لئے بینک میں روپیہ رکھنا

سوال [۷۹۳۳]: ایک شخص متولی اس خیال سے کہ شریعت اسلام میں اس چیز کی ممانعت ہے کہ کسی بینک میں روپیہ جمع کیا جائے، روپیہ اپنے پاس رکھتا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ موجودہ لوگوں سے بینک میں رکھنا بہتر ہے۔ اس میں کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ بینک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے، اگر اور کوئی صورت نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری بینک میں بھی

---

(۱) ''ساڑیاں کرنا: جمع ہے ساڑی کی، ایک قسم کی لمبی دھوتی، جسے عورتیں آدھی باندھتی اور آدھی اوڑھتی ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۶۴، فیروز سنز لاهور)

(۲) ''لا یمنع أحد من التصرف فی ملکه أبداً، إلا إذا أضرَّ بغیره ضرراً فاحشاً''. (شرح المجلة، ص: ۶۵۷، (رقم المادة: ۱۱۹۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

روپیہ داخل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہاں روپیہ ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسلم بینک کا قیام اور اُس کی آمدنی

سوال[۷۹۳۴]: ۱..... یہاں پر مسلم تاجر حضرات صرف مسلمانوں ہی سے لین دین کی غرض سے اپنا خاص مسلم بینک قائم کرنا چاہتے ہیں۔اور جس طرح مسلم فنڈ کے اندر دیوبند وغیرہ میں ہر ایک سو روپیہ پر ایک فارم کی قیمت مقرر ہے کہ روپیہ لینے والے کو پہلے فارم قیمتاً خریدنا پڑتا ہے،تو اس طرح پر یہاں مسلم بینک میں اگر فارم کی قیمت متعین کی جائے تو یہ کیسا ہے؟ مسلم بینک میں صرف ضمانت پر بلاسود روپیہ دیا جائے گا۔

۲..... مسلم بینک کے حصہ دار اس کی آمدنی کو اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں یا اس کی آمدنی کو صرف دین اور مذہبی کاموں میں خرچ کردیا جائے؟

---

(۱) "قال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم : "دع مایریبک إلی لامایریبک". (فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۴۲۱۱-۴۲۱۴): ۶/۳۲۴۵-۳۲۴۷، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"ولابأس بأن یؤاجر المسلم داراً من الذمیّ لیسکنها، فإن شرب فیها الخمر أو عَبَد فیها الصلیب أو أدخل فیها الخنازیر، لم یلحق المسلم إثم فی شئ من ذلک؛ لأنه لم یؤاجرها لذلک، والمعصیة فی فعل المستاجر، وفعله دون قصد رب الدار، فلا إثم علی رب الدارفی ذلک". (المبسوط للسرخسی، کتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۱۶/۲۹، مکتبه حبیبیه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامةً کانت أو خاصةً، ولهذاجوزت الإجارة علی خلاف القیاس للحاجة". (الأشباه والنظائر،ص: ۹۳، القاعدة الخامسة، الفن الأول، قدیمی کراچی)

"المشقة تجلب التیسیر، والأصل فیها قوله تعالی: ﴿یرید الله بکم الیسر ولایرید بکم العسر﴾ (الأشباه والنظائر،ص: ۷۷، القاعدة الرابعة، الفن الأول، قدیمی کراچی)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً ..... ومنه تجویز بیع السَّلم مع أنه بیع المعدوم ..... ومنه تجویز الاستیجار علی الطاعات باطل قیاساً، فجوزوه للحاجة استحساناً". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱.....ضمانت کے بغیر بھی بلاسود قرض لینا درست ہے، ایک روپیہ کا فارم خریدنا سود میں داخل نہیں (۱)۔

۲.....آمدنی کی کیا صورت ہے جبکہ وہاں سود نہیں لیا جاتا۔ جتنا روپیہ وہاں سے کسی نے قرض لیا ہے اتنا ہی واپس کرے گا، اور ایک روپیہ کا فارم ملتا ہے بلکہ مزید کچھ خرچ کرنا ہوگا، پھر آمدنی کی کیا صورت ہے جس کے استعمال کرنے کا سوال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۲ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۲ھ۔

مسلم فنڈ کی رقوم کو بینک یا ڈاکخانہ میں رکھنا

سوال[۷۹۳۵]: علاقہ بنجھارپور ضلع کٹک کے چند نوجوانوں نے جمعیۃ علمائے ہند کے شائع شدہ تعمیری پروگرام کی روشنی میں اور مسلم فنڈ دیوبند کے طرز پر ایک مسلم فنڈ قائم کیا ہے، اس میں داخل شدہ تمام رقوم امانت کی حفاظت کا فی الحال کوئی ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے اراکینِ مسلم فنڈ نے مشورہ کر کے ڈاکخانہ میں یہ رقوم جمع کر کے پاس بک کھلوالیا ہے، آئندہ ارادہ ہے کہ جب فنڈ کی آمدنی معتد بہ ہوگی تو اس کی حفاظت کا انتظام بھی اپنے طور پر کرلیا جائے گا۔ اس پر بعض ممبران کو اعتراض ہے کہ رقومِ امانت کا ڈاکخانہ یا بینک وغیرہ میں جمع کرنا جائز نہیں۔ ''چونکہ گورنمنٹ ان رقوم کے اندر تصرف کرتی ہے اور امانت کے اندر تصرف جائز نہیں''۔ یہ ہے مبنیٰ اعتراض کا۔

---

(۱) "﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

"لأن الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين فى المعاوضة الخالى عن عوض شرط فيه". (الهداية: ۳/۸۰، باب الرباء، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وهوفى الشرع عبارة عن فضل مال لايقابله عوضٌ فى معاوضة مال بمال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب التاسع، الفصل السادس فى تفسير الربا: ۳/۱۱۷، رشيديه)

"فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذا، الزيادة عوضٌ". (الفقه على المذاهب الأربعة: ۲/۲۲۷، المبحث الربا، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

Made Se[redacted]ools.com Made searchable using ScribeTools.com

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقومِ امانت بغرضِ حفاظت اگر ڈاکخانہ یا کسی بھی رجسٹرڈ بینک میں جمع کیا جائے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ نیز واضح رہے کہ یہ مسلم فنڈ شائع شدہ دستور العمل کے ص:۳ پہلی سطر بعنوان ''سرمایہ'' یہ عبارت مرقوم ہے ''مسلم فنڈ دیوبند کا سرمایہ خزانۂ دارالعلوم اور کسی بھی رجسٹرڈ بینک میں محفوظ رہے گا''۔اس معاملہ میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

امانت عامۃً دو قسم کی رکھی جاتی ہے: ایک نوٹ کی شکل میں، دوسری سونے، چاندی یا زیور کی شکل میں۔ دوسری قسم کو تو بعینہ محفوظ رکھا جاتا ہے، اس میں تصرف نہیں کیا جاتا۔ پہلی قسم میں تصرف کیا جاسکتا ہے(۱)۔آپ مسلم فنڈ سے براہ راست تحقیق کرلیں کہ اس کا کون سا سرمایہ خزانۂ دارالعلوم یا رجسٹرڈ بینک میں محفوظ رہتا ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ امانت کو بعینہ محفوظ رکھنا ضروری ہے(۲)، اس میں تصرف جائز نہیں(۳)، ہاں! اگر اصل

---

(۱) "لا يتعين الثمن بالتعيين في العقد مثلاً: لو أرى المشتري البائع ذهباً مجيدياً في يده، ثم اشترى بذلك الذهب شيئاً لا يجبر على أداء ذلك الذهب بعينه، بل له أن يعطي البائع ذهباً مجيدياً من ذلك النوع غير الذي أراه إياه.

يراد بالعقد عقد المعاوضة كالبيع والإجارة أو ما غيرهما من العقود كالإيداع والشركة، فتعين فيه النقود بالتعيين، فلو أودع رجلاً عشرين ذهباً عثمانياً، لزم الوديع أن يردّ هذه الذهبات عيناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز ص: ۱۲۴، (رقم المادة: ۲۴۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"أحكام النقد: لا يتعين في المعاوضات ..... و لا يتعين في النذر والوكالة قبل التسليم، وأما بعده فالعامة كذلك، ويتعين في الأمانات والهبة والصدقة والشركة". (شرح الأشباه والنظائر: ۵۲/۳، أحكام النقد و ما يتعين فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۱۵۳/۵، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، سعيد)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمی)

قال الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ: "إذا أوتمن" -بالبناء للمفعول-: أي وُضع عنده أمانةً "خان": أي بالتصرف الغير الشرعي". (مرقاة الفاتيح: ۲۲۹/۱، كتاب الإيمان، رشيديه)

(۳) "لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه، أو ولاية عليه. وإن فعل، كان =

مالک اجازت دیدے تو تصرف درست ہے، پھر یہ امانت نہیں رہے گی بلکہ اس کو قرض کہا جائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۵/۹۴ھ۔

= ضامناً". (شرح المجلة، لسليم رستم باز، ص: ٦١، (رقم المادة: ٩٦)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي". (شرح المجلة، ص: ٢٦، (رقم المادة: ٩٧)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "وعارية الدراهم والدنانير والفلوس قرضٌ؛ لأن الإعارة إذن في الانتفاع، ولايتأتى الانتفاع إلاباستهلاك عينها، فيصير ماذوناً في ذلك". (المبسوط للسرخسي: ١١/١٥٥، كتاب العارية، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"إذا استعار الدراهم، فقال له: أعرتك دراهمي هذه، كان بمنزلة أن يقول: أقرضتك، وكذلك كل مكيل وموزون؛ لأن الإعارة تمليك المنفعة، ولايمكن الانتفاع إلاباستهلاك عينها، فكان ذلك تمليكاً للعين اقتضاء، وتمليك العين إما بالهبة، أو القرض والقرض أدناهما". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، ٩/١٣، كتاب العارية، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ٥/٦٨١، كتاب العارية، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ٧/٤٨٠، كتاب العارية، رشيديه)

"وعارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود قرضٌ". (البحرالرائق: ٧/٤٨٠، كتاب العارية، سعيد)

"عارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود والمتقارب عند الإطلاق قرض ضرورة استهلاك عينها، فيضمن المستعير بهلاكها". (ردالمحتار: ٥/٦٨١، كتاب العارية، سعيد)

"وعارية الثمنين والمكيل والموزون والمعدود قرض؛ لأن الإعارة إذن في الانتفاع به، ولا يتأتى الانتفاع بهذه الأشياء إلا باستهلاك عينها، ولا يملك الاستهلاك إلا إذاملكها فاقتضت تمليك عينها ضرورةً، وذلك بالهبة أو بالقرض، والقرض أدناهما ضرراً، لكونه يوجب رد المثل، ولأن العارية توجب ردّ العين، والقرضَ يوجب رد المثل، وهو يقوم مقام العين". (تبيين الحقائق: ٦/٤٠، ٤١، كتاب العارية، دارالكتب العلمية بيروت)

Made searchable using ScribeTools.com

مسلم فنڈ سے متعلق تحقیق

سوال[۷۹۳۶]: باسمه سبحانه تعالی!

حضرت اقدس دامت برکاتکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج کل جابجا مسلم فنڈ کا قیام ہوتا جارہا ہے، جمعیۃ العلماء کے پروگراموں میں اس کو بھی شامل کیا گیا ہے، دیوبند مسلم فنڈ کا قیام حضرت مولانا اسعد صاحب کی سرپرستی میں اور لکھنؤ ورائے بریلی میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کی سرپرستی میں ہے اور جابجا اسی طرح ہوتا جارہا ہے۔

دیوبند مسلم فنڈ کے کسی پروگرام کے موقع پر آپ کے اردگرد مدرسے کے بہت سے مدرسین وعلماء جمع ہوگئے تھے، اس وقت آنجناب نے یہ فرمایا تھا کہ ایک فتوی میں نے لکھا ہے اس کو دیکھ لو، پھر سوال کرو میں جواب دوں گا، اس وقت سارے لوگوں کے سوال کا جواب دینا مشکل ہے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے بار بار آپ کے پاس جاکر سوال کئے جس کو انہوں نے آکر بتلایا اور اخیر میں کہا کہ اب مجھ کو اطمینان ہوگیا۔

یہاں بھی مسلم فنڈ قائم ہے، آپ حضرات کے اس پرگروام کی ہمت افزائی کیوجہ سے ہم لوگوں کو شرحِ صدر رہا کہ جائز ہے، لیکن اسی دوران کچھ لوگوں نے بہارامارتِ شرعیہ اور دارالعلوم دیوبند مفتی احمد علی سعید صاحب سے فتوی منگائے جس میں ناجائز ہونے کا فتوی دیا گیا اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کا لکھا ہوا فتوی جس پر حضرت والا کے دستخط ہیں، اس میں جائز کہا گیا، تینوں فتاوی منسلک ہیں۔ مسلمانوں کے اس ملی کام کے لئے دفتر کا قیام، ملازمین کی تنخواہ اور دیگر مصارف ضروری ہے۔ اگر فارم یا معاہدہ نامہ کی قیمت دفتری ضرورت کے موافق نہ رکھی جائے بلکہ کم رکھی جائے تو کام چلنا مشکل ہے۔ اس لئے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے فتوی صادر فرمایا جائے۔

سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

۱.....قرض کے فارم، معاہدہ نامہ کی قیمت، ملازمین کی تنخواہ اور دیگر دفتری مصارف کے لحاظ رکھنا جائز یا نہیں؟

۲.....قرض کی مدت ختم ہونے پر فارم قرض، معاہدہ نامہ کی تجدید اور اسی کی از سرِ نو قیمت لینا جائز

ہے یانہیں؟

۳.....قرض کی میعاد ختم ہونے پر ایک دونوٹس کے بعد راہن کی مرضی ہو یا نہ ہو بقدرِ قرض شیٔ مرہون کی فروختگی جائز ہے یانہیں؟ ضروری بات یہ ہے کہ معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہوتی ہے کہ ''میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کردیا جائے گا''۔

۴..... فارم، قرض ومعاہدہ نامہ کی قیمت قرض دیتے وقت وضع کرلیا جائے یا وہ اپنے پاس سے ادا کرے؟

۵.....فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت سے حاصل شدہ رقم جو دفتری خرچ اور ضروریاتِ مصارف سے بچ جائے۔اس کا مصرف کیا ہے؟ صرف فقراء پر اس کا صدقہ ضروری ہے یا مسلمانوں کے دیگر ملی کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟

۶.....قرض حاصل کرنے والے کی جو رقم مسلم فنڈ میں کسی دوسری قسط امانت وغیرہ میں جمع ہے، اگر مستقرض یہ چاہتا ہے کہ میرا قرض اس مد سے وضع کرلیا جائے اور میری مرہونہ شیٔ مجھے واپس کردی جائے، فروخت نہ کی جائے۔تو ایسی صورت میں شیٔ مرہونہ کی فروختگی جمع شدہ رقم سے وضع کے بغیر جائز ہے کہ نہیں؟

۷.....شیٔ مرہونہ پر قرض کی میعاد گذرنے کے بعد کرایہ کے طور پر کوئی رقم قرض گیرندہ سے وصول کرنا کیسا ہے؟ شیٔ مرہونہ کی حفاظت کا خرچہ کس کے ذمہ ہے، مسلم فنڈ پر یا مستقرض پر؟

۸.....مسلم فنڈ چلانے والے سودی لین دین سے مسلمانوں کی بچانے کی نیت رکھیں، یا اس سے حاصل شدہ آمدنی سے مسلمانوں کے رفاہی کاموں کو زیادہ سے زیادہ دینے کی نیت رکھیں، دونوں نیتوں میں سے کس کو اصل بنائیں؟

احرارالحق، بہرائچ۔

باسمه سبحانه تعالی

محترمی زِیدَ احترامہ سلام مسنون!

الجواب حامداًومصلیاً:

جس طرح ربا کی حرمت منصوص ہے، بیعِ مطلق کی حلت بھی منصوص ہے: قال الله تعالیٰ ﴿أحل الله

Made searchable using ScribeTools.com

البیع وحرّم الربوا﴾(الآیہ)(۱)۔

معاملۂ سود کرنے کے سلسلہ میں متعدد اشخاص پر لعنت آئی ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

"قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال: "ھم سواء". رواہ مسلم"۔

یہ روایت بحوالۂ مشکوٰۃ شریف، ص: ۲٤٤، میں موجود ہے(۲)۔

دوسری روایت میں سود کے ایک درھم کو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدترین فرمایا ہے(۳)۔ ایک روایت میں اپنی ماں سے بدفعلی کرنے کے برابر بتایا گیا (۴)۔ اس لئے مسلمانوں کو سودی کاروبار لین دین کرنے کے پاس بھی نہیں جانا چاہیے۔ سود حاصل کرنے کی نیت سے حیلہ اختیار کرنا بھی ممنوع ہے، لیکن سود سے بچنے کی نیت سے جائز تدبیر اختیار کرنا بھی درست ہے(۵)۔ جو شخص صرف خوفِ خدا کے پیشِ نظر حرام سے بچنا

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۲) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۴۴، باب الربا، الفصل الأول، قدیمی)

(۳) "عن عبد اللّٰہ بن حنظلۃ غسیل الملائکۃ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "درھم ربوا یأکلہ االرجل وھو یعلم أشدُّ من ستۃ وثلثین زنیۃً". (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۴۶، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

(۴) "عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ علیہ وسلم: "الربوا سبعون جزءاً، أیسرھا أن ینکح الرجل أمّہ". (مشکوۃ المصابیح، المصدر السابق)

(۵) "إن کل حیلۃ یحتال بھا الرجل لإبطال حق الغیر، أو لإدخال شبھۃ فیہ، أولتمویہ باطل، فھی مکروھۃ. وکل حیلۃ یحتال بھا الرجل لیتخلص بھا عن حرام، أو لیتوصل بھا إلی حلال، فھی حسنۃ". (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۶/۳۹۰، الفصل الأول فی بیان جواز الحیل وعدم جوازھا، رشیدیہ)

"فالحاصل أن ما یتخلص بہ الرجل من الحرام: أی یتوصل بہ إلی الحلال من الحیل، فھو أحسن، وإنما یکرہ ذلک: أن یحتال فی حق الرجل حتی یبطلہ، أوفی باطل حتی یموھہ، أو فی حق یدخل فیہ شبھۃ، فما کان علی ھذا السبیل، فھو مکروہ". (المبسوط للسرخسی: ۳۰/۲۳۰، کتاب الحیل، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

Made Searchable by ScribeTools.com

چاہتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخرج بنادیتے ہیں: ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجاً﴾(۱)۔

عقودِ مالیہ میں أحد العاقدين کو کچھ زیادتی حاصل ہوجائے اگرچہ مثلیات ہی میں ہو، اس میں بھی دوصورتیں ہیں: کبھی وہ زیادتی حرام ہوتی ہے اور کبھی وہ حلال۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعلیٰ قسم کی کھجوریں لائی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا وہاں کی سب کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں''؟ عرض کیا گیا نہیں، دوصاع یہ معمولی کھجوریں دیکر ایک صاع اعلیٰ کھجوریں لی جاتی ہیں، ارشاد فرمایا: ''ارے ارے! یہ تو سود ہے''(۲)۔

حدیث مشہور میں چھ چیزوں کو فرمایا گیا: "مثلاً بمثل، يداً بيد، والفضل ربوا" ان میں کھجوریں بھی ہیں(۳)۔

---

(۱) سورة الطلاق: ۲)

(۲) "عن يحيى بن حسان قال: نامعاوية- وهو ابن سلام- قال: أخبرني -يعني وهو ابن أبي كثير- قال: سمعت عقبة بن عبد الغافر، يقول: سمعت أباسعيد، يقول: جاء بلال بتمر برني، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أين هذا"؟ فقال بلال: تمر كان عندنا ردِيٌّ فبعت منه صاعين بصاع لمَطعم النبي صلى الله عليه وسلم. فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند ذلك: "أوّه! عينُ الربا، لاتفعل، ولكن إذا أردت أن تشترى التمر، فبعه ببيع آخر، ثم اشتر به".

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: اتى رسو ل اللهصلى اللهعليه وسلم بتمر فقال: "ماهذا التمر من تمرنا"؟ فقال الرجل: يارسول الله! بعنا تمرنا صاعين بصاع من هذا. فقال رسو ل اللهصلى اللهعليه وسلم: "هذا الربا، فردّوه، ثم بيعوا تمرنا، واشتروا لنا من هذا". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۶، ۲۷، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربوا، قديمى)

(وصحيح البخارى: ۱/۲۹۳، باب إذا أراد بيع تمر بتمر خير منه، قديمى)

(۳) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّ بالبُرّ، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الأخذ والمعطى فيه سواء". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۵، قديمى)

(وكذا فى نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۷۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الدراية فى منتخب تخريج أحاديث الهداية: ۳/۷۷، كتاب البيوع، باب الربا، شركت علميه ملتان)

Made searchable using ScribeTools.com

پھر اس کی ترکیب بیان فرمائی کہ اعلیٰ کھجور روپے کے عوض میں خرید لو، مثلاً ایک روپیہ کی ایک صاع اور وہ پھر بائع اس روپے کے عوض تم سے تم دو صاع معمولی کھجور لے لے۔ حال تو یہی رہا کہ ادھر ایک صاع ادھر دو صاع جس کی ممانعت ہے، لیکن ایک صاع دو صاع کا براہ راست معاملہ نہیں کیا گیا، بلکہ دونوں طرف کھجوریں روپے سے خریدی گئیں۔

حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الحیل میں "قال بعض الناس" فرما کر متعدد اعتراضات کئے ہیں، انہوں نے صرف مال کو دیکھا، لیکن یہ غور نہیں فرمایا کہ درمیان میں کوئی حائل بھی ہے۔ بیع کی قیمت عاقدَین کی رضامندی پر ہے جو کچھ طے ہو جائے، ایک چادر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً ستائیس اونٹوں میں خریدی تھی (۱)۔

اگر کوئی فرد یا جماعت سود سے بچنے کی نیت کرے اور اس کا اظہار بھی کر دے تو اس کے اظہار رائے کے خلاف رائے قائم کرنے کا کسی کو کیا حق ہے: "هلا شققت قلبه"۔ حدیث پاک میں ہے: "لكل امرئ مانوى"(۲)۔ فقہ میں ہے: "الأمور بمقاصدها"(۳)۔

---

(۱) "عن علی بن زید، عن إسحاق بن عبد الله بن الحارث أن رسول الله صلى الله اشترى حلةً ببضعة وعشرين قلوصاً، فأهداها إلى ذى يَزَنَ". (سنن أبى داؤد: ۲/ ۳۰۲، كتاب اللباس، باب فى لبس الصوف والشعر، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "إنما الأعمال بالنيـ ت، وإنما لامرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ماهاجر إليه". (صحيح البخارى، بابٌ : كيف كان بدأ الوحى، اهـ: ۱/۲، قديمى)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، ص: ۲۴، الفن الأول، القاعدة الأولى، قديمى كراچى)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۷، (رقم المادة: ۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) (الأشباه والنظائر، ص: ۳۱، الفن الأول، القاعده الثانية، قديمى)

"الأمور بمقاصدها: يعنى أن الحكم الذى يترتب على أمر يكون على مقتضى ماهو المقصود من ذلك الأمر مثلاً: كتابة اسم الله على الدراهم إن كان بقصد العلامة لايكره، وللتهاون يكره".

(قواعدالفقه، ص: ۲۲، (رقم القاعدة: ۵۱)، الصدف پبلشرز)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۱۸، (رقم المادة: ۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

اس لئے سود حاصل کرنے کیلئے کوئی حیلہ اور تدبیر اختیار کرنا ممنوع ہے، اور سود سے بچنے کے لئے تدبیر اختیار کرنا درست ہے۔ نماز جیسی عبادت بلکہ امّ العبادات بھی نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے منہ پر پھینک کر ماردی جاتی ہے۔ اور اس کا ثمرہ ''ویل'' ملتا ہے ﴿فویل للمصلین﴾ الایہ (۱)۔ ہجرت بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

جو شخص سود سے بچنا چاہتا ہے وہ ماٴجور ہے۔ جب دو معاملہ ہوں: ایک قرض کا جس کا تعلق روپے ورہن سے ہے، دوسرا بیع کا جس کا تعلق کاغذ وفارم سے ہے، اور دونوں شرعاً درست ہوں تو مجموعہ کو بھی درست کہنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ نے حوادث الفتاوی، حصہ ثانیہ، ص: ۱۵۵، پر ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے:

الجواب.

''منی آڈر، مرکب ہے دو معاملہ سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرا اجارہ جو فارم پر لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے لی جاتی ہے۔ اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے۔ اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لئے یہ تاویل کر کے جواز کا فتوی مناسب ہے''۔ فقط، ۹/شوال/۱۳۳۲ھ (۲)۔

اگر ''صفقةٌ فی صفقةٍ'' کا اشکال ہو تو منی آڈر میں بھی ہے، پس فنڈ سے روپیہ لینے میں دو معاملے ہیں: ایک رہن بالقرض یا قرض بالرہن، اس کا تعلق روپے سے ہے اور شئی مرہون زیور وغیرہ سے ہے۔ دوسرا معاملہ بیع ہے، اس کا تعلق کاغذ معاہدہ نامہ سے ہے۔ دونوں معاملے الگ الگ درست ہیں، پس مجموعہ بھی درست ہے۔

رہی یہ بات کہ ''فارم کی قیمت زیادہ ہے'' سو بعض کی اپنی اصلی مالیت کے اعتبار سے گو کم قیمت ہو، مگر کسی صفتِ خاصہ کی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ سرکاری اسٹامپ مختلف قیمتوں کے ہوتے ہیں، خود اتنی مالیت کے نہیں، مگر ان کے ذریعہ عدالتی کارروائی کی جاتی ہے، اس لئے ان کی قیمت زیادہ ہے، ایسے ہی یہ فارم

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون، الذین هم یراء ون، ویمنعون الماعون﴾. (سورة الماعون: ۴، ۵، ۶، ۷)

(۲) إمداد الفتاوی: ۳/۱۴۶، مکتبه دار العلوم کراچی)

Made searchable using ScribeTools.com

چاہے کتنا ہی کم قیمت سہی اس کے ذریعہ قرض وارہن کا معاملہ سہل وآسان ہوجاتا ہے، اس لئے اگر زیادہ قیمت ہوتو کوئی اشکال نہیں۔

حضرت تھانویؒ نے منی آڈر کے جواز کی دوسری وجہ ابتلائے عام بھی بیان فرمائی ہے، مگر اول تو وہ پہلی علت کی وجہ سے جائز فرما چکے ہیں، یعنی ''دومعاملے الگ الگ'' دوسرے یہ کہ ابتلائے عام حرام کوحلال کرنے میں موثر نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ابتلائے عام درجۂ علت میں نہیں بلکہ موقعہ مصلحت میں ہے، اصل علت وہی ہے کہ دومعاملے الگ الگ ہیں۔

اب نمبر وار آپ کے سوالات کے جوابات درج ہیں:

۱.....فارم کی قیمت متعین کرلینا درست ہے، خاص کر جب کہ سود سے بچنے کیلئے دفتری طور پر یہ کام کیا جائے کہ کسی کو نفع اندوزی مقصود نہیں، فتح القدیر میں جزئیہ موجود ہے کہ ایک کاغذ کا پرزہ بڑی قیمت (ایک ہزار) پر فروخت کرنا درست ہے(۱)، یہاں تو یہ کاغذ کا پرزہ بھی نہیں، بلکہ ایک درجہ میں چیک کی حیثیت رکھتا ہے، چیک کی بیع کے متعلق "ردالمحتار شرح الدرالمختار" میں بحث موجود ہے(۲)۔

۲.....قرض کی مدت ختم ہونے پر معاملہ کردیا جائے، مستقرض سے کہا جائے کہ: اپنا رہن واپس لے لو، قرض ادا کردو، اگر اس کے پاس ادا کرنے کے لئے نہ ہوں تو وہ کہیں سے قرض لیکر دیدے، پھر فنڈ سے مستقل معاملہ کرلے، لیکن پہلا معاملہ ختم کئے بغیر فارم تو وہی رہے، فارم کی قیمت ازسرنو لی جائے، یہ درست نہیں۔

۳.....جب معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہے کہ میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کردیا جائے گا تو یہ راہن کی طرف سے توکیل ہے، وکیل کو فروخت کرنے کا اختیار ہے، پھر بقدرِ قرض رکھ کر زائد راہن کو واپس کردے۔

---

(۱) لم أجد

(۲) "بيع البراءات التي يكتبها الديوان على العمال لايصح بخلاف بيع حظوظ الأئمة". (الدرالمختار). "(قوله. بخلاف بيع حظوظ الأئمة) بالحاء المهملة، والظاء المشالة جمع حظ، بمعنى النصيب المرتب له من الوقف، فإنه يجوز بيعه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب البيوع بالتعاطي: ۵۱۶/۴، سعيد)

۴.....فارم قرض معاہدہ نامہ قیمت دے کر مستقل خریدا جائے تاکہ وہ معاملہ مستقل رہے۔

۵.....فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت سے حاصل شدہ رقم جو دفتری خرچ وضروری مصارف سے بچ جائے اس کو فنڈ کی توسیع میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔اور بہتر تو یہ ہے کہ جیسے جیسے رقم زائد بچتی جائے، فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت میں تخفیف کردی جائے۔

۶.....جب کہ راہن کی کوئی رقم کسی دوسری مد میں فنڈ میں جمع ہے،اور وہ کہتا ہے کہ اگر مقدار قرض اس رقم سے وصول کرلیں اور میرا زیور واپس کردیں تو پھر شئ مرہونہ کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ موکل نے وکیل کو بیعِ مرہون سے معزول کردیا،اب اس کو بیع کرنے کا حق نہیں۔

۷.....شئ مرہون واپس کرتے وقت قرض گیرندہ سے کوئی مزید رقم بنام کرایۂ حفاظت وصول کرنے کا حق نہیں(۱)۔

۸.....مسلم فنڈ چلانے والے مسلمانوں کو سودی لین دین سے بچانے کی نیت رکھیں(۲)،مسلمانوں

---

(۱) "المصاريف التي تلزم لمحافظة الرهن كأجرة المحل، والحارس على المرتهن، ولو شرطت على الراهن، فالشرط باطل، ويراد بالمحل محل حفظ الرهن كمأوى الغنم والإصطبل لو كان الرهن حيواناً، فأجرة ذلك واجبة على المرتهن ولو كان في قيمة الرهن فضل عن الدين؛ لأن وجوب ذلك بسبب الحبس، وحق الحبس في الكل ثابت له". (شرح المجلة، ص: ۳۹۹، (رقم المادة: ۷۲۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وعليه: أي على المرتهن مؤنة حفظه: أي الرهن: أي مايحتاج في حفظ نفس الرهن، ومؤنة رده: أي رد الرهن إلى يده: أي إلى يد المرتهن إن خرج من يده ..... وأجرة بيت حفظة وأجرة حافظه". (مجمع الأنهر: ۲۷۶/۴، كتاب الرهن، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وأجرة المأوى والمسكن تكون على المرتهن". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الرهن، فصل في جناية الرهن والجناية عليه ونفقه الرهن ومؤناته: ۲۱۰/۳، رشيديه)

(۲) "درء المفاسد أولى من جلب المصالح ..... لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتناءه بالمأمورات". (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة، ص: ۹۱، قديمي)

"درء المفاسد أولى من جلب المنافع؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتناءه =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

کے رفاہی کاموں کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کی نیت ہرگز نہ رکھیں، بلکہ اگر فنڈ اس حیثیت میں ہوجائے کہ اس کو قرض کے فارم ومعاہدہ نامہ کی قیمت کی ضرورت نہ رہے تو فارم ومعاہدہ نامے بلا قیمت ہی دیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اَملاہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۹/۱۴۰۲ھ۔

جواب مذکور پر اشکال

باسمہ تعالیٰ!

سوال[۷۹۳۷]: حضرت اقدس مدت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

استفتاء کا جواب مل گیا، لیکن طالبِ علمانہ دو خلجان ہیں: پہلا یہ ہے کہ مسلم فنڈ، قرض اسی وقت دیتا ہے جب فارم خرید کر لایا جاوے، یہ بات لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے، اسی پر تعامل ہے، یہ قرض بشرطِ بیع معلوم ہوتا ہے اور "لا یحل سلف وبیع" کی ممانعت کے تحت داخل معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا خلجان یہ ہے کہ "دو معاملہ جب الگ الگ درست ہوں تو مجموعہ بھی درست ہو"، یہ قاعدہ سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ بیع اور اعتاق، یا بیع اور اجارہ، یا بیع اور اعارہ وغیرہ دونوں الگ الگ صحیح ہوں اور ان سب کو بیع کیلئے شرط بنادیا جاوے اور مجموعہ صحیح ہوجائے، ایسا نہیں ہے، کیونکہ ان صورتوں میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگنے کی وجہ سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، اس لئے قرض الگ صحیح ہو اور فارم کی بیع الگ صحیح ہو، اور بیع قرض کے لئے شرط بن رہی ہے، پھر بھی مجموعہ صحیح ہو محلِ اشکال ہے۔

احرار الحق غفرلہ،

۱۱/ رمضان المبارک/۱۴۰۲ھ۔

= بالمأمورات، ومن ثم جاز ترک الواجب دفعاً للمشقة، ولم يسامح فی الإقدام علی المنهيات".

(قواعد الفقه، ص: ۸۱، (رقم المادة: ۱۳۳)، الصدف پبلشرز)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲، (رقم المادة: ۳۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

باسمہ سبحانہ تعالی

الجواب حامداًومصلیاً:

بیع کا معاملہ ایک شخص سے ہے کہ اس سے فارم خریدیں، پھر اس کو کوئی مطلب نہیں کہ خریدار اس کو استعمال کرتا ہے یا نہیں، یہ بلاشرط ہے درست ہے، اگرچہ بائع وکیل ہو مقرض کا، مگر حقوقِ عقد بیع (خیار أو بالعیب تسلیم قبض ثمن وغیرھم) وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں، جب اصیل عاقد نہ ہو بلکہ وکیل عاقد ہو(۱)، حتی کہ اگر ملک مسلم میں کسی طرح کوئی ممنوع العقد چیز: خمر، خنزیر مثلاً آجائے، وہ خود اس کو فروخت نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کے حق میں وہ مالِ متقوّم نہیں، البتہ کسی ذمی کی توکیل کے ذریعہ بیع ہوسکتی ہے(۲)۔

قرض اور دین کا معاملہ مقرض سے ہے، اس کی طرف سے اتنی شرط ہے کہ مخصوص فارم پُر کرکے دو،

---

(۱) "وشرائط الصحة أربع وعشرون، منها عامةٌ، ومنها خاصةٌ، فالعامة هی شرائط الانعقاد الإحدی عشرة المارة؛ لأن مالاینعقد لایصح، وعدم التوقیت ومعلومیة المبیع والثمن بمایرفع الجهالة، وخلوالبیع من شرط مفسد والرضا والفائدة". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۲۰۲، (رقم المادة: ۳۶۱)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"لایشترط إضافة العقد إلی المؤکل فی البیع والشراء والإجارة والصلح عن إقرار، فإن لم یُضفه الوکیل إلی موکله، واکتفی بإضافته إلی نفسه، صح أیضاً. وعلی کلتا الصورتین لاتثبت الملکیة إلا لمؤکله، ولکن إن لم یُضف العقد إلی المؤکل، تعود حقوق العقد إلی العاقد: یعنی الوکیل". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۷۸۱، (رقم المادة: ۱۴۶۱)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وحقوق عقد یضیفه الوکیل إلی نفسه کبیع وإجارة وصلح عن إقرار، تتعلق به إن لم یکن محجوراً، فیسلم المبیع ویتسلمه، ویقبض الثمن ویطالب به، ویرجع به عند الاستحقاق، ویخاصم فی عیب مشریه، ویرد به إن لم یسلمه إلی مؤکله، وبعد تسلیمه لا إلا بإذنه، ویخاصم فی عیب مبیعه". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۳۱۰، کتاب الوکالة، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الوکالة: ۵/۵۱۳، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳/۵۶۷، کتاب الوکالة، الباب الأول، وأما مایتصل بذلک، رشیدیه)

(۲) "ان المسلم لایملک بیع الخمر، ویملک توکیل الذمی به". (ردالمحتار: ۵/۵۱۱، کتاب الوکالة، سعید)

Made searchable using ScribeTools.com

یک طرح اس کا ثبوت نص میں بھی ہے: ﴿یا أیها الذین آمنو إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی، فاکتبوه﴾ الایه(۱) ۔ اگر کوئی کاتب اجرتِ کتابت لے اس کے لئے یہ بھی جائز ہے(۲)، مگر ظاہر ہے کہ یہ قرض شرط نہیں ہے جس کی بناء پر معاملۂ قرض ناجائز ہوجائے۔ کاتب وکیلِ مقرض ہو یا غریب سب کا حکم ایک ہے۔

''شخصِ واحد سے دو معاملے ہوں اور ایک دوسرے کے لئے شرط قرار دیا جائے، پھر بھی مجموعہ درست ہو'' اس پر جو خلجان ہے اس کا تعلق حضرت تھانویؒ کی منقولہ عبارات سے ہے، اس کا جواب جس طرح آپ میرے ذمہ سمجھ رہے ہیں، آپ کے ذمہ بھی ہے، وہ یہ ہے کہ دو معاملوں میں سے ایک کو دوسرے کے لئے شرط قرار دیا جائے تب ناجائز ہے جیسے پھلوں کی بیع درختوں پر اور پھل پکنے تک درختوں کو اجارہ پر لیا جائے، یا اعارہ پر لیا جائے، یہ شرط کرلی جائے(۳)۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۸۲)

(۲) "ونوع یرد علی العمل، کاستیجار المتحرفین للأعمال کالقصارة والخیاطة، والکتابة، وما أشبه ذلک، کذافی المحیط". (الفتاوی العالمکیریة: ۴/۴۱۱، کتاب الإجارة، رشیدیه)

"یجوز إجارة الأدمی للخدمة، أولإجراء صنعة ببیان المدة، أو تعین العمل..... مفاده أنه لابد فی إجارة الأدمی من تعین المنفعة: إما بتعیین المدة، وإما بتعیین العمل، وإلا فالإجارة فاسدة". (شرح المحلة لسلیم رستم باز: ۱/۳۰۲، (رقم المادة: ۵۶۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "عن النبی صلی الله علیه وسلم: "أنه نهی عن بیع وشرط". (إعلاء السنن، باب النهی عن البیع بالشرط: ۱۴/۱۴۰، کتاب البیوع، إدارة القرآن، کراچی)

"وإن شرط ترکها علی الأشجار، فسد البیع". (الدرالمختار). "وشرط ترکها علی الشجر، والرضا به، یفسد البیع عندهما، وعلیه الفتوی". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۴/۵۵۶، سعید)

لیکن بیع اس صورت میں فاسد ہے کہ بیع بدوِّ صلاح سے قبل ہو اور درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی جائے:

"وأما بیعها بعد الظهور قبل بدوّ صلاحها، فله صور ثلاثة..... والصورة الثانیة أن یشترط المشتری ترک الثمار علی الأشجار حتی یحین الجذاذ، وهذه الصورة باطلة بالإجماع، ولایصح البیع فیها عند أحد". (تکملة فتح الملهم: ۱/۳۸۶، کتاب البیوع، مکتبه دارالعلوم کراچی)

میں نے تو مسلم فنڈ دیوبند کے ذمہ دار کو یہی مشورہ دیا تھا کہ فارم فروش مستقل آدمی کو علیحدہ قرار دیا جائے، آپ یہ کام نہ کریں تاکہ دو معاملے دو شخصوں سے الگ الگ ہو جائیں۔ اگر کوئی مقرض کتابت کو شرط قرار دے تو یہ درست ہے۔

اس کی مہذب اور سہل صورت یہ فارم ہے اور اس کی قیمت بمنزلۂ اجرتِ کتابت ہے اور فارم بھی متقوّم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۹/ ۱۴۰۲ھ۔

اشکال باقی ہے

الاستفتاء [۷۹۳۸]: حضرت اقدس مُدّت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا کی دعاء سے بخیریت پہونچ گیا تھا، مدرسہ کی قریب والی مسجد میں اعتکاف اخیر عشرہ کا کیا ہے، دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ حضرت مولانا منور حسین صاحب مدت فیوضھم کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے کہ مسلم فنڈ کے فتوی دینے کے بعد حضرت والا نے فرمایا تھا کہ مزید سوال کرنا چاہو تو کیجو، اجازت ہے، اس لئے چند سوالات کرتا ہوں:

تیسرا سوال یہ تھا کہ ''قرض کی میعاد ختم ہونے پر ایک دو نوٹس دینے کے بعد راہن کی مرضی ہو یا نہ ہو، بقدرِ قرض شئ مرہون کی فروختگی جائز ہے یا نہیں، ضروری بات یہ ہے کہ معاہدہ نامہ میں اس کی صراحت ہوتی ہے کہ ''میعاد پر قرض نہ ادا کرنے کی صورت میں زیور فروخت کر دیا جائے گا''۔

تو یہ راہن کی طرف سے توکیل ہے، وکیل کو فروخت کرنے کا اختیار ہے، پھر بقدرِ قرض رکھ کر زائد کو واپس کر دے۔

مدرسہ کے مفتی مولانا عبدالعزیز صاحب نے ایک اشکال کیا تھا، وہ اشکال مجھے بھی ہوا تھا تو حضرت والا نے جواب دیا تھا کہ دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ زبان سے فروخت کرنے کو روک دے تو اس صورت میں فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ موکل نے وکیل کو معزول کر دیا۔

دوسری صورت یہ کہ زبان سے منع نہ کرے بلکہ دل سے چاہتا ہو کہ فروخت نہ کرے تو ایسی صورت میں

Made searchable using ScribeTools.com

فروخت کرنا جائز ہے۔ جواب اسی صورت پر محمول ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض ادا نہیں کرتا اور زبان سے شئ مرہون کی فروختگی کو روکتا ہے تو ایسی صورت میں قرض کی ادائیگی کیسے ہو، مستقرضین کا حال یہ ہے کہ ادائیگی میں بڑی ٹال مٹول کرتے ہیں تو ادائیگیٔ قرض کی کیا شکل ہو؟ مسلم فنڈ کے ذمہ دار تنخواہ ملازمین سے کام کراتے ہیں، ایک ملازم صرف فارم فروخت کرتے ہیں، دوسرا ملازم قرض دیتا ہے، کاغذات ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہر ملازم اپنا متعلقہ کام اسی کاغذ کے آنے پر کرتا ہے، نہ ایجاب ہوتا ہے نہ قبول ہوتا ہے، سارا نفع فنڈ کو ملتا ہے۔

حضرت والا نے خلجان دوسرے کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ میں نے مسلم فنڈ دیوبند کے ذمہ دار کو یہی مشورہ دیا تھا کہ فارم فروش مستقل آدمی کو علیحدہ قرار دیا جائے، آپ یہ کام نہ کریں، تاکہ دو معاملے دو شخصوں سے الگ الگ ہو جائیں۔ مسلم فنڈ نے اگر اپنا ایک ملازم فارم فروخت کرنے پر مقرر کر دیا، حالانکہ وہ دفتر ہی کا آدمی ہے اور فائدہ مسلم فنڈ ہی کو ملتا ہے۔ تو کیا یہ صورت آپ کی مقرر کردہ صورت میں داخل ہے یا نہیں، یعنی اس صورت سے جو نفع مسلم فنڈ کو حاصل ہو وہ درست ہوگا یا نہیں؟

اگر اجنبی آدمی فارم فروخت کرے اور نفع خود لے تو ایسی صورت میں مسلم فنڈ کے اخراجات کیسے پورے ہوں، فارم کی قیمت تو فروخت کرنے والا لے گا، مسلم فنڈ کے ہاتھ کیا آئے گا کہ وہ ہر ضروریات پوری کرے؟ خط کشیدہ صورت کا نفع اگر مسلم فنڈ کو جائز ہو جاتا ہے تو "کل قرض جرّ به نفعاً، فهو ربوا" سے اس کا اخراج کس طرح ہوگا؟ اگر ایک آدمی قرض اس صورت پر دے کہ فلاں سامان میرے وکیل بالبیع سے خریدو اور وہ سامان بہت گراں فروحت کرتا ہے اور مستقرض مجبوراً اس کو خریدتا ہے۔ کیا یہ صورت درست ہے درآنحالیکہ نفع مقرض ہی کو ملے گا؟ والسلام۔

احرار الحق غفرلہ۔

مکرم ومحترم زِیدَ مجدکم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قال فی الدر المختار: "فإن شرطت الوكالة فی عقد الرهن، لم ينعزل بعزل، ولا بموت

Made Searchable by ScribeTools.com

الراهن ولاالمرتهن، للزومهابلزوم العقد، الخ". وقال قبله: "فإن وكل الراهن المرتهن، أو وكل العدل أو غيرهما عند حلول الأجل، صح توكيله، الخ". الدرالمختار۔ قال الشامی تحت قوله: (للزومها بلزوم العقد): "لأنها لماشرطت فی ضمن عقد الرهن، صارت وصفاً من أوصافه، وحقاً من حقوقه، ألاترى أن عقد الوكالة لزيادة الوثيقة، فيلزم بلزوم أصله، وتمامه فی الهداية". ردالمحتار: ۳۲٤/٥(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ جب اصل قرضہ ورہن میں بطورِ معاہدہ یہ شرط درج ہے کہ میعادِ مقررہ پر اگر قرض واپس نہ کیا تو ہم اس کو یعنی شئ مرہون کو فروخت کرکے اپنا قرض وصول کرلیں گے تو پھر مقرض کو حق ہے کہ حلولِ اجل پر مرہون کو بحیثیتِ وکیلِ راہن فروخت کردے، اگر راہن اجازتِ بیع نہ دے اور دین بھی واپس نہ کرے تو اس صورت میں وکیل معزول نہیں ہوگا۔ وکالتِ مقررہ سے یہ صورت وکالت جو کہ ضمنِ رہن میں ہے مستثنیٰ ہے، رہن بھی توثیق کے لئے ہے کہ اصل دین ضائع نہ ہوجائے اور توکیل زیادہ توثیق کے لئے ہے۔

سوال نمبر ٦، کے جواب میں جو کچھ عزلِ وکیل کے متعلق لکھا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں، کیونکہ مستقرض کی رقم پہلے سے دوسرے مد میں جمع ہے، وہ اس سے دین وصول کرنے کی اجازت دیتا ہے اور شئ مرہون کو واپس مانگتا ہے تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ دین واپس کرکے مرہون کو واپس لیتا ہے (۲)، جب کہ مقرض کو جنسِ دَین بغیر کسی خلجان کے وصول ہورہا ہے تو مقصدِ دین (توثیق) اور مقصد وکالت (زیادہ توثیق) حاصل ہے اور وکالت اسی لئے تھی کہ وصولِ دین ہوجائے اور اب وہ وکالت بیعِ مرہوں سے معزول کرتا ہے تو انعزال ہوجائے گا۔ نیز وکیل اگر بیعِ مرہون کرے اور پھر اس کی قیمت سے دَین وصول کرے تو یہ طول عمل بلا فائدہ ہے،

---

(۱) (ردالمحتار: ۵۰۳/٦، كتاب الرهن، سعيد)

"يصح توكيل الراهن المرتهنَ أوالعدل أوغيرهما بيع المرهون عند حلول الأجل، وليس للراهن عزل ذلك الوكيل من الوكالة ..... وذلك لأنها لماشرطت فی ضمن عقد الرهن، صارت وصفاً من أو صافه، وحقاً من حقوقه، ألا لاترى أن عقد الوكالة لزيادة الوثيقة، فيلزم بلزوم أصله".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۲۱، (رقم المادة: ۷٦۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وإذا أخذ لمرتهن دينه، فعليه أن يرد الرهن، فإن منعه بعد سؤاله، فإنه غاصب". (النتف فی الفتاوی، ص: ۳۷۲، كتاب الرهن، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

اس میں مستقرض کا ضرر بھی ہے۔

(دوم) جب حقوقِ عقد عاقد کی طرف عائد ہیں اور عاقد وکیلِ اصیل ہے تو کیا خلجان ہے، مقرض اَور ہے اور بائع اَور ہے اگرچہ بائع وکیلِ مقرض ہے، نیز بیعِ فارم بلاشرط ہے، البتہ مشتری اس سے فائدہ قرض کا حاصل کرتا ہے تو یہاں بیع پر قرض مرتب ہوتا ہے، نہ کہ قرض پر بیع، اور بیع میں نفع درست ہے، قرض میں درست نہیں، یہ نہیں فرمایا گیا کہ "کل بیع جرّ نفعاً فهو ربوا"(۱) حتی کہ بیع کی ایک مستقل قسم کا نام ہی بیعِ "مرابحہ" ہے، اس میں نفع صراحۃً ہوتا ہے(۲)۔

بیع کے لئے صریح ایجاب وقبول کے بجائے اگر تعاطی ہوجائے تب بھی درست ہے(۳) جیسے ایک

---

(۱) "لقوله عليه السلام "كل قرض جر منفعةً، فهو ربا". الحارث عن عليّ رضى الله تعالىٰ عنه". (فيض القدير، ۹/۴۴۸۷، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"كل قرض جرّ نفعاً حرام". (الأشباه والنظائر، الفن الثانى، كتاب المداينات، ۲۵۷، قديمى)

(وكذا فى تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، ربا النسيئة وأقسامه: ۱/۵۶۸، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۲) "عن أبى بحر عن شيخ لهم قال: رأيت علىٰ عليّ رضى اللهتعالى عنه إزاراً غليظاً، قال: "اشتريتُ بخمسة دراهم، فمن أربحنى فيه درهماً، بعته إياه". (إعلاء السنن: ۱۴/۲۲۱، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، إدارة القرآن، كراچى)

"التوليه بيع بثمن سابق، والمرابحة به وبزيادة". (تبيين الحقائق، ۴/۴۲۲، كتاب البيوع، باب المرابحة والتوليه، دارالكتب العلمية بيروت)

"هى: أى التولية بيع بثمن سابق، والمرابحة به وبزيادة". (البحرالرائق: ۶/۱۷۷، كتاب البيع، باب المرابحة والتولية، رشيديه)

(۳) "وأما الفعل فالتعاطى وهوالتناول فى خسيس ونفيس ولو من أحد الجانبين". (الدرالمختار). "إن حقيقة التعاطى وضع الثمن، وأخذ المثمن عن تراض منهما من غير لفظ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فى حكم البيع مع الهزل: ۴/۵۱۳، سعيد)

"ويسمى هذابيع التعاطى، مثال ذلك: أن يعطى المشترى للخباز مقداراً من الدراهم، فيعطيه الخباز بها مقداراً من الخبز بدون تلفظ بإيجاب وقبول". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۹، (رقم المادة: ۱۷۵)

شخص کارڈ فروخت کرتا ہے اس طرح کہ مشتری پیسے رکھ دیتا ہے، کارڈ اٹھالیتا ہے، زبانی ایجاب وقبول کچھ نہیں ہوتا:

"شراء الشئ اليسير بثمن غال، لحاجة القرض يجوز، ويكره، الخ". درمختار۔ وقا ل الشامی بعد نقل صُوَر الاختلاف: "وكان شمس الأئمة الحلوانی يفتی بقول الخصاف وابن سَلَمة، ويقول: هذا ليس بقرضٍ جرّ منفعةً، بل هذا بيعٌ جرّ منفعةً، وهی القرض، الخ". ردالمحتار: ٤/١٧٥(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کمپنی کے فارم فروخت کرنا

سوال[۷۹۳۹]: ایک ایجنسی کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنا چھپا ہوا فارم تقریباً ۱۰/- کو فروخت کرتی ہے، کمپنی مذکور کو اس ڈیڑھ آنہ میں فارم کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا، جس کی یہ صورت ہے کہ زید نے ایک فارم خرید کیا اس فارم پر کمپنی کی جانب سے پانچ خانہ ہے اور ہر خانہ میں ایک شخص کا نام معہ پتہ کے درج ہے، غرض ایک فارم پر پانچ اشخاص کے نام معہ پتہ کے اندارج ہیں۔

کمپنی مذکور کا یہ اصول ہے کہ جو شخص (زید) فارم خریدے وہ مبلغ ۱/ بذریعہ منی آرڈر اس شخص کے پاس روانہ کردے جس کا نام خانہ نمبر ۱ پر تحریر ہے، اس کے بعد کمپنی مذکور زید (جس شخص نے فارم خرید کیا اور ۱/ روانہ کیا) کو چار فارم اَور روانہ کردے گی کہ وہ ان فارموں کو اپنے دوستوں کو تقسیم کردے، ان چار فارموں پر زید کا نام نمبر: ۵/ پر ہوگا اور باقی.....غرض جس شخص کے پاس روپیہ گیا ہے، اس کا نام ان فارموں میں نہیں ہوگا۔

زید ان چار فارموں کو: ا-ب-ج-د، میں تقسیم کردے گا اور ا-ب، ۱۶، اشخاص اسی ترکیب سے عمل کریں گے، تو ۶۴×۴، ۶۴، اشخاص کے پاس زید کا نام نمبر: ۳، پر ہوگا اور یہ ۶۴، اشخاص اسی طرح کریں گے تو (۲۵۶×۴) اشخاص زید کا نام نمبر: ۲، پر پائیں گے، اور یہ ۲۵۶، اسی طرح کریں گے، تو (۲۵۶×۴) ۱۰۲۴۔ اشخاص سے زید کو ۱۰۲۴/ روپیہ ملے گا۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۵/۱۶۷، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

زید کا یہ فعل کیسا ہے، حکمِ شرع کیا ہے، اس روپیہ کا استعمال جائز ہے یا ناجائز، فقط۔

بندہ احقر الیاس قریشی، سہارنپور۔

نوٹ: اس میں ہر شخص کو جو کہ کمپنی مذکور کے اصول پر عمل کرے گا، اس کو مبلغ ۱۰۲۴/ روپیہ ملے گا، یہ لاٹری والا حساب نہیں ہے کہ اگر سو آدمی شریک ہوں تو صرف ایک کو ملے، باقی محروم رہیں، اس میں ہر شخص کو ملے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کمپنی نے زید کے ہاتھ ۱۰/ میں فارم فروخت کیا، یہ ۱۰/ تو فارم کی قیمت ہوگی، اب زید اس شخص کے نام جس کا نام خانہ نمبر: ۱، پر ہے مبلغ ۱/ کیوں روانہ کرتا ہے، اور یہ ایک روپیہ کس شئ کا عوض ہے اور اخیر میں ۱۰۲۴/ جو زید کو ملے ہیں، یہ کیوں ملے ہیں، کس چیز کے عوض میں ملے ہیں، اگر اس ایک ۱/ روپیہ کا معاوضہ ہے تو تمام عوض اسے نہیں ملا کہ جس نے وہی ایک روپیہ روانہ کیا تھا۔ نیز ایک روپیہ کا معاوضہ ۱۰۲۴/ شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ یہ سود ہے: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾(۱)۔ یہی حال ہر شخص کی آمدنی کا ہے۔

پس صورت مسئولہ کسی عقد شرعی میں داخل نہیں اور سود وقمار پر مشتمل ہے کہ ہر شخص کی آمدنی کا سلسلہ موقوف ہے دوسرے شخص کے ان فارموں کو تقسیم کرنے اور ۱/ روپیہ روانہ کرنے پر اور یہ معلوم نہیں کہ وہ

---

(۱) (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين امنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقو الله النارالتى أعدت للكافرين﴾ (سورة ال عمران: ۱۳۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ [۲: ۱۸۸] قال البغوى: "بالباطل بالحرام: يعنى بالربا، والقمار، والغصب، والسرقة". (معالم التنزيل: ۲/۵۰)

"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح، بالملح، مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد، أو استزاد، فقد أربى، الأخذ والمعطى فيه سواء". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۵، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قديمى)

ایسا کرے گا یانہیں (۱) کیونکہ شرعاً ا/ میں فارم خریدنے پر اس کا معاملہ ختم ہو چکا۔ا/ روانہ کرنے اور فارم تقسیم کرنے کا وہ مکلّف نہیں، پس یہ معاملہ اور یہ آمدنی شرعاً ناجائز ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۹/ جمادی الاولی/ ۵۵ھ۔

مقروض ہندو سے دودھ لینا

سوال [۷۹۴۰]: ہندوؤں سے دودھ خریدنا جائز ہے یانہیں، جب ہندو مقروض ہو اور زیادہ بھی دیتا ہے اور روپیہ بھی وصول ہو جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں دو چیزیں ہیں: ایک بائع کا ہندو ہونا، دوسرے بائع کا مقروض ہونا اور اس وجہ سے اس کا زیادہ دینا۔پہلی چیز کے متعلق یہ ہے کہ جب تک اس کی ناپاکی کا علم نہ ہو تو اس کا خریدنا جائز ہے اور ناپاکی

---

(۱) "وحقيقته (أى حقيقة القمار) تمليک المال على المخاطرة". (أحكام القران للجصاص، سورة المائدة، باب تحريم الخمر: ۴۶۵/۲، دارالكتاب العربى بيروت)

"لأن القمار من القمر الذى يزداد تارةً، وينقص اخرى. وسمى القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۴۰۳/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

(وكذا فى التعريفات الفقهية الملحقة بقواعد الفقه، القاف، القمار، ص: ۴۳۴، الصدف پبلشرز، كراچى)

(۲) "والحرام المحض: هو مافيه صفة محرمة لايشک فيها: كالشدة المطربة فى الخمر، والنجاسة فى البول، أوحصل بسبب منهىّ عنه قطعاً: كالمحصل بالظلم، والربا، ونظائره". (إحياء علوم الدين للغزالى: ۹۸/۲، كتاب الحلال والحرام، الباب الثانى فى مراتب) "الشبهات ومثاراتها وتميزها عن الحلال والحرام، (دارإحياء التراث العربى، بيروت)

"أما المال المكتسب بطريقٍ لم يأذن به الشارع، وأذن به مالک هذا المال، فإن كسبه محرم، لا يختلف عن الكسب الحاصل بطريق السرقة أو الربا". (أحكام المال الحرام، ص: ۶۳،)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

معلوم ہونے کے بعد ناجائز (۱)۔ دوسری چیز کے متعلق یہ ہے کہ یہ زیادتی سود کے حکم میں ہے کہ جن حضرات کے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے، ان کے نزدیک کفار سے سود لینا درست ہے اور جن کے نزدیک ہندوستان دارالحرب نہیں ان کے نزدیک یہاں سود لینا درست نہیں، دونوں طرف گنجائش ہے (۲)،

---

(۱) "لابأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملةٌ إذا كان مالابد منه، كذافي السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۵، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر، رشيديه)

"لابأس بطعام المجوسي كله إلا الذبيحة، فإن ذبيحتهم حرام". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۷/۵، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، رشيديه)

"وهو نظير سور الدجاجة إذا علم أنه كان على منقارها نجاسة، فإنه لايجوز التوضي به. والصلوة في سراويلهم نظير الأكل والشرب من أوانيهم، إن علم أن سراويلهم نجسة، لاتجوز الصلوة فيها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۷/۵، كتاب الكراهيه، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم، رشيديه)

(۲) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''سب ہندوستان بندہ کے نزدیک دارالحرب ہے اور یہاں کی کافرات حربیہ ہیں، اور ستر کرنا مسلمان کو ان سے ضروری ہے''۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب جواز وحرمت کے مسائل، ہندوستان کے کافرات کا حکم، ص: ۲۹۲، سعید)

سوال: ''ہندوستان جہاں تک علمداری انگریزوں کی ہے، دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو صرف صاحبین کے مذہب کے مطابق، یا ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق بھی؟

جواب: ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، بلکہ دارالاسلام ہے، چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے، خزانۃ المفتین میں ہے:

"دارالإسلام لاتصير دار الحرب إلا بإجراء أحكام الشرك فيها، وأن يكون متصلاً بدار الحرب لايكون بينها وبين دارالحرب مصر آخر للمسلمين، وأن لايبقى فيه مسلم وذمي آمناً بالأمان الأول، فما لم توجد هذه الشرائط لاتصير دارالحرب .....اهـ.

اور ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ مفقود ہے، اس لئے کہ شعائر اسلام میں ہنوز حکام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہے، اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلاف اسلام احکام جاری کرتے =

اختلاف کی وجہ سے نہ لینا احوط ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ،۱۵/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح:عبداللطیف،۶/ذی الحجہ/۵۳ھ۔

قسط وقت پر ادا نہ کرنے کا جرمانہ بھی سود ہے

سوال[۷۹۴۱]: ایک فرم شرکت میں جاری تھی،لیکن کسی وجہ سے شرکاء نے فرم سے علیحدگی اختیار کرلی،ایک شریک جس کے ذمہ اس کا لینا دینا آیا اور قسطوار دیگر شرکاء کی ادائیگی آئی،اگر روپیہ قسط وار ادا نہیں ہوا تو ایک روپیہ فی صد ماہ وار خرچ حلال کرنے کا اختیار ہوگا۔لہٰذا جواب عنایت فرمایا جائے کہ ایک روپیہ فی صد ماہوار سود کے ضمن میں تو نہیں آیا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ ایک روپیہ فی صد ماہ وار سود ہے،اس کا لینا دینا جائز نہیں(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۶/۶/۸۹ھ۔

= ہیں،مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں،پس ہندوستان امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دارالحرب نہیں ہے"۔(مجموعۃ الفتاویٰ،کتاب العلم والعلماء،ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟:۱/۱۲۳-۱۲۶،سعید)

(۱) "قداتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً؛ لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهور هم يورث شبهةً فى الجواز، وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّنٌ والحرام بيّنٌ، وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه". لاسيما وكون الهند دارالحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذَنْ قوية غير ضعيفة، والتوقى عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، باب الربا فى دارالحرب بين المسلم والحربى: ۱۴/۳۶۶، ۳۶۷، إدارة القرآن، كراچى)

"ولوسلمنا جواز الربا بين المسلم والحربى فى الهند، فلاريب أن جانب الاحتياط والتوقى أولى وأحرى". (إعلاء السنن: ۱۴/۳۶۸، كتاب البيوع، أبواب بيوع الربا، باب الربا فى دارالحرب بين المسلم والحربى، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵) ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

مستاجر سے قرض لینا

سوال[۷۹۴۲]: میرے مکان میں کرایہ دار ہیں ان سے قرض لینا چاہتا ہوں، وہ یہ کہتے ہیں کہ میں آپ کو اس شرط پر قرض دوں گا کہ جب تک قرض واپس نہیں کریں گے، میں کرایۂ مکان نہیں دوں گا۔ شرط درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ نہیں کرنا چاہیئے (۱)، آپ یا تو ان کے پاس قرض کی ضمانت کے طور پر کوئی چیز زیور

= وقال الله تعالیٰ: ﴿یا أیهاالذین آمنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله لعلکم تفلحون، واتقو الله النارالتی أعدت للکافرین﴾ (سورة ال عمران: ۱۳۱، ۱۳۲)

"محمد قال: أخبرنا أبو حنیفة رضی الله تعالی عنه قال: حدثنا عطیة العوفی عن أبی سعید الخدری رضی اللهتعالی عنه، عن النبی صلی اللهعلیه وسلم أنه قال: "الذهب بالذهب مثل بمثل والفضل ربوا، والفضة بالفضة مثل بمثل والفضل ربوا، والحنطة بالحنطة مثل بمثل والفضل ربوا، والشعیر بالشعیر مثل بمثل والفضل ربوا، والتمر بالتمر مثل بمثل والفضل ربوا، والملح بالملح مثل بمثل والفضل ربوا". وبه نأخذ، وهوقول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ". (کتاب الأثار، باب شراء الدراهم الثقال بالخفاف والربا، ص: ۱۶۹، سعید)

(والصحیح لمسلم: ۲/۲۴، کتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، قدیمی)

(وکذا فی مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴۴، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الأول، قدیمی)

(۱) چونکہ مستاجر نے قرض دینے کی وجہ سے اس کی ذمہ واجب الاداء رقم سے نفع اٹھانے کی شرط لگادی ہے، یہ قرض کے ذریعے ایک قسم کا نفع ہے جو کہ ناجائز ہے:

"کل قرض جر نفعاً، فهو ربا". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۷، الفن الثانی، کتاب المداینات، قدیمی)

"القرض بالشرط حرام، والشرط لغو، علی أن یکتب به إلی بلد کذا لیوفی دینه. وفی الأشباه: کل قرض جر نفعاً، فهو ربا". (الدرالمختار: ۵/۱۶۶، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل فی القرض، سعید)

وغیرہ رہن رکھ دیں کہ جب آپ اُن کا قرض واپس کردیں گے، اپنا رہن اس سے واپس لے لیں گے (۱) یا ان سے کرایہ پیشگی لے لیں اور اس سے اپنی ضرورت پوری کرلیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسلمان سے سود لینا اور سود در سود حرام در حرام

سوال[۷۹۴۳]: زید کا باپ سود در سود کھانے کا عادی ہے، مادری ترکہ میں زید بھی ایک دستاویز میں حصہ دار ہے اور سود خوار باپ کے حکم پر دستاویز کی نالش (۳) کرکے سود در سود کی ڈگری حاصل کرتا ہے اور وصولیابی کے لئے زید اپنے باپ کے ذریعہ وکیل کرکے کاروائی وصولیابی کررہا ہے، باوجودیکہ زید بالغ ہوگیا ہے اور ذریعہ تحصیل علم دینی احکام خداوندی سے واقف بھی ہے۔ ایسی صورت میں زید کو خدا کے روبرو جواب دہی کرنی ہوگی یا نہیں؟ فقط والسلام۔

راقم: راہ حق کا ایک طالب علم، ایک مسلمان۔ معروضہ، ۵/ نومبر/ ۱۹۳۶ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلم سے سود لینا حرام ہے اور سود در سود حرام در حرام ہے، قال اللّٰہ تبارك وتعالى: ﴿یاأیها الذین آمنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون، واتقوا النار التی أعدت للکافرین﴾ (٤)۔

---

(۱) "روی أنه علیه الصلوة والسلام اشتری من یهودی طعاماً، ورهنه بها درعه". (مجمع الأنهر: ۲۶۹/۴، کتاب الرهن، مکتبه غفاریه کوئٹه)

(۲) "منها أن بدل الإجارة یستحق بالتعجیل أوبشرط فی الإجارة، ووجهه أن امتناع ثبوت الملک للمؤجر فی البدل لمجرد العقد إنما هو لتحقق المساواة، لکون أحد العوضین منفعةً لایمکن استیفاء ها حالاً ..... أنه إذا عجله المستاجر أو شرط تعجیله، فیکون قد أبطل المساواة التی استحقها بمقتضی العقد". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۲۶۲ (رقم المادة: ۴۶۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۵، فیروز سنز، لاهور)

(۴) (سورة آل عمران: ۱۳۱)

"عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "اجتنبوا السبع =

Made searchable using ScribeTools.com

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت تمام قرآن شریف میں سب سے زیادہ خوفناک ہے، اس میں اہلِ ایمان کو اس آگ سے ڈرایا گیا ہے جو کہ کفار کے لئے تیار کی گئی۔:

"كان أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ يقول: هى أخوف اية فى القرآن حيث أوعَدَ الله المؤمنين بالنار المُعَدّة للكافرين إن لم يتقوه فى اجتناب محارمه". تفسير مدارك: ١/١٤١(١)۔

جس طرح مسلم سے سود لینا حرام ہے، اسی طرح اس کی گواہی دینا، نیز اس کی کتابت کرنا وغیرہ بھی حرام ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والوں، سود کھلانے والے، سود کی گواہی دینے والے، سود کا کاغذ لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے:"لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه". رواه مسلم(٢)۔

= الموبقات". قالوا: يارسول الله! وماهن؟ قال: "الشرک بالله، والسحر، وقتل النفس التى حرم الله إلابالحق، وأكل الربا، وأكل مال اليتيم، والتولى يوم الرخف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". (صحيح البخارى، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالىٰ: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتٰمىٰ ظلماً إنما يأكلون فى بطونهم ناراً وسيصلون سعيراً﴾: ١/٣٨٨، قديمى)

"عن عطاء الخراسانى أن عبد الله بن سلام رضى الله تعالىٰ عنه قال: الربا اثنان وسبعون حوباً أصغرها حوباً كمن أتى أمّه فى الإسلام، ودرهمٌ من الربا أشدُّ من بضع وثلاثين زنيةً. قال:ويأذن للبَرّ والفاجر إلا لأكل الربا، فإنه لايقوم إلاكما يقوم الذى يتخبطه الشيطان من المس". (مصنف عبدالرزاق: ١/٤٦١، دارالكتب العلمية بيروت)

(وشعب الإيمان للبيقهى، باب فى قبض اليد عن الأموال المحرمة، (رقم الحديث: ٥٥١٤): ٤/٣٩٣، دارالكتب العلمية بيروت)

(١) (تفسير مدارک التنزيل: ١/٢٩٦، (سورةالنساء، آيت: ١٦١)، قديمى)

(٢) (الصحيح لمسلم: ٢/٢٧، كتاب المساقات والمزراعة عنها، باب الربا، قديمى)

"عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال:قال رسول اللهصلى اللهعليه وسلم: "من أعان ظالماً بباطل ليدحض بباطله حقاً، فقد برئ من ذمة الله عزوجل وذمة رسوله صلى اللهعليه وسلم. ومن أكل درهماً من ربا، فهو مثل ثلاث وثلاثين زنيةً. ومن نبت لحمه من سحت، فالنار أولىٰ به". (المعجم الصغير للطبرانى: ١/١٤٧، دارالكتب العلمية بيروت)..... =

Made Searchable by ScribeTools.com

لہٰذا زید اگر مسلم سے سود لے گا، یا کسی طرح مسلم سے سود وصول کرنے میں اپنے باپ کی امداد کرے گا تو وہ بھی باپ کی طرح گناہ کا مرتکب ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مَورِد بنے گا، اور آخرت میں سزا کا مستحق ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ رمضان المبارک/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، یکم/ رمضان/ ۵۵ھ۔

ایک روپیہ لگا کر نام نکلنے کی صورت میں ۵۰/ روپیہ لینا

سوال[۷۹۴۴]: ۱.....ایک آدمی نے دس نمبر رکھے ہیں، ایک روپیہ لگاتے ہیں، جس کا نام نکلتا ہے اس کو ۵۰/ روپیہ دیتے ہیں، جس کا نہیں نکلتا اس کو ساقط کردیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲.....اس مسئلہ میں یوں حیلہ کرتے ہیں کہ میں نے ہبہ کردیا۔ تو کیا اس طرح ہبہ کرکے دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ معاملہ قمار بھی ہے اور ربا بھی، قمار اس لئے ہے کہ اگر نمبر نہ نکلا تو جو روپیہ دیا تھا، وہ ضبط ہوجائے گا۔ اور ربا اس لئے ہے کہ ایک روپیہ کے عوض نمبر نکلنے پر ۵۰/ روپیہ ملتے ہیں، اور قمار بھی حرام ہے اور ربا بھی حرام ہے۔

لقوله تعالى: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشيطان، فاجتنبوه﴾ الآيه(۱)۔ ولقوله تعالى: ﴿أحل الله البيع، وحرم الربوا﴾(۲).

= "قوله: "وكاتبه وشاهديه". قال النووى: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ۶/ ۵۱، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الأول، رشيديه)

(۱) (سورة المائدة: ۹۰)

قال الله تعالىٰ: ﴿يسئلونک عن الخمر والميسر، قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس، وإثمهما أكبر من نفعهما﴾ (سورة البقرة: ۲۱۹)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العدواة والبغضاء فى الخمر والميسر، ويصدكم عن ذكر الله، وعن الصلوة، فهل أنتم منتهون﴾ (سورة المائدة: ۹۱)

"قال رسول اللهصلى الله عليه وسلم: "إن اللهحرم على أمتى الخمر، والميسر، والمزر، =

Made searchable using ScribeTools.com

۲.....نام بدلنے سے اصل حقیقت نہیں بدلتی، اس کا نام ہبہ رکھ دینے سے یہ حلال نہیں ہوگا، بلکہ حرام ہی رہے گا:

"عن أبی بردة بن أبی موسی رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قدمت المدینة، فلقیت عبد اللّٰه بن سلام، فقال: إنك بأرضٍ فیها الربوا فاش، فإذا کان لك علی رجل حقٌ، فأهدیٰ إلیك حمل تبن أوحمل شعیر أو حبل قت، فلا تأخذه، فإنه ربوا". رواه البخاری". مشکوٰة المصابیح، ص:۲٤٦(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۶ھ۔

قرض پر منافع سود ہے

سوال[۷۹۴۵]: زید نے بکر سے ایک ہزار روپیہ لیا اور کہا کہ میں چالیس روپیہ ماہوار منافع سمجھ کر دیتا رہوں گا جب تک اصل رقم نہ ادا کردوں، زید حسبِ وعدہ چالیس روپیہ ماہوار منافع کا دیتا رہا۔ ایک سال گذرنے کے بعد سوئے اتفاق سے زید کا کاروبار میں ہزار روپیہ کا گھاٹا ہوگیا، ذاتی رقم اور بکر کا ایک ہزار روپیہ سب خسارے میں چلا گیا، اسی پر بس نہیں بلکہ ہزاروں کا مقروض بھی ہوگیا، پھر بھی زید کسی نہ کسی طرح وعدہ کے مطابق بکر کو چالیس روپیہ ماہوار دیتا رہا۔ اور کبھی کبھی یکمشت سود و سو روپیہ بھی دیئے۔

= والقنین، والکوبة، وزاد لی صلوة الوتر". (مسند أحمد بن حنبل، مسند عبداللّٰه عمرو رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما : ۳۵۵/۲، (رقم الحدیث: ٦٥٢٨)، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الأشربة، باب ماجاء فی السکر: ۱٦۲/۲، إمدادیه)

"لأن القمارمن القمر الذی یزداد تارةً وینقص اٰخری. وسمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مال صاحبه، وهو حرام بالنص".

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۰۳/٦، سعید)

(۲) (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین آمنوا لاتأکلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقو اللّٰه، لعلکم تفلحون﴾ (سورة اٰل عمران: ۱۳۱)

(۱) (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۴٦، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، قدیمی)

۱.....اس قسم کا معاہدہ کرنا از روئے شرع جائز یا نہیں؟

۲.....منافع سمجھ کر زید جو دے رہا ہے اس کا دینا اور بکر کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

۳.....زید نے معاہدہ کرتے وقت صراحتاً کہا تھا کہ تم کو میں بطورِ منافع کے چالیس روپیہ ماہوار دوں گا اور منافع ہی سمجھ کر دیتا رہا۔ کیا اس کے باوجود بھی سود ہوگا؟

۴.....زید نے بطورِ منافع کے جو رقم بکر کو دی ہے، کیا قسط وار اصل رقم ایک ہزار کی ادائیگی قرار دی جاسکتی ہے؟

۵.....اس نقصان کے باوجود کیا منافع کا چالیس روپیہ ماہوار دینا اب بھی لازم ہے، اور کیا اصل رقم بھی دینا ضروری ہے، اگر ہے تو موجودہ حالت میں مزید کس طرح وہ رقم ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳.....قرض پر اس طرح رقم دینے کا معاہدہ کرنا اور رقم دینا جائز نہیں، یہ یقیناً سود ہے، اس کا نام منافع رکھنے سے بھی سود ہی ہے، کتب فقہ میں ہے: "کل قرض جرّ نفعاً حرام". درمختار (۱) یعنی جس قرض سے نفع ملے وہ حرام ہے

۴.....اس کو اصل قرض کی ادائیگی میں محسوب کرلیا جائے تو سود سے چھٹکارہ ہوجائے گا (۲)۔

۵..... اصل قرض کی واپسی لازم ہے، جتنی رقم منافع کے نام پر دی جاچکی ہے، اس رقم کو ادا تصور

---

(۱) (الدرالمختار، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض: ۱۶۶/۵، سعيد)

"لايجوز أن يرد المقترض إلى المقرض إلا مااقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة: "كل قرض جرّنفعاً، فهوربا". (فقه السنة، القرض: ۱۴۷/۳، ۱۴۸، دارالكتاب العربی بيروت)

(۲) "إن سبيل التوبة مما بيد من الأموال الحرام، إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً". (الجامع لأحكام القران للقرطبی، (سورة البقرة، تحت الآية: ﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله، وإن تبتم فلكم رؤوس أموالكم﴾ (رقم الآية: ۲۷۹): ۲۴۸/۳، دارإحياء التراث العربی بيروت)

"ان من شرط التوبة أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كانت ذلک فی المال، وجب أداء ه عيناً أو ديناً، مادام مقدوراً عليه". (القواعد للزركشی: ۲۴۵/۲)

Made searchable using ScribeTools.com

کیا جائے، بقیہ رقم یکمشت یا قسطوار ادا کی جائے، یا معاف کرالی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۰/۱۲/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۸۰/۱۲/۲۶ھ۔

منافع قرض

سوال[۷۹۴۶]: زید نے بکر کو مبلغ چار ہزار روپے تجارت کیلئے دیا اور کہا کہ اس روپے میں خواہ تم کو نفع ہو، یا خسارہ ہو، بہرحال تم مجھے چالیس روپے ماہوار بطورِ نفع کے دیتے رہو، باقی جتنا بھی نفع ہو وہ سب تمہارا، اور میری رقم باقی رہے گی، نقصان جو ہو وہ سب تم کو برداشت کرنا پڑے گا۔ ایسی صورت میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے، کیا اس شرط کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز نہیں، یہ سود ہے (۲) اور سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے: ﴿أحل الله

---

(۱) "الديون تُقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود: ۳۸۹/۲، سعيد)

(۲) "لقوله عليه السلام: "كل قرض جر مفنعةً، فهو ربا": أى فى حكم الربا، فيكونُ عقد القرض باطلاً، فإذاشرط فى عقده ما يجلب نفعاً إلى المقرض من نحو زيادة قدر أوصفة، بطل". (فيض القدير(رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۴۴۸۷/۹، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"عن فضالة بن عبيد رضى الله تعالىٰ عنه صاحب النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: "كل قرض جر منفعةً، فهو وجه من وجوه من الربا". (إعلاء السنن، ۵۰۱/۱۴، كتاب الحوالة، إدارةالقران كراچى)

"كل قرض جر نفعاً حرام: أى إذا كان مشروطاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۱۶۶/۵، سعيد)

"لا يجوز أن يردّ المقترض إلى المقرض إلا ما اقترضه منه أو مثله تبعاً للقاعدة الفقهية القائلة: "كل قرض جر نفعاً، فهو ربا". (فقه السنة، القرض: ۱۴۷/۳، ۱۴۸، دارالكتاب العربى بيروت)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، الفن الثانى، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمى)

البیع وحرم الربوا﴾ الآیة(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قرض پر نفع لینا سود ہے

سوال[۷۹۴۷]: زید نے عمر سے ایک ہزار روپیہ نقد اس شرط پر حاصل کیا کہ وہ اس روپیہ کو تجارت میں لگا کر عمر کو دس روپیہ ماہوار بطورِ منافع دیتا رہے گا، چنانچہ زید نے چالیس ماہ تک متواتر دس روپیہ ماہوار عمر کو ادا کئے اور زید بفضائے الٰہی فوت ہوگیا، باقاعدہ حساب تجارت کا جس سے نفع ونقصان ظاہر ہو یا جن لوگوں کا لینا یا دینا بذمۂ زید پایا جاتا ہو نہیں چھوڑا، بلکہ ایک کافی رقم قرضہ کی کئی ہزار روپیہ کی زید کے ذمہ بعد اس کے فوت ہونے کے ثابت ہوئی۔

ورثائے زید نے اپنے متوفی عزیز کو بار قرض سے سبکدوش کرنے کے لئے قرض خواہاں سے ان کی اصل رقوم معلوم کر کے ان کی واجب رقومات ادا بھی کردی ہے اور عمر کا روپیہ بھی ادا کردینا چاہتے ہیں، چنانچہ بعد انتقالِ زید کے قریب چار سو روپیہ بالاقساط عمر کو دے بھی چکے ہیں، لیکن ورثائے زید کہتے ہیں کہ زید نے چالیس ماہ تک رقم ادا کی ہے، وہ شرعی نقطۂ نظر سے منافع نہیں ہے، بلکہ سود ہے، کیوں کہ کوئی معاہدہ وشرائط تجارت کے نقصان میں بھی عمر کے شریک رہنے کی نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اگر وہ رقم سے پوری کردی جائے تو باقی رقم ورثائے زید ادا کرنے کو تیار ہیں۔

اور عمر کا بیان ہے کہ جو دس روپیہ ماہوار زید نے ادا کئے وہ بطورِ منافع کے دیئے ہیں، لہٰذا پوری رقم ورثاء کو ادا کرنا چاہیئے، البتہ وہ رقم جو بعد فوت ہونے کے زید کے ورثاء سے عمر کو حاصل ہوچکی ہے اس کو اصل رقم سے وہ ضرور منہا کرنے پر وہ رضامند ہے، جو کچھ شرعی حکم ہو، بالتشریح عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر زید نے جو عمر سے ایک ہزار روپے شرطِ مذکور پر حاصل کیا ہے، یہ قرض ہے، اس صورت میں دس روپے کا منافع بالیقین سود ہے جس کا وصول کرنا عمر کو حرام ہے(۲)، لہٰذا اس رقوم کو بھی اصل رقم

---

(۱) (سورۃ البقرہ: ۲۷۵)

(۲) "قال علیه الصلوة والسلام: "کل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فیض القدیر (رقم الحدیث: ۶۳۳۶): =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

میں شمار کرنا واجب ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غلہ قرض دیکر زیادہ وصول کرنا

سوال[۷۹۴۸]: اکثر کاشت کے وقت بیج دیتے ہیں اور ایک من کے بجائے سوا من کھیت کاٹنے کے بعد لیتے ہیں۔یہ سود ہے یا کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سود ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۴۴۸۷/۹، مکتبہ مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن علیّ أمیر المؤمنین رضی اللہ تعالی عنه، مرفوعاً: "کل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". وکل قرض شر ط فیه الزیادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن: ۴۹۹/۱۴، کتاب الحواله، باب کل قرض جر منفعتة فهو ربا، إدارة القران ، کراچی)

"کل قرض جرّ منفعةً، فهو وجه من وجو ہ الربا". (تکملة فتح الملهم: ۵۷۵/۱، کتاب المساقات والمزارعة، دارالعلوم کراچی)

"کل قرض جرنفعاً، فهو حرام". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، فصل فی القرض: ۱۶۶/۵ ، سعید)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، کتاب المداینات، ص: ۲۵۷، قدیمی)

(وکذا فی فقه السنة، القرض: ۱۴۸/۳ ، دارالکتاب العربی بیروت)

(۱) یعنی جب اصل میں شمار ہوگا تو واپسی بھی اسی اصل کے تابع ہوجائے گی، چونکہ حرام مال کو مالک کی طرف واپس کرنا واجب بھی ہے:

"والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال، وجب ردّه علیهم، وإلا فإن علم عین الحرام، لایحل له، ویتصدق به بنیة صاحبه". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر فی الکسب: ۳۴۹/۵، رشیدیه)

(۲) "عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: =

مکئی کی گیہوں سے ادھار بیع

سوال[۷۹۴۹]: کسی نے مکایا شکر قندی اس نیت سے کسی کو دیدی کہ فصل پر گیہوں لے لوں گا۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مکایا شکر قندی فروخت کرنا اس شرط پر کہ اس کے عوض فصل پر گیہوں لے گا، یعنی گیہوں کو قیمت قرار دینا اور اس کو فصل پر وصول کرنا درست نہیں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدہ محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشيعر بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح مثلاً بمثل، يداً بيد، فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء". (الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا: ۲/۲۵، قديمى)

(وجامع الترمذى، أبواب البيوع، باب ماجاء أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل، وكراهية التفاضل فيه: ۱/۲۳۵، سعيد)

(وكذا فى نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۷۲، مكتبه حقانيه)

(وكذا فى الدراية فى منتخب تخريج أحاديث الهداية، كتاب البيوع، باب الربا: ۳/۷۷، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، سواءً بسواء، يداً بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۴، كتاب البيوع، باب الربوا، قديمى)

(وجامع الترمذى: ۱/۲۳۵، كتاب البيوع، باب ماجاء فى أن الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل الخ، سعيد)

"وعلته القدر مع الجنس، فإن وجدا، حرم الفضل والنسأ. وإن عدما، حلا. وإن وجد أحدهما، حل الفضل، وحرم النسأ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۵/۱۷۲، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"وعلته القدر والجنس، فحرم بيع الكيلى والوزنى بجنسه متفاضلاً أو نسيئةً ولو غير مطعوم كالجص والحديد، وحل متماثلاً بعد التقابض، أو متفاضلاً غير معير كخفنة بخفنتين، وبيضة =

Made searchable using ScribeTools.com

قرض دینے کی وجہ سے ایک کلوگوشت دینا

سوال[۷۹۵۰]: ایک قصاب نے زید سے چندروپے گوشت کی تجارت کے لئے، اور یہ شرط کی کہ جب میں دوسرے یا تیسرے روز اپنی گائے ذبح کروں گا تو تمہیں ایک سیر گوشت دیدوں گا، پھر ڈیڑھ دوماہ بعد سب روپے ادا کردوں گا تو کیا اس گوشت کا جوروپے سے زائد قصاب کی طرف سے مل رہا ہے، اس کا کھانا جائز ہے؟ اور کیا یہ صورت مضاربت میں داخل ہوسکتی ہے اور اگر زید نے اس کو کھالیا ہے اور وہ ناجائز ہے تو اس سے اس کے سبکدوش ہونے کی کیا صورت نکل سکتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سود ہے لہٰذا ناجائز ہے: "كل قرض جرّ نفعاً حرام". درمختار۔ قال الشامي: "أي إذا كان مشروطاً، اهـ". شامي: ۲/۲٤۲(۱)۔

= ببيضتين، وثمرة بثمرتين، فإن وجد الوصفان، حرم الفضل والنسأ. وإن عدما، حلا. وإن وجد أحدهما فقط، حل التفاضل لاالنسأ". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/۱۲۰، كتاب البيوع، باب الربا، مكتبه غفايه كوئٹه)

(۱) (ردالمحتار: ۵/۱٦٦، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض، سعيد)

"قال عليه الصلوة والسلام: "كل قرض جرّ منفعةً، فهو ربا". (فيض القدير (رقم الحديث: ٦۳۳٦): ۹/۴۴۸۷، مكتبه مصطفىٰ الباز رياض)

"عن علىّ أمير المؤمنين رضى اللهتعالى عنه، مرفوعاً: "كل قرض جرّمنفعةً". فهو ربا، وكل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۹، كتاب الحواله، باب كل قرض جر منفعتة فهو رباء، إدارة القران، كراچى)

"كل قرض جرّ منفعةً، فهو وجه من وجوه الربا". (تكملة فتح الملهم: ۱/۵۷۵، كتاب المساقات والمزارعة، دارالعلوم كراچى)

"كل قرض جرنفعاً، فهو حرام". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۵/۱٦٦، سعيد)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، الفن الثانى، كتاب المداينات، ص: ۲۵۷، قديمى) ..... =

اس سے سبکدوش ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس گوشت کی قیمت ادا کردے، یا اس روپے میں سے منہا کردے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

سودی کام میں شرکت

سوال[۷۹۵۱]: کفار کے اشتراک میں کوئی کام تجارت کھانا وغیرہ جائز ہے جبکہ وہ سودخور ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سودی کام میں اشتراک درست نہیں(۲)،سودی کھانا بھی درست نہیں(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا فى فقه السنة، القرض: ۱۴۸/۳، دارالكتاب العربى بيروت)

(۱) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب ردها عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له، يتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فى الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أحل الله البيع، وحرم الربوا﴾. (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقو الله النارالتى أعدت للكافرين﴾. (سورة آل عمران، ۱۳۱)

"عن جابررضى الله تعالى عنه، قال: لعن رسو ل اللهصلى اللهعليه اكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". (الصحيح لمسلم: ۲۷/۲، كتاب المسافات والمزارعة، باب الربا، قديمى)

"عن عبد اللهبن حنظلة رضى الله تعالىٰ عنه غسيل الملائكة قال: قال رسو ل اللهصلى اللهعليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلثين زنية". (مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب ماجاء فى الربا: ۱۱۷/۴، دارالفكر بيروت)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام. فإن =

Made searchable using ScribeTools.com

سودی معاملہ کی اعانت

سوال[۷۹۵۲]: میں نے ایک شخص کوادھار بیاج پر تین ہزار روپیہ تین ماہ کے لئے دلوادیا تھا(۱)، مگر روپیہ دینے والے نے بیاج کا معاملہ پہلے ہی کاٹ لیااور میں نے اس کو تین ہزار روپے اپنے پاس سے ملاکر پورا کردیا، کیونکہ اس کو اتنے روپے کی ضرورت تھی اب وہ روپیہ مع بیاج کے واپس دے گا۔ ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

آپ اپنا روپے لے سکتے ہیں، مگر اس سودی معاملہ کی اعانت کے گناہ میں آپ کی بھی شرکت ہوگئی(۲)، توبہ استغفار ضروری ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= كان الغالب هوالحرام، ينبغى أن لايقبل الهدية، ولايأكل الطعام". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۲/۵، كتاب الكرهية، الباب الثانى عشر، رشيديه)

(۱) "بیاج: سود، ربا، نفع، بڑھوتری، زیادتی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۰، فیروز سنز لاهور)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

"عن عبد الرحمن بن عبدالله ابن مسعود عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: إن النبى صلى الله عليه وسلم لعن آكل الربا وموكله وشاهده وكاتبه". (سنن أبى داود، كتاب البيوع، باب فى آكل الربا وموكله: ۱۱۷/۲، مكتبه امداديه ملتان)

"قال الخطابى: سوّى رسول اللهصلى اللهعليه وسلم بين آكل الربا وموكله، إذكل لا يتوصل الى أكله إلا بمعاونته ومشاركته إياه، فهما شريكان فى الإثم كماكانا شريكين فى الفعل..... "وكاتبه وشاهديه" قال النووى: فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين، والشهادة عليهما، وبتحريم الإعانة على الباطل". (مرقاة المفاتيح: ۵۱/۶، كتاب البيوع، باب الربا، رشيديه)

"قوله: لعن رسول صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". هذاتصريح بتحريم كتابة المبايعة..... وفيه تحريم الإعانة على الباطل". (شرح النووى مع صحيح مسلم، ۲۸/۲، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، قديمى)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿أفلا يتوبون إلى الله ويستغفرونه، والله غفور رحيم﴾ (سورة المائدة: ۷۴) =

Made Searchable by ScribeTools.com

سود پر قرض لے کر اس سے کاروبار کرنا

سوال[۷۹۵۳]: گورنمنٹ کی طرف سے کاشتکاروں کو بونے کے لئے سود پر غلہ اونکھ فصل پر دی جاتی ہے، فصل کٹنے پر جتنا دیا جاتا ہے اس سے زیادہ مقررہ تعداد میں لے لیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ سود ہے، آج شاید ہی میری طرف کوئی ایسا کاشتکار ہو جو اس سے بچا ہو۔ ایسی صورت میں کیا اپنے کسی عزیز کے یہاں کھانا نہ کھانا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کاشتکار کو جو ملا ہے، قرض ہے (۱)، سود نہیں۔ پھر اس سے جو مقدار زائد واپس لی گئی ہے، وہ

= وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾. (سوره التحريم: ۸)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرة". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

"والكلام في التوبة كثير، وحيث كانت أهم الأوامر الإسلامية وأول المقامات الإيمانية ومبدأ طريق السالكين ومفتاح باب الواصلين، لابأس في ذكر شئ مما يتعلق بها، فنقول: هي ..... الندم على المعصية، لكونها معصيةً ..... وقال الإمام النووي: التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية. وأن يندم على فعلها وأن يعزم عزماً جازماً على أن لايعود إلى مثلها أبداً. فإن كانت تتعلق بآدمي، لزم رد الظلامة إلى صاحبها أو وارثه أو تحصيل البراءة منه. وركنها الأعظم الندم.

وفي شرح المقاصد: قالوا: إن كانت المعصية في خالص حق الله تعالىٰ، فقد يكفي الندم كما في ارتكاب الفرار من الزحف وترك الأمر بالمعروف ..... ولم يختلف أهل السنة وغيرهم في وجوب التوبة على أرباب الكبائر". (روح المعاني، سورة التحريم، مبحث في ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۱۵۸، ۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "هو (أي القرض) عقد مخصوص، يَرد على دفع مثليّ لآخر، ليردّ مثله". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض: ۱۶۱/۵، سعيد)

"الديون تُقتضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود: ۳۸۹/۲، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

سود ہے (۱)، کاشتکار کے گھر کا کھانا سود نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود۔

دارالحرب کی تعریف اور سود لینا

سوال[۷۹۵۴]: کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟ دارالحرب کی کیا شرائط ہیں؟ پھر دارالحرب کے اندر سود لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "فمن الربا ما هو بيع، ومنه: ماليس ببيع، وهو ربا أهل جاهلية، وهو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۴۶۹، بيروت)

"وكل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلا خلاف، قال ابن المنذر: أجمعوا على أن المسلف إذا شرط على المستسلف زيادةً أو هديةً، فأسلف على ذلک أن أخذ الزيادة على ذلک ربا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل قرض جرّمنفعةً، فهو ربا". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جرمنفعة فهو ربا: ۱۴/۴۹۹، إدارة القرآن كراچی)

(وفيض القدير، (رقم الحديث: ۶۳۳۶): ۹/۴۴۸۷، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز رياض)

(۲) "لأن القرض إعارةٌ ابتداءً حتى يصح بلفظها، معاوضةٌ انتهاءً؛ لأنه لايمكن الانتفاع به إلا باستهلاک عينه، فيستلزم إيجاب المثلى فى الذمة ..... ولايجوز فى غير المثلى؛ لأنه لايجب ديناً فى الذمة ويملكه المستقرض بالقبض كالصحيح". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

"والدليل على كون القرض صدقةً ابتداءً، مارواه الطبرانى والبيهقى، بإسناد حسن عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كل قرض صدقة". .....

"وعن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما من مسلم يقرض مسلماً قرضاً مرةً إلا كان كصدقتها مرتين". رواه ابن ماجة". (إعلاء السنن، كتاب الحوالة، باب كل قرض جرمنفعةً فهو ربا، دليل كون القرض صدقةً ابتداءً: ۱۴/۵۰۸، ۵۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فى ردالمحتار: ۵/۱۶۱، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

دارالحرب وہ مقام ہے جس کا اقتدارِ اَعلیٰ مسلم کے قبضہ میں نہ ہو(۱)، اس اعتبار سے ہندوستان دارالحرب ہے۔ سود لینا حرام ہے، نصِ قطعی میں اس کی حرمت موجود ہے: ﴿وحرم الربوا﴾(۲)، اس میں کسی مقام کی تخصیص نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۸۹ھ۔

دارالحرب کی تفصیلی بحث اور سود کا حکم

سوال[۷۹۵۵]: ایک شخص سود کو حلال سمجھتا ہے اور لوگوں کو ترغیب دیتا ہے۔ کیا سود لینا جائز ہے؟ جواز میں شخصی ومکانی خصوصیت کا اعتبار کیا گیا ہے یا نہیں، کاروبار کیسا ہے؟ کیا یہ مطلقاً ہر لحاظ سے دارالحرب ہے اگر ہے تو کیوں اور اگر نہیں تو مستحلِ سود کا کیا حکم ہے؟ پھر یہ اعتقاد حلت کے بعد ترغیب کرنے والا اور عام طور سے ترویج دینے والا کیسا ہے؟ بالفرض ہندوستان میں سود حلال بھی ہو تو کیا عوام قوم کے عقائد وخیالات کی خرابی وتباہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی وہی حکم رہے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾(۳)۔ جو شخص سود سے احتراز نہ کرے اس کے متعلق ارشاد ہے: ﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾(٤)۔

ابوالبرکات نسفی نے آیت: ﴿لاتأكلوا الربوا﴾(٥) کی تفسیر میں لکھا ہے:

---

(۱) "ان المراد بدار الإسلام بلادٌ يجرى فيها حكم إمام المسلمين، ويكون تحت قهره، وبدار الحرب بلادٌ يجرى فيها أمر عظيمها، وتكون تحت قهره". (فتاوى عزيزى، ص: ۴۲۱، باب الفقه، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۳) (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۴) (سورة البقرة: ۲۷۹)

(۵) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين أمنو لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقوا النار التى أعدت للكافرين﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

Made searchable using ScribeTools.com

"کان أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ یقول: هی أخوف اٰیة فی القراٰن حیث أوعدالله المؤمنین بالنار المعَدّة للکافرین إن لم یتقوه فی اجتناب محارمه". مدارك التنزیل، ص: ۱۴۱/۱(۱)۔

حدیث میں سود کھانے والے پر لعنت وارد ہوئی ہے:

"عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم اٰکل الربوا وموکله، الخ". مسلم شریف ،ص: ۲۴۴(۲)۔

سود کھانے والوں کا حشر اس طرح ہوگا:

"ثم ذکر عقوبة اٰکل الربوا، فقال: ﴿الذین یأکلون الربوا﴾ استحلالاً ﴿لایقومون﴾ من قبورهم یوم القیامة ﴿إلا کما یقوم﴾ فی الدنیا ﴿الذی یتخبطه الشیطان من المس﴾ من الجنون. ﴿ذلك﴾ التخبط علامة اٰکل الربوا فی الاٰخرة ﴿بأنهم قالوا إنما البیع مثل الربوا﴾". تفسیر ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه،ص: ۳۸(۳)۔

اس لئے علی الاطلاق تو کوئی اہل علم بھی جوازِ سود کا قائل نہیں ہوسکتا، البتہ دارالحرب میں مسلم مستأمن

= وقال الله تعالیٰ: ﴿ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

(۱) (مدارک التنزیل: ۲۰۲/۱، (سورة اٰل عمران: ۱۳۱)، قدیمی)

قال الله تعالیٰ: ﴿الذین یأکلون الربوا لا یقومون إلا کمایقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

قال العلامه البغوی رحمه الله تعالیٰ: ﴿بالباطل﴾ بالحرام یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقة". (معالم التنزیل: ۵۰/۲، قدیمی)

(۲) (الصحیح لمسلم: ۲۸/۲، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، قدیمی)

"عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "الربا ثلاثة وسبعون باباً أیسرها مثل أن ینکح أمه، وإن أربیٰ الربا عرض الرجل المسلم". (المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، (رقم الحدیث: ۵۵۱۳): ۲۷/۲، دارالفکر بیروت)

(۳) (تفسیر ابن عباسؓ، (سورة البقرة: ۲۷۵)، ص: ۳۲، صدیقیه کتب خانه اکوڑه خٹک)

کوکافرحربی سے طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق سود لینے والے کے لئے گنجائش ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں بھی ناجائز ہے:

"ولا (ربوا) بين المسلم والحربى فى دارالحرب، خلافاً لأبى يوسف ـ رحمه الله تعالىٰ والأئمة الثلٰثة". الدر المنتقى: ۲/ ۹۹۰(۱)۔

سودی کاروبار کا مفہوم عام ہے جو سود لینے اور دینے ہر دو کو شامل ہے، اس لئے اس کے جواز کا فتوی دینا مطلقاً کسی کے قول پر بھی درست نہیں، کیونکہ سود دینا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں:

"فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة، وقد ألزم أصحاب الدرس أن مرادهم من حل الربوا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم نظراً إلى العلة، وإن كان إطلاق الجواب خلافه، والله تعالىٰ أعلم، اه". منحة الخالق: ٦/١٣٦(٢)۔

ہندوستان کے متعلق علماء کی آراء مختلف ہیں، دونوں طرف اہلِ تحقیق میں ہر جانب دلائل موجود ہیں، بندہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا ہے، گنجائش ہر جانب میں ہے، اختلاف کی وجہ سے اجتناب بالیقین احوط ہے(۳)۔

---

(۱) (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۱۳۷، باب الربا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"ولا ربابين المسلم والحربى فى درالحرب عند الطرفين خلافاً لأبى يوسف والشافعى رحمهما الله تعالىٰ". (مجمع الأنهر، باب الربا: ۳/۱۲۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (منحة الخالق على هامش البحر الرائق: ۶/۲۲۶، كتاب البيع، باب الربا، رشيديه)

"فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة، وقد ألزم الأصحاب فى الدر س أن مرادهم من حل الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم، نظراً إلى العلة وإن كا ن إطلاق الجواب خلافه". (رد المحتار: ۵/۱۸۶، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

(وكذا فى فتح القدير: ۷/۳۸، كتاب البيوع، باب الربا، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(۳) "وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً؛ لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهورهم يورث شبهةً فى الجواز، وقال النبى صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّنٌ، والحرام بيّنٌ. وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه". لاسيما وكون الهند دار الحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذَنُ قويةٌ غير ضعيفة، والتو قى عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن: ۱۴/۳۶۷، كتاب البيوع، باب الربا، إدارة القرآن، كراچى)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

جن حضرات کے نزدیک ہے، وہ دارالحرب کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

"دارالحرب ماخافوا فيه من الكافرين". جامع الرموز"(۱)۔

"إذا أجروا فيها أحكام الشرك، فإنها تصير دارالحرب، سواء كانت متصلةً بدار الحرب أولم تكن، يبقى فيها مسلم أو ذمى امناً بالأمان الأول أو لم يبق، اه". خزانة المفتيين(۲)۔

"المراد بدارالحرب بلادٌ يجرى فيها أمرُ عظيمها، وتكون تحت قهر ه، اه، كافى. وأن لايبقى فيه مسلم ولاذمى امناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أولا، وسواء أعلن شعائر الكفر أو لا، اه. إذا أجرى أهل الحرب فى بلدة من بلاد أهل الإسلام أحكامَ أهل الحرب، تصير دارالحرب كيف ماكان، اه". فتاوى قاضى خان برهامش هنديه: ۳/۵۸٤(۳)۔

جن حضرات کے نزدیک نہیں، وہ دارالحرب کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

"ودار الإسلام لاتصير دارالحرب إلا بإجراء أحكام الشرك فيها، وأن تكون متصلةً بدارالحرب لايكون بينهما وبين دارالحرب مصرٌ اخر للمسلمين، ولا يبقى فيها مسلم أو ذمى امناً بالأمان الأول، فما لم توجد هذه الشرائط، لا تصيردار الحرب. ومعنى قولنا: أن لايبقى مسلم أو ذمى امناً بالأمان الأول أن لا يبقى مسلم أو ذمى امناً على نفسه إلا بأمان المشركين، اه". خزانة المفتيين(٤)۔

"وفى سير الأصل لأبى اليسر: أن دارالإسلام، لاتصير دارالحرب مالم يبطل جميع

---

(۱) (جامع الرموز: ۴/۵۵۶، باب الجهاد، المطبعة الكريمية ببلدة قزان)

(۲) (مجموعة الفتاوىٰ، كتاب العلم والعلماء، عنوان مسئله: ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں؟: ۱/۱۲۳، سعيد)

(۳) (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، باب الردة وأحكام أهلها، فصل فيما يبطله الارتداد: ۳/۵۸۴، رشيديه)

(۴) (خزانة المفتيين، بحواله مجموة الفتاوىٰ بعبدالحئ اللكنوى، كتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں؟: ۱/۱۲۳، سعيد)

ماصارت به دارالإسلام؛ لأن الحكم إذا ثبت لعلة فما بقى من العلة شئ يبقى ببقائه. وفى المنثور دارالإسلام بإجراء أحكام الإسلام، فمابقى علقةٌ من علائق الإسلام، يترجح جانب الإسلام، اھ"(۱)۔

"وذكر الحلوانى: إنما تصير دارالحرب بإجراء أحكام الكفر، وأن لايحكم فيها بحكم من أحكام الإسلام، وأن يتصل بدارالحرب، وأن لا يبقى فيها مسلم ولا ذمى اٰمناً بالأمان الأول..... فإذا وُجدت الشرائط كلها، صارت دار الحرب، وعند تعارض الدلائل والشرائط يبقى ماكان على ماكان أو يترجح جانب الإسلام احتياطاً"(۲)۔

فریقین کے دلائل سامنے ہیں، دونوں طرف اہلِ تحقیق ہیں۔ مولانا عبدالباری رحمہ اللہ تعالیٰ فرنگی محلی لکھنوی، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ، نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ہندوستان کو دارالحرب نہیں لکھا ہے، بلکہ دارالاسلام مانا ہے چنانچہ مجموعۃ الفتاوی:۱/۲۳۶، میں ہے:

"لیکن بلاد ہند جو قبضۂ نصاری میں ہیں، دارالحرب نہیں ہے، اوران میں کافر سے سود لینا جائز نہیں ہے اور۲/۱۷۰، میں ہے ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں، بلکہ دارالاسلام ہے۔ چنانچہ ان عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوتا ہے اِلی قولہ پس یہ بلاد دارالحرب نہ ہوں گے نہ بمذہب امام اورنہ بمذہب صاحبین"(۳)۔

اور:۲/۲۴۵، میں ہے:

"والصحيح أنه (أى ملك الإنجريز) دارالإسلام، ولم يصر

---

(۱) (خزانة المفتيين، بحواله مجموعة الفتاوىٰ بعبدالحى اللكنوى، كتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں؟: ۱/۱۲۳، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۱۲، كتاب السير، الفصل الثالث فى الحظر والإباحة، رشيديه)

(۳) (مجموعة الفتاوىٰ، كتاب الصلوة، عنوان: ہندوستان میں نماز جمعہ اوراس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی کا حکم: ۱/۲۳۸، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

دارالحرب إلى الآن"(۱)۔

مولانا عبدالباری صاحبؒ اپنی تائید میں نواب صدیق حسن صاحب کی عبارت نقل کرتے ہیں:

"**هندوستان عموماً ورياساتِ اسلاميه خصوصاً نزدِ امامِ اعظم رحمه الله تعالىٰ دارالحرب نيست ..... في الحال درمُختار وفتوئ مشاهيرِ فقهائے حنفيهٔ هند مثل علمائے دهلى ورام پور وبهوپال، وجهٔ آں همين است كه مملكتِ هند خصوصاً رياساتِ اسلاميه آں دارالاسلام است نه دارالحرب. بعض معاصرين نوشته اند:** "الاحتياط أن نجعل هذه البلاد دارالإسلام وإن كانت السلاطين فى الظاهر هؤلاء الشياطين، والله تعالى أعلم". مجموعه رساله هجرة و قربانئ گاؤ"۔

اورحضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ۱۲۳۳ھ میں ہندوستان کے اکثر حصہ کو دارالحرب قرار دیا ہے، چنانچہ صراط مستقیم میں، ص: ۱۰۵، پر فرماتے ہیں:

"**بلكه حال هندوستا ن رادريں جزو زماں كه سن يک هزار ودوصد وسى وسوم است كه اكثرش دريں ايام دار الحرب گرديده، الخ" ۱۲ "**(۲).

نیز ان کے استاد اور چچا اور مرشد کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"**در كافى مى نو يسند:** إن المراد بدار الإسلام بلادٌ يجرى فيها حكم إمام المسلمين وتكون تحت قهره، وبدارالحرب بلادٌ يجرى فيها أمر عظيمها، وتكون تحت قهره، انتهى۔ **دريں شهر حكمِ امام المسلمين قطعاً جارى نيست، وحكم رؤسائے نصارىٰ بے دغدغه جارى است. ومراد از**

---

(۱) (**مجموعة الفتاوىٰ، كتاب العلم والعلماء ، عنوان مسئله: هندوستان دارالحرب هے يا نهيں: ۱/۱۲۳-۱۲۶، سعيد**)

(۲) (صراطِ مستقیم، (فارسی)، فصل چہارم، در بیان طریق ادائے طاعات، ص: ۹۵، مطبع: مجتبائی واقع دہلی)

اجرائے احکامِ کفر این است که در مقدمهٔ ملک داری وبندوبستِ رعایا، واخذِ خراج وباج، وعشورِ اموالِ تجارت، وسیاستِ قطاعِ طریق وسراق، وفصلِ خصومات، وسزائے جناياتِ كفار بطورِ خودحاكم باشندآرے.

اگر بعضِ احکامِ اسلام را مثلِ جمعه وعیدین واذان وذبحِ بقر تعرض نکنند نکرده باشند، لیکن اصل الاصول این چیزها نزدِ ایشاں هبا وهدر است، زیراکه مساجد رابے تکلف هدم می نمایند، وهیچ مسلمان یا باذمی بغیر استیمان ایشان درین شهر ودرنواحِ ان نمی تواند، آں برائے منفعت خود از واردین ومسافرین وتجار مخالفت نمی نمانید.

اعیانِ دیگر مثلِ شجاع الملک وولایتی بیگم بغیر حکمِ ایشاں دریں بلاد داخل نمی توانند شد، وازیں شهر تا کلکته عملِ نصاری ممتد است. آرے درچپ وراست مثل حیدر آباد ولکھنؤ ورام پور أحکامِ خود جاری نه کرده اند بسببِ مصالحت واطاعتِ مالکانِ آں ملک.

وازروئے احادیث وتتبعِ سیرتِ صحابهٔ کرام وخلفائے عظام همیں مفهوم می شود، زیراکه درعهدِ حضرت صدیق اکبر رضی الله تعالیٰ عنه ملکِ بنی یربوع راحکمِ دارالحرب دادند، باوجودیکه مسلمانان هم دراں بلاد موجود بودند. وعلی هذاالقیاس در عهدِ خلفائے کرام همیں طریق مسلوک بود، بلکه در عهدِ حضرت پیغمبر صلی الله علیه وسلم فدک وخیبر راحکمِ دارالحرب فرمود ند، حالانکه تجارِ اهل اسلام بلکه بعضے سکنه آنجا نیز دراں مکانات در وادی القری

Made searchable using ScribeTools.com

مشرف باسلام بودند وفدک وخیبر راکمالِ اتصال بود بامدینه منوره.

انتهی". فتاوی، عزیزی(۱).

حضرت شاہ صاحب موصوف نے ایک دوسرے مقام پر دارالحرب کی تعریف میں تین قول نقل فرما کر تیسرے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی بناء پر ہندوستان وغیرہ انگریز کی عملداری کو دارالحرب قرار دیا ہے:

"وفرقۂ سوم ازیں هم ترقی کرده اند که حدِّ دارالحرب آنست:

"أن لایبقی فیه مسلم ولاذمی آمناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أولا، وسواء أعلن شعائر الكفر أولا". **وهمیں قولِ ثالث رامحققین ترجیح داده اند، وبریں تقریر معمولۂ انگریزاں واشباهِ ایشاں بلاشبه دارالحرب است، اهـ". فتاوی عزیزی: ۱/۱۰۶ (۲).**

دارالحرب میں حربی کفار سے سود لینے کو جو شخص حلال اعتقاد کرے، امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس کا اعتقاد صحیح ہے۔ جس سود کی حرمت پر اجماع ہے اور اس کی حرمت نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، اس کے متعلق ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں، ص:۲۱۲ پر لکھا ہے:

"وفی جواهر الفقه: مَن جحد فرضاً مجمعاً علیه كالصلوة والصوم والزكوٰة والغسل من الجنابه، كفر. قلت: وفی معناه من أنكر حرمة محرم مجمع علیه كشرب الخمر والزنا وقتل النفس وأكل مال الیتیم والربوا"(۳)۔

ص:۲۲۱ پر لکھا ہے کہ:

"من أنكر حرمة الحرام المجمع علی حرمته، أو شك فیها: أی یسوی الأمر فیها كالخمر والزنا واللواطة والربوا، أو زعم أن الصغائر والكبائر حلال، كفر"(٤)۔

---

(۱) (فتاوی عزیزی، ص: ۴۲۱، باب الفقه، سعید)

(۲) (فتاوی عزیزی، ص: ۵۵۶، مسائل سود، سعید)

(۳) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۷۲، فصل من ذلک فیمایتعلق بالقرآن والصلاة، قدیمی)

(۴) (شرح الفقه الأكبر، ص: ۱۸۸، فصل فی الكفر صریحاً وكنایةً، قدیمی)

Made Searchable by ScribeTools.com

لیکن دوسرے مقام پر استحلالِ حرام کے ساتھ مقید کر کے بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وعلى هذه الأصول يبتنى الفروع التى ذكر فى الفتاوى من أنه إذا اعتقد الحرام حلالاً، فإن كانت حرمته لعينه، وقد ثبت بدليل قطعى، يكفر، وإلا فلا، بأن يكون حرمته لغيره، أو ثبت بدليل ظنى. وبعضهم لم يفرق بين الحرام والحلال لعينه ولغيره، فقال: من استحل حراماً وقدعُلم فى دين النبى صلى عليه وسلم تحريمُه كنكاح ذوى المحارم، أو شرب الخمر، أو أكل ميتة، أو دم مسفوح، أو لحم خنزير من غير ضرورة، فكافر". شرح فقه أكبر، ص ١٨٦(١)۔

اسی طرح مجمع الأنهر: ١/٧٠٥(٢)، اورفتاوی عالمگیری:٢/٢٧٢(٣) میں اس مسئلہ کو مقید کر کے بیان کیا ہے۔علامہ ابن نجیم نے ایک اَور بھی تفصیل کی ہے:

"(يكفر) بقوله: الحرام أحب إلىّ جواباً لقول القائل له: كُلُ من الحلال، لابقوله: إنى أحتاج إلى كثرة المال، والحلال والحرام عندى سواء، ولا بقوله لحرام: هذاحلال، من غير أن يعتقده، فلا يكفر السوقىّ بقوله: هذا حلال للحرام ترويجاً لشرائه. والأصل أن مَن اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمال الغير، لايكفر. وإن كان لعينه، فإن كان دليله قطعياً، كفر، وإلا فلا، وقيل: التفصيل فى العالم، وأما الجاهل فلايفرق بين الحلال والحرام لعينه ولغيره، وإنما الفرق فى حقه أن ماكان قطعياً كفربه، وإلافلا". بحر: ٥/١٢٢(٤)۔

---

(١) (شرح الفقه الأكبر، ص: ١٥٢، مطلبٌ: استحلال المعصية ولوصغيرةً كفر، قديمى)

(٢) "وباعتقاد الحلال حراماً أو بالعكس، هذا إذا كان حراماً بعينه، وحرمته ثابتة بدليل قطعى، أمالو بالأخبار لا يكفر". (مجمع الأنهر: ١/٦٩٧، كتاب السير، باب المرتد، الخامس فى المتفرقات، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(٣) "من اعتقد الحرام حلالاً، أوعلى القلب، يكفر ..... هذا إذا كان حراماً لعينه، وهو يعتقده حلالاً، حتى يكون كفراً. أما إذا كان حراماً لغيره، فلا. وفيما إذاكان حراماً لعينه إنما يكفر إذا كانت الحرمة ثابتةً بدليل مقطوع به، أما إذا كانت بأخبار الأحاد، فلايكفر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٢/٢٧٢، كتاب السير، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، ومنها مايتعلق بالحلال والحرام، رشيديه)

(٤) (البحرالرائق: ٥/٢٠٦، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

نیز مسئلۂ تکفیر میں سخت ترین احتیاط کی ضرورت ہے، اس لئے کف اللسان من التکفیر لازم ہے۔

ہمیں اس اعتقاد کے باطل اور خلاف نصوص ہونے میں کوئی تامل نہیں:

"وفی الفتاوی الصغری: الکفر شئ عظیم، فلا أجعل المؤمن کافراً متی وجدتُ روایةً أنه لایکفر". بحر: ٥/ ١٢٤"(١)۔

تاہم اگر مستحل منکرِ نصوص ہے تو بلاشبہ کافر ہے:

"إذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر، ووجه واحد یمنع التکفیر، فعلی المفتی أن یمیل إلی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم. زاد فی البزازیة: إلا إذا صرّح بإرادة موجب الکفر، فلا ینفعه التأویل حینئذٍ. وفی التاتارخانیة: لایکفر بالمحتمل؛ لأن الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایةً فی الجنایة، ومع الاحتمال لانهایة". بحر: ٥/١٢٥"(٢) ۔

حرام شئ کو رواج دینا حرام ہے: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان﴾(٣)۔

حلال پر اعتقادِ حلت اور حرام پر اعتقادِ حرمت حکمِ شرعی اور مامور بہ ہے (۴)، اس میں اعتقادات اور خیالات عوام، قوم کی خرابی وتباہی کیا ہے، ہاں! عکس میں ضرور تباہی ہے، اسی طرح مباح کو درجۂ وجوب دینے میں بھی تباہی ہے (۵) اگر بصورتِ حلتِ أخذ ربا من الکافر الحربی، یہ مفضی ہو أخذِ ربا من المسلم

---

(١) (البحر الرائق: ٥/ ٢١٠، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین، رشیدیه)

(٢) (البحر الرائق، المصدر السابق)

(٣) (سورة المائدة: ٢)

(۴) "عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "القرآن علی خمسة أوجه: حلال، وحرام، ومحکم، ومتشابه، وأمثال. فأحلّو الحلال، وحرموا الحرام، واعملوا بالمحکم، وآمنوا بالمتشابه، واعتبروا بالأمثال". (مشکوٰة المصابیح، ص: ٣١، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، قدیمی)

(٥) "وأما ما یفعل عقب الصلوة من السجدة، فمکروه إجماعاً؛ لأن العوام یعتقدون أنها واجبة أو سنة، أی وکل جائز أدّی اعتقاده ذلک، کره". (ردالمحتار: ١/ ٣٧١، کتاب الصلوة، مطلب: یشترط العلم بدخول الوقت، سعید)

تک تو بھی سداً للذرائع ممانعت کا حکم ہوگا (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/صفر المظفر /۱۳۵۹ھ۔

---

(۱) "سد الذرائع أصل من أصول الشريعة الإسلامية، وحقيقته منع المباحات التى يتوصل بها إلى مفاسد أو محظورات".

"سد الذرائع لايقتصر على مواضع الاشتباه والاحتياط، وإنما يشمل كل ما من شانه التوصل به إلى الحرام". (الفقه الإسلامى وأدلته، قرار رقم: ۹۲/۸/۹۵، بشأن سدا الذرائع: ۵۲۵۸/۷، رشيديه)

کوئی بھی مباح کام اگر کسی حرام اور ناجائز کام کے ارتکاب کا سبب بن رہا ہو، تو اس مباح کو سداً للذرائع ترک کرنا لازم ہے:

قال الله تعالى: ﴿ولاتسبوا الذين يدعو ن من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم﴾ فنهى الله سبحانه عن سب الألهة الباطلة حذراً أن يكون سبباً بسب الإله الحق جل وعلا شانه، وقال الله تعالى: ﴿ولا تخضعن بالقول، فيطمع الذى فى قلبه مرض﴾ ولها أمثال فى الكتاب والسنة". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام فى مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۴۹/۲، مكبته دارالعلوم كراچى)

وقال الله تعالى: ﴿ولايضربن بأرجلهن ليعلم مايخفين من زينتهن﴾. محقق أن إبداء الزينة بعينه مقصود بالنهى؛ لأنه قدنهى عما هو ذريعة إليه خاصةً؛ إذ الضرب بالأرجل لم يعلل النهى عنه أحد، لعلم أن المرأة ذات زينة وإن لم تظهر (أى الزينة) فضلاً عن مواضعها". (إمدادى الفتاوىٰ، عورتوں کے پردے اور نظر ولمس وغیرہ کے احکام: ۱۹۳/۴، مكتبه دارالعلوم كراچى)

عربی فارسی عبارات کا ترجمہ نمبر وار درج ہے

۱-اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے"۔(بیان القرآن پ:۳)

۲-پھر اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا)۔(بیان القرآن ۳)

۳-حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں یہ آیت سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس آگ کی دھمکی دی ہے جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے =

Made searchable using ScribeTools.com

.....

= اگر حرام چیزوں سے بچنے میں اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے۔

۴- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

۵- پھر سود کھانے والے کی سزا ذکر فرمائی کہ جو لوگ سود کو حلال سمجھ کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اپنی قبروں سے اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے دنیا میں وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان لپیٹ کر خبطی بنادے (یعنی حیران ومدہوش) یہ حیران ومدہوش ہونا آخرت میں سود خوار کی علامت ہے اس لئے کہ انہوں نے (سود کے حلال ہونے پر استدلال کرتے ہوئے) کہا تھا کہ بیع بھی مثل سود کے ہے۔

۶- مسلم اور حربی کے درمیان دارالحرب میں ربا نہیں، امام ابو یوسف اور ائمۂ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان حضرات کے نزدیک مسلم اور حربی کے درمیان دارالحرب میں بھی ربا حرام ہے۔

۷- پس ظاہر یہ ہے کہ اباحت مسلم کو زیادتی حاصل ہونے کی قید کے ساتھ ہے اور اصحاب درس نے اس کو لازم کیا ہے کہ ان کی مراد سود اور جوئے کے حلال ہونے سے وہ صورت ہے جبکہ مسلم کو زیادتی حاصل ہو، علت کی جانب نظر کرتے ہوئے اگر چہ جواب کے اطلاق کا تقاضہ اس کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

۸- دارالحرب وہ ہے جس میں کفار سے خوف ہو (جامع رموز) جب کہ اس میں احکام شرک نافذ کردئے جائیں، تو وہ دارالحرب بن جائے گا، چاہے دارالحرب سے متصل ہو یا نہ ہو، مسلم اور ذمی پہلے امان سے مامون رہے یا نہ رہے، الخ۔ "المفتیین".

دارالحرب سے مراد وہ ملک ہے جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے قبضہ میں ہو، (کافی)۔ یہ کہ نہ رہے اس میں کوئی مسلم اور نہ کوئی ذمی پہلے امان سے مامون، چاہے بعض شعائرِ اسلام ترک کردیئے گئے ہوں یا نہ، اور شعائر کفر کا اعلان ہو یا نہ الخ۔ اگر اہلِ حرب اہلِ اسلام کے شہروں میں سے کسی شہر میں اپنے احکام جاری کردیں تو وہ شہر دارالحرب بن جائے گا جس طرح بھی ہو۔

۹- دارالاسلام دارالحرب نہیں بنتا مگر جب کہ احکامِ شرک اس میں نافذ کردیئے جائیں اور یہ کہ وہ دارالحرب سے متصل ہو جائے کہ اور دارالحرب اور اس کے درمیان مسلمانوں کا کوئی شہر نہ ہو =

.....

= اور نہ ہو کوئی مسلم یا کوئی ذمی امانِ سابق کے ساتھ مامون نہ رہے، پس جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں وہ دارالحرب نہیں بنے گا۔ اور ہمارے اس قول کا مطلب: ''کوئی مسلم یا ذمی پہلے امان کے ساتھ مامون نہ رہے'' یہ ہے کہ مسلم یا ذمی بغیر مشرکین کے امان دئے مامون نہ ہوا ہو، الخ''۔

''ابوالیسر'' کی سیر ''الاصل'' میں ہے دارالاسلام دارالحرب اس وقت تک نہیں بنتا جب تک کہ وہ تمام باتیں ختم نہ ہو جائیں جن سے دارالاسلام بنا ہے، اس لئے کہ حکم جب کسی علت کی وجہ سے ثابت ہو گیا تو علت کا جب تک کچھ بھی حصہ باقی رہے گا وہ حکم بھی باقی رہے گا اور منشور میں ہے: دارالاسلام احکامِ اسلام کے نفاذ کی وجہ سے ہے، لہٰذا جب تک علائقِ اسلام میں سے کچھ بھی باقی ہے جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی۔ حلوانی نے ذکر کیا کہ دارالحرب احکامِ کفر جاری کرنے سے بنتا ہے اور یہ کہ احکامِ اسلام میں سے اس میں کوئی حکم نہ چلتا ہو اور دارالحرب متصل ہو جائے اور کوئی مسلم اور ذمی امانِ اول سے مامون نہ رہے۔ پس یہ سب شرطیں جب پائی جائیں گی اس وقت دارالحرب بنے گا اور دلائل وشرائط کے تعارض کے وقت جیسا ہے ویسا ہی رہے گا، یا احتیاطی طور پر جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی''۔

۱۰- ''صحیح یہ ہے کہ (ہندوستان) (ملک انگریز) دارالاسلام ہے، ابھی تک دارالحرب نہیں بنا''۔

۱۱- ''ہندوستان عموماً اور اسلامی ریاستیں خصوصاً امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دارالحرب نہیں، ہند کے مشہور فقہائے حنفیہ مثلاً علمائے دہلی ورامپور وبھوپال کا فتوی اور مختار یہی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ مملکتِ ہند، خصوصاً اس کی اسلامی ریاستیں دارالاسلام ہیں، نہ کہ دارالحرب۔ بعض محاضرین نے لکھا ہے احتیاط یہی ہے کہ ہم ان شہروں کو دارالاسلام قرار دیں اگرچہ بظاہر سلاطین یہ شیاطین ہیں''۔

۱۲- بلکہ ہندوستان کا حال اس وقت ۱۳۳۳ھ میں یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ دارالحرب ہو گیا ہے۔

۱۳- ''کافی میں لکھتے ہیں کہ دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور وہ ملک اس کے قبضہ میں ہو۔ اور دارالحرب سے مراد وہ ہے کہ جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہو۔ اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں، بلکہ رؤسائے =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

.....

نصاری کا حکم بے کھٹکے جاری ہے۔

اوراحکامِ کفر کے اجراء سے مراد یہ ہے کہ مقدمۂ ملک داری اوررعایا کے بندوبست اورمالِ تجارت سے ٹیکس وعشر کے یعنی، اورچور ڈکیتوں کے انتظام اورلڑائی جھگڑے کے فیصلے اورجرائم کی سزا کے معاملہ میں کفار اپنے طور پر حاکم ہوں، ہاں! اگر بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ وعیدین واذان اورذبح گائے پرروک ٹوک نہ کریں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک ہدر ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بلاتکلف منہدم کردیتے ہیں اورکوئی مسلمان یاذمی ان کے امان دیئے بغیر اس ملک اور اس کے اردگرد میں نہیں رہ سکتا۔

اپنے نفع کی خاطر آنے والے مسافروں اورتاجروں سے مخالفت نہیں کرتے۔ دوسرے بڑے لوگ مثلاً شجاع الملک اورولایتی بیگم بغیران کے حکم کے ان شہرون میں داخل نہیں ہوسکتے۔ اوراس شہر کلکتہ تک نصاری کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد لکھنؤ ورام پور میں اپنے احکام جاری نہیں کئے ہیں، ان شہروں کے مالکوں نوابوں کی فرمانبرداری اورمصالحت کی وجہ سے۔

اورازروئے احادیث اورصحابہ کرام وخلفائے عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرت میں تتبع وتلاش سے یہی سمجھ میں آتا ہے، اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ملکِ بنی یربوع کو مسلمانوں کے اس میں ہونے کے باوجود دارالحرب کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں بھی یہی طریقہ رائج تھا، بلکہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فدک وخیبر کو دارالحرب کا حکم دیا، حالانکہ مسلمان تاجر بلکہ بعض وہاں کے رہنے والے اوروادی القریٰ میں رہنے والے مشرف باسلام تھے اورفدک وخیبر مدینہ منورہ سے مکمل طور پر ملے ہوئے تھے"۔

۱۴- تیسرے فرقہ نے اس سے بھی آگے بڑھ کر دارالحرب کی یہ تعریف کی ہے کہ اس میں کوئی مسلم یاذمی امانِ سابق کیساتھ مامون نہ رہے، بعض شعائرِ اسلام ترک ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں اورشعائرِ کفر کا اعلان ہوا ہو یا نہ ہو اوراسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے، اس تقریر کی بنیاد پر انگریز اوران جیسے لوگوں کی عملداری والا ملک بلاشبہ دارالحرب ہے"۔

۱۵- "اس فرض کا انکار کرنا جس پرامت کا اتفاق ہے کفر ہے جیسے نمازِ روزہ، زکوٰۃ اور جنابت کے غسل کرنا، اسی طرح جس نے ایسے حرام کام کی حرمت کا انکار کیا جس پر اتفاق ہے جیسے شراب =

.....

=

کا پینا، زنا، قتل نفس، یتیم کا مال اور سود کھانا''۔

۱۶-''جس نے ایسے حرام کی حرمت کا انکار کیا جس کی حرمت پر اتفاق ہے، یا حرمت میں شک کیا، یا شک وانکار دونوں برابر رہے، جیسے: شراب، زنا، لواطت، سود، یا گمان کیا کہ صغائر وکبائر جائز ہیں، یہ کفر ہے''۔

۱۷-''ان اصول پر چند فروع مبنی ہیں جو فتاوی میں مذکور ہیں یعنی اگر حرام کو حلال جانا، پس اگر اس کی حرمت لعینہ ہے (کسی دوسری چیز کی وجہ سے نہیں) اور دلیلِ قطعی سے ثابت ہے، اس کی تکفیر کی جائے گی، ورنہ نہیں، بایں طور کہ اس کی حرمت کسی دوسری چیز کی وجہ سے ہو یا دلیلِ ظنی سے اس کی حرمت کا ثبوت ہو۔

بعض نے حرام وحلال میں لعینہ ولغیرہ کا فرق نہیں کیا، چنانچہ کہا کہ جس نے حرام کو حلال جانا جبکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں حرام ہے جیسے: ذوی المحارم سے نکاح، شراب پینا، مردار کھانا، بہنے والا خون، خنزیر کا گوشت بغیر کسی (ایسی) ضرورت کے جس کی بناء پر حرام چیز حلال ہو جاتی ہے) حلال سمجھتا ہے، تو وہ کافر ہے''۔

۱۸-''اس بات کے کہنے سے کافر ہو جائے گا۔ کہ حرام مجھ کو زیادہ پسند ہے، اس کے جواب میں جو اس سے کہے کہ کھا تو حلال سے۔ اور اس طرح کہنے سے کافر نہیں ہوگا کہ مجھے زیادہ مال کی ضرورت ہے، حلال وحرام میرے نزدیک برابر ہے۔ اور نہ حرام کو حلال کہنے سے اس کے حلال ہونے کا اعتقاد کئے بغیر، پس بازاری آدمی (تاجر) کی اپنی خرید وفروخت کی ترویج کے لئے حرام کو حلال کہنے سے تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اور اصل بات یہ ہے کہ جو حرام کو حلال اعتقاد کرے، پس اگر وہ حرام لغیرہ ہے (یعنی حرمت خود اس کی ذات میں نہیں) جیسے دوسرے کا مال تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ حرام لعینہ ہے، پس اگر اس کی حرمت دلیلِ قطعی سے ثابت ہے تو کافر ہو جائے گا، ورنہ نہیں ہوگا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ تفصیل عالم کے بارے میں ہے، لیکن جاہل حلال وحرام لعینہ اور لغیرہ میں فرق نہیں کر سکتا، اس کے حق میں تو صرف یہ فرق ہے کہ اگر وہ قطعی ہے تو تکفیر کی جائے گی، ورنہ نہیں (یعنی جس حرام کو حلال یا حلال کو حرام اعتقاد کیا ہے، اگر اس کی حرمت، حلت کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے تو تکفیر کی جائے گی، ورنہ نہیں'')۔ ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

ہندوستان میں سود کا حکم

سوال[۷۹۵۶]: ہمارے علاقہ میں ایک عالم صاحب ہیں جو دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے، لہٰذا یہاں مسلمان ہندوؤں سے سودی لین دین کرسکتا ہے، یعنی سود لے سکتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مجھے تو یہ معلوم ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مجلس میں موجود تھے، یہ مسئلہ وہاں زیرِ گفتگو آیا، دیگر اہل علم حضرات اس پر گفتگو فرمارہے تھے، حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا گیا کہ آپ فرمائیں تو یہ جواب دیا تھا:

''جس کو جہنم میں جانا ہو، راستہ سیدھا ہے، مگر ہماری گردنوں کو پل بنا کر مت جاؤ''۔

قرآن کریم میں صاف صاف مذکور ہے ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾(۱)۔ حرمتِ ربا سے قبل جو لوگ اہلِ حرب سے معاملات کرتے تھے ان کو ہی گذشتہ بقیہ سود لینے سے منع فرمادیا گیا: ﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله وذروا مابقى من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ الآية(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= ۱۹-''فتاوی صغری میں ہے کہ کفر بڑی خطرناک چیز ہے میں کسی مؤمن کو کافر نہیں کہوں گا جب تک اس کو کافر نہ کہنے کی کوئی روایت موجود ہے''۔

۲۰-''اگر مسئلہ میں چند وجوہ تکفیر کی ہوں اور صرف ایک وجہ عدمِ تکفیر کی ہو تو مفتی کو چاہیے کہ مؤمن کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہوئے اس وجہ کو ترجیح دے جو عدمِ تکفیر کی ہے۔ بزازیہ میں یہ زیادتی ہے کہ: مگر جب کہ ارادۂ کفر کی وضاحت ہوجائے تو اس وقت تاویل فائدہ نہیں دے گی''۔

اور تاتارخانیہ میں ہے کہ احتمال کے ساتھ تکفیر نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ کفر سزا میں انتہاء ہے، تو جرم بھی انتہا ہونا چاہیئے، اور احتمال کے ساتھ انتہا نہیں ہوسکتی''۔

۲۱-''اور نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو، اور گناہ وزیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو''۔(بیان القرآن، پ:۶)۔

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

(۲(سورۃ البقرۃ: ۲۷۹) ..... =

دارالاسلام اور دارالحرب کی تحقیق اور مسئلۂ سود

سوال[۷۹۵۷]: ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں اور بر تقدیرِ دارالحرب بینک سے سود جائز ہے کہ نہیں؟ علمائے دیوبند اس امر میں مختلف ہیں، جناب کیا فرماتے ہیں، حضرت گنگوہی سے بعض جواز بیان کرتے ہیں۔ مولانا سہول صاحب مفتی مدرسہ دیوبند بڑے زور سے نہ صرف بینک بلکہ عام کفار سے جائز فرماتے ہیں۔ اَور بھی بعض علماء، مگر حضرت تھانویؒ مدظلہ العالی قائلِ حرمت ہیں۔ مفصل جواب معہ ادلہ مرحمت ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق اختلاف ہے، اکثر علماء اس کو دارالحرب فرماتے ہیں اور بعض اس کے منکر ہیں۔ فتاوی رشیدیہ میں مختلف فتاوی موجود ہیں، بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب ہونے کو ترجیح فرماتے ہیں(۱)، بعض میں اس کی عدمِ تحقیق کا اظہار فرماتے ہیں(۲)۔ مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ اپنے فتاوی: ۲/۲۲۶،

= وقال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون، واتقوا النار التى أعدت للكافرين﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام القرطبى: "من أخذ مال غيره لاعلى وجهٍ أذن الشرع، فقد أكله بالباطل". (الجامع لأحكام القرآن: ۲/۳۳۸، دارالكتب العلمية بيروت)

قال العلامة البغوى: "﴿بالباطل﴾ يعنى بالربا والقمار والغصب". (معالم التنزيل: ۲/۵۰، قديمى)

"عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: يارسول! وماهن؟ قال: "الشرك، والسحر، و قتل النفس التى حرم الله إلابالحق، وأكل الربوا، وأكل مال اليتيم، والتولى يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". (صحيح البخارى، كتاب الوصايا، باب قول الله: ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتٰمٰى ظلماً﴾ الخ: ۱/۳۸۸، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الكبائر وأكبرها: ۱/۶۴، قديمى)

(۱) "سب ہندوستان بندہ کے نزدیک دارالحرب ہے اور یہاں کی کافرات حربیہ ہیں اور ستر کرنا مسلمان کو ان سے ضروری ہے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب: جواز وحرمت کے مسائل، ہندوستان کی کافرات کا حکم، ص: ۲۹۲، سعید)

(۲) **الجواب**: "ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے، بظاہر تحقیقِ حال بندہ کو نہیں ہوئی، حسب اپنی تحقیق کے=

Made searchable using ScribeTools.com

میں تحریر فرماتے ہیں:

''بلاد ہند جو قبضۂ نصاری میں ہے دارالحرب نہیں ہے، ان میں کافر سے سود لینا جائز نہیں ہے''(۱)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنے ایک طویل فتوی میں فرماتے ہیں:

''**ودر کافی می نویسد**: "إن المراد بدار الإسلام بلادٌ یجری فیها حکم إمام المسلمین، ویکون تحت قهره، وبدار الحرب بلادٌ یجری فیها أمر عظیمها، وتکون تحت قهره، انتهی۔ **دریں شهر حکمِ امام المسلمین اصلاً جاری نیست، وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغه جاری است.**

= سب نے فرمایا، اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ فقط واللہ تعالی اعلم''۔ (فتاویٰ رشیدیه، باب: سود کے مسائل کا بیان، عنوان: ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں، ص: ۱۸۲، سعید)

(۱) (مجموعة الفتاویٰ، کتاب الربا، عنوان: ہندوؤں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟: ۲/ ۲۱۵۱، سعید)

(مجموعة الفتاویٰ، کتاب الصلوة، عنوان مسئله: ہندوستان میں نماز جمعہ اور اس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی کا حکم: ۱/ ۲۳۷، سعید)

سوال: ''ہندوستان جہاں تک عملداری انگریزوں کی ہے، دارالحرب ہے یا نہیں اور اگر ہے تو صرف صاحبین کے مذہب کے مطابق یا ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق بھی؟

جواب: ''ہندوستان دارالحرب نہیں ہے بلکہ دارالاسلام ہے چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے، خزانة المفتین میں ہے.

''دارالإسلام لاتصیر دارالحرب إلا بإجراء أحکام الشرک فیها، وأن یکون متصلاً بدار الحرب لایکون بینها وبین دارالحرب مصرٌ آخر للمسلمین، وأن لایبقی فیه مسلم وذمی اٰمناً بالأمان الأول. فما لم توجد هذه الشرائط، لاتصیر دارالحرب ..... اهـ''.

اور ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ مفقود ہے، اس لئے کہ شعائر اسلام میں ہنود حکّام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہے اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلافِ اسلام احکام جاری کرتے ہیں، مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں۔ پس ہندوستان امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دارالحرب نہیں ہے''۔

(مجموعة الفتاویٰ: ۱/ ۱۲۳-۱۲۶، کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ سعید)

Made Searchable by ScribeTools.com

ومراد از اِجرائے احکامِ کفر این ست که در مقدمۂ ملک داری، وبند وبستِ رعایا، واخذِ خراج وباج، وعشورِ اموالِ تجارت، وسیاستِ قطاعِ الطریق وسراق، وفصلِ خصومات، وسزائے جنایاتِ کفار خود حاکم باشند آرے اگر بعضے احکامِ اسلام رامثلِ جمعه وعیدین واذان وذبحِ بقر تعرض نکرده باشند، لیکن اصل الاصول این چیزها نزدِ ایشان هدر است، زیراکه مساجد رابے تکلف هدم می نمایند، وهیچ مسلمانے وذمی بغیرِ استیمانِ ایشاں دریں شهر ودر نواحِ آں نمی تواند آمد برائے منفعتِ خود از واردین ومسافرین وتجّار سخالفت نمی نمایند. اعیانِ دیگر مثلِ شجاع الملک وولایتی بیگم بغیر حکمِ ایشاں دریں بلده داخل نمی تواند شد، وازیں شهر تاکلکته عملِ نصاریٰ ممتد است. آرے درچپ وراست مثل حیدرآباد ولکھنوٴ ورام پور احکامِ خود جاری نکرده اند بسببِ مصلحت واطاعتِ مالکان آن ملک". فتاوی عزیزی، ص: ۱۷ (۱).

وص: ۱۱۵، پرتحریرفرماتے ہیں:

" واَصحّ آنست که دارالاسلام دارالحرب می شود، دریں اختلاف است که کی می شود، طائفه می گویند که: اگر یک چیز ازشعائرِ اسلام ممنوع باشد، مثلِ اذان وختان دارالحرب می گردد. وطائفه گفته: مدارِ صیرورتِ دارالاسلام دارالحرب بر محوِ شعائر اسلام نیست، بلکه هرگاه شعائرِ کفر بے دغدغه باعلان شود، دارالحرب می گردد، گو شعائرِ اسلام هم بر قرار باشند. وفرقه سوم ازیں هم ترقی کرده اند، وگفته اند که: حدِّ دارالحرب آنست که: لا یبقی فیه مسلم

---

(۱) (فتاوی عزیزی، ص: ۴۲۱، باب الفقه، سعید)

Made searchable using ScribeTools.com

وذمی آمناً بالأمان السابق، سواء ترك بعض شعائر الإسلام أو لا، وسواء أعلن شعائر كفر أولا، **وهميں قولِ ثالث لا محققين تر جيح داده اند، وبريں تقدير معمور انگريز واشباهِ ايشاں بلاشبه دارالحرب است**"(۱).

اسی طرح اَور بھی متعدد تحریرات میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر فرمایا ہے:"إذاثبت الشئ ثبت بلوازمه" یعنی جب ہندوستان کا دارالحرب ہونا ثابت ہوگیا تو یہاں حسبِ شرائط سود لینا بھی درست ہے۔جس شدت سے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اَخذِ ربا کی اجازت دیتے ہیں،اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ شدت سے مولانا عبدالحیٔ رحمہ اللہ تعالیٰ دارالحرب ہونے کا انکار کر کے سود منع فرماتے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، بلکہ دارالاسلام ہے، چنانچہ ان عباراتِ فقہیہ سے واضح ہوتا ہے(ان عبارات کا اقتباس یہ ہے):

"في سير الأصل لأبي اليسر: أن دارالإسلام لا يصير دارالحرب مالم يبطل جميع ماصارت به دارالإسلام؛ لأن الحكم إذا ثبت لعلته فمابقى شئ من العلة، يبقى بتمامه، وفى المنشور دارالإسلام بإجراء أحكام الإسلام، فمابقى علقةٌ من علائق الإسلام يترجح بجانب الإسلام"(۲)۔

اور بزازیہ میں ہے:

"والبلاد التى فى أيدى الكَفَرة اليوم لاشك أنها بلاد الإسلام، لعدم اتصالها ببلاد الحرب ولم يظهروا فبها أحكام الكفر، بل القضاة مسلمون..... وأما البلاد التى عليها والٍ من جهتهم يجوز إقامة الجمعة والأعياد وأخذ الخراج، وتقليد القضاة، وتزويج الأيامىٰ..... وأماالبلاد التى عليها ولاة كفار، فيجوز فيها أيضاً إقامة الجمعة والأعياد، والقاضى قاض

---

(۱) **فتاوى عزيزى، ص: ۵۵۶، مسائل سود، سعيد)**

(۲) (**مجموعة الفتاوىٰ، كتاب الصلوة، عنوان: ہندوستان میں نماز جمعہ اوراس کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی کا حکم: ۱/۲۳۸،سعید**)

بتراضی المسلمین..... وقد تقرر أن ببقاء شئ من العلة يبقى الحكم، وقد حكمنا بلاخلاف بأن هذه الديار قبل استيلاء التتار كانت من ديار الإسلام، وبعد استيلائهم إعلان الأذان أو الجمعة والجماعات والحكم بمقتضى الشرع والفتوى والتدريس ذائعٌ بلانكير من ملوكهم، فالحكم بأنها من بلاد الحرب لاجهة له نظراً إلى الدراسة و الدراية، وإعلان بيع الخمور وأخذ الضرائب والمكوس، والحكم من البعض برسم التتار كإعلان بنى قريظة بانتهود وطلب الحكم من الطاغوت فى مقابلة محمد عليه الصلوة والسلام فى عهده بالمدينة، ومع ذلك كانت بلدة الإسلام بلاريب.

وذكر الحلوانى: أنه إنما تصير دارالحرب بإجراء أحكام الكفر أن لايحكم فيها بحكم من أحكام الإسلام، وأن يتصل بدار الحرب، وأن لايبقى فيها مسلم ولاذمى امناً بالأمان الأول..... فإذا وجدت الشرائط كلها، صارت دارالحرب. وعند تعارض الدلائل والشرائط يبقى ماكان على ماكان، أو يترجح جانب الإسلام احتياطاً. وظاهره أنه إذاجرت أحكام المسلمين وأحكام أهل الشرك، لاتكون دارالحرب، الخ"(۱)۔

ان عبارات کے بعد حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارالحرب کی شرائط کا ہندوستان میں انکار کیا ہے اور آخر میں نتیجہ کے طور پر لکھا ہے کہ:

''پس یہ بلاد دارالحرب نہ ہوں گے نہ بمذہبِ امام رحمہ اللہ تعالیٰ ونہ بمذہب صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ''۔۲/۱۷۰(۲)۔

---

(۱) (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/ ۳۱۱، كتاب السير، فصل فى الحظر والإباحة، رشيديه)

(۲) العبارة بتمامها: ''ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، بلکہ دارالاسلام ہے، چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے، خزانۃ المفتین میں ہے:

"دارالإسلام لاتصير دارالحرب إلا بإجراء أحكام الشرك فيها، وأن يكون متصلاً بدار الحرب لايكون بينها وبين دارالحرب مصرٌ آخر للمسلمين، وأن لايبقى فيه مسلم وذمى امناً بالأمان الأول. فما لم توجد هذه الشرائط، لاتصير دارالحرب ..... اهـ". .....=

Made searchable using ScribeTools.com

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے بعض ائمہ کے نزدیک ہندوستان سے دارالحرب ہونے کی نفی معلوم ہوتی تھی اور بعض سے اثبات معلوم ہوتا تھا۔ اور مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے نزدیک بھی دارالحرب نہیں۔ اگر ہندوستان دارالحرب نہیں تب بھی تو کسی کے نزدیک بھی کسی کو کسی سے سود لینا درست نہیں، اگر دارالحرب ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلم مستامن (جو کہ دارالاسلام کا رہنے والا ہو اور امن لے کر کسی ضرورت سے کچھ مدت کے لئے دارالحرب میں گیا ہو) کو حربی سے ہندوستان میں سود لینا درست ہے۔ ائمہ ثلاثہ: امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پھر بھی جائز نہیں (۱)۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطبوعہ فتاوی میں عدمِ جواز ہی مذکور ہے، حضرت تھانوی مدظلہم نے بڑی شدت کے ساتھ انکار فرمایا ہے، چنانچہ "رافع الضنك من منافع البنك" میں اس کے عدمِ جواز کو بڑی

= اور ظاہر ہے کہ بلاد ہندوستان میں یہ مفقود ہے، اس لئے کہ شعائرِ اسلام میں ہنود حکام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت نہیں ہے اگرچہ اکثر قضاۃ کفار ہیں اور خلافِ اسلام احکام جاری کرتے ہیں، مگر بہت سے امور میں مذہب اسلام اور شرع کے موافق بھی فیصلہ کرتے ہیں، پس ہندوستان امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کسی کے نزدیک دارالحرب نہیں ہے"۔ (مجموعة الفتاویٰ: ۱/۱۲۳، ۱۲۶، کتاب العلم والعلماء، ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ سعید)

(۱) "وبين الحربي والمسلم ثمة: أي لاربا بينهما في دارالحرب، وكذلك إذا تبايعا بيعاً فاسداً في دارالحرب، فهو جائز، وهذاعند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ. وقال أبو يوسف والشافعي رحمهما الله تعالىٰ: لايجوز". (تبيين الحقائق: ۴/۷۴۲، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"(ولا بين حربي ومسلم) مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار ثمة)؛ لأن ماله ثمة مباح، فيحل برضاه مطلقاً بلاغدر، خلافاً للثاني والثلاثه". (الدرالمختار: ۵/۱۸۶، باب الربا، سعيد)

"(ولا بين الحربي والمسلم ثمة): أي لاربا بينهما في دارالحرب عندهما خلافاً لأبي يوسفؒ". (البحرالرائق: ۶/۲۲۶، باب الربا، رشيديه)

"قال إبراهيم النخعي وأبوحنيفة والثوري ومحمد رحمهم الله تعالىٰ: إنه لاربوا بين أهل الحرب وأهل الإسلام في دارالحرب. وقال أبو يوسف والشافعي وأحمد ومالك رحمهم الله تعالىٰ بخلافه". (إعلاء السنن: ۱۴/۳۳۳، باب الربا في دارالحرب، إدارة القرآن، كراچی)

تفصیل سے تحریر فرمایا ہے(۱)۔ دونوں طرف اہل تحقیق ہیں، لہٰذا سود لینے میں بھی گنجائش ہے، اختلاف کی وجہ سے نہ لینا احوط ہے(۲)۔ بہتر ہے کہ بنک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے(۳)، اگر داخل کیا جائے تو وہاں کا سودی روپیہ ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے، بلکہ وہاں سے وصول ضرور کر لینا چاہے اور اس کے بعد مقتضائے تقویٰ یہ ہے کہ اس کے مصارفِ خیر غرباء ومساکین پر صرف کر دیا جائے(۴)۔

"لا (ربوٰ) بين حربي ومسلم مستأمن ثمة ولو بعقد فاسد كقمار ثمة؛ لأن ماله ثمة مباح مستحل برضاه مطلقاً بلاغدر، خلافاً للثاني والثلاثة". در مختار، والبسط في ردالمحتار(۵)۔

---

(۱) (إمداد الفتاوی: ۱۵۷/۳، رساله: رافع الضنک عن منافع البنک، مکتبه دارالعلوم کراچی)

(۲) "وقد اتفقت الأمة على أن الخروج من الخلاف مستحب قطعاً؛ لأن خلاف الأئمة لاسيما خلاف جمهورهم يورث شبهةً في الجواز، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "الحلال بيّنٌ، والحرام بيّنٌ، وبينهما شبهات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه". لاسيما وكون الهند دار الحرب عند الإمام محل نظر بعد، فالشبهة إذَنْ قويةٌ غير ضعيفة، والتوقي عنه واجب من غير ريبة". (إعلاء السنن: ۳۶۷/۱۴، كتاب البيوع، باب الربا، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علىٰ البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان، واتقوا الله، إن الله شديد العقاب﴾ (سورة المائده: ۲)

(راجع للتفصيل جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام: ۴۴۹/۲، ۴۵۵، دارالعلوم كراچی)

(۴) "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا بردّ المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لايصل إليه عين ماله". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

"ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع، سعيد)

(۵) (ردالمحتار: ۱۸۶/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

Made Searchable using ScribeTools.com

اورسود کے جواز کے شرائط "رافع الضنك" میں مذکور ہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۴/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ربیع الثانی/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قائلین بالجواز کے نزدیک بھی اس میں اتنی قیود ہیں: ۱- وہ محل دارالحرب ہو، ۲- معاملہ ربوا کا حربی سے ہو، ۳- مسلم اصلی سے نہ ہو، اور نہ ذمی سے ہو اور مسلم اصلی وہ ہے جو دارالحرب میں آنے کے قبل اسلام لیا ہو خود یا تبعاً للآباء، ۴- معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لے کر آیا ہو، یا وہ مسلم ہو جو دارالحرب ہی میں اسلام لایا ہو وہ مسلم اصلی نہ ہو جو خود دارالحرب میں رہتا ہو، اس قید میں رابع کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گذری مگر اس قاعدہ کی تصریح ہے کہ راویات ففقہیہ کے مفاہمت حجت ہیں، اس بناء پر اوپر کی روایات سے یہ قید لازم ہے"۔ (**إمداد الفتاوی، کتاب الربا، رساله رافع الضنک عن منافع البنک: ۱۵۷/۳، مکتبه دارالعلوم کراچی**)

ترجمہ:

"دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے کہ جس میں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہو اور دارالحرب سے وہ ملک مراد ہے، جس میں اس کے بڑے کا حکم جاری اور وہ اس کے تسلط میں ہو۔ اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم بالکل جاری نہیں اور رؤسائے نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے۔ احکامِ کفر کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری اور رعایا کے بندوبست کے مقدمہ، ٹیکس اور مالِ تجارت سے عشر وصول کرنے چور اور ڈاکوؤں کے انتظام، لڑائی جھگڑوں کے فیصلہ کرنے اور جرائم کی سزاء دینے میں کفار خود حاکم ہوں اگرچہ بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ عیدین، اذان اور گائے کے ذبح کے ساتھ تعرض نہ کرتے ہوں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک ہدر کے درجہ میں ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بے تکلف منہدم کراتے ہیں۔

اور کوئی مسلمان ذمی بغیر ان سے امن لئے اس شہر میں اور اس کے گرد ونواح میں نہیں آسکتا، اپنے فائدہ کی خاطر آنے والوں سے مسافروں سے اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے، دوسرے بڑے حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتے، اور اس شہر سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد لکھنؤ واور رام پور میں اپنی مصلحت اور اس طرف کے مالکوں کے فرمانبرداری ہونے کی وجہ سے اپنے احکام انہوں نے جاری نہیں کئے ہیں۔ ..... =

.....

= فتاوی عزیزیہ، ص: ۱۷، وص: ۱۱۵، پر تحریر فرماتے ہیں: اور اصح بات یہ ہے کہ دارالاسلام دارالحرب ہوجاتا ہے اس میں اختلاف ہے کہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ شعائرِ اسلام سے اگر ایک چیز بھی روک دی جائے مثلاً اذان اور ختنہ تو وہ دارالحرب ہوجاتا ہے۔ اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ دارالاسلام دارالحرب بن جانے کا مدار شعائرِ اسلام مٹ جانے پر نہیں بلکہ جس جگہ شعائرِ کفر بے کھٹکے اعلان کے ساتھ موجود ہوں، وہ دارالحرب ہوجاتا ہے، اگرچہ شعائرِ اسلام برقرار رہیں۔

تیسری جماعت اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتی ہے کہ دارالحرب کی تعریف یہ ہے: ''کوئی مسلمان اور ذمی پہلے امان کے ساتھ مامون نہ رہے، چاہے بعض شعائرِ اسلام متروک ہوئے ہوں یا نہیں، اور چاہے شعائر کفر علی الاعلان ہوں، یا نہ ہوں'' اور اسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے۔ اور اس تقدیر پر انگریز اور ان جیسوں کی آبادی بلاشبہ دارالحرب ہے، الخ''۔

''سیر الاصل لابی الیسر میں ہے کہ دارالاسلام اس وقت تک دارالحرب نہیں بنتا جب تک وہ تمام چیزیں جن سے دارالاسلام بنتا ہے باطل نہ ہوجائیں، اس لئے کہ حکم جب کسی علت کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے تو جب تک اس علت میں سے کچھ بھی باقی رہے وہ حکم بتمامہ باقی رہتا ہے۔ اور منشور میں ہے کہ دارالاسلام کا مدار احکامِ اسلام کے جاری ہونے پر ہے، پس جب تک کوئی علاقہ علائقِ اسلام میں سے باقی رہے گا اس وقت تک جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی''۔

''اور وہ شہر جو آج کفار کے قبضہ میں ہیں، بلاشبہ وہ بلاد اسلام ہیں کیونکہ یہ شہر دارالحرب کے شہروں کے ساتھ متصل نہیں ہیں، اس کے بعد کہ انہوں نے اس میں احکامِ کفر ظاہر نہیں کئے، بلکہ قضاۃ (فیصلہ کرنے والے) مسلمان ہیں، لیکن وہ شہر جن پر کوئی حاکم ان کی طرف سے مقرر ہے تو اس کی وجہ سے بھی جمعہ واعیاد کا مقرر کرنا، خراج لینا، قاضیوں کی تقلید، بیواؤں کی شادی کرنا جائز ہے، لیکن وہ شہر جن پر تمام حکّام ہی کافر مقرر ہیں ان میں بھی جمعہ واعیاد کا قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے جس کو قاضی مقرر کرلیا جائے وہ قاضی ہوگا اور یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ کچھ بھی علت باقی رہنے سے حکم باقی رہے گا۔

اور تاتاریوں کے استیلاء سے قبل ہم نے ان دیار کے دیار اسلام میں سے ہونے کا حکم کیا تھا اور ان کے استیلاء کے بعد جمعہ و جماعات کا اعلان اور مقتضی شریعت کے مطابق حکم کرنا، فتوی دینا، درس دینا، ان کے بادشاہوں کی طرف سے نکیر کے بغیر شائع ہے، پس اس کے دارالحرب میں سے ہونے کے =

Made searchable using ScribeTools.com

غیر مسلم سے سود لینا

سوال[۷۹۵۸]: زمین دار کاشتکار پر دعوی دائر کرتا ہے لگان داخل نہ کرنے کا اور حکومت فیصلہ کے بعد زمیندار کو کاشت کار سے جمع مع سود کے دلواتی ہے۔ اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو حکومت کی مالگذاری میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں دے سکتے تو کس مصرف میں صرف کیا جائے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر کاشت کار مسلمان ہے تو اس سے سود لینا درست نہیں (۱)، اگر حکومت نے دلوادیا تو اسے واپس کردے (۲)، اگر کاشتکار غیر مسلم ہے تو ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی تقدیر پر طرفین کے قول کی بناء پر سود

= حکم کرنے کی دراست ''وداریت'' کی طرف نظر کرتے ہوئے کوئی وجہ نہیں۔ اور شرابوں کے بیچنے کا اعلان اور نوائب وٹیکس کا لینا اور نقضِ عہد کا حکم رسم تتار کے مطابق بنوقریظہ کے طاغوت کو طلب کرنے کے اعلان کے مثل ہے، اور وہ (بنوقریظہ) اس کے باوجود بلاشبہ اسلامی شہر تھا۔

اور حلوانی نے ذکر کیا ہے کہ دارالحرب صرف احکامِ کفر جاری ہونے سے ہوتا ہے کہ اس میں احکامِ اسلام میں سے کسی حکم کے مطابق حکم نہ کیا جاتا ہو اور اس چیز سے کہ وہ دارالحرب سے مل جائے اور اس چیز سے کہ اس میں کوئی مسلمان وذمی امانِ سابق سے امن والا نہ رہے۔ پس جب یہ تمام شرطیں پائی جائیں تو وہ دارالحرب ہوجائے گا اور دلائل وشرائط کے تعارض کے وقت جو تھا وہی باقی رہے گا''۔ یا احتیاطاً جانبِ اسلام کو ترجیح دی جائے گی، اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے احکام اور اہلِ شرک کے احکام دونوں جاری نہ ہوں تو وہ دارالحرب نہیں ہوگا''۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (البقرة: ۱۸۸)

قال الإمام البغوى رحمه الله تعالىٰ: "﴿بالباطل﴾ بالحرام: يعنى بالربا والقمار". (معالم التنزيل: ۵۰/۲، قديمى)

"ولابين حربى ومسلم". (الدرالمختار). "احترز بالحربى عن المسلم الأصلى والذمى، وكذا عن المسلم ..... فإنه ليس للمسلم أن يرابى معه اتفاقاً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب الربا، مطلب فى استقراض الدراهم عددا: ۱۸۶/۵، سعيد)

(۲) "ان سبيل التوبة مما بيد من الأموال الحرام إن كانت من الربا، فليردّها على من أربى عليه، ويطلبه =

لینادرست ہے، پھراس کواپنے کام میں لانااور مالگذاری میں دینا بھی درست ہے:

"لاربوا بین مسلم وحربی ثمة ؛ لأن ماله ثمة مباح". درمختار۔ "(قوله: ثمة): أی فی دارالحرب". ردالمحتار: ٤/٢٠٩(١)۔

مگرامام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول احوط ہے کہ ان کے نزدیک سود کی بالکل اجازت نہیں (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

سودی قرض کی گنجائش کس صورت میں ہے؟

سوال[۷۹۵۹]: وہ کون سی ضرورت ہے جس میں سودی قرض لینا جائز ہے؟

= إن لم یکن حاضراً". (الجامع لأحکام القران للقرطبی، (سورة البقرة: ۲۷۹) :۲۴۸/۳، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"ویردّونها علی أربا بها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها". (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۹۹/۵، سعید)

(۱) (ردالمحتار: ۱۸۶/۵، کتاب البیوع، باب الربا، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴۲۳/۴، کتاب البیوع، باب الربا، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل: فی شرائط جریان الربا: ۸۱/۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "ولو سلمنا جواز الربا بین المسلم والحربی فی الهند، فلاریب أن جانب الاحتیاط والتوقی عنه أولیٰ وأحریٰ". (إعلاء السنن: ۳۶۸/۱۴، کتاب البیوع، أبواب بیوع الربا، تحقیق کون الهند دارالحرب، أو دارالإسلام، الخ، إدارة القرآن، کراچی)

"عن النعمان بن بشیر رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعته یقول: سمعت رسول اللهصلی اللهعلیه وسلم یقول -وأهوی النعمان بإصبعیه إلی أذنیه-: "إن الحلال بیّن وإن الحرام بیّن، وبینهما مشتبهات لایعلمهن کثیرٌ من الناس، فمن اتقی الشبهات، استبرأ لدینه وعرضه، ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام". (الصحیح لمسلم: ۲۸/۲، کتاب المساقاة والمزارعة، باب أخذ الحلال وترک الشبهات، قدیمی)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناقابلِ برداشت مجبوری کے وقت سود لینے سے گناہ نہ ہونے کی توقع ہے، هكذا حكم سائر المحرمات(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

توبہ کے بعد سودی مال کا حکم

سوال[۷۹۶۰]: کسی کے یہاں سود کا کام ہوتا رہا ہے، اب اس کا کہنا ہے کہ میں نے سود ترک

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله، فمن اضطر غير باغ ولاعاد، فلا إثم عليه، إن الله غفور رحيم﴾ (سورة البقرة: ۱۷۳)

"وفي القنية من الكراهية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (البحرالرائق: ۲۱۱/۶، كتاب البيوع، رشيديه)

"يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح". (الأشباه والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، قبيل القاعدة السادسة، قديمى)

"وإذا كان لإنسان حاجة أو ضرورة ملحّة اقتضت معطى الفائدة أن يلجأ إلى هذا الأمر، فإن الإثم في هذا الحال يكون على آخذ الربا. (الفائدة) وحده، وهذابشرط أن تكون هناك حاجة أو ضرورة حقة لامجرد توسع في الكماليات أو أمور يُستغنىٰ عنها". (الحلال والحرام في الإسلام ليوسف، القرضاوى، ص: ۲۱۹، بيروت)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة ،ص: ۲۹، مادن نمبر: ۲۱)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۸۷، الفن الأول ، القاعدة الخامسة، إدارة القرآن، كراچى)

"الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۲۱)، ص: ۲۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أوخاصةً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الأشبا والنظائر، ص: ۹۳، الفن الأول، القاعده الخامسه. إدارة القرآن كراچى)

Made Searchable by ScribeTools.com

کردیا ہے۔ تواب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا جمع ہوامال پاک ہوجائے گا یانہیں؟ اوراس کے یہاں دعوت کھانا درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جتنی مقدارسود کی لی ہے اس کوواپس کردے، بقیہ سے کھانا اورکھلانا سب درست ہے، کذافی ردالمحتار(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "ویردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدقُ إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل فى البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"ان سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام، إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً. فإن أيس من وجوده، فليتصد ق بذلک عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبى، (سورة البقرة: ۲۷۹): ۲۴۸/۳، دارإحياء التراث العربى بيروت)

"إن من شرط التوبة: أن تردّ الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلک فى المال، وجب أداء ه عيناً أو ديناً مادام مقدوراً عليه". (القواعد للزركشى: ۲۴۵/۲، بيروت)

Made searchable using ScribeTools.com

فصل فی مصرف مال الربوا

(سودی پیسے کے مصرف کا بیان)

بینک کے سود کا مصرف

سوال[۷۹۶۱]: بینک یا ڈاکخانہ میں پبلک اپنی آمدنی کی پس انداز رقم جمع رکھتے ہیں، اس جمع رقم پر جو فاضل رقم (جس کو سود کہتے ہیں) دی جاتی ہے، ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اسے چھوڑ دیا جائے یا لے کر صدقہ کر دیا جائے؟ جواب بالدلائل مرحمت فرمائیں۔

سید محمود، بی، اے، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن حضرات علماء کے نزدیک دارالحرب میں حربی سے سود لینا درست ہے، ان کے نزدیک اس فاضل رقم کو خود استعمال کرنا بھی درست ہے۔ اور جن کے نزدیک درست نہیں، ان کے نزدیک خود استعمال کرنا بھی درست نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بینک یا ڈاکخانہ میں کوئی رقم جمع ہی نہ کی جائے (۱)، اگر جمع کر دی ہے تو فاضل رقم وہاں سے وصول کر کے غرباء کو دیدی جائے اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے محفوظ

---

(۱) "عن الشعبی قال: سمعت النعمان بن بشیر -ولا أسمع أحداً بعده- یقول: سمعت رسو ل الله صلی الله علیه وسلم یقول: "إن الحلال بیّنٌ، وإن الحرام بیّنٌ، وبینهما أمور متشابهات". وأحیاناً یقول: "مشتبهة، وسأضرب فی ذلک مثلاً: إن لله حمیٰ حِمیَ وإن حمی الله محارمه، وإنه من یرعی حول الحمی یو شک أن یخالطه، وإنه من یخالط الریبة یو شک أن یجسر". (سنن أبی دا دو: ۲/۱۱۶، کتاب البیو ع، باب فی اجتناب الشبهات، إمدادیه)

وقال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "دع ماير یبک إلی مالایریبک". (فیض القدیر: ۶/۳۲۴۵، (رقم الحدیث: ۴۲۱۱)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

رکھے، یہی احوط ہے(۱)۔اگرسرکاری محکمہ سے سود کی رقم حاصل ہوئی تو اس کو غیر واجبی ٹیکس میں ادا کرنا بھی درست ہے، بلکہ صدقہ سے مقدم ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبدمحمودغفرلہ۔

ایضاً

سوال[۷۹۶۲]: بینک کاسُود اگرکوئی شخص لینے کوتیارنہ ہوتو بھی حکومت زبردستی دیتی ہے،تواس کو لیناحکومت کےقوانین کے مطابق ضروری ہے یانہیں؟دریں صورت کیا کرنا چاہیے،اس کامصرف کیا ہے؟

---

(۱) "لايقصد به: أى بالتصدق من المال الخبيث تحصيل الثواب، بل تفريغ الذمة". (مجموعة الفتاوى، ۲/۲۲۷، سعيد)

"قال شيخنا: ويستفاد من كتب فقهائنا كالهداية وغيرها: أن من ملك بملك خبيث، ولم يمكنه الرد إلى المالك، فسبيله التصدقُ على الفقراء ..... قال: إن المتصدق بمثله ينبغى أن ينوى به فراغ ذمته، ولايرجو به المثوبة". (معارف السنن، ۱/۳۴، أبواب الطهارة، باب ماجاء: لاتقبل صلاة بغير طهور، سعيد)

"ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلاتصدقوا؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصد ق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار: ۶/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

(۲) وہ ٹیکس جس کا حکومت کو دیناواجب ہو،اس میں ادا کرنا جائزنہیں جب کہ یہ ٹیکس جائزطور پرلگایا گیا ہو،اوراگرناجائزطور پر ظالمانہ ٹیکس ہوتواس میں ادا کرنا جائز ہے:

"شمل الردّ حكماً لما فى جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدى مالكه، برئ وإن لم يوجد حقيقة القبض". (ردالمحتار: ۶/۱۸۲، كتاب الغصب، سعيد)

"غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلاعلمه، برئ، وكذالوسلمه إليه بجهة أخرى كهبة، وإيداع، وشراء، وكذا لوأطعمه فأكله". (الدرالمختار: ۶/۱۸۲، كتاب الغصب، سعيد)

"كما أن الضرائب التى تفرض على المسلمين إذاكانت جائزةً، فإنه لاينبغى أن يعالج جورها بأسلوب محرم لايقرّه الشرع؛ لأن الحرام لايواجه بالحرام، فالمسلم الزانى لايعاقب بالاعتداء على عرضه، بل يجلده أو رجمه، والمسلم السارق لا يواجه بسرقة ماله بل يقطع يده والضرائب الجائزة لاتواجه بالفائدة الربوية". (أحكام المال الحرام، ص ۳۳۱، ۳۳۳، بيروت)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

سرکاری بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم غیر واجبی ٹیکس میں سرکار ہی کو دیدی جائے، یا پھر محتاج غرباء کو دیدے ثواب کی نیت نہ کرے، کذا فی رد المحتار، کتاب الزکوۃ (۱) وکتاب البیوع(۲) وکتاب الغصب(۳) وکتاب الحظر والإباحة(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بینک کا سود اور زکوٰۃ سادات کو دینا

سوال[۷۹۶۳]: پچھلے دنوں شری وردھن سے ایک استفتاء بھیجا گیا تھا، اس سلسلہ میں چند باتیں دریافت طلب ہیں، سوال یہ تھا کہ: ''بینک جو سود دیتا ہے وہ لیا جائے یا نہیں؟ لینے کی صورت میں کیا کیا جائے، ضائع کیا جائے یا غرباء کو دیا جائے، غرباء میں سادات کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اسکول کی تعمیر یا اسکول کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء یا عام لوگوں کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب کا ماحصل یہ ہے کہ: ''بینک سے ملنے والا سود لیا جائے، غرباء کو دیا جائے، غرباء میں سادات اور دینی مدارس کے طلباء کو دینا بالکل درست ہے، لیکن اسکول کی تعمیر، اسکول کے لئے پیشاب خانے، بیت الخلاء بنانا بالکل درست نہیں''۔

اب سوال یہ ہے کہ کہ بینک جو سود دیتی ہے کیا وہ اس سود کی تعریف میں نہیں آتا جو قرآن میں مذکور ہے، یعنی بینک کا سود، سود ہے یا نہیں، جبکہ اس کی حرمت کے فتوے دیئے جاتے تھے؟ اگر بینک کا سود حرام ہے بلکہ اشد فی الحرمۃ ہے تو سادات اور علومِ دینیہ کے طلباء کے لئے بالکل درست اور اسکول اور اس کی ضرورت کے لئے ناجائز کیوں ہے؟

---

(۱) "ولو نوى فى المال الخبيث الذى وجبت صدقته أن يقع عن الزكوة وقع عنها، اهـ: أى نوى فى الذى وجب التصدق به، لجهل أربابه". (ردالمحتار: ۲/۲۹۲، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، مطلب فى التصدق من المال الحرام، سعيد)

(۲) (ردالمحتار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً، سعيد)

(۳) (ردالمحتار: ۶/۱۸۹، كتاب الغصب، سعيد)

(۴) (ردالمحتار: ۶/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

سود کی حرمت منصوص بنصِ قطعی ہے(۱)، بینک کواس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا، اس لئے وہ حرام ہے۔ بینک سے اگرسود وصول نہ کیا جائے تو وہ خلافِ اسلام مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے، جس کا ضرر ظاہر ہے، اس کو ضرر سے تحفظ کے لئے وہاں سے وصول کرلیا جائے (۲)، پھرخود استعمال نہ کیا جائے کیونکہ حرام ہے، حرام مال واجب التصدق ہوتا ہے، جوشخص ایسے واجب التصدق مال کا مستحق ہواس کو دیدیا جائے (۳)، جوغرباء طلباء وغیرہ ایسے ہوں کہ اس کے گذارے کی کوئی صورت نہ ہو، وہ اس کے مستحق ہیں۔

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے، اس لئے ان کوزکوۃ وصدقاتِ واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے، کیونکہ ایسا مال اوساخ الناس کہلاتا ہے(۴)، لیکن جوسادات اس قدر حاجت مند ہوں کہ گذارے کے لئے

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿وما اٰتيتم من ربوا ليربو فى أموال الناس، فلايربوا عند الله﴾ (سورة آل عمران: ۳۹)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "والسبيل فى المعاصى ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه، ليصل إليه نفع ماله إن كان لايصل إليه عين ماله". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر، رشيديه)

"سئلت فيمن يملك نصاباً من حرام هل عليه فيه الزكوٰة؟ الجواب: لاتجب عليه فيه الزكوٰة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء لابنية الثواب إن لم يكن صاحبُ المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، باب زكوة الغنم، مطلب فى التصدق من المال الحرام: ۲۹۲/۲، سعيد)

(۴) "عن المطلب بن ربيعة بن الحارث أنه والفضل بن عباس انطلقا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ثم تكلم أحدنا: يارسول الله! جئناك لتأمرنا على هذه الصدقات فنصيب مايصيب الناس من المنفعة، ونؤدى إليك مايؤدى الناس، فقال: "إن الصدقة لاتنبغى لمحمد، ولالآل محمد، إنما هى أوساخ الناس". ..... =

Made Se[Made searchable using ScribeTools.com]ools.com

بھیک مانگنے پر مجبور ہوجائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شافعیہ میں سے امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو درست قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ لینے میں جس قدر ان کے احترام پر زد پڑتی ہے اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے(۱)، یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے، اس بڑی ذلت سے بچانے کے لئے اگر اس کو زکوٰۃ دیدی جائے، تو یہ اہون ہے۔

اگر چہ یہ قول ظاہر الروایت ہے، اور عامۃً اس کو فتوی کے لئے اختیار نہیں کیا جاتا، لیکن سخت مجبوری اور محتاجگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے کلام کا خلاصہ فیض الباری (۲) اور العرف الشذی میں منقول ہے (۳)۔ تاہم جہاں تک ہوسکے ساداتِ کرام کو اس سے بچانا اعلیٰ وافضل اور ان کے احترام کا تقاضا ہے۔

= "عن علی رضی اللہ تعالی عنه قال: قلت للعباس: سَلْ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أن مستعملک علی الصدقات نسئله فقال: "ماکنت لأستعملک علی غسالة ذنوب المسلمین". (إعلاء السنن: ۸۳/۹، کتاب الزکوٰة، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۸۹/۱، کتاب الزکوة، الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۳۳۹/۲، کتاب الزکوٰة، باب المصرف، سعید)

(۱) "واختار الطحاوی دفعها إلی بنی هاشم". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکوة، باب المصرف، ص: ۷۲۰، قدیمی)

(۲) "ونقل الطحاوی عن أمالی أبی یوسف أنه جاز دفع الزکوة إلی آل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عند فقدان الخمس، فإن فی الخمس حقهم، فإذا لم یوجد صح صرفها إلیهم ..... قلت: وأخذ الزکوة عندی أسهل من السؤال، فأفتی به أیضاً". (فیض الباری، کتاب الزکوة، باب مایذکر فی الصدقة للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: ۵۲/۳، حضر راہ بک ڈپو، دیوبند)

(۳) "وفی عقد الجید: أفتی الطحاوی من الحنفیة وفخر الدین الرازی من الشافعیة بجواز الزکوة للهاشمی فی هذه الصورة". (العرف الشذی علی هامش جامع الترمذی: ۱۴۳/۱، أبواب الزکوة، باب کراهیة الصدقة للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وأهل بیته ومواليه، سعید)

اسکول کی تعمیر اور پیشاب خانے وغیرہ مستحق نہیں ہوتے جو کہ تصدق کا حاصل ہے، اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مستحق کو مالک بنا کر دے دیا جائے، پھر وہ جو دل چاہے، جہاں چاہے خرچ کرے۔ سابقہ فتویٰ نمبر: ۵۰۵۴، ۹۲/۱۱/۲۵ھ، میں اختصار کی وجہ سے تفصیل نہیں آسکی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

Made searchable using ScribeTools.com

فصلٌ فی مایتعلق بالتأمین علی الحیاۃ

(بیمۂ زندگی کا بیان)

بیمہ کرانا

سوال[۹۶۴۷]: موجودہ زمانہ میں بیمہ کرانا اپنا، یا دوکان اور موٹر وغیرہ کا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیمہ میں سود بھی ہے، اور جُوا بھی، یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں، بیمہ بھی ممنوع ہے(۱)، لیکن اگر کوئی شخص

---

(۱) "ولا خلاف بين أهل العلم فی تحريم القمار، وأن المخاطرة قمار، وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة، وقد كان مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۴۶۵/۲، دارإحياء التراث العربی بيروت)

"وسمی القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مالَ صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع: ۴۰۳/۶، سعيد)

"الربا: هو فضلٌ خالٍ عن عوض بمعيار شرعی، شرط لأحد المتعاقدين فی المعاوضة". (ردالمحتار: ۱۶۸/۵، كتاب البيوع، باب الربا، سعيد)

"وأما الذی يرجع إلى نفس القرض، فهو أن لا يكون فيه جر منفعة، فإن كان، لم يجز، نحو: ما إذا أقرضه دراهماً غلةً على أن يردّ عليه صحاحاً، أو أقرضه وشرط شرطاً له فيه منفعةٌ، لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن قرض جرّ نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا؛ لأنها فضلٌ لا يقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب". (بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل: فی الشروط: ۵۹۷/۱۰، ۵۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"والثانی: أنه معلوم أن ربا الجاهلية إنما كان قرضاً مؤجلاً بزيادة مشروطة، فكانت الزيادة =

ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت ہی نہ ہوسکتی ہو، یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= بدلاً من الأجل، فأبطله الله وحرّمه". (أحكام القرآن للجصاص، سورة المائدة، تحت آية: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾: ۱/۴۶۷، دارالكتاب العربی بيروت)

"الربا: هو القرض على أن يؤدى إليه أكثر وأفضل مما أخذ". (حجة الله البالغه: ۲/۲۸۲، الربا سحت باطل، قديمی)

"وروى مالک عن زيد بن أسلم فی تفسير الربا قال: كان الربا فی الجاهلية أن يكو ن للرجل على الرجل حق إلى أجل، فإذا حل، قال: أتقضينی، أم تربی؟ فإن قضاه أخذ، وإلا زاد حقه، وزاد الآخر فی الأجل". (فتح القدير، كتاب البيوع، باب الربا: ۴/۳۱۳، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"الفضل المشروط فی القرض ربا محرم لا يجوز للمسلم من أخيه المسلم أبداً؛ لإجماع المجتهدين على حرمته". (إعلاء السنن، رسالة: كشف الدجی عن وجه الربا: ۱۴/۵۱۸، إدارة القرآن كراچی)

"وكل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلا خلاف". (إعلاء السنن، رسالة: كشف الدجی عن وجۃ الربا: ۱۴/۵۱۸، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات". (شرح المجلةلسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الأشبا ه والنظائر، ص:۸۷، القا عدة الخامسة، إدارة القرآن كراچی)

"الحاجة تنزل منز لة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجلة، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

البتہ بیمہ کی وجہ سے حاصل ہونے والے منافع کو صدقہ کرنا ضروری ہے: "والسبيل فی المعا صی ردها، وذلک ههنا برد المأخوذ بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعر فه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فی الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

جان کا بیمہ

سوال[۷۹۶۵]: زندگی کا بیمہ جائز ہے یانہیں؟ آج کل ہندوستان میں بیمہ زندگی کی بہت کمپنیاں قائم ہوگئیں، جس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیمہ کرائے تو اسے خاص وقت تک کرانا پڑتا ہے اور ششماہی ایک مقررر قم کمپنی کو دینی پڑتی ہے، مثلاً میں نے، ۲۵/ سال کی عمر میں، ۲۵/ برس کے واسطے اکیس روپیہ، ۷/ رقم ششماہی پر بیمہ زندگی کرایا، اب مجھے ہر ششماہی میں ۲۳/ کمپنی کو دینے پڑتے ہیں، اگر وقت کے ایک مہینہ بعد تک نہ دے تو کمپنی مجبور کرتی ہے، اگر ادا نہ کروں تو رقم سے ناامیدی ہوتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص بیمہ کرانے کے بعد چاہے ابھی ایک ہی قسط ادا کی ہو- مرجاوے تو کمپنی اس کے وارثوں کو جن کا وہ خود نام زندگی میں کمپنی کو دے چکا ہے، مبلغ ایک ہزار روپیہ فوراً ادا کر دیتی ہے۔ اور اگر، ۲۵/ برس زندہ رہے اور چندہ وقت پر دیتے رہے تو، ۲۵/ برس کے بعد کمپنی ایک ہزار روپیہ مع منافع تقریباً تین چار سو روپیہ کے اس شخص کو ادا کرتی ہے۔ منافع پانچ سال کے بعد لگایا جاتا ہے اس سال فی ہزار اٹھارہ روپیہ لگایا گیا ہے۔ جواب شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں عقد فاسد اور ناجائز ہے، کیونکہ بیمہ کرانے والے نے جس قدر روپیہ کمپنی کو دیا ہے کمپنی اس سے زائد ادا کر دیتی ہے تو زیادتی بیمہ کرانے کی جان کے مقابلے میں ہے، یا مال کے مقابلے میں، اول صورت میں وہ زیادتی ناجائز ہے کیونکہ شرعاً جان متقوم نہیں۔ دوسری صورت میں بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ سود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ھذا، ۲۵/ ۵/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

زندگی کا بیمہ

سوال[۷۹۶۶]: حکومت انگلینڈ کا قانون ہے کہ کوئی بھی شخص کسی فیکٹری یا دوکان میں کام کرے، یا

(۱) (راجع، ص: ۳۷۸، رقم الحاشیة: ۱)

Made Searchable by ScribeTools.com

خودکاروبار کرے تو بغیر انشورنش کارڈ کے کام نہیں کرسکتا۔ پھر انشورنش سے بنے ہوئے قانون کے مطابق اس کی انگلی وغیرہ کٹ جانے سے اس کو معاوضہ ملتا ہے اور اس کو یا انشورنش والے ''لائف انشورنس'' بولتے ہیں (زندگی کا بیمہ)۔ یہ پیسہ لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ بغیر کاروبار یا فیکٹری یا دوکان کے گزارہ دشوار ہے، اور اس پر یہ قانونی پابندی ہے تو مجبوراً اس بیمہ زندگی میں آدمی کو معذور قرار دیا جائے گا (۱)، تاہم جو رقم پاؤنڈ وغیرہ اس کے داخل کردہ یا تنخواہ سے وضع کردہ رقم سے زائد ہے، اس کو غرباء پر صدقہ کردے، اپنے کام میں نہ لائے (۲)۔ اگر اس قسم کی معذوری اور مجبوری نہ ہو تو ایسے بیمہ کی شرعاً اجازت نہیں (۳)۔ اگر مقصود یہ ہے کہ مالک کو اعتماد حاصل ہو اور کام کرنے والے کے نقصان کے وقت ضرورت سے تلافی کی جائے تو یہ بیمہ کے حکم میں نہیں، بلکہ یہ ان کی طرف سے تبرع واحسان ہے اگرچہ اس کا نام بھی بیمہ ہے۔ انگلی وغیرہ کٹ جانے سے جو رقم ملے اس کا لینا درست ہے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۹ھ۔

---

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة، وإساغة اللقمة بالخمر".
(الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى، القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، إدارةالقرآن كراچى)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصةً". (شرح المجله لسليم رستم باز، ص: ۳۳، (رقم المادة: ۳۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الأشباه والنظائر، قبيل القاعدة السادسة، ص: ۹۳، قديمى)

(۲) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فى الكسب، رشيديه)

(۳) (راجع، ص: ۳۸۷، رقم الحاشية: ۱)

(۴) یہ ان کی طرف سے تبرع واحسان ہے:

"لاشك فى جواز التأمين التعاونى فى الإسلام؛ لأنه يدخل فى عقود والتبرعات، ومن قبيل =

Made searchable using ScribeTools.com

مسلمان ڈاکٹر کا بیمہ کار پوریشن کے لئے طبی معائنہ

سوال[۷۹۶۷]: کیا کسی مسلمان ڈاکٹر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ بیمۂ زندگی کار پوریشن کی جانب سے مقرر ہو کر ان لوگوں کی صحت کی معائنہ کرے جن کا بیمہ ہوتا ہے؟ ڈاکٹر کو ہر معائنہ کے عوض فیس کار پوریشن کی جانب سے دی جاتی ہے، معائنہ کرنے سے پہلے یا بعد ڈاکٹر کو کوئی مطلب نہیں رہتا، وہ تو صرف ان باتوں کی تصدیق یا تشخیص کرتا ہے جس کا اعلان بیمہ کرانے والا اپنی درخواست میں اپنی صحت کے بارے میں کرتا ہے۔

ہندوستان میں بیمہ کار پوریشن حکومت کی جانب سے چلائے جانے والا ایک ادارہ ہے اور ہندوستان میں جمہوری حکومت ہے۔ متذکرہ بالا طور پر ہوئی آمدنی کو ڈاکٹر اپنے کام میں لاسکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کس مصرف میں صرف کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زندگی کا بیمہ ناجائز ہے(۱)، ڈاکٹر معائنہ کرنے کی فیس لیتا ہے وہ جائز ہے، اس کو ہر کام میں خرچ

= التعاون على البر؛ لأن كل مشترك يدفع اشتراكه بطيب نفس لتخفيف آثار المخاطر وترميم الأضرار التى نصيب أحد المشتركين أياً كان نوع الضرر، سواء فى التأمين على الحياة، أو الحوادث الجسمانية". (الفقه الإسلامى وأدلته، المبحث الرابع: البيع الباطل والبيع الفاسد، حكم التأمين التعاونى: ۵/۳۴۱۶، رشيديه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يأيها الذين امنوا اتقوا الله، وذروا ما بقى من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ الاية. (سورة البقرة: ۲۷۸)

وقال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب الأزلام رجسٌ من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائده: ۹۰)

"عن عبدالله بن مسعود عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه". (سنن أبى داؤد: ۲/۴۷۳، باب فى آكل الربا، مكتبه دار الحديث ملتان)

"بیمۂ زندگی کے عدم جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں، اس لئے کہ اس میں سود اور غرر (دھوکہ) ہے، سود تو ظاہر ہے اور دھوکہ اس لئے ہے کہ اگر قسطیں ادا کرنی روک دے تو ادا شدہ قسطیں بھی ڈوب جاتی ہیں، لہٰذا یہ فاسد در فاسد ہے، مفتی کفایت اللہؒ فرماتے ہیں: =

کرسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۹۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

=''اشیاء کا بیمہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے کہ یا تو بیمہ دار نے جو رقم بھری ہے وہ بھی گئی یا پھر وہ رقم اپنے ساتھ اور رقم بھی لے آئے گی.....الحاصل یہ کہ بیمہ کا کاروبار سود اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا اتقوا الله وذروا مابقى من الربوا﴾ الخ. وقال الله تعالىٰ: ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان﴾ الخ''. وفى الحديث: ''لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اكل الربا ومؤكله وشاهده وكاتبه''. (رواه البخارى)(کفایت المفتی: ۸۲/۸، مکتبہ دارالاشاعت کراچی)

(۱) ''سئل فى رجل به داءٌ فى ظهره، اتفق مع طبيبه على مداواته، وجعل له أجرةً، ولم يضرب له مدةً ودواءً، يريد الطبيب أجرة مثله، وما أنفقه فى ثمن الأدوية، فهل له ذلك؟ الجواب: نعم، والمسئلة فى الخيرية من الإجارة''. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۵۱/۲، كتاب الإجارة، للطبيب أجرة مثله، رشيديه)

''سئل فى رجل به داءٌ فى أنفه، اتفق مع طبيب على مداواته، وجعل له أجرةً، ولم يضرب لذلك مدةً، وداواه، فما الحكم؟ أجاب: للطبيب أجرة مثله وما أنفق فى ثمن الأدوية، لفساد الإجارة على الوجه المذكور''. (الفتاوى الخيريه على هامش تنقيح الفتاوىٰ الحامديه: ۱۸۲/۲، كتاب الإجارة، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

فصل فی مایتعلق بصندوق الادّخار

(پراویڈنٹ فنڈ کا بیان)

پراوینڈنٹ فنڈ پر زائد رقم

سوال[۷۹۶۸]: پراویڈنٹ فنڈ جو ملازمت سے کٹتا ہے، اس پر سود بھی ملتا ہے اور سود اصل مال میں جڑتا رہتا ہے۔ کیا یہ سود لینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سود میں داخل نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) اس لئے کہ مذکورہ رقم درحقیقت تنخواہ ہی کا حصہ ہے: "قوله: بالتعجيل أو بشرطه أو بالاستيفاء أوبالتمكن: يعنى لا يملك الأجرة إلا بواحد من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها الموجر إلا بذلك". (البحرالرائق: ۷/ ۵۱۱، كتاب الإجارة، رشيديه)

"وتستحق بإحدى معانى ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه". (الهداية: ۳/ ۲۹۲، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فإنه يملكها، وكما يجب الأجر باستيفاء المنافع، يجب بالثمن من استيفاء المنافع، إذا كانت الإجارة صحيحةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۱۳، كتاب الإجارة، الباب الثانى، رشيديه)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم القاعدة: ۴۶۸)، ص: ۲۶۱، ۲۶۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى شرح المجلة لخالد الأتاسى: ۲/ ۵۴۹، ۵۵۰، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا فى إمداد الفتاوى، كتاب الربوا، حکم رقمے کہ بنام سود ملازمان رااز سرکار بدست می آید: ۳/ ۱۴۸، مكتبه دارالعلوم كراچى)

ایضاً

سوال[۷۹۶۹]: جنوری ۱۹۶۳ء کے نظام باب الاستفسار میں ایک استفتاء پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق نظر سے گزرا جس میں تحریر ہے کہ یہ فاضل رقم جو فنڈ کے طور پر ملازمت سے علیحدگی کے بعد ملتی ہے وہ سود میں داخل نہیں۔اس مسئلہ کی ذرا وضاحت فرمادیجئے۔فرض کیجئے فنڈ میں تنخواہ سے مبلغ پانچ سو روپے کٹا اور سات یا آٹھ سو روپیہ بعد میں ملا تو پانچ سو سے جو فاضل رقم ہے تو اگر سود نہیں تو اَور کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جزو تنخواہ ملازم نے خود جمع نہیں کیا، بلکہ یہ سلسلہ حکومت نے اپنے قانون کے پیشِ نظر جاری کیا ہے جس سے ملازم کی خیر خواہی مقصود ہے، جب تک اس پر ملازم کا قبضہ نہ ہو یہ ملازم کی ملکیت نہیں، لہٰذا اس پر جو کچھ اضافہ ملتا ہے یہ بھی سود نہ ہوگا(۱)، بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض محکموں میں ملازمت ختم ہونے پر حسن کارکردگی کے صلہ میں پنشن ملتی ہے، اس کو بھی سود نہیں کہاں جاتا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) (راجع للتخریج المسئلة السابقة)

Made searchable using ScribeTools.com

فصلٌ فی المتفرقات

سودی کاروبار کرنے والی سوسائٹی کا دیا ہوا روپیہ مسجد میں امام وغیرہ کے لئے

سوال[۷۹۷۰]: ۱..... چند مسلم حضرات نے مل کر ایک سوسائٹی بنائی ہے اور اس کو گورنمنٹ سے منظور کرا کر رجسٹرڈ بھی کرالیا۔ اس سوسائٹی کا کام پبلک کو روپیہ تقسیم کرنا اور قسط کی صورت میں مع سود وصول کرنا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان صاحبان کی کمائی محض سود کی ہے۔ کیا یہ سوسائٹی یا کوئی منفرد بطور چندہ کے مسجد، عربی مدرسہ، اور رمضان شریف کی شب قدر وغیرہ میں کچھ رقم دینا چاہیں تو اس کو قبول کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر دے بھی دی ہے تو کیا متولی اس رقم کو مندرجہ بالا تینوں قسم کی مد میں استعمال کرسکتا ہے؟ اور شب قدر کے موقع پر حافظ جی یا امام مسجد اس کو لے لے تو اس پر کیا اثر پڑے گا؟

۲..... کیا سوسائٹی اپنے دیگر دوست واحباب مسلمانوں کو جو اس سوسائٹی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں ان کو کسی کھانے پینے کی دعوت پر مدعو کرسکتے ہیں، اور ان کے یہاں کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

۳..... اگر اس سوسائٹی کی شاخ کسی دوسرے شہر یا قریہ میں کام کر رہی ہو اور اس شاخ کے کام چلانے والے بجائے سوسائٹی کے ممبر کے ملازم کی حیثیت سے کام کرتے ہوں اور یہ ملازمین پڑوسی اور دیگر احباب کی دعوت کریں، یا ان کے گھروں پر کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھیجیں تو کیا اس کو قبول کرنا چاہیئے؟

۴..... اگر یہی ملازمین نمبر ایک کی طرح مسجد، عربی مدرسہ اور شب قدر وغیرہ کا چندہ دینا چاہیں تو کیا اس کو قبول کرنا چاہیئے یا نہیں؟

یہاں پر کچھ صاحبان کا یہ خیال ہے کہ چونکہ سوسائٹی کے ممبران اپنا پیسہ بقدرِ حصہ لگا کر ایک فنڈ قائم کرتے ہیں اور پھر اس پیسے سے سودی کاروبار کرتے ہیں، لھذا ان کی حیثیت اور ملازمین کی حیثیت میں فرق ہے، کیونکہ ملازمین کا پیسہ فنڈ میں شامل نہیں ہے، البتہ ان کی تنخواہ سود کے پیسہ سے ہی دی جاتی ہے۔ ان تمام حضرات کی بظاہر کوئی دوسری آمدنی کی صورت نہیں ہے۔

۵..... ہمارے اس شہر میں ایسی ہی ایک شاخ ہے جس میں ملازمین بھی کام کرتے ہیں اور غالبًا کبھی سوسائٹی کے ایک دو ممبران بھی آکر یہی کام کرنے لگتے ہیں۔ گذشتہ رمضان المبارک کے مہینہ میں، ستائیسویں یعنی شب قدر کے ختم قرآن کے موقع پر ان ملازمین نے کچھ چندہ دیا جس کو متولی نے قبول کیا اور حافظ جی کو ایک رقم دی، حافظ جی نے اس رقم میں سے وہ رقم واپس کردی جو کہ ملازمین نے چندہ کی صورت میں دی تھی۔ کیا حافظ جی کو ایسا کرنا چاہیئے تھا؟ متولیان یہ پیسہ کہیں سے لائے ہوں ان کی ذمہ داری ہے، حافظ جی کا خود براہ راست اس پیسہ سے کوئی واسطہ نہیں تھا، کیونکہ ان کو بذریعۂ متولی ملا تھا۔ وضاحت فرمائیے گا۔

۶..... اس شاخ نے چند مسلم احباب کی دعوت بھی کی اور کچھ نے کھایا اور کچھ نے نہیں کھایا اور کہا ان کے یہاں کھانا جائز تھا، نہ کھانے والے کہتے ہیں کہ یہ سود خور لوگ ہیں۔ اور کھانے والے حضرات کہتے ہیں کہ دعوت وغیرہ ملازمین نے اپنی تنخواہ سے کی ہے، حالانکہ ان کی تنخواہ سود ہی کی رقم سے دی جاتی ہے۔ وضاحت فرمائیے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... سود کا روپیہ مسجد، شب قدر وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)، اگر اصل مالک کو واپس نہ کیا جاسکے

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله طيب لايقبل إلا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قديمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "(إلا طيباً): أی منزهاً عن العيوب الشرعية والأغراض الفاسدة فی النية. قال القاضی رحمه الله تعالیٰ: الطيب ضد الخبيث، فإذا وصف به تعالیٰ أريد به أنه منزه عن النقائص، مقدس عن الآفات، وإذا وصف به العبد مطلقاً أريد به أنه المتحری عن رزائل الأخلاق، وقبائح الأعمال، والمتحلی بأضداد ذلک، وإذا وصف به الأموال أريد به كونه حلالاً من خيار الأموال ومعنی الحديث أنه تعالیٰ منزه عن العيوب، فلا يقبل، ولا ينبغی أن يتقرب إليه إلا بما يناسبه فی هذا المعنی، وهو خيار أموالكم الحلال كما قال تعالیٰ: ﴿لن تنالوا البرّ حتی تنفقوا مما تحبون﴾ (وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين) "ما" موصولة، والمراد بها أكل الحلال، وتحسين الأموال". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول، (رقم الحديث: =

Made searchable using ScribeTools.com

تو غرباء پر صدقہ کردیا جائے، غریب طلباء پر بھی صَرف کیا جاسکتا ہے، ان کے کھانے کپڑے کے لئے دیدیا جائے (۱)، عربی مدرسہ وغیرہ کی تعمیر یا تنخواہ میں دینا درست نہیں (۲)۔

۲.....جس دعوت میں سود کا کھانا کھلایا جائے اس کو ہرگز قبول نہ کرے (۳)، ایسا کھانا غریبوں کو بطورِ

= ۲۷۶۰): ۶/۸۰۷، رشیدیه)

"قال تاج الشريعة: أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبيثاً، ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، مطلب فی أحكام المساجد، سعيد)

(۱) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلک عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی، (سورة البقرة: ۲۷۹): ۳/۲۴۸، دارإحياء التراث العربی بيروت)

"ان من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلک فی المال، وجب أدائه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشی: ۲/۲۴۵، بيروت)

"ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوابها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذرالرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"سئلت فی من يملک نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لاتجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحبُ المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فی الكسب، رشيديه)

(۲) مال حرام ہاتھ میں آنے سے ملک نہیں آتا، اور چونکہ تنخواہ اجرت ہے اور اجرت اپنی ملکیت سے دی جاتی ہے، لہٰذا یہاں بھی اس سے تنخواہ دینا درست نہیں:

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۵/۹۹، سعيد)

(۳) "أهدى إلى رجل شيئاً، أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، =

صدقہ دیدیا جائے (۱)۔

۳.....جو شخص سود لینے دینے کی ملازمت کرے اور اس کو تنخواہ سود میں سے ملے، اسی میں سے کھلائے تو اس کا کھانا درست نہیں، وہ غریبوں کا حق ہے (۲)۔

۴.....ملازم ہو یا غیر ملازم جس کے پاس بھی سود کا پیسہ ہو، سب کا ایک ہی حکم ہے (۳)۔

= فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۳۴۲/۵، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

"سئل الفقيه أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمراء السلطان ومن الغرامات المحرمات وغير ذلك، هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إليّ في دينه أن لايأكل، ويسعه حكماً إن لم يكن ذلك الطعام غصباً أو رشوةً". (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

(۱) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام إن كانت من ربا، فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن حاضراً، فإن أيس من وجوده، فليتصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، (سورة البقرة: ۲۷۹) : ۲۴۸/۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ان من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أدائه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲۴۵/۲، بيروت)

"ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوابها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذرالرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"سئلت في من يملك نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لاتجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحبُ المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۳۹۷، رقم الحاشية: ۳)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله طيب =

Made searchable using ScribeTools.com

۵..... جب حافظ صاحب کو معلوم ہو کہ متولی صاحب نے ان کو امامت کے تحت ناجائز روپیہ دیا ہے تو ان کو واپس ہی کر دینا چاہئے، یہ توجیہ کافی نہیں کہ متولی کے ہاتھ سے ملا ہے اس نے جہاں سے بھی لا کر دیا ہو، اس توجیہ سے وہ روپیہ حلال نہیں ہوگا۔

۶..... سودی روپیہ خواہ تنخواہ میں ملا ہو یا خود سود میں ہو، سب کا حکم ایک ہی ہے، نہ کہ خود کھانا، نہ دوست واحباب کو دعوت میں کھلانا کسی طرح درست نہیں، وہ واپس کیا جائے، یا غریبوں کو دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۱۰/۲۲ھ۔

= لایقبل إلا طیباً، وإن اللہ أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین". (مشکوة المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، ص: ۲۴۱، قدیمی)

قال العلامة الملا علی القاری رحمه اللہ تعالیٰ: "(إلا طیباً): أی منزهاً عن العیوب الشرعیة والأغراض الفاسدة فی النیة. قال القاضی رحمه اللہ تعالیٰ: الطیب ضد الخبیث، فإذا وصف به تعالیٰ أرید به أنه منزه عن النقائص، مقدس عن الآفات، وإذا وصف به العبد مطلقاً أرید به أنه المتعری عن رزائل الأخلاق، وقبائح الأعمال، والمتحلی بأضداد ذلک، وإذا وصف به الأموال أرید به کونه حلالاً من خیار الأموال ومعنی الحدیث أنه تعالیٰ منزه عن العیوب، فلا یقبل، ولا ینبغی أن یتقرب إلیه إلا بما یناسبه فی هذا المعنی، وهو خیار أموالکم الحلال کما قال تعالیٰ: ﴿لن تنالوا البرّ حتی تنفقوا مما تحبون﴾ (وإن اللہ أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین) "ما" موصولة، والمراد بها أکل الحلال، وتحسین الأموال". (مرقاة المفاتیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، (رقم الحدیث: ۲۷۶۰): ۶/۸۰۷، رشیدیه)

"قال تاج الشریعة: أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبیثاً، ومالاً سببه الخبیث والطیب، فیکره؛ لأن اللہ لا یقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، مطلب فی أحکام المساجد، سعید)

(۱) "إن سبیل التوبة مما بیده من الأموال الحرام إن کانت من ربا، فلیردها علی من أربی علیه، ویطلبه إن لم یکن حاضراً، فإن أیس من وجوده، فلیتصدق بذلک عنه". (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، =

Made Searchable by ScribeTools.com

اپنے پاس سے پیسہ دے کر سود کا پیسہ رکھنا

سوال[۷۹۷۱]: میرا معمول یہ ہے کہ جب بھی پاس بک میں سودی پیسے کا اندراج ہوتا ہے تو میں سودی رقم کو الگ کر دیتا ہوں، پاس بک میں اصل رقم باقی رہ جاتی ہے، مگر مجھے اس مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہے، شبہ ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ بیع وشراء میں جنس تو متعین ہوتی ہے، ثمن یعنی رقم متعین نہیں ہوتی۔ غالباً اسی طرح پڑھا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کو زکوٰۃ کے روپے بذریعہ آڈر روانہ کئے جاتے ہیں، وہ روپیہ تو مقامی ڈاکخانہ میں ہی رہ گیا، صرف منی آڈر فارم چلا گیا جس سے وہاں کے ڈاکخانہ نے اپنے یہاں سے رقم کی ادائیگی کرادی، وہ زکوٰۃ کی رقم تو نہیں پہونچی۔

دوسری نظیر: ایک شخص اپنی سودی رقم نکالنے کے لئے ڈاکخانہ گیا، وہاں کچھ رقم نہیں تھی، تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے صاحب منی آڈر کرنے اور چلے گئے، اب ڈاکخانہ والوں نے اس رقم میں سے سود کی ادائیگی کردی۔ ظاہر ہے کہ یہ رقم سود، سود والے کی نہیں ہے۔ اگر یہ معاملات صحیح قرار دیئے جاتے ہیں تو پھر یہ طریقہ کیوں صحیح نہیں کہ مثلاً ایک ہزار روپے کے سو شامل ہو کر گیارہ سو ہو گئے، اب یہ شخص اپنے پاس سے سو روپے سود کی نیت سے نکالتا ہے اور بینک میں جو سود کا اضافہ ہوا ہے، اصل میں شامل کر کے گیارہ سو روپے کی اصل رقم قرار دیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

= (سورة البقرة: ۲۷۹) : ۲۴۸/۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"ان من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أدائه عيناً أو ديناً ما دام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن، فإلى الحاكم، وإلا تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزركشي: ۲۴۵/۲، بيروت)

"ويردّونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوابها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذرالرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعيد)

"سئلت في من يملك نصاباً من حرام هل تجب عليه الزكوة؟ الجواب: لاتجب عليه الزكوة، بل يلزمه التصدق بجميعه على الفقراء، لا بنية الثواب، إن لم يكن صاحب المال موجوداً". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداً و مصلیاً:

جونظائر آپ نے پیش کئے ہیں ان کا حاصل بھی وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں، لیکن جس مال کو سود کہہ کر دیا جائے خواہ وہ مال دینے والے کی ملک ہو یا نہ ہو، بظاہر تو سود کا اطلاق اس پر آئے گا جس پر لعنت کی وعیدیں ہے، اب حاصل یہ ہوگا کہ مال حلال کا صدقہ کیا اپنے پاس سے اور جو مال سود کے نام پر ڈاکخانہ بینک سے ملا جو شریعت کی نظر میں حرام ہے اور موجبِ لعنت ہے، اس کو خود کھائے اس سے قلبِ سلیم اجتناب کرتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) بہتر تو یہی ہے کہ معینہ سود کی رقم کو صدقہ کیا جائے، لیکن اگر سودی رقم پر کسی طرح سے مِلک ثابت ہونے کے بعد ذمہ فارغ کرنے کے لئے کسی دوسری رقم کو صدقہ کیا جائے تو ذمہ فارغ ہو جائے گا، کیونکہ نقود میں تعیین نہیں ہوتی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بینکوں والے سودی رقم الگ نہیں دیتے، بلکہ اصل رقم کے ساتھ ملا کر دیتے ہیں:

"لو خلط السلطان المال المغصوب بماله، ملكه؛ لأن الخلط استهلاک إذا لم يمكن تميزه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقوله: أرفق للناس؛ إذ قلّما يخلو مال عن غصب". (الدرالمختار).

"(قوله: لأن الخلط استهلاک): أي بمنزلة أن حق الغير يتعلق بالذمة -فتنبه- لابالأعيان؛ لأنانقول: إنه لماخلطها ملكها، وصار مثلها ديناً في ذمته، لاعينها". (ردالمحتار: ۲/۲۹۰، كتاب الزكوة، مطلب فيما لوصادر السطان جائزاً، الخ، سعيد)

"مات وكسبه حرام، فالميراث حلال. ثم رمز، وقال: لانأخذ بهذه الرواية، وهو حرام مطلقاً على الورثة -فتنبه- ومفاده الحرمة، وإن لم يعلم أربابه، وينبغي تقييده بما إذاكان عين الحرام، ليوافق مانقلناه، إذ لو اختلط بحيث لا يتميزيملكه ملكاً خبيثاً، لكن لايحل له التصر ف فيه مالم يؤدّ بدله، كما حققناه قبيل باب الزكاة". (ردالمحتار: ۵/۹۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيما ورث مالاً حراماً، سعيد)

"ثم الخلط أنواع ثلاثة: خلطٌ يتعذر التمييز بعده كخلط الشئ بجنسه، فهذا موجب للضمان؛ لأنه يتعذر به على المالک الوصول إلى عين ملكه". (المبسوط للسرخسي: ۱۱/۹۳، كتاب الوديعة، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

باہم چندہ جمع کر کے رقم پر بولی بولنا

سوال[۷۹۷۲]: ۱..... ہمارے محلّہ میں چند ممبران روپیہ رکھا کرتے ہیں مثلاً: ہر ممبر سو روپیہ، ۲۰/ ممبران کے دو ہزار ہو گئے۔ اب اس رقم پر بولی بولی جاتی ہے، جو زیادہ دیتا ہے اس کو دے دیتے ہیں۔ تو اس پر بولی بولنا کیسا ہے، یہ سود تو نہیں ہے؟ یہ جائز ہے یا نہیں، جبکہ وہ روپیہ جمع کر چکا ہے یعنی سو روپیہ، تو پھر بولی بولنا کیا ضروری ہے، اس میں اختلاف ہے؟

۲..... ایک شکل یہ بھی ہے کہ چند ممبران چندہ جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں مثلاً: تین سال تک فی ممبر سَو روپیہ ماہانہ دے گا، اگر وہ رقم لینا چاہے تو قلیل سود مثلاً ۳/ پیسہ فی روپیہ کے حساب سے اس میں لے کر کاروبار چلا سکتا ہے اور بعد میں وہ مع سود کے ادا کرے یا مع منافع کے ادا کرے، خواہ نام سود دیا جائے یا منافع۔ تو اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں، اور اس طرح پیشگی جمع کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ صورت ناجائز ہے۔

۲..... یہ صورت بھی ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) دوسرا معاملہ تو صراحۃً سود کا ہے اور پہلا معاملہ چونکہ نقد رقم ادھار سے خریدی جارہی ہے، اسی میں کمی بیشی بھی ہے، لہٰذا یہ بھی سود ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

"وفي حديث ابن رمح: قال نافع: فذهب عبد الله وأنا معه والليثي، حتى دخل على أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه، فقال: إن هذا أخبرني أنك تخبر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الورق بالورق إلامثلاً بمثل، وعن بيع الذهب بالذهب إلامثلاً بمثل. فأشار أبوسعيد بأصبعيه إلى عينيه، وأذنيه، فقال: أبصرت عيناي، وسمعت أذناي رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: "لاتبيعوا الذهب بالذهب، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولاتشفوا بعضه على بعض، ولا تبيعوا شيئاً =

Made searchable using ScribeTools.com

برما میں کفار کے ساتھ ناجائز سودی عقود

سوال[۷۹۷۳]: برما میں بعض عالم کافروں کے ساتھ سودی معاملات کرنا جائز اور سود کھانا حلال اور مردار کا گوشت وغیرہ فروخت کرنا حلال اور سور کے گوشت کی سپلائی کرنا حلال کہتے ہیں۔ ایسے علماء کی شریعت کی نظر میں کیا سزا ہونی چاہیئے، اور اس کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیئے؟ ان کی باتوں کو سن کر جو لوگ مذکورہ کاموں کو کرتے ہیں، ان کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان عالموں سے جواز کی دلیل دریافت کر کے لکھئے تاکہ اس میں غور کیا جائے۔ ان چیزوں کا ناجائز اور حرام ہونا تو قرآن کریم (۱) وحدیث شریف (۲) اور فقہ سے واضح ہے (۳)، پھر وہ کس بنیاد پر جائز کہتے ہیں۔

= غائباً منه بناجز إلايداً بيد". (الصحيح لمسلم: ۲/۲۴، كتاب المساقاة والمزراعة، باب الربا، قديمى)

(والصحيح للبخارى: ۱/۲۹۰، ۲۹۱، كتاب البيوع، باب بيع الفضة بالفضة، قديمى)

(وسنن أبى داؤد: ۲/۱۱۹، كتاب البيوع، باب فى الصرف، إمداديه)

"قال عليه الصلوة والسلام: "كل قرض جرّ منفعةً، فهوربا". (فيض القدير: ۹/۴۴۷۸، (رقم الحديث: ۶۳۳۶)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"كل قرض شرط فيه الزيادة، فهو حرام بلاخلاف". (إعلاء السنن: ۱۴/۴۹۹، كتاب الحوالة، باب: كل قرض جر منفعةً، فهو ربا، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى تكملة فتح الملهم: ۱/۵۷۵، كتاب المساقات والمزارعة، باب الربا، مكتبه دارالعلوم كراچى)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل اللهالبيع، وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲۷۵)

(۲) "عن عبد اللهبن حنظلة رضى الله تعالىٰ عنه غسيل الملائكة قال: قال رسول للهصلى اللهعليه وسلم: "درهم ربوا يأكله الرجل وهو يعلم أشدُّ من ستة وثلثين زنيةً". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۴۶، كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الثالث، قديمى)

(۳) "وأما الذى يرجع إلى نفس القرض، فهو أن لايكون فيه جرمنفعة، فإن كان لم يجز، نحو ما إذا أقرضه دراهم غلةً على أن يرد عليه صحاحاً، أو أقرضه وشرط شرطاً له فيه منفعةٌ، لما روى عن رسول =

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۴ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه نهى عن قرض جر نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا؛ لأنها فضل لا يقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب". (بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل فی الشروط: ۱۰/۵۹۷، ۵۹۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"بطل بيع ماليس بمال، كالدم والميتة والحر والبيع". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۰-۵۲، سعيد)

"وبطل بيع مال غير متقوم كخمر، وخنزير، وميتة لم تمت حتف أنفسها". (تنويرالأبصار مع الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۵، سعيد)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

باب القرض

(قرض کا بیان)

قرض لینے کے بعد چاندی کا بھاؤ بڑھ جانا

سوال[۷۹۷۴]: یوسف کا قرض بشیر پر ہے، غالباً اب سے چودہ پندرہ سال ہوئے اب تک قرض ادا نہ کرسکا، اب دیتا ہے۔ یوسف کہتا ہے کہ جس سال میں نے قرض دیا تھا اس وقت چاندی کا بھاؤ دو یا ڈھائی روپیہ تولہ تھا اب تو میں اتنی چاندی کے نوٹ لوں گا، کم نہیں لے سکتا۔ یہ خیال محمد یوسف کا درست ہے یا نہیں؟

۲.....زید کا قرض بکر پر اس زمانے کا آتا ہے جس زمانے میں چاندی کا روپیہ چلتا تھا، یا اس کا نوٹ تھا، اب بکر ادا کرنا چاہتا ہے، لیکن زید کہتا ہے کہ میں نے تو چاندی کے روپے دیئے تھے، یا تو روپے لاؤ چاندی کے یا اتنی چاندی کے نوٹ لاؤ، ورنہ میں نہیں لیتا۔ زید کا یہ خیال کیسا ہے؟

۳.....ایک شخص اپنا قرض لینا نہیں چاہتا، قرضدار چاہتا ہے کہ دنیا ہی میں دیدے تاکہ قیامت کے دن دینا نہ پڑے، رسوائی نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے، کیسے ادا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اب سے ۱۴، ۱۵/ برس پہلے قرض جتنے نوٹ لئے تھے اتنے ہی نوٹ واپس کرنے کا حکم ہے(۱)،

---

(۱) "القروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تُقضى بأمثالها". (بحوث في قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دار العلوم كراچی)

"الديون تُقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك، مطلب: الديون تقضى بأشالها: ۸۴۸/۳سعيد)

"الديون تقضى بأمثالها". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۶، الفن الثاني، كتاب المداينات، قديمی)

"هو عقد مخصوص يَرد على دفع مثلى ليردّ مثله". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب =

چاندی کا بھاؤ تیز ہوجانے کی وجہ سے قرض کے نوٹ زیادہ لینا درست نہیں (۱)۔

۲.....اگر چاندی کے روپے قرض دیئے تھے تو اتنی چاندی (۲) یا اس کی قیمت واپس کی جائے (۳)۔

۳.....جس سے جو قرض لیا تھا، اب وہ واپس لینا نہیں چاہتا تو وہ معاف کردے۔ اگر نہ واپس لیتا

= المرابحة والتولية، فصل فی القرض: ۵/۱۲۱، سعيد)

"والذی يتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة و مشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة فی القرض هی المثلية فی المقدار والكمية، دون المثلية فی القيمة والمالية". (بحوث فی قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، دار العلوم كراچی)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۶۶، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون فی القرض والدين، رشيديه)

(۱) "رجل استقرض من آخر مبلغاً من الدراهم و تصرف بها، ثم غلا سعرها، فهل عليه ردها مثلها؟ الجواب: نعم، ولا ينظر إلى غلاء الدراهم و رخصها". (تنقيح الفتاوى الحامدية، باب القرض: ۱/۲۹۴، رشيديه)

(وكذا فی رسائل ابن عابدين، تنبيه الرقود على مسائل النقود: ۲/۶۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما، قال: كنت أبيع الإبل بالبقيع فأبيع بالدنانير و آخذ الدراهم، وأبيع بالدراهم وآخذ الدنانير، آخذ هذه من هذه، وأعطی هذه من هذه، فأتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و هو فی بيت حفصة، فقلت: يا رسول الله! رويدک أسئلک أنی أبيع الإبل بالبقيع فأبيع بالدنانير وآخذ الدراهم، وأبيع بالدراهم وآخذ الدنانير، وآخذ هذه من هذه، وأعطی هذه من هذه، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لابأس أن تأخذ بسعر يومها مالم تتفرقا و بينكما شئ". (سنن أبی داؤد، كتاب البيوع، باب فی اقتضاء الذهب من الورق: ۲/۱۲۰، إمداديه ملتان)

"فذهب أكثر أهل العلم إلى جوازه ومنع من ذلک أبو سلمة بن عبدالرحمن وأبو شبرمة، وكان ابن أبی ليلى يكره ذلک إلا بسعر يومه، ولا يعتبر غيره السعر ولم يبالوا كان ذلک بأغلى أو أرخص من سعر اليوم، انتهى". (بذل المجهود، كتاب البيوع، باب فی اقتضاء الذهب من الورق: ۵/۲۴۶، إمداديه ملتان)

Made searchable using ScribeTools.com

ہے اور نہ معاف کرتا ہے تو مقدارِ قرض اس کے سامنے رکھ دی جائے، پھر اس کا جو دل چاہے کرے، یہ بَری ہوجائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۵/ ۹۲ھ۔

نوٹ قرض لیا پھر سونا گراں ہوگیا

سوال [۷۹۷۵]: نوٹ بنانے والے (گورنمنٹ) دھوکہ کرتی ہے، وہ اس طرح کہ اتنا سونا پاس نہیں ہوتا جتنا کہ وہ نوٹ چھاپ کر ملک میں پھیلاتے ہیں، اشیاء کی گرانی بھی بہت ہے، تو اگر ۳۸ھ میں کسی نے سو روپیہ قرض لیا جب کہ سونا سو روپیہ تولہ تھا تو اب قرض میں سو روپیہ اگر مقروض ادا کرے گا تو سونا ڈھائی سو روپیہ کا ایک تولہ آئے گا۔ تو مقروض کس طرح ذمہ سے سبکدوش ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نوٹ بنانے والوں نے جو بھی دھوکہ بازی کی ہو اس کے ذمہ دار وہ ہیں۔ جن سے نوٹ قرض لیا ہے اس سے نوٹ ہی واپس لینے کا حق ہے، اگر سو کا نوٹ لیا تھا تو سو کا نوٹ واپس کردے، بری الذمہ ہوجائے گا، اس کی گرانی سے اس پر اثر نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۱۲/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة". (ردالمحتار: ۵۶۲/۴، كتاب البيوع، مطلب فی شروط التخلية، سعيد)

(۲) "ولو استقرض فلوساً نافقةً و قبضها ولم تكسد، لكنها رخصت أو غلت، فعليه ردّ مثله ماقبض بلاخلاف". (بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل فی حكم البيع: ۲۳۷/۷، دارالكتب العلمية بيروت)

"سئلت عن رجل أقرض آخر مقداراً من الريال المحيدی وقت رواجه بثلاثين قرشاً، ثم رد المستقرض له مثل المقدار الذی استقرضه منه بعد أن نزل إلى عشرين قرشاً، فامتنع المقرض من قبوله، وطلب منه صرفها على سعر ثلاثين قرشاً، فهل ليس له ذلک؟ فالجواب أنه ليس له الامتناع من قبول مثل ما دفع ..... و فی "نتيجة الفتاوی" مانصّه: والمقبوض على وجه القرض مضمون بمثله. وفيها نقلاً عن جامع الفصولين: والواجب فی القرض ردّالمثل". (الفتاوی الكاملية، ص: ۹۲، باب القرض، مطلب الواجب فی القرض ردالمثل، مكتبه حقانيه پشاور)

ابرائے قرض کے بعد پھر مطالبہ

سوال[۷۹۷۶]: میں نے زید سے راب(۱) کی تجارت کی، اس میں کل رقم ساڑھے تین ہزار کی تھی جو میرے حصہ کی تھی، مگر وہ بے ایمان ہوگئے اور انہوں نے میری رقم دبالی۔ جب وہ حج کو جانے لگے تب میں نے کہا کہ تم صاحبِ ثروت ہو، میری رقم دیدو، مگر انہوں نے حیلہ حوالہ کیا۔ بعدہ میں نے یہ سوچ کر معاف کردی کہ یہ اگر حج سے واپس آ گئے تو دیکھا جائے گا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب دوران گفتگو کہنے لگے کہ مجھے تم معاف کردو گے، میں نے ایک دم ان سے کہہ دیا کہ میں نے معاف کیا اور نیت یہ تھی کہ واپس آ کر خود شرمندہ ہوکر ادا کریں گے۔ اب واپسی پر میں نے مطالبہ کیا تو اب بھی انہوں نے سنی اَن سنی کردی۔

اب سوال یہ ہے کہ زید کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا زید مجھ سے روپیہ معاف کرا کر اللہ کے سامنے جواب دہ نہ ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب رقم معاف کردی ہے تو وہ معاف ہوگئی، اب مطالبہ کا حق نہیں رہا اگرچہ بلاوجہ شرعی کسی کی رقم دبالینا اور باوجود وسعت کے مطالبہ پر بھی واپس نہ کرنا حرام اور ظلم ہے، لیکن آپ کو معاف کردینے کے بعد اب مطالبہ نہیں کرنا چاہئے: "الساقط لا يعود". أشباه(۲)۔ "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه".

---

(۱) ''راب: شیرہ، پتلا گڑ جو اکثر تمباکو میں پڑتا ہے، گنے کا رس''۔(فیروز اللغات، ص: ۴۹۴، فیروز سنز، لاهور)

(۲) (الأشباه والنظائر، ص: ۳۱۱، الفن الثالث، بيان أن الساقط لايعود، قديمی)

"الساقط لا يعود كما أن المعدوم لا يعود ..... و يتفرع عليها مسائل ..... ومنها: لو أبرأ الدائن مديونه من الدين الذى عليه، سقط الدين، ولا تسمع الدعوى به". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۰، (رقم المادة: ۵۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"إذا أبرأ واحد آخر من حق، سقط ذلک الحق، ولا يبقى له أن يدعى به ..... هذا إذا كان الحق مما يسقط كالدين". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۴۸، (رقم المادة: ۱۵۶۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الإقرار، فصل فى مسائل شتى: ۵/۶۲۴، سعيد)

(وكذا فى قواعد الفقه، ص: ۸۳، (رقم القاعدة: ۱۴۴)، الصدف پبلشرز كراچی)

Made searchable using ScribeTools.com

الحدیث(۱). طحاوی شریف(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۸/ ۸۷ھ۔

چاندی کا روپیہ قرض لیا اور اس کو اب ادا کرنا چاہیں تو کونسا روپیہ ادا کریں

سوال[۷۷۹۷]: عمر کا زید سے لین دین تھا، مثلاً زید کے ذمہ عمر کے ۹۳۶/ روپے اصل تھے اور باقی سود تھا، اس صورت میں عمر نے زید کے اوپر نالش کردی (۳) اور اس پر بڑا بھاری مقدمہ لڑا، دونوں فریق کا کافی روپیہ خرچ ہوا۔ عمر مقدمہ ہار گیا، زید نے عمر کا روپیہ طلب کرنے پر نہیں دیا، لیکن اقرار کرتا رہا۔ زید نے جو روپیہ لیا تھا وہ چاندی کا تھا اور اس وقت وہی سکہ رائج تھا، نوٹ نہیں تھا۔ اب زید کے وارث عمر کے وارثوں کو وہ اصل روپیہ ۹۳۶/ روپے نوٹ کی شکل میں ادا کرنا چاہتے ہیں، مگر عمر کے وارث یہ کہتے ہیں کہ ہمارے چاندی کے روپیہ تھے، ہم تو چاندی ہی کے لیں گے اور جو مقدمہ میں خرچ ہوا ہے اور جو مقدمہ کے ہارنے پر ہم سے ڈگری وصول ہوئی ہے وہ سب لیں گے، کیونکہ روپیہ ہمارے طلب کرنے پر نہیں دیا تھا۔

اب اگر عمر کے وارث اصل رقم نہ لیں جیسا کہ وہ مطالبہ کررہے ہیں سود وغیرہ کا، اور زید کے وارث سود دینے سے انکار کررہے ہیں تو اس شکل میں کیا ہوگا؟ زید کو قرض سے نجات کیسے ملے؟ آیا اس روپیہ ۹۳۶/ کو خیرات کردیں یا کیا کریں؟

نوٹ: عمر کے وارث مطالبہ خود نہیں کررہے بلکہ زید کے وارث دینا چاہتے ہیں۔ اس پر عمر کے وارث سود کا مطالبہ وغیرہ کرتے ہیں۔ اس پر شرعی حکم جو وارد ہوتا ہو اس کو بتلایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کا لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے، سود لینے اور دینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی، قدیمی)

(۲) لفظ الطحاوی ہکذا: "عن عمرو ویثربی قال: خطبنا رسول اللہ ﷺ فقال: "لایحل لامرئ من مال أخیه شئ إلا بطیب نفسٍ منه". (الطحاوی، کتاب الکراھیۃ، باب الرجل یمر بالحائط، اھ: ۳۷۵/۲، سعید)

(۳) ''نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۵، فیروز سنز، لاھور)

Made Searchable by ScribeTools.com

ہے، اس لئے سود کا مطالبہ ہرگز نہ کیا جاوے، نہ سود ادا کیا جائے، لہذا سود تو بالکل ختم ہے(۱)۔

جب زید کو اقرار تھا تو مقدمہ عمر کیوں ہار گیا، سمجھ میں نہیں آیا، نیز اقرار کے باوجود مقدمہ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اگر زید کے پاس ادا کرنے کی گنجائش نہیں تھی تو اس کو مہلت دی جاتی، ایسی صورت میں مہلت دینے کا حکم ہے: ﴿وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة﴾ الاية(۲)۔

غالب گمان یہ ہے کہ عدالت میں اقرار نہیں کیا ہوگا اور تحریری ثبوت موجود نہیں ہوگا۔ تاہم جو ہوا ہوا، اب اگر مرحوم مقروض کے ورثاء دینا چاہتے ہیں تو ۹۳۶/ روپے چاندی کا دیں (۳)، اگر یہ دشوار ہو تو اس نو سو چھتیس ۹۳۶/ روپے کی جو اس وقت قیمت ہو وہ دیں (۴) اور جو روپیہ مقدمہ ہارنے پر ڈگری کے تحت وصول کیا

---

(۱) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم آكل الربوا و موكله و كاتبه و شاهديه وقال: "هم سواء".

"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "الربوا سبعون جزء اً، أيسرها أن ينكح الرجل أمّه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۴۴، ۲۴۶، باب الربوا، قديمی)

(۲) (سورة البقرة: ۲۸۰)

"وعن عمران بن حصين رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من كان له علی رجل حقٌّ، فمن أخّره، كان له بكل يوم صدقة". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث، قديمی)

(۳) "الديون تُقضى بأمثالها". (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، كتاب الأيمان، سعيد)

"القروض يجب فی الشريعة الإسلامية أن تُقضى بأمثالها". (بحوث فی قضايا فقهية معاصرة، ص. ۱۷۴، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۴) "وإن كان من المثليات، يلزمه إعطاء مثله ..... وإن انقطع المثل بأن لا يوجد فی السوق. وإن كان يوجد فی البيوت، فقيمته يوم الخصومة: أی وقت القضاء عند الإمام الأعظم". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۹۰، (رقم المادة: ۸۹۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولو استقرض الفلوس أو العدالی فكسدت، قال أبو حنيفة رحمه الله تعالیٰ: مثلها كاسدة، ولا يغرم قيمتها. و قال أبو يوسف رحمه الله تعالیٰ: قيمتها يوم القبض. وقال محمد رحمه الله تعالیٰ: قيمتها فی آخر يوم كانت رائجةً، وعليه الفتوی". (الفتاوی العالمكيرية: ۲۰۴/۳، الباب التاسع عشر فی القرض والاستقراض والاستصناع، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

گیا ہے وہ دیں (۱) اور یہ سب مقروض کے ترکے سے ادا کریں، اپنے پاس سے ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۵/ ۹۱ھ۔

غیر جنس سے اپنا دَین وصول کرنا

سوال [۷۹۷۸]: ایک صاحب کے ذمہ میرے ٹرک کا کرایہ ۹۵/ روپے باقی تھے، میرے ٹرک ڈرائیور نے ان کی سائیکل چھین لی، اب وہ سائیکل ۱۰/ ماہ سے میرے پاس رکھی ہے، باوجود تلاش کے نہ وہ ملے اور نہ خود آئے۔ سائیکل میں نے استعمال بالکل نہیں کی، کیونکہ وہ بہت خراب حالت میں ہے اور مشکل سے اس کی قیمت پچاس روپے ہوگی۔ کیا میں یہ سائیکل نیو کرنے کے بعد اپنے استعمال میں لاسکتا ہوں، یا فروخت کر کے قیمت اپنے کام میں لاسکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سائیکل جتنی قیمت کی بازار میں ہے، اتنی مقدار گویا کہ آپ نے اپنا روپیہ وصول کرلیا۔ آپ کو اختیار ہے کہ اس کو ٹھیک کرا کے استعمال میں لائیں یا فروخت کر کے قیمت استعمال میں لائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۶/ ۵/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "المسبّب لا يضمن إلا بالتعمد". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۱/ ۲۵۶، (رقم المادة: ۹۳)، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "وجد دنانير مديونه و له عليه درهم، له أن يأخذه لاتحادهما جنساً في الثمنية ..... قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي، عن جده الأشقر، عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم مطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق". (ردالمحتار: ۶/ ۱۵۱، كتاب الحجر، سعيد)

"قال الحموي: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لاسيما ثي ديارنا". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۴/ ۸۶، كتاب الحجر، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۷/ ۵۴۵۱، كتاب السرقة، رشيديه)

قرض اس کی جنس سے ہی ادا کیا جائے

سوال[۷۹۷۹]: زید نے عمر سے تنگ دستی کی وجہ سے ایک مَن جو قرض لئے تھے، اس وقت بھاؤ بھی ۲۰/ روپیہ تھا، اب اس کو دو سال کا عرصہ ہو گیا۔ عمر اپنے غلہ کا تقاضا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تو چالیس روپے کے بھاؤ لگا لیا ہے۔ تو عمر کو یہ لینا اس طرح سے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک من جَو قرض لئے ہیں، ایک من جَو ہی کی واپسی لازم ہے، اس کی قیمت کا واپس کرنا لازم نہیں، خواہ کچھ ہی نرخ ہو۔ پس چالیس روپے قیمت لگا کر وصول کرنے کا حق نہیں: "الأقراض تُقضیٰ بأمثالها" (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۸ھ۔

قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا

سوال[۷۹۸۰]: مالابدمنہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی سے قرض لیا کرتے تھے تو کچھ زیادہ دیا کرتے تھے (۲)۔ تو یہ زیادہ دینا بخوشی کیسا ہے؟ لینے والے کے لئے تو سود نہیں ہوگا؟

---

(۱) (ردالمحتار: ۸۴۸/۳، کتاب الأیمان، سعید)

"والذی یتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة و مشاهدة معاملات الناس أن المثلیة المطلوبة فی القرض هی المثلیة فی المقدار والکمیة، دون المثلیة فی القیمة والمالیة". (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، ص: ۱۷۴، دارالعلوم کراچی)

"(هو عقد مخصوص یَرِد علی دفع مثلیّ) خرج القیمی الآخر (لیردّ مثله)". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب البیوع، فصل فی القرض: ۱۶۱/۵، سعید)

"الدیون تقضی بأمثالها". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۵۶، الفن الثانی، کتاب المداینات، قدیمی)

(۲) "پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں دَین ادا کردے، زیادہ از قدرِ واجب دادے، بجائے نیم وسق یک وسق، و بجائے یک وسق دو وسق دادے، و می فرمود کہ ایں قدر حق تست، و ایں قدر افزونی از من است، ایں زیادہ دادن بے شرط ربوا نیست، جائز است، بلکہ مستحب است"۔ (مالا بد منه فارسی، کتاب التقوی، ص: ۱۰۶، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

جس سے قرض لیا جاوے واپس کرتے وقت کچھ زیادہ دینا یہ کہہ کر کہ اتنا آپ کا اصل مطالبہ ہے اتنا میری طرف سے زائد ہے، یہ حدیث پاک سے ثابت ہے(۱)،لیکن قرض دینے والے کو پہلے سے اس کا لالچ اور خیال نہ ہونا چاہئے کہ زیادہ ملے گا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۰/۱/۸۸ھ۔

غنی شخص کا ادائے قرض میں ٹال مٹول کرنا

سوال[۷۹۸۱]: بعض مالدار لوگ جن کے پاس عالی شان بلڈنگ ہے، باغات ہیں، اراضی ہیں،

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان لرجل على النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم سن من الإبل، فجاء ه يتقاضاه، فقال: "أعطوه" فطلبوا سنه، فلم يجدو له إلا سناً فوقها، فقال: "أعطوه" فقال: أوفيتنی أوفى الله لک. قال النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن خيارکم أحسنكم قضاءً".

"عن عبد الله بن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: أتيت النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم وهو فی المسجد، قال مِسعر: أراه قال: ضحى، فقال: "صل ركعتين". وكان لی عليه دين، فقضانی و زادنی". (صحيح البخاری: ۱/۳۲۲، باب حسن القضاء، قديمی)

"عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان لی على النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم دينٌ، فقضا لی وزادنی". (مشكوة المصابيح، ص:۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث، قديمی)

"من استقرض شيئاً، فرد أحسن أو أكثر منه من غير شرطه كان محسناً، ويحل ذلک للمقروض. و قال النووی رحمه الله تعالیٰ: يجوز للمقروض أخذ الزيادة، سواء زاد فی الصفة أو فی العدد. ومذهب مالک أن الزيادة فی العدد منهيٌّ عنها، وحجة أصحابنا عموم قوله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "فإن خير الناس أحسنهم قضاءً". و فی الحديث دليل على أن ردّ الأجود فی القرض أو الدين من السنّة و مكارم الأخلاق، و ليس هو من قرضٍ جر منفعةً". (مرقاة المفاتيح: ۶/۱۱۷، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث، (رقم الحديث: ۲۹۲۵)، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۲۰۲، الباب التاسع عشر فی القرض والاستقراض، رشيديه)

(وكذا فی إعلاء السنن: ۱۴/۵۰۰، كتاب الحوالة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی ردالمحتار: ۵/۱۶۶، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض، سعيد)

اس کے باوجود وہ قرض خواہوں کا قرضہ ادا نہیں کرتے ہیں، بلکہ چھڑوانے کے درپے رہتے ہیں۔ کیا وہ "مطل الغنی ظلم"(۱) کے تحت ظالم نہیں؟

۲.....اس طرح کے اقدامات سے معاملات کے اندر نادہندگی کا ایک بہت غلط راستہ کھل رہا ہے جو پوری مارکیٹ کے لئے مہلک ہے۔ تو کیا ایسے اغنیاء "من سن سنةً سيئةً فله وزرها و وزرمن عمل بها"(۲). کے مصداق نہیں ہیں؟

۳.....ایسے اغنیاء کا جملہ مطالبہ میں کچھ دینا اس شرط پر کہ جملہ مطالبات کی رسیدات بھر پائی لکھ دو(۳)۔ تو ان کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟ اور قرض خواہوں کا محض اغنیاء کے اعزاز میں رسیدات کی بھر پائی، غلط گوئی کے ساتھ صراحۃً جھوٹ ہے یا نہیں؟ اور قرض خواہوں کا جھوٹ لکھنا معصیت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... "مطل الغنی ظلم". الحدیث(٤) اور دوسری روایت میں ہے: "لیُّ الواجد یحل عرضه وعقوبته"(٥)۔ اس لئے قرض خواہ کا قرض جلد سے جلد ادا کرنا لازم ہے، اپنے گزارہ میں تنگی وترشی برداشت

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۱، قديمی)

(۲) (سنن ابن ماجه، باب من سن سنة حسنة أو سيئة، ص: ۱۸، قديمی)

(۳) "بھر پائی: پورے داموں کی رسید"۔ (فيروز اللغات، ص: ۲۳۳، فيروز سنز، لاهور)

(۴) "ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مطل الغنى ظلم فإذا، أتبع أحدكم على ملىٔ فليتبع". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، ص: ۲۵۱، قديمی)

(وصحيح البخاری: ۱/۳۲۳، كتاب فی الاستقراض وأداء الديون، بابٌ: مطل الغنی ظلم، قديمی)

(وجامع الترمذی: ۱/۲۴۰، أبواب البيوع، باب ماجاء فی مطل الغنی ظلم، سعيد)

(۵) "عن الشريد قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لیُّ الواجد يحل عرضه وعقوبته". قال ابن المبارک: "يحل عرضه" يغلظ له عقوبته يحبس له". (مشكوة الـ صابيح، ص. ۲۵۳، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثانی، قديمی)

"عن عمر بن الشريد، عن أبيه رضی الله تعالىٰ عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لیُّ الواجد يحل عرضه وعقوبته". (سنن النسائی: ۱/۲۳۳، مطل الغنی، قديمی) =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

کر کے ادا کرنا چاہئے۔ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ قرض ہوگیا تھا،حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا تمام مال فروخت کردیا تا کہ قرض ادا کردیا جائے،حتی کہ وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خالی رہ گئے،ان کے پاس کچھ بھی نہ رہا(۱)۔

۲.....اگر کوئی شخص صاحبِ وسعت ہوکر بھی قرض ادا نہ کرے اور معاف کرانے کی تدابیر اختیار کرے تو وہ یقیناً نادہندہ ہے۔اور اس کو دیکھ کر جو لوگ اس کی روش اختیار کریں گے،اس کا حصہ بھی ان کی کمائی میں ہوگا، موت کا حال معلوم نہیں کہ کب آجائے۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"صاحب الدين مأسورٌ بدينه يشكو إلى ربه الوحدة يوم القيامة". الحديث (۲)۔

جب ایک شخص اپنی زندگی میں وسعت کے باوجود قرض ادا نہیں کرتا تو ورثہ سے بھی یقین نہیں کہ وہ ادا کردیں گے۔

۳.....بعض اغنیاء کا یہ طریقہ یقیناً ظلم ہے،قرض خواہ اگر اس مجبوری سے یہ رسید لکھ دے کہ ایسی رسید نہ لکھنے کی صورت میں کچھ بھی وصول نہ ہوگا،سب ہی مارا جائے گا تو وہ ایک حد تک معذور ہے(۳)،بلا مجبوری کے لکھنے سے وہ معصیت کذب میں معاقب ہوگا:﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾(٤)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۸/۱۱/۸۹ھ۔

= (وسن ابن ماجة، ص: ۱۷۵، باب الحبس فی الدين والملازمة، قديمی)

(۱) "وروى أن معاذاً يُدان فأتى غرماء ه إلى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فباع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ماله كلّه فى دينه، حتى قام معاذ بغير شئ". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثانى، قديمی)

(۲) (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثانى، قديمی)

(۳) "واعلم أن الكذب قد يباح، وقد يجب. والضابط فيه ..... أن كل مقصود محمود يمكن التوسل إليه بالصدق والكذب جميعاً، فالكذب فيه حرام، وإن أمكن التوصل اليه بالكذب وحُدَه فمباحٌ إن أبيح تحصيل ذلك المقصود، وواجب إن وجب تحصيله". (ردالمحتار: ۴۲۷/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

(۴) (سورة المائدة: ۲)

حقِ واجب ادا نہ کرنا

سوال[۷۹۸۲]: ایک آدمی نے کہا کہ تم کچھ پیسے دے دو، میں دغا نہیں کروں گا، اس پر حلف اٹھایا، قسم کھائی۔ پھر اس نے کہا کہ اچھا اتار دے، اس نے کہا کہ اتار دی۔ تو اس نے کہا کہ اب کچھ نہیں دیتا۔ ایسے آدمی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص کسی کا حقِ واجب ادا کرنے پر قادر ہو کر بھی ادا نہ کرے وہ ظالم اور غاصب ہے، سخت گنہگار ہے(۱)، قسم نہ کھاتا تب بھی ادا کرنا لازم تھا(۲) قسم اتارنے سے بھی وہ بَری نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۸۹ھ۔

قرض لے کر واپس نہ کرنا

سوال[۷۹۸۳]: زید اور بکر کا دوستانہ اور برادرانہ تعلق تھا۔ جب بکر پریشان ہوا تو زید نے ازراہ ہمدردی قرض کے طور پر آٹھ سو پچاس روپے دیا مگر اب بکر نے اس روپیہ کی واپسی سے صاف جواب دے دیا ہے۔ زید اس روپیہ کی جب کہ وہ بکر کے پاس تھا زکوٰۃ بھی ادا کرتا رہا۔

۱.....کیا بکر اور اس کے باپ کی نماز یا عبادت قبول ہوگی یا نہیں؟

۲.....اگر روپیہ ادا کئے بغیر بکر کا انتقال ہوگیا تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

۳.....جو آدمی اس مشورہ میں شریک ہے اس کیا حکم ہے؟

۴.....شرعاً بکر کا بائیکاٹ ہونا چاہئے یا نہیں؟

۵.....زید کو کیا اجر ملے گا، جیسا کہ زید کا ارادہ اس روپیہ سے حج کرنے کا تھا اور یہ روپیہ ضبط کرلیا، تو زید کا حج قبول ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (راجع، ص: ۴۱۴، رقم الحاشیة: ۴)

(۲) "یجب علی المقترض أن یردّ مثل المال الذی اقترضه إن کان المال مثلیاً بالاتفاق". (الفقه الإسلامی وأدلته، المبحث السادس فی أنواع البیوع، الفصل الثانی، القرض: ۵/۳۷۹۳، رشیدیه)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....اگر ضرورت اور مصیبت سے مجبور ہوکر قرض لیا اور ادا کرنے کی نیت بھی تھی تو شرعاً یہ کوئی عیب اور معصیت نہیں ہے(۱)، لیکن پھر قرض کی واپسی سے انکار کردینا درست نہیں، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ اگر اب واپس کرنے کے لئے موجود نہیں تو مہلت لے لی جائے۔ لیکن دوسرے کے روپے بالکل مار لینا سخت گناہ ہے(۲)، اگر باوجود قدرت کے نہیں دے گا تو اس کی عبادت مردود نہیں ہوگی بلکہ مقبول ہوکر قرض خواہ کو۔ ملے گی(۳)۔ ناجائز کام کی اعانت بھی ناجائز ہے(۴)۔

۲.....اس کی تجہیز وتکفین مسنون طریقہ پر کی جائے اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے، بلا نماز جنازہ

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس يُريد أداء ها، أدّى الله عنه، ومن أخذ يريد إتلافها أتلفه الله عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۲، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمی)

"ما من عبد كانت له نية فی وفاء دينه، إلا كان له من الله عون". (فتح البارى: ۵/۷۰، كتاب الاستقراض والديون، باب من أخذ أموال الناس يريد، قديمی)

(۲) "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانی، ص: ۲۵۵، قديمی)

(۳) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شیء": أی أمر آخر كأخذ ماله أو المنع من الانتفاع به أو هو تعميم بعد تخصيص "فليتحلّله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته". (مرقاة المفاتيح: ۸/۸۴۹، كتاب الآداب، باب الظلم، رشيديه)

(۴) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾. (سورة المائدة: ۲)

قال الحافظ ابن الحجرؒ: "إن الدين لا يحل بالدين ..... وأشار إلى بقيته، وهو أنه كان لا يصلی على من عليه الدين، فلما فتحت الفتوح صار يصلی عليه". (فتح البارى، باب الصلوة على من ترك ديناً: ۵/۷۸، قديمی)

دفن نہ کیا جائے (۱)۔

۳.....بُرا مشورہ دینا بُرا ہے (۲)۔

۴.....اگر اس کے پاس روپیہ موجود ہے اور وہ قرض واپس نہیں کرتا بلکہ ہضم کرنا چاہتا ہے اور بائیکاٹ سے توقع ہے کہ وہ قرض واپس کردے گا تو بائیکاٹ مناسب ہے (۳)۔ اگر اس کے پاس روپیہ موجود نہیں وہ تنگدست اور مفلوک الحال ہے تو اس کو مجبور نہ کیا جائے نہ بائیکاٹ کیا جائے۔ اگر قوم اس کی اعانت کر کے قرض ادا کرے گی تو بہت بڑا اجر ملے گا۔ اگر زید معاف کردے گا تو وہ بھی مستحق اجر ہوگا (۴)۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "مامن مؤمن إلا وأنا أولیٰ به فی الدنيا والأخرة، اقرؤوا إن شئتم: ﴿النبی أولیٰ بالمؤمنين من أنفسهم﴾ فأيما مؤمن مات وترک مالاً فلیرثه عصبته من كانوا، ومن ترک ديناً أو ضياعاً فليأتنی، فأنا مولاه". (صحيح البخاری، باب الصلوة علی من ترک ديناً: ۱/۳۲۳، قديمی)

(۲) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، قال النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن المستشار مؤتمن". (جامع الترمذی: ۲/۶۲، أبواب الزهد، باب ماجاء فی معيشة أصحاب النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، سعيد)

(۳) "عن أبی أيوب الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "لايحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال ..... اهـ". قال الملا علی القاری: "قال الخطابی: رخص للمسلم أن يغضب علی أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران فی حق من حقوق الله تعالیٰ، فيجوز فوق ذلک". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهی عنه من التهاجر، الفصل الأول: ۸/۷۵۸، (رقم الحديث: ۵۰۲۷)، رشيديه)

"والهجر فوق ثلاث دائر مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم، وإلا لا ..... أی بأن كان الهجر بموجب لايحرم، هذا هو المراد". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموی: ۱/۹۸، الفن الأول، القاعدة الثانية، الأمور بمقاصدها، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "عن أبی اليسر رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم يقول: "من أنظر معسراً أو وضع عنه، أظله الله فی ظلّه" رواه مسلم". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۱، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمی)

Made searchable using ScribeTools.com

۵.....اگر حج فرض ہوتو وہ ادا کرنے سے ہی ادا ہوتا ہے(۱)، کسی مصیبت زدہ کی امداد سے نہیں ہوتا اگرچہ کسی مصیبت زدہ کی امداد سے بہت بڑا اجر ملتا ہے(۲)، لہٰذا زید یقیناً ثواب کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱/۱۲/۸۵ھ۔

اپنا قرضہ بڑوں اور دوستوں سے مانگنا

سوال[۷۹۸۴]: زید کا قرض کسی ایسے شخص کے ذمہ ہے جس سے وہ اپنا قرض مانگ نہیں سکتا، اس کی عظمت مانع ہے، یا زیادتی تعلق مانع ہے۔ عظمت مانع ہونے کی یہ صورت ہے کہ زید کا قرض کسی اپنے استاد یا پیر یا کسی بڑے کے ذمہ ہے۔ زیادتیٔ تعلق کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص زید کا دوست ہے، اس سے قرض مانگتے ہوئے شرم آتی ہے، لہٰذا زید ان سے مطالبہ تو نہیں کرسکتا۔ اب اگر زید اپنے قرض کے بقدر بلا اجازت چپکے سے اپنے مقروض کے مال میں سے لے لے تو یہ جائز ہے یا نہیں، یا یہ کہ مطالبہ کرے اور پھر وہ مقروض اگر انکار کرے تو زید اپنے قرض کے بقدر لے سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وللہ علی الناس حج البیت من استطاع إلیه سبیلا﴾ (سورة آل عمران: ۹۷)

"واختلف فی سقوطه ..... إن کان الغالب فیه السلامة من موضع ضدت العادة برکوبه : جب وإلا فلا، وهو الأصح". (ردالمحتار، کتاب الحج، مطلب فی قولهم یقدم حق العبد علی حق الشرع: ۴۶۳/۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج: ۵۵۱/۲، رشیدیه)

(۲) "عن سلیمان بن عامر قال: قال رسول اللہ صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم : "إلصدقة علی المسکین صدقة، وهی علی ذی الرحم ثنتان صدقة". (مشکوة المصابیح، کتاب الزکوة، باب أفضل الصدقة، الفصل الثانی، ص: ۱۷۱، قدیمی)

"عنه أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم . "أفضل الصدقة أن تشبع کبدًا جائعاً". (مشکوة المصابیح، الفصل الثالث، ص: ۱۷۲، قدیمی)

Made Searchable by ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

پہلے مطالبہ کرے، اگر مقروض دینے سے انکار کردے تو پھر دوسرے طریقہ سے وصول کرے(۱)۔ معاملات میں عظمت اور دوستی مانع نہیں ہونی چاہئے، ورنہ تو پھر قرض معاف کرکے ان کو بری الذمہ کردے، اس میں عظمت کی بھی رعایت ہے اور دوستی کی بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۳ھ۔

ناجائز مال سے قرض وصول کرنا

سوال[۷۹۸۵]: کسی مسلمان قرض خواہ کو کسی قرضدار سے اپنا قرضہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں، خواہ وہ قرضدار مسلمان ہو یا غریب؟ جب کہ اس کو معلوم ہو کہ یہ مال ناجائز طریقہ سے کمایا ہے، یا نامعلوم ہو، ان دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟ فقط۔

عبدالرزاق جالندھری، مقیم جحرہ نالہ۔

الجواب حامداًومصلیاً:

نامعلوم ہونے کی صورت میں اپنا قرض وصول کرنا درست ہے، اگر اس کا حرام ہونا معلوم ہو تو اس کا لینا غیرمسلم سے درست ہے اور مسلم سے مکروہ ہے:

---

(۱) "رجل له على رجل دراهم فظفر بدراهم مديونه، كان له أن يأخذ دراهم المديون إذا لم تكن دراهم المديون أجود أو لم تكن مؤجلةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۰۳/۳، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر في القرض والاستقراض، رشيديه)

"وجد دنانير مديونه و له عليه درهم، له أن يأخذه، لاتحادهما جنساً في الثمنية. قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدوري للأخصب: إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقرق. والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أيّ مال كان، لا سيما في ديارنا لمداومتهم العقوق". (ردالمحتار: ۱۵۱/۶، كتاب الحجر، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۸۶/۴، كتاب الحجر، دار المعرفة، بيروت)

Made searchable using ScribeTools.com

"ولو كان لمسلم على نصرانى دينٌ، فباع النصرانى خمراً و أخذ بثمنها و قضاه المسلم من دينه، جاز له أخذه؛ لأن بيعه له مباح. ولو كان الدين لمسلم على مسلم فباع المسلم خمراً وأخذ ثمنها وقضاه صاحب الدين، كره له أن يقبض ذلك من دينه، كذا فى السراج الوهاج".

فتاویٰ عالم گیری: ۴/۲۴۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

مال حرام سے قرض ادا کرنا

سوال[۷۹۸۶]: زید شراب کی تجارت اور اس کا کاروبار کرتا ہے، جو کچھ روپیہ پیسہ ساز وسامان اس کے پاس ہے سب کچھ اسی تجارت کی آمدنی سے ہے۔ اب بتوفیقِ الٰہی اپنے اس فعل سے تائب ہو کر اس سے الگ ہونا چاہتا ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ گزران کی صورت کیا ہوگی۔ لہٰذا معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اگر کسی سے بلاسودی قرض لے کر کوئی دوسرا کاروبار کرے جس سے اس کے بال بچوں کا گزران ہو اور قرض کو اس شراب کی

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۶۷، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون فى القرضْ والدين، رشيديه)

"وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه، بخلاف دين على المسلم لبطلانه".

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

"إذا كان لشخص مسلم دينٌ على مسلم، فباع الذى عليه الدين خمراً وأخذ ثمنها و قضى الدين، لا يحل للمدين أن يأخذ ذلك بدينه. وإن كان البائع كافراً، جاز له أن يأخذ". (البحرالرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، رشيديه)

"ولو باع مسلم خمراً و أوفىٰ دينه من ثمنها، كره لرب الدين أخذه. وإن كان المديون ذمياً، لا يكره". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴/۲۱۴، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/۲۱۴، كتاب الكراهية، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۷/۶۰، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الهداية: ۴/۴۶۸، كتاب الكراهية، إمداديه ملتان)

تجارت کے روپے سے ادا کرے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ جیسا کہ فتاویٰ عبدالحیٔ میں اس مسئلہ میں استقراض کی شکل کو جائز لکھا ہے(۱) لیکن اس صورت میں یہ اشکال ہے کہ قرض اس مال سے ادا بھی ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ وہ مال تو مالِ غصب کے حکم میں ہے جیسا کہ امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ:

''اصحابِ مال معلوم ہوں تو ان کو لوٹا دیا جائے ورنہ خیرات کر دیا جائے، لیکن نیت ثواب کی نہ رکھی جائے اور اصحاب مال کی طرف سے خیرات کی نیت کی جائے، کیونکہ اس مال کا مالک یہ نہیں ہے''(۲)۔

ایسی صورت میں استقراض کی صورت کیونکر ممکن ہوگی، مال غیر سے قرض کیونکر ادا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) **سوال**: ''اگر کسی نے سودی روپیہ قرض لیا تھا اور سود اصل کے بقدر دے چکا ہے تو اب بری الذمہ ہوا یا نہیں؟

جواب: ''دارالاسلام میں سود لینا حرام ہے، جو رقم سود میں دی ہے وہ اصل میں محسوب ہوگی''۔(مجموعة الفتاویٰ، کتاب الربوا، باب القرض والرشوة، عنوان: سود میں دی ہوئی رقم اصل میں محسوب ہوگی: ۲/۱۵۳، سعید)

(۲) ''ہر چند کہ غصب وظلم کا مال اپنے مال میں یا دوسرے مغصوب مال میں ملا دینے سے ملک غاصب میں داخل ہو جاتا ہے، مگر وہ ملک خبیث ہوگی، نہ اس کو خود اس کا صرف کرنا جائز ہے، نہ دوسروں کو اس کا قبول کرنا جائز ہے، جب تک کہ غاصب اس کا ضمان ادا نہ کرے، پس صورتِ مسئولہ میں زید کی آمدنی جائز نہ ہوگی، نہ ایسی ریاست کی نوکری جائز ہوگی:

''والروايات هذه: ''أما التملك بالخلط بمال نفسه أو غيره، فلما فى الدرالمختار: ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه، فتجب الزكوة فيه، ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يكن تمييزه عند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وقوله أرفق؛ إذ قلما يخلو مال عن غصب . وفيه: أما إذا أخذ من إنسان مأة ومن آخر مأة وخلطهما، ثم تصدق، لايكفر؛ لأنه ليس بحرام لعينه بالقطع، لاستهلاك بالخلط . قلت: وأفاد أيضاً! كون هذا المخلوط حراماً خبيثاً، ولو حراماً لالعينه . وأما حرمة الانتفاع به، فلما فيه أيضاً : فإن غصب وغير المغصوب، فزال اسمه وأعظم منافعه، أو اختلط المغصوب بملك الغاصب بحيث يمنع امتيازه، أو يمكن بحرج، ضمنه، وملكه بلاحل الانتفاع قبل أداء ضمانه: أى رضاء مالكه بأداء أو إبراء، أو تضمين قاض، والقياس حله، وهو راويته، فلو غصب طعاماً، فمضغه حق، صار مستهلكاً يبتلعه حلالاً، فى رواية حراماً على المعتمد جمعاً لمادة الفساد، وأما =

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر مالِ حرام کو متعین کر کے اس کے بدلہ میں حلال مال خریدا ہے اور پھر وہی حرام مال متعینہ قیمت میں ادا کر دیا ہے تب تو اس کی آمدنی ناجائز ہے، اس کو غرباء ومساکین پر صرف کر دیا جائے، کسی اَور کارِ خیر میں لگانا یا اپنے کام میں خرچ کرنا شرعاً درست نہیں۔ اگر بغیر تعین مالِ حرام (سے) کوئی مالِ حلال خریدا اور پھر وہ مالِ حلال قیمت میں ادا کر دیا، یا متعین تو کیا مال حرام کو مگر ادا کیا مالِ حلال، یا متعین تو کیا مال حلال مگر ادا کیا مالِ حرام تو ان تینوں صورتوں میں کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آمدنی اس کی حلال ہوگی (صرف اصلی مال حرام کی ضمان لازم ہوگی)۔

ذخیرہ، قہستانی، غرر، مختصر وقایہ، اصلاح وغیرہ میں اس پر فتویٰ بھی نقل کیا گیا ہے۔ ہدایہ(۱) مبسوط(۲)

= حرمة قبول الغير له فلما فيه أيضاً، وجاز رزق القاضي من بيت المال لوبيت المال حلالاً، وإلا لم يحل، قلت: والفرع بعد تمهيد الأموال ظاهر حكمه". والله أعلم". (إمداد الفتاوىٰ، كتاب الغصب، عنوان: "حکم تنخواہ از ریاست کہ بمال مغصوب دادہ شود: ۳/۴۴۴، ۴۴۵، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۱) "فقوله في الكتاب: "اشترى بها" إشارة إلى أن التصدق إنما يجب إذا اشترى بها و نقد منها الثمن، أما إذا أشار إليها و نقد من غيرها، أو نقد منها وأشار إلى غيرها، أو أطلق إطلاقاً و نقد منها يطيب له، و هكذا قال الكرخي؛ لأن الإشارة إذا كانت لا تفيد التعيين، لا بد أن يتأكد بالنقد ليتحقق الخبث. وقال مشايخنا: لا يطيب له قبل أن يضمن، وكذا بعد الضمان بكل حال، وهو المختار؛ لإطلاق الجواب في الجامعين". (الهداية: ۳/۳۷۶، كتاب الغصب، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وهذا إذا كانت الوديعة شيئاً يباع، فإن كانت دراهم فالدراهم يشترى بها، ثم ينظر إن اشترى بها بعينها و نقدها لا يطيب له الفضل أيضاً. وإن اشترى بها و نقد غيرها، أو اشترى بدراهم مطلقة، ثم نقدها، يطيب له الربح هنا ..... و في النوادر: لو اشترى ديناراً بعشرة دراهم و نقد الدراهم المغصوبة، لم يحل له أن ينتفع بالدينار مالم يؤد الضمان؛ لأن صاحب الدراهم إذا استحق دراهمه، فسد العقد، ووجب عليه ردّ الدينار". (المبسوط للسرخسي: ۱۱/۱۲۰، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

"قال الكرخي: إنه على أربعة أوجه: أما إن أشار و نقد منه، أو أشار إليه و نقد من غيره، أو أشار إلى غيره و نقد منه، أو أطلق إطلاقاً و نقد منه، وفي كل ذلك يطيب له، إلا في الوجه الأول: وهو ما إذا أشار إليه و نقد منه؛ لأن الإشارة إليه لا تفيد التعيين، فيستوى وجودها و عدمها، إلا إذا تأكدت بالنقد =

وغیرہ میں بہرصورت اس آمدنی کو ناجائز قرار دیا ہے۔

مقروض کا نفلی چندہ دینا

سوال[۷۹۸۷]: ایک شخص پانچ سو روپیہ سے تجارت کررہا ہے اور چھ سو روپیہ کا مقروض ہے۔ کیا اس قرضہ کی صورت میں کسی مدرسہ یا مسجد وغیرہ کی کچھ امداد کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں، یا مقدم قرض کی ادائیگی ہے؟ اور امداد کی صورت میں ثواب کا مستحق ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ چندہ نفل کے درجہ میں ہے اور قرض ادا کرنا فرض ہے، اگر فرض ذمہ میں باقی رہتے ہوئے کوئی شخص نفل پڑھتا ہے تو اس کو ثواب بھی ملتا ہے اور قرض کی تاخیر پر باز پرس بھی ہے، لہذا یہ کہنا کہ ثواب نہیں ملے گا صحیح نہیں۔ البتہ قرض کی ادائیگی کا اہتمام چاہئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= منهما. و قال مشايخنا: لا يطيب له بكل حال، و هو المختار، وإطلاق الجواب فى الجامعين يدل على ذلك ..... واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخى فى زماننا، لكثرة الحرام، الخ". (البحرالرائق: ۲۰۷/۸، كتاب الغصب، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۳۲۲/۶، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۸۳/۴، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۲۳۵/۵، باب المتفرقات، سعيد)

(۱) "و يجوز تأخير الفوائت وإن وجبت على الفور، لعذر السعى على العيال، وفى الحوائج على الأصح". (الدرالمختار). "(قوله: وفى الحوائج) أعم ما قبله: أى ما يحتاجه لنفسه من جلب نفع و دفع ضرر. وأما النفل، فقال فى المضمرات: الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهمّ من النوافل إلا سنن المفروضة، وصلوة الضحى، وصلوة التسبيح والصلوة التى رويت فيها الأخبار: أى كتحية المسجد، والأربع قبل العصر والست بعد المغرب". (ردالمحتار: ۷۴/۲، باب قضاء الفوائت، سعيد)

Made Searchable using ScribeTools.com

مقروض کے تین حالات

سوال[۷۹۸۸]: زید نے تین شخصوں کا بیان کیا، جو قرض دار مرجاتے ہیں، ان کا قرض اللہ کے ذمہ ہے:

۱- کسی شخص کے کفن کے لئے کسی شخص سے دینے کی نیت سے قرض لیا اور وہ بوجۂ غربت یا اتفاق سے مرجانے کی وجہ سے ادا نہ کرسکا۔

۲- کسی شخص کو شادی کی خواہش ہے، اگر شادی نہیں کرتا تو زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، چونکہ وہ مفلوک الحال ہے اس لئے قرض لیا اور دے نہ سکا۔

۳- کوئی شخص جہاد میں کمزور و بیمار ہوکر واپس آیا اور اس نے کسی سے قرض لیا اس خیال سے کہ خوب تندرست وطاقت ور ہوکر جہاد میں جاکر دشمنوں سے لڑوں گا یعنی کفار ومشرکین سے اور اتفاق سے وطن ہی میں یا جہاد میں جاکر شہید ہوجائے یا انتقال کرجائے۔

کیا ان تینوں اشخاص کا قرضہ جو اس طرح مرجاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، یا حق العباد میں سے ہے اور ان قرضوں کی بابت باز پرس ہوگی، یا بالکل نہیں، کہاں تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے اس مسئلہ میں بڑی تنگی کردی، فتاویٰ عالمگیری میں تو یہ قید نہیں بلکہ اس میں تو مطلقاً لکھا ہے کہ:

''جو شخص کسی ضرورت و پریشانی سے مجبور ہوکر قرض لے اور نیت یہ ہو کہ اس کو ادا کردوں گا، پھر باوجود کوشش کے ادا کرنے کی قدرت و وسعت نہ ہوئی اور اسی حال میں انتقال ہوگیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے آخرت میں مواخذہ نہ فرمائیں گے''(۱)۔

ایسا ہی مضمون اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو کہ مشکوۃ، ص: ۳۵۲، باب الإفلاس

---

(۱) "رجل مات و عليه قرض، ذكر الناطفي: نرجو أن لا يكون مواخذاً في دار الآخرة إذا كان في نيته قضاء الدين". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۶۶/۵، كتاب الكراهية، الباب السابع والعشرون في القرض والدين، رشيديه)

والإنظار، فصل أول میں بحوالہ بخاری منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس یرید أدائها، أدّی اللّٰه عنه، ومن أخذ یرید إتلافها، أتلفه اللّٰه علیه". رواه البخاری"(۱)۔

اور اس مسئلہ کو تصریح کے ساتھ فتح الباری:۵/۴۲، میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (مشکوة المصابیح، ص: ۲۵۲، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قدیمی)

(وصحیح البخاری: ۱/۳۳۱، باب فی الاستقراض أداء الدین، قدیمی).

(۲) "ولابن ماجة وابن حبان من حدیث میمونة: "ما من مسلم یُدان دیناً یعلم اللّٰه أنه یرید أداء ه، إلا أدّاه اللّٰه عنه فی الدنیا .....اهـ". (فتح الباری، کتاب الاستقراض، وأداء الدیون، باب من أخذ أموال الناس یرید أداء ها أو إتلافها: ۵/۶۹، قدیمی)

"عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قال: "من أخذ أموال الناس یرید أداء ها": أی من استقرض احتیاجاً، وهو یقصد أداء ه ویجتهد فیه "أدی اللّٰه عنه": أی أعانه علی أدائه فی الدنیا أو أرضیٰ خصمه فی العقبیٰ". (مرقاة المفاتیح، کتاب البیوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۶/۱۲۲، رشیدیه)

(وکذا فی فیض القدیر: ۱۱/۵۶۰۵، (رقم الحدیث: ۸۳۵۱)، مکتبة نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

البتہ زید کے ذکر کردہ تین شخصوں کا ذکر بھی حدیث میں آیا ہے:

"عن عبداللّٰه بن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: "إن الدین یقتص من صاحبه یوم القیامة إذا مات إلا من تدین فی ثلاث خلال: الرجل تضعف قوته فی سبیل اللّٰه، فیستدین یتقوی به لعدو اللّٰه وعدوه. ورجل یموت عنده مسلمٌ لایجد مایکفنه ویواریه إلا بدین. ورجل خاف اللّٰه علی نفسه العزبة، فینکح خشیة علی دینه، فإن اللّٰه یقضی عن هولاء یوم القیامة". (سنن ابن ماحة، ص: ۱۷۵، بابٌ: ثلاث مَن ادّان فیهن، قضی اللّٰه عنه، قدیمی)

Made searchable using ScribeTools.com

دینِ قرض کا مطالبہ

سوال[۷۹۸۹]: ایک عورت نے اپنے بھتیجا کو کچھ رقم بابت ادھار دی، لیکن اس عورت کے لڑکے اور اس عورت کے بھتیجے مشترک کاروبار میں شامل تھے، اس کاروبار میں جو مَنافع یا مزدوری ہوئی، اس عورت کے لڑکے نے حساب پورا نہیں دیا۔ جب حساب چیک ہوا تو اس عورت نے جو رقم اپنے بھتیجا کو دی تھی اس سے زیادہ حساب اس آمدنی میں سے ان کی طرف نکلا، انہوں نے ادا نہیں کیا، اس عورت کے لڑکے نے ادا نہیں کیا اور وہ عورت اپنی رقم اپنے بھتیجے سے طلب کرتی ہے جب کہ اس کے نوٹس میں یہ بات ہے کہ میرے بیٹے کی طرف میرے بھتیجا کی رقم واجب ہے، پھر بھی اس عورت کا بھتیجے پر تقاضہ بدستور باقی ہے۔ لہذا اس مسئلہ کی پوری وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت نے اگر اپنی مملوکہ رقم اپنے بھتیجے کو ادھار دی تھی تو وہ اس کی واپسی کا مطالبہ کرسکتی ہے اور بھتیجا کے ذمہ اس کا واپس کرنا لازم ہے(۱)۔ جو کاروبار مشترک ہے یا جو حساب اس عورت کے لڑکے سے متعلق ہے، اس میں وہ ادھار کی رقم محسوب کرنے کا حق نہیں ہے جب تک وہ عورت اور اس کا لڑکا رضامند نہ ہوں اور شرکاء اجازت نہ دیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رجلاً تقاضی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وأغلظ له، فهمّ أصحابه فقال: "دعوه، فإن لصاحب الحق مقالاً، واشتروا له بعيراً، فأعطوه إياه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۱، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول، قديمی)

"عن ابن عمر و عائشة رضی الله تعالیٰ عنهم: أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من طلب حقاً فليطلبه فی عفاف واف أو غير واف". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۷۴، باب حسن المطالبة، قديمی)

(۲) "لا يجوز لأحد أن يتصرف فی ملک غيره بلا إذنه أو وكالة منه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف فی المال الغير بدون إذن منه: ۶/۲۰۰، سعيد)

قرض خوشدلی سے معاف کرنے کی علامت

سوال[۷۹۹۰]: اگرکوئی شخص سرکاری نوکری کرتا ہے،اس کے یہاں ٹھیکہ وغیرہ کا کام چلتا ہے، اس کا ٹھیکہ دار ہوتا ہے،اس سے وہ ملازم کوئی پیسہ قرض کی شکل میں لے لے اور بعد میں ادا نہ کر سکے اور وہ ٹھیکہ دار معاف کردے کہ کوئی بات نہیں تو اس پر مواخذہ تو نہیں ہوگا؟ ٹھیکہ دار کے معاف کرنے کے بارے میں اس کی قلبی کیفیت کا پتہ کیسے چلے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس کا روپیہ ہو وہ معاف کرسکتا ہے(۱)،اگر یہ اطمینان نہ ہو تو اس کا امتحان اس طرح کرلیا جائے کہ مقدار قرض روپیہ کسی سے لے کر قرض خواہ کو دیدیا جائے، وہ پھر لے کر دیدے کہ میں نے یہ آپ کو ہی دیا تو معلوم ہوجائے گا کہ اس نے خوش دلی سے معاف کیا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

جو شخص اپنا قرض قبول نہ کرے اس کی ترکیب

سوال[۷۹۹۱]: ہمارے والد صاحب نے پنڈت کو جب کہ چک بندی ہورہی تھی سو روپیہ دیا،اس غرض سے کہ وہ اے سی او کو یہ روپیہ دے کر میرا چک اچھی جگہ کرادے۔میں نے جب اے سی او سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں آپ کا چک بلا رشوت لئے ہی اچھی جگہ پر دے دوں گا تو میں جا کر پنڈت سے روپیہ لے آیا۔اس کے بعد پھر پنڈت آیا اور کہا اے سی او صاحب روپیہ مانگ رہے ہیں تو ہم نے اسے ۵۵/ روپے دے دیئے اور اس کا ذکر اے سی او صاحب سے کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے روپے نہیں ملے اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں،آپ روپے اس سے لے لیجئے۔

نیز ہمارے ذمہ اس کا سو روپے پہلے ہی سے تھا اور اسی درمیان میں ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا،اس کے بعد ہم نے ۵۵/ روپے کاٹ کر اس کا بقیہ ۴۵/ روپے دینے گئے تو اس نے کہا کہ مجھے پورے سو

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء، لكن إذا تعلق به حق الغير يمنع المالك من تصرفه بوجه الاستقلال". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

روپے ملنے چاہئیں، میں نے آپ کا روپیہ اے سی او کو دیدیا تھا۔ اور اے سی او اس سے انکار کرتا ہے اور پنڈت کہہ رہا ہے کہ مجھے سو روپیہ دو، اور اگر پورے سو نہیں دیتے ہو تو بقیہ روپے بھی لے جاؤ، میں نہیں لوں گا۔ اب ہم لوگ کیا کریں، پورے روپے دیں یا اپنا روپیہ کاٹ کر؟ اور بقیہ روپے لینے پر وہ راضی نہیں، تو بقیہ روپے دینے کے لئے کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۵۵/ روپے کاٹ کر بقیہ ۴۵/ روپے لفافہ میں رکھ کر اس کے سامنے رکھ دیں کہ اس کو دیکھ لو اور پڑھ لو، اور ایک پرچہ بھی اس میں رکھ دیں کہ تمہارے سو روپیہ ہماری طرف تھے، ۵۵/ روپے پہلے دے دیئے تھے اور بقیہ ۴۵/ روپے یہ ہیں فقط، جب وہ لفافہ اٹھائے گا تو اس کا قبضہ ہو جائے گا اور آپ بری ہو جائیں گے (۱)۔ اگر فتنہ اور فساد کا خطرہ ہو تو مصیبت ٹلانے کے لئے پورے سو ہی دے دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۳ھ۔

---

(۱) "تسليم المبيع يحصل بالتخلية، وهي أن يأذن البائع المشترى بقبض المبيع، ولا مانع يمنعه من تسليمه: أي يشترط في التخلية أن تكون على وجهٍ يتمكن المشترى فيه من القبض بلا مانع ولا حائل بأن يكون المبيع مفرزاً غير مشغول". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص:۱۳۷، (رقم المادة: ۲۶۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وحاصله أن التخلية قبضٌ حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة، لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ..... فكونه بحيث لو مدّ يده تصل إليه قبضٌ". (رد المحتار: ۵۶۲/۴، مطلب في شروط التخلية، سعيد)

"والتمكن من القبض كالقبض، فلو وهب لرجل ثياباً في صندوق مقفل و دفع إليه الصندوق، لم يكن قبضاً، وإن مفتوحاً كان قبضاً لتمكنه منه". (الدرالمختار مع رد الحتار: ۶۹۰/۵، كتاب الهبة، سعيد)

"ويبرأ بردها (أي رد عين المغصوب) ولو بغير الملك. وفي البرازية: غصب دراهم إنسان من كيسه، ثم ردها فيه بلا علمه، و كذا لو سلمه إليه بجهة أخرى كهبة". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب في ردالمغصوب وفيما لو أبى المالك قبوله: ۱۸۲/۶، سعيد)

Made Searchable by ScribeTools.com

کارخانہ کے مقروض ملازمین پر دباؤ ڈال کر روپیہ لینا

سوال[۷۹۹۲]: کارخانہ میں کچھ کاریگر ملازم ہیں جن کے ذمہ ہزار روپیہ قرضہ بھی ہے، اس کے باوجود ہر ہفتہ پیشگی کے طالب رہتے ہیں، اس صورت میں کارخانہ کا مالک دباؤ ڈالنے کے لئے ۵،۵/ روپیہ مٹھائی کے لئے خرچ کرالیتا ہے، پھر پیشگی دیتا ہے۔ یہ دینا کیسا ہے؟ اور مالک کا خرچ کرانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دباؤ ڈال کر خرچ کروانا درست نہیں (۱)۔ ہاں! اپنے قرض میں محسوب کرلے تو درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی غیر مسلم کا قرض ہو، جولا پتہ ہو

سوال[۷۹۹۳]: کسی غیر مسلم کا میرے ذمہ روپیہ واجب الاداء ہے اب اس کا پتہ نشان نہیں نہ اس کے خاندان کا پتہ ہے میں روپیہ ادا کرکے بارقرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی غریب کو بنیتِ گلوخلاصی صدقہ کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة البقرة: ۱۸۸)

قال العلامة البغوىؒ: ﴿بالباطل﴾ بالحرام يعنى بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها". (معالم التنزيل: ۲/۵۰، قديمى)

قال الإمام القرطبىؒ: "من أخذ مال غيره لاعلى وجه أذِنَ الشرع، فقد أكله بالباطل". (الجامع لأحكام القرآن: ۲/۲۲۳، دارإحياء التراث العربى بيروت)

"عن أبى حرة الرقاشى عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، ص:۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى، قديمى)

Made searchable using ScribeTools.com

مالِ کافر کی ادائیگی

سوال[۷۹۹۴]: اگر کسی مسلمان کے ذمہ کسی کافر کا قرض ہو اور اس کی ادائیگی ناممکن ہوگئی ہو تو اس سے بری الذمہ ہونے کے لئے کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مع کتب وصفحہ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

معاف کرالے اگر ادا کرنے کو نہ ہو، ورنہ مواخذہ ہوگا:

"وفی فتاویٰ قاضی خان: رجل له حق على خصم فمات ولاوارث له، تصدق عن صاحب الحق بقدر ماله عليه، ليكون وديعةً عند الله تعالى يوصله إلى خصمائه يوم القيامة. وإذاغصب مسلم من ذمى مالاً أوسرق منه، فإنه يعاقب به يوم القيامة؛ لأن الذمى لايرجى عنه العفو، فكانت خصومة الذمى أشد". شرح فقه أكبر، ص: ١٩٤(١)۔

"ولا وجه لإعطائه ثواب طاعة المسلم؛ لأنه ليس من أهل الثواب، ولا لوضع وبال الكفر على المسلم، فتبقى خصومته، أفاده أبوالسعود. وقد يقال: لامانع من وضع وبال غير الكفر من السيئات على المسلم، فيعذب بها عنه. روى: "من ظلم ذمياً كنت حجيجه يوم القيامة". وحمله بعض العارفين على معنى أن النبى صلى الله عليه وسلم يحاجج عن المسلم؛ لأن الذمى يقول: لا أرضى بخصومتى إلا أن يكون خصمه معه فى حمل استقراره". طحطاوى على الدر المختار، باب الاستيلاد(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود دگنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا، صحیح، عبداللطیف۔

---

(۱) (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى الحنفى رحمه الله تعالىٰ، التوبة وشرائطها، ص: ۱۵۸، قديمى)

(۲) (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب العتق، باب الاستيلاد: ۳۱۹/۲، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا فى رد المحتار على الدرالمختار، كتاب العتق، باب الاستيلاد: ۴۵۴/۳، سعيد)

ہمشیرہ پر جائیداد میں حصہ دیتے وقت قرض کا کچھ حصہ ڈالنا

سوال[۷۹۹۵]: والدین کے انتقال کے بعد ہم دونوں بھائیوں نے ساری جائیداد کو نصف نصف تقسیم کرلیا ہے، ہم دونوں بھائیوں کی صرف ایک بہن ہے۔ تقسیمِ جائیداد کے وقت ہمشیرہ کو جائیداد سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ بڑے بھائی ہمشیرہ کو حصہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اب احقر نے موجودہ نصف حصہ میں سے ہمشیرہ صاحبہ کو پانچواں حصہ دینے کا پختہ عزم کرلیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جائیداد کی تقسیم کے وقت تقریباً پندرہ سو روپے احقر کے ذمہ بڑے بھائی صاحب نے قرض ڈالے ہیں۔

احقر نے بڑے بھائی سے دریافت کیا کہ یہ قرض کیسے ہوا، مجھ کو اس سے کیا تعلق ہے؟ تو بھائی صاحب نے جواب دیا کہ تقریباً تین سال پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے میں نے قرض لے کر کے کھایا اور زمین کی دیکھ بھال کی، اس لئے آپ کے ذمہ قرض ڈال رہا ہوں، جس کو احقر نے مجبوراً قبول کرلیا۔ اس طرح کا قرض احقر اپنی ہمشیرہ صاحبہ کے ذمہ بھی کچھ ڈال سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ احقر ہمشیرہ کو پانچواں حصہ دے رہا ہے۔ اگر قرض ڈالنا ہے تو کس طرح ڈالا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو اس صورت میں ہمشیرہ پر یہ قرض ڈالنے کا حق نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۶/ ۹۲ھ۔

دھان کا قرض

سوال[۷۹۹۶]: دھان کے بدلے دھان لینا یا دینا بطورِ قرض کیسا ہے؟

سید عبدالستار۔

---

(۱) "لا رجوع فيما تبرع عن الغير". (قواعد الفقه، ص: ۱۰۶، (رقم القاعدة: ۲۵۱)، الصدف، پبلشرز)

"عمّر دارَ زوجتِه بماله بإذنها، فالعمارة لها، والنفقة دينٌ عليها. ولو عمّر لنفسه بلا إذنها، فالعمارة له، ولها بلا إذنها، فالعمارة لها، هو متطوع في البناء، فلا رجوع له". (الدرالمختار مع تنوير الأبصار وشرحه مع ردالمحتار: ۶/ ۷۴۷، كتاب الخنثى، مسائل شتى، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر دھان بطورِ قرض لئے پھر اسی قدر دھان واپس کردیئے، کمی زیادتی نہیں کی تو یہ شرعاً درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود۔

آٹے کا ادھار

سوال[۷۹۹۷]: عموماً چکی پر جب بھی کرنٹ نہیں ہوتا، بالکل بند ہوتی ہے، لوگ ادھار سیر دوسیر آٹا لے جاتے ہیں اور اپنا غلہ رکھ جاتے ہیں، جب ان کا غلہ پس جاتا ہے تو وہ دوسرا آٹا منہا کرلیا جاتا ہے اور کردہ وپسائی لے لی جاتی ہے۔آیا یہ صورت درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح قرض میں آٹا منہا کرنا درست ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "الديون تُقضى بأمثالها". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى: ۲/ ۳۴۹، الفن الثانى، كتاب المداينات، إدارة القرآن كراچى)

"الديون تقضى بأمثالها". (ردالمحتار، كتاب الأيمان: ۳/ ۳۸۹، سعيد)

"والذى يتحقق من النظر فى دلائل القرآن والسنة و مشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة فى القرض هى المثلة فى المقدار، والكمية دون المثلية فى القيمة والمالية". (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، ص: ۱۷۴، مكتبه دار العلوم كراچى)

" هو [أى القرض] عقد يَرِد على دفع مثلى ليردّ مثله". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۵/ ۱۶۱، سعيد)

وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته: ۵/ ۳۷۹۳، رشيديه كوئٹه)

(۲) "القرض عقد مخصوصَ يَردِ على دفع مال مثلى لآخر ليردّ مثله، وصح القرض فى مثلىّ لافى غيره". (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۵/ ۱۶۱، سعيد)

"عن أبى يوسف رحمه الله أنه قال: لاضرورة ولاخير فى قرض الحنطة والدقيق بالوزن. وذكر فى الأصل: إذا استقرض الدقيق وزناً لايرده، ولكن يصطلحان على القيمة. وعن أبى يوسف فى راوية:=

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۵۸ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= يجوز استقراضه وزناً إذا تعارف الناس ذلک، وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع عشر فى القرض والاستقراض: ۳/۲۰۱، رشيديه)

"فيصح استقراض الدراهم الدنانير، وكذا كل مايكال أو يوزن أو يعد متقارباً، فصح استقراض جَوز وبيض". (الدرالمختار، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض: ۴/۱۶۲، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل فى الشروط: ۱۰/۵۹۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۹۲، حقانيه پشاور)

(وكذا فى المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۸/۲۴۳، كتاب البيع، الفصل الثالث والعشرون فى القروض، غفاريه كوئٹه)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

باب القمار

(جوئے کا بیان)

مقررہ رقم جمع کرنے پر قرعہ اندازی

سوال[۷۹۹۸]: ایک طریقۂ تجارت باقاعدہ اسکیم کے تحت تقریباً پوری دنیا میں چل رہا ہے، ہمارا ہندوستان بھی اس میں ملوث ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ: کوئی تاجر یا کوئی کمپنی یا کوئی پارٹی ممبر سازی کرتی ہے، مثلاً: کوئی سائیکل اسکیم چلاتی ہے، اس سائیکل کی اصل قیمت ۵۰۰/ روپے ہے، اس صورت میں ۵۰/ روپے ماہانہ کے بیس ممبر بنائے جاتے ہیں اور ایک ماہ میں ایک مرتبہ قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔ اس قرعہ میں جس ممبر کا نام نکل جاتا ہے اس کو صرف ۵۰/ روپے میں سائیکل مل جاتی ہے، اس طرح ہر ماہ قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو سائیکل ملتی رہے گی۔ یہ صورت ہر مہینہ چلے گی اور دسویں مہینہ میں جتنے باقی رہیں گے سب کو سائیکل دیدی جائے گی۔

اس میں اسکیم چلانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو پہلے ماہ میں ایک ہزار روپے ملیں گے جس میں وہ پانچ سو روپے کی چیز دے گا اور مابقی رقم اپنی تجارت میں لگائے گا، اسی طرح نو ماہ تک کچھ نہ کچھ رقم بچتی رہے گی اور پانچ سو روپے کی چیز جاتی رہے گی۔ دسویں ماہ مابقی ممبروں کو وہ چیز پوری پوری دیدی جائے گی، البتہ پہلے اور دوسرے تیسرے اور دیگر قرعہ اندازی کے اندر نکلنے والے ناموں کو یہ چیز کم قیمت میں ملتی ہے، یہ معاملہ فریقین کی رضامندی سے طے ہوتا ہے۔ آیا یہ اسکیم سود و قمار میں داخل ہے یا نہیں؟ سود اور قمار اگر ہے تو کیسے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ شرعاً درست نہیں، وقتِ عقد ثمن، مبیع متعین ہونا چاہئے، وہ یہاں متعین نہیں بلکہ مجہول ہے، کمی زیادتی ظاہر ہے، جتنی رقم دی ہے اس پر زیادتی کون سے عقد کی بنا پر ہے۔ اس کو قمار بھی کہا جاسکتا ہے

اور ربا بھی (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

لاٹری کا حکم

سوال[۷۹۹۹]: آج کل ہندوستان میں مختلف صوبائی حکومتوں نے مختلف انعامات کے ساتھ لاٹری شروع کررکھی ہے اوران کوانتہائی دیانتداری کے ساتھ نکال کران کی تقسیم بھی کرتی ہے۔اگرکسی مسلمان کا یہ انعام نکل جائے تو تعمیر پرصرف کیا جاسکتا ہے یانہیں؟

۲.....نیز یہ پیسہ کسی اسلامی مدرسہ یا مسجد میں صرف کرسکتے ہیں یانہیں؟

۳.....نیز اس پیسے کواپنی ذاتِ خاص پرصرف کرنا کیسا ہے؟

---

(۱) یہ صورت بیع فاسد کی ہے اس لئے کہ ثمن اور مبیع دونوں مجہول ہیں:"يشترط أن يكون المبيع معلوماً عند المشترى؛ لأن بيع المجهول فاسد". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص:۹۷، (رقم المادة: ۲۰۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يلزم أن يكون الثمن معلوماً، فلو جهل الثمن فسد البيع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص:۱۲۲۰، (رقم المادة: ۲۳۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۴/۲۸۰، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار: ۴/۵۲۹، كتاب البيوع، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۵/۴۵۶، كتاب البيوع، رشيديه)

البتہ اس معاملہ کو قمار یا سود قرار دینا مشکل ہے، اس لئے کہ قمار میں یہ ہوتا ہے کہ دو آدمی کسی غیر یقینی واقع کی بنیاد پر کوئی رقم اس طرح داؤ پر لگادیں کہ یا تو وہ اس رقم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا، یا اسے اتنی ہی یا اس سے زیادہ رقم بغیر کسی معاوضے کے مل جائے، جب کہ مذکورہ صورت میں تمام ممبروں کو سائیکل ملنا یقینی ہے، کسی کو کم کسی کو زیادہ رقم کے بدلے۔اور سود قرار دینا بھی مشکل ہے، کیونکہ مذکورہ صورت میں جنس مختلف ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

"وسمى القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۶/۴۰۳، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

انعامی لاٹری کا یہ سلسلہ خلاف شرع ہے، ہرگز اس میں حصہ نہ لیا جائے (۱)، اگر غلطی سے حصہ لے لیا ہے اور روپے مل گئے ہیں تو اس کو بلانیتِ ثواب غریبوں محتاجوں کو صدقہ کردیا جائے جن میں نادار طلبہ بھی داخل

---

(۱) اس لئے کہ یہ قمار ہے کیونکہ عام طور پر لاٹری میں یہی ہوتا ہے کہ لوگ ایک یا زیادہ روپے جمع کراتے ہیں پھر قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم کئے جاتے ہیں: ﴿یا أیها الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله حرّم علی أمتی الخمر والمیسر". (مسند لإمام أحمد بن حنبل (رقم الحدیث: ۶۵۱۱): ۲/ ۳۵۱، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"إن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن الخمر والمیسر والکوبة". (سنن أبی داؤد: ۲/۳۲۷، باب ما جاء فی السکر، امدادیه ملتان)

"ولو شرط فیها من الجانبین؛ لأنه یصیر قماراً". (الدرالمختار). "(قوله: لأنه یصیر قماراً): لأن القمار من القمر الذی یزداد تارةً وینقص أخری. وسمی القما قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفبد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۴۰۳، سعید)

"وحرم لوشرط المال من الجانبین". (تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع: ۷/ ۷۱، دارالکتب العلمیة بیروت)

"ولایجوز الرهان فی حالة ما إذا کان عن کل واحد علی أنه إن سبق، فله الرهان، وإن سُبق فیغرم لصاحبه مثله؛ لأن هذا من باب القمار المحرم". (فقه السنة، المسابقة، الصور التی یحرم فیها الرهان: ۳/۵۰۷، دارالکتاب العربی بیروت)

"لوکان الخطر من الجانبین جمیعاً ولم یدخلا فیه محللاً، لایجوز؛ لأنه فی معنی القمار، نحو أن یقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتنی فلک علیّ کذا، وإن سبقتک فلی علیک کذا، فقبل الآخر". (بدائع الصنائع، کتاب السباق، فصل فی شروط جواز السابق: ۸/ ۳۵۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

ہیں، مسجد یا مدرسہ یا اپنے ذاتی کام میں صرف نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۸۹ھ۔

لاٹری کا ٹکٹ

سوال[۸۰۰۰]: حکومتِ ملایا کی جانب سے ایک لاٹری نکلتی ہے جس کا مقصد یتیموں کی امداد کرنا ہے اس میں ہار جیت بھی ہوتی ہے۔ اس لاٹری کا ٹکٹ خریدنا کیسا ہے؟

کلیم الدین، کوالالمپور، ملایا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ۔

لاٹری کے ذریعے اشیاء کی خرید وفروخت

سوال[۸۰۰۱]: بعض ادارے رقم جمع کرنے کے لئے کپڑا سینے کی مشین، سائیکل، سینکڑوں کی تعداد میں روپیہ اور دیگر قیمتی اشیاء رکھ کر ایک روپیہ کا ٹکٹ عوام میں تقسیم کرتے ہیں، اور ایک معین تاریخ تک، پھر ایک جلسہ کرکے مذکورہ اشیاء جن کے نام پر نکلتی ہے، اس کو دیدیتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

---

(۱) "و یردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۵/۶، سعید)

"و یردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا یتصدقوا به؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد". (البحرالرائق: ۳۶۹/۸، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۶۰/۷، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۴۹/۵، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر فی الکسب، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی الکاملیة، ص: ۱۵، حقانیه پشاور)

(۲) (راجع، ص: ۴۳۷، رقم الحاشیة: ۱)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت سود بھی ہے جُوا بھی ہے، اس لئے جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۱ھ۔

جوے کی ایک صورت

سوال[۸۰۰۲]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ میری بات صحیح ہے، بکر کہتا ہے کہ میری بات صحیح ہے۔ دونوں میں سو روپے کی شرط ہوگئی اور ثالث کے پاس دوسو روپے رکھ دیئے کہ جس کی بات صحیح ہوگی، وہ دو سو روپے لے لے گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ جوا ہے (۲) جو کہ ناجائز ہے (۳)، روپے مالک کو واپس پہونچانا ضروری ہے (۴)۔ فقط

---

(۱) "القمار كله من الميسر ..... وهو السهام التي يجيلونها، فمن خرج سهمُه استحق منه ماتوجبه علامة السهم..... وحقيقته تمليك المال على المخاطرة، وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار". (أحكام القرآن للجصاص (سورة المائد: ۹۰): ۴۶۵/۲، دارالكتاب العربي بيروت)

"وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحدٍ من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهوحرام بالنص". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۰۳/۶، سعيد)

"إن أهل الجاهلية كانوا يخطرون على المال والزوج، وقد كان ذلك مباحاً إلى أن ورد تحريمه". (أحكام القرآن للجصاص: ۳۲۹/۱، دارالكتاب الالعربي بيروت)

"لأن الربوا: هوالفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوضٍ شرط فيه". (الهداية: ۸۰/۳، باب الربوا، مكتبه شركت علميه ملتان)

قال الله تعالىٰ: ﴿وأحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (سورة البقرة: ۲، ۲۷۵)

قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا الربوا أضعافاً مضاعفةً، واتقوا الله، لعلكم تفلحون﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۱)

(۲) "وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن =

Made Searchable by ScribeTools.com

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۲/۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۸۵ھ۔

بچوں کا ایک کھیل جس میں جوا بھی ہے اور سود بھی

سوال [۸۰۰۳]: ایک کھیل بچوں میں چل رہا ہے کہ ایک تختہ بازار سے لاتے ہیں، بچہ ۵، ۱۰/ پیسہ لے کر پرچی پھاڑتا ہے، جو نمبر نکلتا ہے اسی کے مطابق پیسہ بچوں کو مل جاتا ہے اور اگر نہ نکلے تو بچے کو کچھ نہیں ملتا۔

= يستفيد مال صاحبه، و هو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۶/ ۴۰۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

(وكذا فى أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۵۳، باب تحريم الخمر، (سورة المائد: ۹۰)، قديمى)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾. (سورة المائدة: ۹۰)

"عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما: "أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن الخمر والميسر والكوبة". (سنن أبى داؤد. ۲/۱۶۳، باب ماجاء فى السكر، امداديه ملتان)

"ولا خلاف بين أهل العلم فى تحريم القمار". (أحكام القرآن للجصاص (سورة البقرة: ۲۱۹): ۱/۳۲۹، دارالكتاب العربى بيروت)

(۴) "و يردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

"و يردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد". (البحرالرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۷/۶۰، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فى الكسب، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى الكاملية، ص: ۱۵، حقانيه پشاور)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کھیل میں جوا بھی ہے(۱) اورسود بھی (۲)، بچوں کو ہرگز اس کی اجازت نہ دی جائے، اس مقصد کے لئے ان کو پیسے نہ دیئے جائیں۔ ان کی اخلاقی تربیت بڑوں کے ذمہ ہے، اس سے غفلت برتنا حق تلفی اور بچوں پر ظلم ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۴/۱۹ھ۔

معمہ حل کرنے کی اجرت

سوال[۸۰۰۴]: ہمارے ایک دوست کی اور میری ایک مسئلہ میں بحث ہوگئی ہے، ہم دونوں کی رضامندی سے فیصلہ آپ پر چھوڑ رہے ہیں، مسئلہ حسب ذیل ہے:

اکثر رسالہ میں آنجناب نے علمی معمہ دیکھا ہوگا، اس کی صحیح خانہ پری کرنے پر انعام دیا جاتا ہے۔

---

(۱) "وسمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، و يجوز أن يستفيد مال صاحبه، و هو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۶/ ۴۰۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع، سعيد)

(وكذا فى أحكام القرآن للجصاص: ۲/۶۵۳، باب تحريم الخمر، قديمى)

(۲) "لأن الربوا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين فى المعاوضة الخالى عن عوض شرط فيه". (الهداية: ۳/۸۰، باب الربا، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالايجوز، الفصل السادس فى تفسير الربا وأحكامه: ۳/۱۱۷، رشيديه)

(وكذا فى كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ۲/۲۲۷، مباحث الربا، دارالفكر بيروت)

(۳) "عن جابر بن سمرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لَأن يؤدب الرجل ولده خيرٌ له من أن يتصدق بصاع".

"عن أيوب بن موسى عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "ما نحل والد ولده من نحل أفضل من أدب حسن". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۳، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الثانى، قديمى)

میرے دوست کہتے ہیں کہ یہ ایک قسم کا قمار ہے، کیونکہ ایک روپیہ کے بدلے میں زیادہ روپے ملتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ قمار نہیں ہے، بلکہ ایک روپیہ فیس داخلہ ہے اور انعام اس ایک روپیہ پر نہیں ملتا، ورنہ ہر داخلہ لینے والا انعام کا مستحق ہوتا، بلکہ عمل (صحیح خانہ پری) ہی باعثِ انعام ہے، یہی وجہ ہے کہ جس کا جتنے درجہ عمل صحیح ہوگا وہ ویسے ہی انعام کا مستحق گردانا جائے گا۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے دوست نے اس کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ (قمار) تجویز کی ہے، آپ نے اس کے جائز ہونے کی ایک وجہ نکالی جو کہ درحقیقت اس کے ناجائز ہونے کے لئے مؤکد ومؤید ہے یعنی ربوا، پس اس کے ناجائز ہونے کی دو وجہ آپ کے دونوں کے مجموعی کلام سے حاصل ہوگئیں:

ایک: قمار، کیونکہ انعام نہ ملنے کی صورت میں یہ روپیہ ضائع ہوگیا۔

دوسری وجہ: ربوا، کیونکہ ایک روپیہ دے کر زیادہ روپیہ حاصل ہوئے۔ ربوا اور قمار دونوں نصاً ممنوع ہیں۔

یہ توجیہ کہ ''ایک روپیہ تو فیس داخلہ ہے اور انعام معاوضہ واجرت ہے خانہ پُری کی'' فقہی نظر میں وجیہ نہیں، بلکہ توجیہِ محض ہے، اس کی اتنی حیثیت نہیں جتنی فیس داخلہ ایک روپیہ کی، اس پر انعام نہیں ملے گا۔ یہ عمل صحیح نہیں۔

سب جانتے ہیں کہ محض داخلہ مقصود نہیں کہ اس کے لئے فیس برداشت کی جائے، بلکہ تحصیلِ رقم مقصود ہے جس کا نام ''انعام'' رکھا ہے اور وہ درحقیقت اجرت ہے خانہ پری کی، مگر خانہ پری بھی مطلقاً نہیں بلکہ حسبِ منشاء مستاجر جس کا کسی کو علم نہیں۔ ایسا اجارہ ہی جائز نہیں، جو اجیر کے علم میں نہ ہو اور اس کے قابو سے باہر ہو۔

اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ انعام دینے والے کا مقصود بھی محض خانہ پری نہیں، نہ اس سے کوئی خاص غرض وابستہ ہے بلکہ انعامِ کثیر کا لالچ دے کر روپیہ جمع کرنا مقصود ہے کہ ایک ایک روپیہ کر کے بے شمار روپیہ جمع ہوجائے، پھر اس میں سے تجویز کردہ ضابطہ کے تحت کچھ روپے فیس والوں کو بھی دیدیا جائے۔ دوسرے لوگ دیکھیں گے کہ فلاں شخص کو ایک روپیہ داخل کر کے اتنا انعام ملا ہے، اس سے ان کی طبیعت میں بھی لالچ پیدا ہوگی، وھلم جراً۔ یہ تو درحقیقت روپیہ غلط طریقہ پر کمانے کی تنظیم ہے۔

Made searchable using ScribeTools.com

"الإجارة هي تمليك نفع مقصود من العين بعوض، حتى لو استأجر ثياباً أو أوانى ليتجمل بها، أو دابةً ليجنبها بين يديه، أو داراً لا يسكنها، أو عبداً، أو دراهم أو غير ذلك لا يستعمله، بل ليظن الناس أنه له، فالإجارة فاسدة فى الكل، و لا أجر له؛ لأنه منفعة غير مقصودة فى العين، اهـ". درمختار، أول كتاب الإجارة۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ "(وقوله: مقصودة من العين): أى فى الشرع و نظر العقلاء، و بخلاف ما سيذكره، فإنه وإن كان مقصوداً للمستأجر لكنه لا تقع فيه، وليس من المقاصد الشرعية، اهـ". شامى: ۵/۳(۱)۔

"رجل ضل له شيء، فقال: من دلّنى على كذا، فله كذا، فهو على وجهين: إن قال ذلك على سبيل العموم بأن قال: من دلّنى، فالإجارة باطلة؛ لأن الدلالة و الإشارة ليست بعمل يستحق به الأجرة، اهـ". شامى: ۵/۷۹(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/۹۰ھ۔

اخباری معمہ حل کرنا

سوال[۸۰۰۵]: کسی اخبار کا انعامی معمہ بھر کر انعام حاصل کر کے کسی مسجد یا مدرسۂ دینیات یا کسی اَور جگہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی پوری کیفیت تحریر کیجئے، اگر یہ صورت ہو کہ اخبار میں شائع ہوا کہ جو شخص فلاں چیز کا مطلب بیان

---

(۱) (ردالمحتار: ۴/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) (ردالمحتار: ۹۵/۶، باب فسخ الإجارة،مطلب: ضل له شئ فقال: من دلنى عليه فله كذا، سعيد)

"والمراد من المنفعة أن تكون مقصودةً من العين، فلو استأجر ثياباً يبسطها و لا يجلس عليها ولا ينام، أو دابةً ليربطها فى داره و يظن الناس أنها له، أو ليجعلها أجنبية بين يديه، أو آنيةً يضعها فى بيته يتجمل بها و لا يستعملها، فالإجارة فى جميع ذلك فاسدة، ولا أجرة له؛ لأن هذه المنفعة غير مقصودة". (البحر الرائق: ۴/۸، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴/ ۵۱۱، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

کردے، یا فلاں مسئلہ کو حل کردے تو اس کو اتنا انعام دیا جائے گا، پھر کسی نے اس کو حل کردیا اور انعام ملا تو یہ انعام اس کی ملک ہے، اس کو اختیار ہے کہ اپنے کام میں لائے یا مسجد وغیرہ میں صرف کردے (۱)، اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یک طرفہ چیز ہے۔ اگر حل کرنے والے سے بھی کچھ وصول کیا جاتا ہے تو اس کی تفصیل معلوم ہونے پر حکم معلوم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۵/۶۶ھ۔

شمع معمہ حل کرنے پر انعام

سوال[۸۰۰۶]: ۱..... کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

آج کل شمع معمہ دہلی سے نکلتا ہے، اس میں شرائط یہ ہیں کہ اس میں ایک خانہ کہ ایک روپیہ کے حساب سے جتنا چاہو دیدو، اور اس میں شمع معمہ کا ٹوکن ہونا لازمی ہے، اب تمہاری قسمت اگر پہلا انعام یا کوئی انعام ملا۔ آیا یہ روپیہ لینا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "حل الجعل إن شرط المال من جانب واحد". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "بأن يقول أحدهما لصاحبه: إن سبقتني أعطيتُك كذا، وإن سبقتُك لا آخذ منك شيئاً". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل فى البيع: ۶/۴۰۲، ۴۰۳، سعيد)

"لو وقع الاختلاف بين اثنين، و شرط أحدهما لصاحبه أنه إن كان الجواب كما قلتَ أعطيتُك كذا، وإن كان كما قلتُ، لاآخذ منك شيئاً، فهذا جائز". (مجمع الأنهر: ۴/۲۱۷، كتاب الكراهية، فصل فى المتفرقات، غفاريه كوئٹه)

"ولو قال أحدهما لصاحبه: إن سبقتني فلك عليّ كذا، وإن سبقتك فلا شيء عليك، فهو جائز؛ لأن الخطر إذا كان من أحد الجانبين لا يحتمل القمار". (بدائع الصنائع، كتاب السباق، فصل فى شروط جواز السباق: ۸/۳۵۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۷/۱۷، كتاب الكراهية، فصل فى البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى فقه السنة، المسابقة: ۳/۵۰۶، دارالكتاب العربى بيروت)

"كل يتصرف فى مكله كيف شاء". (شرح المجله لسليم رستم باز، ص: ۴۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

Made Se[illegible]ools.com Made searchable using ScribeTools.com

(الف) اگر جائز ہے تو اس میں کوئی کلام ہی نہیں، اگر ناجائز ہے تو مندرجہ ذیل صورتوں پر عمل کرنا جائز ہے؟

(ب) مثلاً جب روپیہ نام میں اٹھا جتنا بھی ہو، اس کو لے کر کسی غیر مسلم کو دیدیں وہ اس کی ملک ہوگئی، اس کے بعد وہ ہم کو جتنا روپیہ واپس کردے اس کو اختیار ہے۔ یہ حیلہ کہاں تک صحیح ہے؟

(ج) یا روپیہ ہمارے نام میں اٹھا، ہم اس کو لیکر کسی غیر مسلم کو دیدیں، وہ اسکول جہاں مسلم وغیر مسلم دونوں طلبا پڑھتے ہوں، اور قوم کا فائدہ ہوجائے، یا اپنے نام سے اسکول کھلوالیں۔ کیا اس میں بھی گناہ ہوگا؟

(د) ایک شخص مقروض ہے حالانکہ اس کی آمدنی ایک سو روپیہ ہے، لیکن خرچ زیادہ ہے کیونکہ اہل و عیال زیادہ ہیں اور موجودہ وقت میں ہر چیز گراں ہے، اسی وجہ سے مقروض ہوگیا اب ادائیگی کی کوئی صورت نکلتی ہی نہیں، اگر سود لیتا ہے تو اَور مصیبتِ جان پھر بلائے جان۔ کوئی صورت ہی۔ اب ایسی حالت میں وہ شمع معمہ لگا کر روپیہ لیکر صرف قرض ادا کرے اور کوئی مقصد نہیں ہے، نہ تجارت ہے، نہ اپنے مصرف میں لانا۔

کیا اس صورت میں گنجائش نہیں ہے؟ جب کہ شریعت میں مجبوری کے وقت حرام کھانا جائز ہوگیا ہے، ایک شخص بھوکا ہے اب مرنے پر پہونچ رہا ہے، حرام چیز سامنے ہے، اگر نہیں کھائے گا اور مرگیا تو گنہگار مرے گا۔ بہرحال مجبوری کی حالت میں نماز وغیرہ معاف ہوجاتی ہے۔ آیا وہ شمع معمہ کا روپیہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

۲.....موجودہ حالت سے تمام دنیا واقف ہے، اس وقت ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الامن؟ دارالاسلام تو کسی صورت میں ہو نہیں سکتا۔ کیا اس صورت میں یہاں پر سود لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہاں پر ریس، دوڑ، جوا وغیرہ سے پیسہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

اکرام الحق۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ قمار (جوا) ہے(۱) اس کا لینا جائز نہیں (۲)، اس سے ملک ثابت نہیں ہوگی، اس میں کوئی

---

(۱) "وسمی القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار: ۶/۴۰۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع، سعيد) ..... =

تصرف جائز نہیں (۱)۔ کسی کو دینے کا بھی حق نہیں، جس کو دیا جائے اس کی ملک بھی ثابت نہیں ہوگی، پھر اس کے تصرفات بھی درست نہیں ہوں گے (۲)۔ جو شخص اس قدر مجبور ہو کہ جان بچانے کے لئے اس کو مردار کھانے کی اجازت ہو اس کا حکم دوسرا ہے، وہ بقدرِ ضرورت استعمال کرنے کے لئے مستثنیٰ ہے (۳)۔

۲.....سود اور جُوا ہر وقت اور ہر جگہ ہر مسلم کے لئے حرام ہے، اس کی حرمت نصِ قطعی سے

= "القمار كله من الميسر، وهوالسهام التى يجيلونها ،فمن خرج سهمه استحق منه ما توجبه علامة السهم، فربما اخفق بعضهم، حتى لا يحظى بشئ. وينجح البعض فيحظى بالسهم الوافر. وحقيقته تمليک المال على المخاطرة، وهو أصل فى بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار".

(أحكام القرآن للجصاص: ۲/۶۵۳، باب تحريم الخمر، قديمى)

(۲) قال اللهتعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان، فاجتنبوه، لعلكم تفلحون﴾ (سورة المائدة: ۹۰)

"و لا خلاف بين أهل العلم فى تحريم القمار". (أحكام القرآن للجصاص (سورة البقرة: ۲۱۹): ۱/۳۲۹، دارالكتاب العربى بيروت)

"عن عبدالله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الله حرّم على أمتى الخمر والميسر والمزر". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۶۵۱۱): ۲/۳۵۱، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(۱) "الأمر بالتصرف فى ملک الغير باطلٌ؛ لأنه كما لايجوز التصرف فى ملک الغير بدون وكالة منه أو ولاية عليه". (شرح المجلة، (رقم المادة: ۹۵): ۱/۶۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "ويردونها على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار، باب الاستبراء وغيره، فصل فى البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكرية: ۵/۳۴۹، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فى الكسب، رشيديه)

(۳) "الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة و إساغة اللقمة بالخمر". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى: ۱/۲۵۱، الفن الأول، القاعدة الخامسه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز ،ص: ۲۹، (رقم المادة: ۲۱): ۱/۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

Made searchable using ScribeTools.com

ثابت ہے(۱)، لہذا سود کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے۔ بعض ائمہ کا مسلک اس کے متعلق جو کتب میں مذکور ہے اس کا محل اور مقصد کچھ اور ہے(۲)۔ اس سے گنجائش نکال کر حرام چیز کو حلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اخبار کے لائف ممبر بنانا

سوال[۸۰۰۷]: آج کل اخباروں میں زندگی کے اراکین بنانے کا دستور ہے، آج ہی ایک سو روپیہ دینے والا مرجائے اور وہ اخبار ۲۵/سال تک جاری رہے، یا پیسے دینے والا حیات رہے اور اخبار ختم ہوجائے۔ ایسی صورت میں لائف میں ممبر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وأحل اللہ البیع و حرّم الربوا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿یا أیھا الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان، فاجتنبوہ، لعلکم تفلحون﴾ (سورۃ المائدۃ: ۹۰)

(۲) شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"**سوال**: ہندوستان میں کافروں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں اور بنک ہائے مروجہ میں روپیہ داخل کر کے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہندوستان میں کافروں سے سود لینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک مکتوب میں مکتوبات قاسم العلوم سے اسی کی تحقیق فرمائی ہے۔ اور امام صاحب، سے جو اس بارے میں روایت ہے، س کی شرائط کا تحقق اس وقت میں نہیں ہے جیسا کہ یہ بھی اسی مکتوب میں مولاناؒ نے ثابت فرمایا ہے اور ائمہ حنیفہ میں امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہؒ قطعاً ہر جگہ سود لینا ناجائز فرماتے ہیں۔ ایسی حالت میں جانب احتیاط سود کا نہ لینا ہے، جس کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اور بنک ہائے مروجہ میں روپیہ داخل کرنا اور سود لینا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح ڈاک خانہ میں روپیہ داخل کر کے سود لینا درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (عزیز الفتاویٰ، کتاب الربوا والقمار، کفار اور غیر مسلموں سے سود لینے کا حکم: ۱/ ۶۲۱، دار الإشاعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ قمار کی شکل ہے جو کہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "وحقیقته تملیک المال علی المخاطرة". (أحکام القرآن للجصاص، سورة المائدة، تحت آیة: ﴿إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان﴾: ۴۲۵/۲، دارالکتاب العربی بیروت)

قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشیطن، فاجتنبوه، لعلکم تفلحون﴾ (سورةالمائده: ۹۰)

"عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما، أن النبی صلی الله علیه وسلم، نهی عن الخمر والمیسر والکوبة". (سنن أبی داود: ۱۶۳/۲، کتاب الأشربة، باب ماجاء فی السکر، امدادیه ملتان)

"وعن ابن سیرین کل شئ فیه خطر، فهو من المیسر". (روح المعانی، (سورة البقرة: ۲۲۹): ۱۱۴/۲، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"لأن القمار من القمر الذی یزداد تارةً، وینقص أخری. وسمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مالَ صاحبه، وهو حرام بالنص". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۰۳/۶، سعید)

Made searchable using ScribeTools.com

کتاب الوکالة

(وکالت کا بیان)

ایک شخص کیا متعدد معاملات میں وکیل بن سکتا ہے؟

سوال[۸۰۰۸]: اگر کوئی شخص کسی کا ایک مرتبہ کسی مقدمہ میں وکیل بن جائے تو پھر تمام عمر وہ کسی کا بھی مقدمہ میں وکیل نہیں بن سکتا، الّا وکیل نکاح کے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مقدمہ میں جب ایک آدمی کسی کی طرف سے وکیل بن چکا ہے تو اس مقدمہ میں دوسرے فریق کی طرف سے وکیل نہیں بن سکتا، جب تک فریقِ اول کی وکالت سے علیحدہ نہ ہوجائے (۱)۔ اس کے علاوہ یہ بات

---

(۱) چونکہ وکیل اجیر خاص ہے اور اجیر خاص کے لئے مفوضہ کام کے وقت کوئی اَور کام کرنا جائز نہیں:

"إذا استأجر رجلاً يوماً ليعمل كذا، فعليه أن يعمل ذلك العمل إلى تمام المدة، ولا يشتغل بشئ آخر سوى المكتوبة ..... قال بعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: إن له أن يؤدى السُّنّة أيضاً، واتفقوا أنه لا يؤدى نفلاً، وعليه الفتوى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۶، الباب الثالث فى الأوقات التى يقع عليها عقد الإجارة، رشيديه)

"وإذا استأجر رجلاً يوماً يعمل كذا، فعليه أن يعمل ذلك العمل إلى تمام المدة، ولا يشتغل بشئ آخر سوى المكتوبة ..... و قد قال بعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ: له أن يؤدى السُّنة أيضاً، واتفقوا أنه لا يؤدى نفلاً، وعليه الفتوى". (ردالمحتار: ۶/۷۰، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، مطلب: ليس للأجير الخاص أن يصلى النافلة، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز ص: ۲۳۶، (رقم المادة: ۴۲۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وإن كان وكيلاً بالأجرة، فإنه يجبر على بيع المال و أداء دين الآمر؛ لأنه حينئذٍ أجير، والإجارة =

Made Searchable by ScribeTools.com

کہ ''وہ کسی کا بھی وکیل نہیں بن سکتا، تمام عمر بیکار ہی رہے گا، اس سے وکالت کی صلاحیت ہی ختم ہوجائے گی، الاّ وکیل نکاح کے'' تو یہ بات غلط ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۱/۲۳ھ۔

پیشۂ وکالت

سوال[۸۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں:

وکالت کرنا کیسا ہے اور جو اس سے روپیہ کمایا جاوے وہ کیسا ہے اور ان کے گھر کا کھانا کھانا کیسا ہے، درست ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر سچے مقدمہ میں باقاعدہ کام اور اجرت معین کر کے وکالت کی جائے اور کوئی کام خلافِ شرع اس میں نہ کیا جاوے تو نفسِ وکالت اور اس کی اجرت کا روپیہ اور اس کا کھانا درست ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۴/۱۰/۲۵ھ۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

= لازم، فيجبر على العمل". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۱۸، (رقم المادة: ۱۵۱۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"أما الوكيل بالبيع بأجرة كالدلال والسمسار، فيجبر على تحصيل الثمن واستيفاء ه". (شرح المجلة لسليم رستم، ص: ۸۱۲، (رقم المادة: ۱۵۰۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) وکالت کی صلاحیت کسی میں جیسے ابتداء ہوتی ہے اس طرح انتہاء بھی ہوتی جب کہ وہ صحیح اور تندرست ہو، مجنون اور مغلوب العقل نہ ہو، لہٰذا ایک بار وکالت کرنے سے اس کی وکالت کی صلاحیت ختم نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے لئے کوئی شرعی مانع بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) قال الأستاذ الدكتور وهبة الزحيلي: "تصح الوكالة بأجر و بغير أجر؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يبعث عمّاله لقبض الصدقات، و يجعل لهم عمولةً، ولهذا قال له أبناء عمه: لو بعثتنا على هذه =

Made searchable using ScribeTools.com

.....

= الصدقات، فنؤدّی ما یؤدی الناس ونُصیب ما یصیبه الناس: أی العمولة، ولأن الوکالة عقد جائز لا یجب علی الوکیل القیام، فیجوز أخذ الأجرة فیها بخلاف الشهادة". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۴۰۵۸/۵، البحث الأول تعریف الوکالة، مکتبه رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ الکاملیة، ص: ۱۳۶، کتاب الوکالة، مکتبه حقانیه پشاور)

(وکذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۴۹۸/۴، (رقم المادة: ۱۵۰۴)

سوال: ''حضور نے دربارۂ وکالت احقر کے استفتاء پر تحریر فرمایا تھا کہ:

''اگر مؤکل سچا ہے تو مظلوم ہے، مظلوم کی نصرت واجب ہے، واجب پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ اور اگر جھوٹا ہے تو ظالم ہے، ظالم کی نصرت حرام ہے اور حرام پر اجرت لینا بھی حرام ہے''۔

لیکن اگر وکالت کی فیس کو واجب یا حرام کی اجرت نہ کہا جاوے بلکہ مثلِ نفقۂ قاضی یا حاکم کے اس کو بھی نفقہ کہا جاوے تو جواز کی گنجائش ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ تاویل نہ چل سکے تو پھر یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ وکیل نصرت کی اجرت نہیں لیتا ہے، بلکہ ایک خاص وقت اور ایک خاص دن میں محبوس رہنے کی اجرت لیتا ہے، کیونکہ غایت مافی الباب وکیل پر مؤکل کو قانونی مشورہ دے دینا واجب ہوگا، اب مؤکل کو چاہیے کہ اس کے مشورہ کے موافق عمل کرے۔

اگر خود عمل کرنے پر قادر نہیں تو وکیل اس کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا باوجود اس کے کہ وکیل کو عدالت میں لے جانا اور اپنے کام کے لئے محبوس رکھنا یہ غالباً متقوم عندالشرع ہوسکتا ہے، اس میں کس قدر اس کی تائید ہوسکتی ہے کہ بسا اوقات ایک مقدمہ میں کئی کئی وکیل کرتے ہیں جن میں سے بعض گفتگو کرتے ہیں اور بعض خاموش بیٹھے رہتے ہیں، جب عدالت کا وقت ختم ہوجاتا ہے چلے جاتے ہیں۔ اب ان وکیلوں نے جنہوں نے خاموشی کی حالت میں عدالت کے وقت کو پورا کردیا باوجودیکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کی مگر فیس لے لی، اس سے معلوم ہوا کہ محض حبس کی فیس لی ہے، ورنہ ان کو کچھ نہیں ملنا چاہیے، کیونکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کی، آیا اس تاویل سے وکالت جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ فقط بینوا وتوجروا۔

الجواب: ''سائل نے جو توجیہات اس کی جواز کی لکھی ہیں وہ کافی ہیں، اور ان سب سے سہل تر توجیہ یہ ہے کہ: فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمتِ استیجار مخصوص ہے طاعۃ مختصہ بالمسلم کے ساتھ اور نصرتِ مظلوم منجملہ طاعات عامہ کے ہے، پس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جاوے گا، حاصل یہ کہ پیشۂ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا، مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو''۔

(إمداد الفتاوی: ۳۱۹/۳، کتاب الوکالة، (رقم السوال: ۲۶۷)، مکتبه دار العلوم کراچی)

(وکذا فی إمداد الأحکام: ۵۸۰/۳، کتاب الإجارة، مکتبه دار العلوم کراچی)

وکالت کا پیشہ

سوال[۸۰۱۰]: وکالت کا پیشہ اختیار کرنا کسی مسلمان کو کیسا ہے، جب کہ شریعتِ حقہ کے خلاف اکثر قوانین ہوتے رہتے ہیں، اس سے جو رقم ملے وہ کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سچے مقدمات لیتا ہو اور کسی خلافِ شرع امر کا ارتکاب اس میں نہ کرنا پڑتا ہو تو پیشۂ وکالت جائز ہے(۱)۔ اور جو آمدنی خلافِ شرع طریقہ پر حاصل کی جائے گی، وہ حرام ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

وکیل کی آمدنی اور اس کا ہدیہ

سوال[۸۰۱۱]: ۱.....وکلائے عدالت کی وکالت کی آمدنی حلال ہے یا حرام، جب کہ وکالت کرنے میں حق وناحق ہر طرح کے مقدمے کی وکالت کرتے ہیں؟

۲.....ایسے وکیل کی آمدنی سے ہدیہ کا قبول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳.....مسلم وغیر مسلم کی وکالت کی آمدنی سے ہدیہ کے قبول کرنے میں کچھ فرق تو نہیں؟

---

(۱) (راجع عنوان: ''پیشہ وکالت'')

(۲) "لایجوز أخذ الأجرة على المعاصی کالغناء والنوح والملاهی؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر أو بعضه، لا يحل له، ويجب عليه ردّه". (مجمع الأنهر: ۵۳۳/۲، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"لا تجوز الإجارة على الغناء والنوح، ولو عمل، لا أجر له". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱/۵، كتاب الإجارة، نوع فی المتفرقات، وفيه الإجارة على المعاصی، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الاستيجار على المعاصی، سعيد)

(وكذا فی بدائع الصنائع: ۵۶۲/۴، كتاب الإجارة، فصل فی شرائط الركن، دارالكتب العلمية بيروت)

Made searchable using ScribeTools.com

۴.....اگر وکیل کی آمدنی کا ذریعہ علاوہ وکالت کے اَور بھی کوئی ہو، مثلاً تجارت تو ایسی حالت میں ہدیہ کے قبول اور اس کے استعمال میں کیا حکم ہے؟ جب کہ یہ امر مخفی ہے کہ یہ ہدیہ وکالت کی آمدنی کا ہے یا اَور کسی آمدنی کا؟ ناجائز ہونے کی صورت میں یہ امر قابلِ دریافت ہے کہ کسی حیلۂ شرعی سے اس ہدیہ کو جائز بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

امورِ بالا کا جواب برائے صدکرم مدلل تحریر فرما کر ممنون وشاکر فرمائیں۔

نیازمند: سعیدالدین مقیم دہرہ دون، ۶/شوال/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... وکالت ایک عقدِ اجارہ ہے، اگر اجارہ میں عمل یا وقت اور اجر کی تعیین ہوجائے، نیز وہ عمل معصیت نہ ہو اور ان طاعات میں سے بھی نہ ہو کہ جن پر اجر لینا ناجائز ہے تو اجارہ درست ہے، اس طرح اگر وکالت میں امورِ مذکورہ کا لحاظ رکھا جائے تو وکالت کی آمدنی حلال ہوگی۔ اور جس وکالت میں معصیت پر اجر لیا جائے یعنی جھوٹے اور ناحق مقدمہ کی پیروی کی جاوے اور ظالم کی اعانت کی جاوے ایسی وکالت اور اس کی آمدنی ناجائز ہے:

"لا يجوز أخذ الأجرة على المعاصى كالغناء والنوح والملاهى؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر أو بعضه، لا يحل له، ويجب عليه رده، اهـ". مجمع الأنهر، ص: ٣٨٤(١)۔

۲.....اختلاط کی صورت میں غلبہ کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر غالب آمدنی حلال ہے تو ہدیہ کا لینا بھی درست ہے اور اگر غالب آمدنی حرام ہے تو ہدیہ کا لینا بھی حرام وناجائز ہے۔ ہاں! اگر اس ہدیہ کے متعلق حلت یا حرمت کا علم ہوجائے تو پھر اس کا اعتبار ہوگا:

"إذا أهدى الرجل إلى إنسان أو أضافه، إن كان غالب مال المهدِيّ من الحرام، ينبغى له أن لا يقبل الهدية و لا يأكل من طعامه مالم يُخبر أنه حلال، أو أنه استقرض من غيره. وإن كان غالب مال المهدى من الحلال، لابأس بأن يقبل الهدية و يأكل مالم يتبين عنده أنه حرام؛

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۳/۵۳۳، مكتبة غفاريه كوئٹه)

لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام، فيعتبر الغالب". فتاوىٰ قاضى خان: ٤/٧٧٨(١)۔

مقتدا کو اجتناب احوط ہے۔

۳.....جو معاملات مسلمانوں کے لئے ممنوع ہیں وہ کفار کے لئے بھی ممنوع ہیں۔ قبولِ ہدیہ کے لئے وکالتِ مسلم پر وکالتِ کافر کو قیاس کرلیا جاوے:

"أما المعاملات فهى دائرة بيننا وبينهم، أما الكفار، فينبغى أن تعامل معهم حسب ما تعاملنا بيننا فى البيع والشراء والإجارة وغيرها سوى الخمر والخنزير، فإنهما مباحان لهم لا لنا، اهـ". نور الأنوار، ص: ٢٩(٢) وغاية التحقيق(٣)۔ وكشف المبهم، ص: ٢٣٩۔

۴.....اس میں بھی غلبہ کا اعتبار ہوگا، بر تقدیر جواز حیلۂ شرعی یہ ہے:

"وفى شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة: أن الشيخ أبا القاسم كان يأخذ جائزة

---

(١) (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣/٤٠٠، كتاب الحظر والإباحة، ومايكره أكله ومالايكره ومايتعلق بالضيافة، رشيديه)

"إذا كان غالب مال المهدى حلالاً، فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام. وإن كان غالب ماله الحرام، لا يقبلها و لا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ ورثه أو استقرضه". (الأشباه والنظائر: ١/٣٤٣، القاعدة الثانية: إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات: ٥/٣٤٢، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ٤/١٨٦، كتاب الكراهية، فصل فى الكسب، غفاريه كوئٹه)

(٢) (نور الأنوار، ص: ٥٩، ٦٠، فى بحث الأمر، سعيد)

(٣) "ولأن الوجوب لايثبت عند انتفاء حكمه، لم يجب على الكافر شئ من الشرائع التى هى الطاعات، لاخلاف أن الكافر أهل الأحكام لايرادبها وجه الله تعالىٰ مثل المعاملات والعقوبات من الحدود والقصاص؛ لأنه أهل لأدائهما؛ إذ المطلوب من المعاملات مصالح الدنيا، وهم أليق بأمور الدنيا من المسلمين؛ لأنهم آثروا الدنيا على الآخرة، وكذا المقصود من العقوبات المشروعة فى الدنيا الانزجار على الإقدام على أسبابها، وهذا المعنى مطلوب من الكافر كما هو مطلوب من المؤمن، بل الكافر أليق بما هو عقوبة زجرا من المؤمن". (غاية التحقيق شرح الحسامى، باب القياس، فصل فى بيان الأهلية، ص: ٢٨٧، مير محمد كتب خانه)

Made Searchable by ScribeTools.com
Made searchable using ScribeTools.com

السلطان، وكان يستقرض لجميع حوائجه، وما يأخذ من الجائزة يقضى به ديونه. والحيلة فى هذه المسائل أن يشترى نسيئةً، ثم ينقد ثمنه من أىّ مال شاء. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ عن الحيلة فى مثل هذا، فأجابنى بما ذكرنا، كذا فى الخلاصة، اهـ". فتاوى عالمگيرى: ٤/٢٢٦(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۸/۱۰/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وکیل بالشراء کو قیمت میں تصرف کرنا

سوال[۸۰۱۲]: اگر کسی شخص نے ایک آدمی کو کوئی شی خریدنے کو کہا اور پیسے اپنے پاس سے دیئے تو وکیل کو یہ جائز ہے کہ یہ پیسہ بوجہ ضرورت اپنے تصرف میں لائے اور مؤکل کو اپنے پیسے سے چیز کو خرید کر دیدے، اور خریدنے کے بعد وکیل مؤکل کے لئے وہ شئے لا رہا تھا کہ راستہ میں وکیل سے ایک شخص نے کہا کہ یہ شئے مجھ کو دیدو اور تم اَور بازار سے خرید کر مؤکل کو دے دو۔ تو وکیل کو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وکیل امین ہوتا ہے(۲)، امانت میں اس قسم کا تصرف ناجائز ہے، اگر تصرف کرلیا ہے تو وہ ضامن ہوگا امین نہیں رہا(۳)۔ مؤکل کے داموں سے جو چیز خریدی ہے اس کو کسی اَور کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں، یہ

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، باب الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) "المال الذى قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفائه، والمال الذى قبضه الوكيل بقبض العين بحسب وكالته، هو فى حكم الوديعة بيد الوكيل". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۸۴، (رقم المادة: ۱۴۶۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "إذا هلكت الوديعة أو نقصت قيمتها بتعدى المستودع أو بتقصيره، لزمه الضمان، مثلاً: إذا أنفق المستودع نقود الوديعة فى أمور نفسه أو استهلكها، ضمنها". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۶، (رقم المادة: ۷۸۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

فضولی کی بیع ہوئی جو اصل مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، ۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "من باع ملک غیرہ، فللمالک أن یفسخہ، و یجیزہ إن بقی العاقدان والمعقود علیہ، وبہ لو عرضاً ..... والأصل فیہ أن کل تصرف صدر من الفضولی و لہ مجیزٌ حال وقوعہ، انعقد موقوفاً علی الإجازۃ عندنا". (تبیین الحقائق: ۴/۴۸۳، کتاب البیوع، باب بیع الفضولی، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنھر: ۳/۱۳۴، فصل فی بیع الفضولی، غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی ردالمحتار: ۵/۱۰۶، ۱۰۷، فصل فی بیع الفضولی، سعید)

لیکن اگر موکل کے پیسے اپنے تصرف میں لائے، اس کے بعد چیز کو خریدا، یا قیمت اپنے پیسوں سے ادا کی تو یہ چیز وکیل کی ہوگی، اب اگر کسی اَور کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ بیع نافذ ہے: "الوکیل بشراء عبدٍ حبشیٍّ إذا أنفق الدراھم علی نفسہ واشتری بما أمر بہ من عندہ، یکون المشتریٰ للوکیل دون الآمر، وھو المختار". (الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۳/۵۷۷، الباب الثانی فی التوکیل بالشراء، رشیدیہ)

Made searchable using ScribeTools.com

کتاب الدعوی والتحکیم

باب الدعوی

(دعویٰ کا بیان)

زمین کا سرکاری کاغذات میں کسی کے نام ہونا اثباتِ ملک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

سوال[۸۰۱۳]: زید کے نام ایک زمین ہے، خالد اور عمر اس پر قابض ہیں۔ خالد کی وفات کے بعد خالد کی بیوی کا وہ لڑکا جو خالد سے نہیں ہے یعنی خالد کا ربیب خالد کی طرف سے زمین پر قابض ہوا۔ اب اس زمین کے سلسلہ میں زید اور عمر اور خالد کے ربیب ہر ایک دعویدار ہیں کہ وہ میری زمین ہے۔ زید کہتا ہے کہ باپ دادا کے وقت سے ہم لوگ سرکاری کاغذات پر مندرج ہیں، اس لئے میری ہے۔ اس لئے تینوں کے درمیان شدت سے لڑائی جھگڑا ہے۔

خالد کے ربیب نے رشوت دے کر زمین اپنے نام کرالیا، عمر کو جب یہ معلوم ہوا تو زید سے مل کر عدالت میں زید کے حق میں بیان دیدیا جس سے زید کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ زید شرعاً زمین کا مالک ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ زمین زید کے نام سے اور سرکاری کاغذات میں خانۂ ملکیت میں اس کا نام درج ہے تو اس کے لئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں (۱)، خالد اور عمر کا اس پر قبضہ بغیر اثباتِ ملک کے بے محل ہے (۲)۔

---

(۱) "إن الإعلام والسندات الصادرَينِ من حاكم محكمة يجوز الحكم والعمل بمضمونهما بلا بينة إذا كانا عاريين وسالمين من شبهة التزوير والتصنيع وموافقين لأصولهما". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۱۸۰، (رقم المادة: ۱۸۲۱)، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن السائب بن يزيد عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه، عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يأخذ=

خالد کے انتقال کے بعد اس کے ربیب کی ملک اس پر ثابت نہیں ہوئی (۱)۔ خالد کے ربیب کا رشوت دے کر اپنے نام کرالینا بھی غلط ہوا۔ زید کے نام پہلے سے ہی تھا اور اب عمر نے بھی جب کہ اس کے حق میں بیان دیدیا، تو گویا کہ اپنی ملک کا دعوی واپس لے لیا، اور یہ بھی اقرار کرلیا کہ عمر کا پہلا قبضہ زمین پر صحیح نہیں تھا۔ پس زید کے حق میں فیصلہ درست ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۳ھ۔

خرچۂ مقدمہ مدعیٰ علیہ سے وصول کرنا

سوال[۸۰۱۴]: ایک قطعۂ زمین کو زید، بکر، خالد وغیرہ نے مشترکہ خریدکی، خریدکردہ زمین کا کچھ حصہ باقی بچ رہا تھا۔ زید نے عمر (جو کہ ان شرکاء مذکورہ میں سے ہے) سے کہا کہ اس بقیہ جز کو تم لے لو تاکہ پورا قطعہ ہم لوگوں کی خریداری میں آجائے۔ عمر نے کہا کہ کچھ ضرورت نہیں ہے اور نہ میرے پاس روپیہ ہے۔ زید نے کہا کہ روپیہ میں دے دوں گا، تم اپنے نام لکھوالو۔

عمر نے کہا کہ اگر اس وقت میں لکھوالوں تو گھر پہونچ کر پھر تمہیں روپیہ کہاں سے دوں گا، اس لئے کہ گھر پر بھی میرے روپیہ نہیں موجود ہے اور نہ کوئی صورت فراہم کرنے کی ہے۔ زید نے کہا لکھوالو جب ہوگا اور جس طرح ہوگا دیتے رہوگے۔ عمر نے کہا: بہت اچھا! جب یہ بات ہے تو روپیہ دے دو، اگر روپیہ میں دے سکا تو میری ورنہ تمہاری۔ چنانچہ بیع کی رجسٹری ہوگئی، خارج داخل ہوگیا ہے، مکان پر آکر عمر نے کچھ روپیہ فراہم کرکے زید کو دے دیا۔

چونکہ اراضیٔ مذکورہ مشترکہ چند شرکاء کی تھی، اس لئے شرکاء نے پٹواری کو بلوا کر پیمائش کراکے باہمی تقسیم کراکے قرعہ ڈالا، بموجبِ قرعہ سب نے منظور کیا۔ زید نے عمر سے کہا کہ تم قرعہ کے موافق زمین آباد کرو، عمر نے کہا کہ میں اس وقت روپیہ نہیں دے سکتا ہوں، تمہارا روپیہ ہے تم ہی زمین آباد کرو۔ پس کچھ دنوں تک زید نے

= أحدكم عصا أخيه لاعباً جاداً، فمن أخذ عصا أخيه فليردّها إليه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعارية، الفصل الثانی، قديمی)

(۱) "اعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل: كبيع وهبة، وخلافة: كإرث وإصالة: و هو الاستيلاء". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۶/۴۶۳، كتاب الصيد، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

اس زمین کوآباد کیا، بعدہ زید وعمر کے باہمی کچھ گفت وشنید ہوئی۔

اب عمر کہتا ہے کہ اراضیٔ مذکورہ کا میں مستحق ہوں اور تم روپیہ کے مستحق ہو تم اپنا روپیہ قسط وار مجھ سے لے لیا کرو اور قبضہ اراضی پر اب میں کروں گا، چنانچہ عمر نے قبضہ کرلیا اور اب تک قبضہ باقی ہے۔ زید کہتا ہے کہ تم میرے نام بیع کرلو، عمر کہتا ہے کہ بیع کرنے کی کیا ضرورت ہے، تم برائے مہربانی اپنا روپیہ ہم سے قسط وار لیتے رہو، قسط وار تو لازمی طور پر ادا کرتا رہوں گا، نیز ہوسکا تو قسط سے بھی زائد دیتا رہوں گا۔ مگر وہ نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ جب تک تم میرا روپیہ کل ادا نہیں کروگے تو زمین پر میں قابض رہوں گا اور زید، فساد، فوجداری، مقدمہ بازی پر تُلا ہوا ہے۔ عمر نے کہا تمہاری تعدی سے اگر مجبوراً عدالت میں جانے کی ضرورت ہوئی تو اس کے اخراجات وضع کرکے بقیہ رقم تم کو دوں گا۔

آپ ارشاد فرمائیے کہ مقدمہ میں صَرف شدہ رقم قرض میں محسوب ہوگی یا نہیں؟ نیز اگر زید زمین پر قبضہ کرلے تو اس سے نفع حاصل کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ عمر نے زید کا کچھ روپیہ ادا کیا ہے زیادہ حصہ باقی ہے، اس صورت میں زمین مذکورہ عمر کی ملکیت ہے یا زید کی باقی ہے؟

المستفتی: مولوی محمد تقی، موضع ادری، ڈاکخانہ اندارہ، ضلع اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے عمر کو جو روپیہ دیا ہے وہ روپیہ قرض ہے اور زمین عمر نے خریدی ہے (اگرچہ روپیہ زید سے قرض لے کر دیا ہے)، لہٰذا عمر زمین کا مالک ہے۔ اور جس قدر روپیہ عمر نے قرض لیا ہے وہ واجب الاداء ہے اور اگر عمر کے پاس فی الحال ادائیگی کے لئے روپیہ موجود نہیں تو زید کو چاہیے کہ عمر کو مہلت دے، لقوله تعالیٰ ﴿وإن كان ذوعسرة فنظرة إلى ميسرة﴾(۱)۔ تاہم زید کو مطالبہ کا حق ہر وقت حاصل ہے، اگر عمر کے پاس روپیہ موجود نہیں ہے تو عمر کو چاہیے کہ وہ زمین وغیرہ کو فروخت کرکے روپیہ ادا کرے، اگر باوجود قدرت کے ادا نہیں کرتا تو وہ گنہ گار ہوگا (۲)۔ اور عدالت کا خرچہ تین قسم کا ہے:

(۱) (سورة البقرة: ۲۸۰)

(۲) "ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "مطل الغنى ظلم، فإذا أتبع أحدكم على ملئ فليتبع". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۱/ ۲۵۱، قديمى)

(وصحيح البخارى: ۱/ ۳۲۳، كتاب فى الاستقراض وأداء الديون، بابٌ: مطل الغنى ظلم، قديمى)

Made Searchable by ScribeTools.com

اول: وہ جو کہ ہر صورت میں مدعی کے ذمہ رہتا ہے، جیسے مدعی کے وکیل کا محنتانہ، وہ تو مدعی کو مدعی علیہ سے وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

دوم: وہ جو کہ سرکار نے ظلماً مقرر کیا ہے، جیسے کہ درخواستوں کے ٹکٹ اور کورٹ فیس وغیرہ بھی مدعی کو مدعی علیہ سے وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

سوم: وہ جو کہ مدعیٰ علیہ کو طلب کرانے میں خرچ ہو، پس اگر مدعی علیہ حاضر نہیں ہوتا تھا اور کچھ خرچ کرکے جبراً حاضر کرایا ہے، نیز بلا طلب کرائے باوجود قدرت کے ادا نہیں کرتا تھا تو اس قسم کا خرچہ وصول کرنے کا حق ہے، کیونکہ مدعی علیہ اپنے خرچ کا خود سبب بنتا ہے۔ اگر قرض ادا کردے تو اس خرچ کی نوبت ہی نہ آتی۔

"وفی البزازية: ويستعين بأعوان الموالى على الإحضار وأجرة الأشخاص فى بيت المال، وقيل: على المستمرد فى المصر من نصف درهم إلى درهم، وفى خارجه لكل فرسخ ثلاثة دراهم أو أربعة ..... والحاصل أن الصحيح أن أجرة الشخص بمعنى الملازم على المدعى، وبمعنى الرسول المحضر على المدعى عليه لوتمرد بمعنى امتنع عن الحضور، وإلا فعلى المدعى". شامى: ٤/٤٣(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۷/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/رجب/۵۵ھ۔

فریقِ مخالف پر خرچۂ عدالت کا دعویٰ کرنا

سوال[۸۰۱۵]: زید نے عمر پر فوجداری کا دعویٰ کرکے بلا قصور پھنسا دیا اور ہائیکورٹ تک عمر بری رہا، مگر پیروی میں اس کے اخراجات کثیر ہوئے اور بدنامی اور زیر باری و بے آبروئی اور اپنے کاروبار کا نقصان عظیم ہوا۔ ابتدائی عدالت سے ہائی کورٹ تک مقدمہ چلا اور زید آگے بڑھتا رہا، عمر ہر عدالت سے بری ہوتا گیا۔ چونکہ عمر نہایت درجہ زیر بار اور بے آبرو ہوا اور مالی نقصان اٹھایا اور روحانی وجسمانی اذیت پائی تو اگر عمر اپنی ہتک عزت وروحانی وجسمانی اذیت اور نقصانات کا دعویٰ کسی رقم کا جو مناسب حال ہو دائر کرے تو شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اگر دعویٰ کرسکتا ہے تو کس قدر رقم تک دعویٰ کرسکتا ہے جو عند اللہ گنہ گار نہ ہو۔ فقط۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب فى أجرة الحضر: ۵/۳۷۲، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

غلط دعوی کی جوابدہی میں جس قدر خرچ ہو، وہ سب وصول کرنا درست ہے(۱)۔جسمانی وروحانی اذیت اور بے آبروئی کا کوئی مالی ضمان نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

ایک شخص کا رقم نہ دینے کا دعویٰ اور دوسرے کا انکار

سوال[۸۰۱۶]: اگر دفتری آدمی جو اس دفتر کے متعلقین سے رقم مختلفہ لیتا دیتا رہتا ہے، کسی کی رقومِ مطلوبہ واجبہ اس کے پاس رکھ دے کہ: لو، اسے گن لو، اور کچھ باقی اپنے جیب سے نکالنے لگے اور ادھر سے توجہ ہٹ جائے اور دوبارہ جب ان کی طرف متوجہ ہوا اور کہے کہ رقم گن لی جائے، یہ باقی پیسہ ہے تو وہ صاحب کہیں کہ وہ رقم تو آپ نے جیب میں دھر لی، مجھے کہاں دی۔ جب دفتری صاحب نے جیب دیکھی تو وہ رقم نظر نہیں آئی، پھر جب ساری رقم شمار کی تو اتنی ہی رقم کم نکلی، لیکن وہ صاحب یہی کہتے ہیں کہ رقم ہم کو نہیں ملی۔ کسی اَور کے

---

(۱) جب کسی کو اپنے حق کی حفاظت کے لئے بمجبوری نالش کرنا پڑے، اور فریقِ مخالف کی طرف سے بالکل مخاصمانہ کاروائیوں کی وجہ سے بہت سے مصارف برداشت کرنا پڑیں تو اس صورت میں خرچہ کا روپیہ بہت سے علماء کے نزدیک (ومنهم مولانا رشيد احمد گنگوهی صاحب رحمه الله تعالیٰ) جائز ہے"۔(إمداد الفتاوی: ۱۲۳/۳، حوادث الفتاوی، عنوان: خرچہ عدالت وصول کرنا، دار العلوم کراچی)

"ثم حاصل ما ذكره من ضمان الساعی أنه لو سعی بحق لا يضمن، ولو بلا حقٍ فإن كان السلطان يغرم بمثل هذه السعاية ألبتة، يضمن. وإن كان قد يغرم و قد لا يغرم، لا يضمن، والفتوىٰ على قول محمد رحمه الله تعالیٰ من ضمان الساعی بغير حقٍ مطلقاً ويعزر". (رد المحتار، كتاب السرقة، مطلب فی ضمان الساعی: ۸۹/۴، سعيد)

(۲) "ومعنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شئ من ماله عنده مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه؛ لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتو همه الظلمة؛ إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعی، كذا فی البحر الرائق" (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الحدود، فصل فی التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

چرانے وغیرہ کا احتمال نہیں ہے۔ایسی صورت میں دفتری صاحب کوتاوان دیناپڑے گا، یا کوئی اَورصورت ہوگی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس صورت میں دونوں پرقسم آئے گی (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/ ۸۷ھ۔

کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ

سوال[۸۰۱۷]: مکتوب قاضی الی القاضی کا کیا قاعدہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حکم یاشہادت کوگواہوں کے سامنےتحریر کرے اوران کوسنا کرمہر لگادے، پھراس مہرشدہ تحریرکودوسرے قاضی کے پاس ان گواہوں کے ساتھ بھیج دے مکتوب الیہ کے پاس۔ جب یہ گواہ اس تحریرکولے کرجائیں تووہ ان گواہوں سے دریافت کرے کہ اس میں کیالکھا ہےاوروہ گواہ پورے طور پرشہادت دیں کہ فلاں قاضی نے یہ تحریر ہمارے سامنےلکھی ہےاوراس میں یہ مضمون ہے، پھروہ مکتوب الیہ اس تحریرکوکھول کر پڑھے۔ یہ شرائط آج کل کی ڈاک، تار، ٹیلفون، ریڈیوخط وغیرہ کسی میں بھی موجودنہیں۔ تفصیل مطلوب ہوتو کتاب القاضی إلی القاضی:

---

(۱) "وإذا اختلف المتبايعان فی البيع فادّعی أحدهما ثمناً وادعی البائع أكثر منه، أو اعترف البائع بقدر من المبيع وادّعی المشتری أكثر منه، وأقام أحدهما البينة، قُضی له بها ..... وإن لم يكن لكل واحد منهما بينة، قيل للمشتری: إما أن ترضی بالثمن الذی ادّعاه البائع، وإلا فسخنا البيع. وقيل للبائع: إما أن تسلّم ما ادّعاه المشتری من المبيع، وإلا فسخنا البيع، فإن لم يتراضيا، استحلف الحاكم كل واحد منهما علی دعوی الآخر". (الهداية: ۳/۲۰۷، كتاب الدعوی، باب التحالف، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الرابع فی التحالف: ۴/۳۲، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق: ۷/ ۳۷۱، باب التحالف، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

٤/٤٨٦ رد المحتار (١) اورلسان الحكام(٢) وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۴/شعبان/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۶/شعبان/۶۶ھ۔

قاضی کی شرعی حیثیت

سوال[۸۰۱۸]: تمام مسلمانان اور سرکار کی طرف سے عہدۂ قضا پر جو منتخب ہوتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کا احترام لازم ہے اور اس کا حکم جو شریعت کی حدود میں ہو وہ معتبر اور واجب التعمیل ہے(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "القاضی یکتب إلی القاضی فی کل حق غیر حدٍ و قود، فإن شهد علی خصم حاضر حکم بالشهادة، وکتب بحکمه ..... وکتب الشهادة إلی قاض، لیحکم القاضی المکتوب إلیه ..... وقرأ الکتاب علیهم أو أعلمه بمافیه: أی بإخباره؛ لأنه لا شهادة بلا علم المشهود به، و ختم عندهم: أی عند شهود الطریق، وسلم الکتاب إلیهم بعد کتابة عنوانه فی باطنه ..... و إذا وصل إلی المکتوب إلیه نظر إلی ختمه أوّلاً ،ولا یقبله: أی لا یقرؤه إلا بحضور الخصم وشهوده، إلا إذا أقر الخصم، فلا حاجة إلیهم".

(رد المحتار علی الدر المختار:۵/۴۳۲، ۴۳۴، کتاب القاضی إلی القاضی، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة:۳/۳۸۱، ۳۸۲، الباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی إلی القاضی)

(وکذا فی بدائع الصنائع :۹/۱۱۴، فصل فی شرائط القضاء ، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) (لسان الحکام، الفصل الأول فی آداب القضاء ومایتعلق به، ص: ۲۲۳، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول، وأولی الأمر منکم﴾ الایة. (سورة النساء: ۵۹)

"فإن حکم، لزمهما؛ لأن حکمه صدر عن ولایةٍ شرعیةٍ علیهما، کالقاضی إذا حکم، لزم".

(تبیین الحقائق، کتاب القضاء، باب التحکیم: ۵/۱۱۸، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحرالرائق: ۷/۴۴، کتاب الحوالة، باب التحکیم، رشیدیه)

فاسق کو قاضی بنانا

سوال[۸۰۱۹]: زید علم دینیات سے ناواقف اور سارق سزایافتہ ہے، سرقہ، داڑھی منڈاتا اور تارک الصلوۃ ہے اور اس کے اَور بھی اعمال خلاف شرع ہیں۔ تو ایسی صورت میں زید شرعی عہدۂ قضاء کے لائق و موزوں ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں افعال مذکورہ کی وجہ سے زید فاسق ہے، لہٰذا عہدۂ قضاء کے لئے شرعاً موزوں نہیں عادل اور امین اور صالح کو قضاء کا عہدہ سپرد کرنا مناسب اور موزوں ہے، البتہ اگر قاضی بنا دیا گیا تو قاضی بن جائے گا اور اس کی قضاء نافذ ہوگی جب کہ اس میں حدود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو:

فی الکنز: "والفاسق أهلٌ للقضاء كما هو أهل للشهادة، إلا أنه لاينبغی أن يقلد". وفی البحر: "لاينبغی تقليده؛ لأن القضاء من باب الأمانة، والفاسق لايؤتمن فی أمر الدين، لقلة مبالاته به". بحر: ٦/٢٦٠(١)۔

وفی الهندية: ٣/٣١٠: "فيجوز تقليد الفاسق وتنفذ قضاياه إذا لم يجاوز فيها حدّ الشرع، ولكن لاينبغی أن يقلد الفاسق، كذا فی البدائع"(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۱۰/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/شوال/۵۲ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(١) (البحر الرائق، كتاب القضاء: ٦/٤٣٨، رشيديه)

(٢) (بدائع الصنائع، كتاب آداب القاضی، فصل فی من يصلح للقضاء: ٩/٩١، دار الكتب العلمية بيروت)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

باب التحکیم

(حَکم مقرر کرنے کا بیان)

کسی کو حَکم تسلیم کرنے کے بعد اس سے رجوع

سوال[۸۰۲۰]: زید اور عمر کا ایک زمین کے متعلق اختلاف ہوا کہ اس زمین کو کس نے پہلے خریدا، اس معاملہ کا فیصلہ کرانے کے لئے دونوں نے ایک متقی عالم کو متفقہ طور پر پسند کر کے حَکم اور فیصل مقرر کر دیا۔

زید نے عالم صاحب سے کئی بار ملاقات کر کے یہ کہا کہ ''تم فیصلہ اس طرح کرو کہ عمر اس زمین کا حق چھوڑے اور میں اس کے عوض عمر کو دس ہزار روپے، یا جتنی بھی رقم آپ فرمائیں وہ رقم عمر کو دیدوں''۔ اور زید نے عالم صاحب سے یہ بھی کہا کہ اگر آپ اس کے خلاف فیصلہ کریں گے تو میں عدالت میں جاؤں گا اور آپ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کروں گا۔

عالم صاحب نے تحقیق شروع کی اور ان کو یہ ظاہر ہوا کہ زید جھوٹا ہے اور اس نے عمر کے زمین خریدنے کے بعد زمین خریدی ہے، لہذا انہوں نے زبانی فیصلہ ان کو سنا دیا کہ عمر حق پر ہے اور تم جھوٹے ہو۔ اور چونکہ زید نے پہلے کہا تھا کہ اگر میرے خلاف فیصلہ کرو گے تو میں عدالت میں جاؤں گا، اس لئے عالم صاحب نے اس معاملہ کو تحریری شکل دینے کے لئے زید و عمر دونوں کو اطلاع دی کہ تم فلاں تاریخ کو اپنے کاغذات و ثبوت لے کر فلاں مقررہ جگہ حاضر ہو جاؤ۔ اس اطلاع کے ملتے ہی زید نے عدالت میں دعویٰ داخل کر دیا کہ عالم صاحب جھوٹے ہیں ان پر ہم کو اعتماد نہیں، اس لئے حکومت ان کو حَکم اور فیصل کے لئے نااہل ٹھہراوے۔

اب سوال یہ ہے کہ تحریر کے بغیر زبانی فیصلہ سنانے کے بعد زید کو عدالت میں جانے اور فیصلہ رد کرانے کا حق رہتا ہے؟ اور جو شخص عالم کے اوپر غلط الزام لگا کر ان کے زبانی فیصلہ کو نہ مانے اور عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حَکم اور فیصل قرار دیکر کسی فریق کا یہ کہنا کہ ''اگر میرے خلاف فیصلہ کیا تو عدالت میں جاؤں گا'' ظاہر کرتا ہے کہ اس کی نیت شرعی فیصلہ کرانے کی نہیں ہے، بلکہ اپنے موافق ہی فیصلہ کرانے کی ہے (چاہے ثبوت اور شرع کے موافق ہو یا خلاف ہو) ایسی صورت میں اس کو لازم تھا کہ وہ حَکم ہی تجویز نہ کرتا، لیکن جب حَکم تسلیم کرلیا تب بھی حَکم کے فیصلہ سے رجوع کرنے کا حق حاصل رہتا ہے(۱)، کہہ دے کہ میں آپ سے فیصلہ نہیں چاہتا، آپ فیصلہ نہ کریں۔ کسی الزام اور بہتان کی اجازت نہیں (۲)، بلاوجہ بھی رجوع کرنے کا حق ہے۔

تحریر سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم صاحب نے صرف زبانی جو کچھ فرمایا ہے، وہ اظہارِ خیال ہے، اس کی حیثیت فیصلہ اور حکم کی نہیں، اس کو ظاہر کیا ہے اور اب تک فیصلہ نہیں دیا۔ اسی لئے دونوں فریق کو اپنے کاغذات وثبوت لے کر فلاں جگہ فلاں تاریخ کو حاضر ہونے کے لئے کہا ہے تاکہ تحریری حکم دیدیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کے کاغذات وثبوت بھی عالم صاحب کے پاس نہیں، بلکہ فریقین ہی کے پاس ہیں جن کو عالم کے سامنے رکھ کر فیصلہ کو تحریری شکل دیں گے۔

اس لئے صورتِ مسئولہ میں عالم صاحب کو چاہئے کہ فیصلہ نہ کریں، اپنا حکم نہ لکھیں، بلکہ خود ہی ان کا

---

(۱) "لكل من الخصمين عزل المحكَّم قبل الحكم؛ لأنه مقلد من جهتهما، فكان لكل منهم عزله، وهو من الأمور الجائزة، فينفرد أحدهما بنقضه، كما ينفرد أحد العاقدين فى مضاربة وشركة ووكالة".

(شرح المجلة لسليم رستم باز البنانى، ص: ۱۱۹۷، (رقم المادة: ۱۸۴۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وينفرد أحدهما بنقضه: أى التحكيم بعد وقوعه، كما ينفرد أحد العاقدين فى مضاربة وشركة". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۲۹/۵، باب التحكيم، سعيد)

(وكذا فى خلاصة الفتاوىٰ، كتاب القضاء: ۲۹/۴، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع والعشرون فى التحكيم: ۳۹۷/۳، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الحوالة، باب التحكيم: ۴۴/۷، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، باب التحكيم: ۱۱۸/۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولايجوز أن يرمى مسلم بفسق وكفر من غير تحقيق". (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، ص: ۷۲، قديمى)

Made searchable using ScribeTools.com

مقدمہ واپس کردیں۔ غلطی یہ ہوئی کہ حکم وفیصلہ سے پہلے ہی رائے ظاہر کردی جس کے نتیجہ میں یہاں تک نوبت پہنچی۔ عدالت بھی زبانی فیصلہ کو تسلیم نہیں کرے گی، اور یہاں تو وہ اظہار رائے کے درجہ میں ہے، فیصلہ کے درجہ میں ہے بھی نہیں۔ اگر عالم صاحب فیصلہ باضابطہ تحریر فرمادیتے تو عدالت میں جانا بے سود اور غلط ہوتا (۱) غلط الزام لگانا بہرحال ناجائز اور حرام ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۱ھ۔

کیا حَکَم کے فیصلہ کو رَد کرنے کا حق ہے؟

سوال[۸۰۲۱]: دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو حَکَم بنانے کے بعد حَکَم کے فیصلہ دینے سے قبل کسی فریق کے اس حکم کو منسوخ اور رد کردینے کی وجہ سے وہ شرعاً رد اور منسوخ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ جب کہ حکم پر کچھ بے اعتمادی ہوجائے یعنی معقول وجہ سے حکم کے حکم ہونے کو منسوخ کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتماد رہے یا نہ رہے، دونوں صورتوں میں جو فریق بھی چاہے اس تحکیم کو فسخ کرسکتا ہے، اور یہ فسخ کرنے کا حق فیصلہ سنانے سے پہلے حاصل ہے۔

"ولكل واحد من المحكمين أن يرجع قبل حكمه، اهـ". كنز۔ "لأنه تقلد من جهتهما، فكان لكل منهما عزله، وهو من الأمور الجائزة، فينفرد أحدهما بنقضه كالمضاربة

---

(۱) "ولكن ليس لأحدهما أن يرجع عن الحكم بعد صدوره؛ لأنه صدر عن ولاية عليهما". (شرح المجلة لسليم رستم، ص:۱۱۹۸، (رقم المادة: ۱۸۴۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فإن حكم، لزمهما، ولا يبطل حكمه بعزلهما لصدوره عن ولاية شرعية". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۴۲۹/۵، كتاب القضاء، باب التحكيم، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۴۵/۷، باب التحكيم، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۱۸/۵، باب التحكيم، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (راجع، ص: ۴۶۶، رقم الحاشية: ۲)

والشركة والوكالة، فإن حكم، لزمهما لصدوره عن ولاية شرعية، فلا يبطل حكمه بعزلهما".

بحر: ۲۶/۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۳/۱۲ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) (البحر الرائق، كتاب الحوالة، باب التحكيم: ۴۴/۷، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

کتاب الهبة

(ہبہ کا بیان)

ہبہ اور تملیک میں فرق

سوال[۸۰۲۲]: ہبہ اور تملیک میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تملیک عام، ہبہ خاص ہے، اس لئے عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہے

سوال[۸۰۲۳]: ایک شخص نے اپنا مکان دوسرے کو ہبہ کردیا، لیکن ہبہ کرنے والا اسی مکان میں رہتا ہے اور اس مکان میں سے اپنا سامان نکالا نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ ہبہ کرنا صحیح ہوا یا نہیں؟ مع حوالہ کے جواب تحریر فرمائیں۔

علیم اللہ ناگپور، ۱۸/ اگست/۱۹۷۳ء۔

---

(۱) "التمليک: هو جعل الرجل مالكاً، وهو على أربعة أنحاء: الأول تمليک العين بالعوض، وهو البيع. الثاني: تمليک العين بلاعوض، وهي الهبة. والثالث: تمليک المنفعة بالعوض، وهي الإجارة. والرابع: تمليک المنفعة بلاعوض، وهي العارية". (التعريفات الفقهية الملحق بقواعد الفقه، ص: ۲۳۷، صدف پبليشرز)

"الهبة تمليک مال لآخر بلاعوض". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

Made Searchable by ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہبہ نامہ مکمل ہونے کے لئے موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے، صورت مسئولہ میں قبضہ بدستور واہب کے رہا، اس لئے ہبہ تام نہیں ہوا، یہ مسئلہ کتب فقہ: درمختار (۱)، شامی (۲)، عالمگیری (۳)، خانیہ (۴)، ہدایہ وغیرہ سب میں مذکور ہے (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۹۳ھ۔

ہبہ بلا قبضہ اور وقف علی الأولاد

سوال [۸۰۲۴]: زید نے اپنی جائیداد میں سے ایک اپنا رہائشی مکان جس میں خود اور اس

---

(۱) "وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لامشغولاً به، والأصل أن الموهوب إن مشغولاً بملك الواهب منع تمامها، وإن شاغلاً لا، فلو وهب جراباً فيه طعام الواهب أو داراً فيها متاعه أو دابةً عليها سرجه وسلمها كذلك، لاتصح، وبعكسه تصح". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) "ولو وهب داراً دون ما فيها من متاعه، لم يجز. وإن وهب مافيها وسلمه دونها، جاز". (ردالمحتار: ۵/ ۶۹۱، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) "ولايتم حكم الهبة إلامقبوضة، ويستوى فيه الأجنبى والولد إذا كان بالغاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۷۷، الباب الثانى فيمايجوز من الهبة، رشيديه)

(۴) "رجل وهب داراً فيها متاع الواهب أو جوالق، أو جراباً فيها طعام الواهب وسلم، لايجوز؛ لأن الموهوب مشغول بماليس بهبة". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۲۶۸، كتاب الهبة، فصل فى هبة المشاع، رشيديه)

(۵) "لايجوز الهبة إلامقبوضاً، والمراد نفى الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية: ۳/ ۲۸۱، كتاب الهبة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الهبة: ۶/ ۴۹، دارالكتب العلمية بيروت)

Made searchable using ScribeTools.com

کے متعلقین رہتے ہیں یا رہتے تھے، اپنے مرنے سے چار سال پیشتر اپنی بہو یعنی چھوٹے بیٹے کی بیوی کے نام ہبہ کیا اور ہبہ نامہ لکھ دیا جس میں یہ بیان ہے کہ ''میں نے ہبہ کر کے موہوب لہا بہو کے قبضہ میں دیدیا''، حالانکہ وہ مع اپنے مذکورہ متعلقین کے اس میں رہتا ہے، اور اس میں رہنے کے لئے کرایہ نامہ کی تحریر بعوض کرایہ لکھا دیا ہے، لیکن کوئی ثبوت ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ واہب واقف ہے، کبھی بھی چار سال میں موہوب لہا سے زر رسید حاصل کی ہو، ٹیکس وائر ٹیکس، بجلی وغیرہ وغیرہ ہر جگہ واہب کا نام آج تک لکھا ہوا ہے، یہ سب مصنوعی کاروائی بڑے لڑکے کو کم حصہ دینے کے لئے ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ ہبہ درست ہو گیا، یعنی بہو کا سابق سے اس میں اپنا قبضہ ہبہ سمجھا جائے گا؟ اگر یہ ہبہ نہ ہو تو کیا غیر وارث کے حق میں وصیت ہو گی؟ نیز زید نے اپنی باقی جائیداد میں سے اپنے چھوٹے لڑکے اور اپنی دختر پر زائد جائیداد وقف کی ہے اور بڑے لڑکے پر کم اور خود اپنے نفس پر بھی کی ہے یعنی باقی جائیداد وقف علی النفس علی الأولاد کی ہے، ان تینوں وقف نامہ جات میں لکھا ہے: ''تاحینِ حیات میں اس جائیداد کا متولی ہوں اور اس کی آمدنی کا مستحق میرے بعد فلاں فلاں''۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ وقف علی الأولاد وعلی النفس وقف ہے یا وصیت علی الورثہ کے قبیل سے ہے جو ناجائز ہے؟

شیخ غلام نبی، دہلی بازار فتح پوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واہب نے ہبہ کے بعد اس مکان سے اپنا قبضہ نہیں اٹھایا تھا اور اپنا سامان وہاں سے منتقل نہیں کیا، بلکہ بعد از ہبہ نامہ بغیر مکان خالی کئے فوراً کرایہ نامہ تحریر کر دیا تو شرعاً یہ ہبہ نامہ نافذ نہیں ہوا اور موہوب لہا (یعنی بہو) کی ملک اس پر شرعاً حاصل نہیں ہوئی، محض کاغذ کی کاروائی ممکن ہے کہ قانوناً کافی ہو لیکن شرعاً کافی نہیں، اور چونکہ بحالتِ صحت اپنی زندگی میں انتقال سے چار سال پہلے یہ ہبہ کیا ہے، مرض الموت میں یا انتقال کے بعد نافذ کرنے لئے نہیں کیا، اس لئے یہ وصیت بھی نہیں، لہذا جملہ ورثہ کو دیگر ترکہ کی طرح حسبِ وراثت شرعیہ اس میں سے بھی حصہ ملے گا اور بہو کو کچھ نہیں ملے گا، نہ ہبۃً نہ وصیۃً:

''فلو وهب جراباً فيه طعام واهب، أو داراً فيها متاعه، أو دابةً عليها سرجه، وسلمها

كذلك، لايصح". درمختار، :٤/٧٠٢(١)۔

جووقف بحالتِ صحت کیا جائے وہ شرعاً وقف ہی ہوتا ہے، وصیت نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

اگر واہب نے اس مکان سے اپنا ذاتی مال واسباب نہیں نکالا تھا تو یہ قبضہ صحیح نہیں ہوا، ہاں اگر اس کا اس میں کوئی مال نہیں تھا، اور بہواس میں رہتی تھی تو یہ قبضہ ہوگیا، کرایہ نامہ لکھنے سے پہلے اگر اس نے تھوڑی دیر کو بھی اپنا مال واسباب علیحدہ کردیا تھا، تو ہبہ صحیح ہوگیا (۳)، کرایہ کا وصول کرنا ضروری نہیں ہے، بلا کرایہ بھی اگر واہب بعد میں رہے تب بھی کچھ حرج نہیں (۴) اور قبضہ موہوب لھا کا اس صورت میں بھی کافی ہوگا جبکہ پہلے سے وہ رہتی ہے۔فقط۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

زبانی ہبہ بغیر قبضہ کے معتبر نہیں

سوال[۸۰۲۵]: شوہر نے کچھ روپے بطورِ امانت کسی کے پاس رکھے تاکہ ہندہ خود خرچ نہ کردے،

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/ ۶۹۱، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/ ۸۹۱، كتا ب الهبة، غفاريه كوئٹة)

(۲) "وعبارة المواهب فى الوقف على نفسه وولده ونسبه وعقبه، جعل ريعه لنفسه أيام حياته ثم وثم، جاز عند الثانى، وبه يفتى كجعله لولده". (الدرالمختار، ۴/ ۴۶۸، كتاب الوقف، فصل فيما يتعلق فى وقف الأولاد، سعيد)

(۳) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لالصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث فى أحكام الهبة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الدر المختار: ۵/ ۶۹۰، كتا ب الهبة، سعيد)

(۴) "(قوله: وكذا الدار المعارة): أى لو وهب طفله داراً يسكن فيها قوم بغير أجر، جاز". (الدرالمختار). قال العلامة ابن عابدينؒ: "(وكذا الدار المعارة) ..... ومن وهبت للزوج دار اً لها بها متاع وهم فيها، تصح". (ردالمحتار: ۵/ ۶۹۱، ۶۹۲، كتاب الهبة، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

یاماں باپ کو نہ دے دے، ہندہ کہتی ہے کہ میں لوں گی، شوہر نے کہا کہ لے لو، لیکن اس کو دیا نہیں۔ وہ روپیہ بھی ترکہ شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شوہر کے اس کہنے سے کہ ''تم لے لو'' وہ روپیہ ہندہ کی ملک نہیں ہوا، اگر شوہر اس سے روپیہ لے کر ہندہ کو دیدیتا اور ہندہ اس پر قبضہ کرلیتی تو ہندہ کا ہوجاتا (۱)، لہٰذا وہ روپیہ شوہر کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

ہبۂ جائیداد زبانی

سوال[۸۰۲۶]: میری والدہ مشرف جہاں بیگم نے اپنی کل جائیداد تقریباً دس سال ہوتے ہیں مجھ کو ہبہ زبانی کردی مزید احتیاط کے طور پر انہوں نے بذریعۂ خط اطلاع دی:

''تمہارا خط ملا، اس مرتبہ تم نے بھیجنے میں بہت دیر کی، معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جو جائیداد تم کو ہبہ زبانی کر کے بتاریخ ۵/ فروری/ ۱۹۵۶ء میں دی تھی، اس میں لوگ تعرض کرتے ہیں، لہٰذا یہ مزید احتیاط تائید ہبہ زبانی تم کو لکھتی ہوں کہ تقریباً سات سال کا عرصہ ہوا کہ جملہ جائیداد واقع شاہ جہاں پور جملہ متروکہ پدری ناظر سلامت اللہ خان مرحوم و مادر خود تم کو ہبہ زبانی کر چکی ہوں اور اس پر تم کو قابض بھی کرا چکی ہوں، جو شخص ماننے سے تعرض کرے اس کو میرا خط دکھلا دینا۔ دعاء گو: تمہاری والدہ''۔

(دستخط) مشرف جہاں بیگم۔

---

(۱) "لاتجوز الهبة إلامقبوضة". (مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلابالقبض". (شرح المجلة: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، الباب الأول، حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الدرالمختار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۷/ ۴۸۳، كتا ب الهبة، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۶/ ۴۹، كتا ب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

اس سلسلہ میں فتوی سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی جائیداد ہبہ کرکے اس پر آپ کا جدگانہ قبضہ کرادیا اور اپنا قبضہ ہٹالیا تو وہ جائیداد آپ کی ہوگئی (۱)۔ اگر متروکہ جائیداد میں دوسرے ورثاء بھی حصہ دار تھے تو ان کا حصہ ان کو دینا لازم ہے، اس کے ہبہ کرنے کا آپ کی والدہ کو حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

ہبہ کی ایک صورت

سوال[۸۰۲۷]: حافظ علی کے پاس مالگذاری کی ۸۱/۸۲، ۱ ایکڑ زمین تھی، ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، انہوں نے ایک لڑکا پالا تھا اور اپنی زندگی میں جائیداد کا حصہ ۲/۱ بخش کردیا تھا، اس کی تاریخ ۹/ نومبر/ ۱۹۱۶ء ہے، ان کی بیوی حیات تھی۔ اس لڑکے کے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اور حافظ علی کی بیوی نے اس لڑکی کی شادی اپنے بھائی حیدر علی سے کردی ہے اور جائیداد کا ۸/۱ حصہ ۲۱/ مارچ/ ۱۹۳۳ء کو بخشش کردیا، لیکن اس لڑکی کا ۱۹۳۶ء میں

---

(۱) (راجع، ص: ۴۷۰، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "يلزم أن يكون الموهوب مال الواهب، فلو وهب واحد مال غيره بلا إذنه، لاتصح الهبة: أى لاتنعقد؛ لاستحالة تمليک ماليس بمملوک للواهب". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۱، (رقم المادة: ۸۵۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وشرائط صحتها فى الواهب العقل والبلوغ والملک". (ردالمحتار: ۶۸۷/۵، كتاب الهبة، سعيد)

"وأما مايرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، ..... وكونه من أهلها: أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب، حتى لو كان عبداً، ..... أو لايكون مالكاً للموهوب، لايصح". (الفتاوى العالمكيرية: ۳۷۴/۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا فى الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۴۹۰/۳، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

انتقال ہوگیا۔اب صرف ۲/ ۱ حصہ حافظ صاحب کی بیوی کے پاس بچا ہے۔اس مرحومہ لڑکی کی دولڑکیاں نابالغ تھیں،منور بیگم نے بچی ہوئی جائیداد کا ۲/ ۱ حصہ ان لڑکیوں کے نام کردیا،ان لڑکیوں کا باپ سرپرست تھا۔

۱۹۴۲ء میں منور بیگم وفات پاگئیں،۱۹۵۴ء میں نابالغ لڑکیوں کا نام درج ہوا،اب لڑکیاں بالغ ہوگئی ہیں اور ۱۹۶۵ء میں آدھی زمین سرپرست نے واپس کردی اور کہتا ہے کہ باقی جائیداد میری ہے،سرکار نے غلام نبی کا ۲/ ۱ حصہ خاتون بیگم ۸/ ۱ حصہ،اور واجدہ بیگم کا ۴/ ۱ حصہ ابولیشن کردیا،اس کا روپیہ کا بھی عباس نے لیا،اب صرف زمین بچی ہے۔شرعی حکم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بحالتِ صحت منور بیگم نے جو زمین نابالغ لڑکیوں کو شرعی طور پر ہبہ کردی،اور ان کے والد عباس کو اس پر سرپرست کی حیثیت سے قبضہ کرادیا تو وہ زمین لڑکیوں کی ہوگئی (۱)،اب اس کو اپنی زمین بتانا اور لڑکیوں کو نہ دینا جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۵/ ۲/ ۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۲۵/ ۲/ ۹۵ھ۔

---

(۱) "الموهوب له إن كان من أهل القبض فحق القبض إليه. وإن كان الموهوب له صغيراً أو مجنوناً، فحق القبض إلى وليه، ووليه أبوه أو وصى أبيه، ثم جده ثم وصى وصيه، ثم القاضى، ومن نصبه القاضى، سواء كان الصغير فى عيال واحد منهم أو لم يكن، كذا فى شرح الطحاوى. فلو أن الأب ووصيه والجد أبا الأب، ووصيه غاب غيبةً منقطعةً، جاز قبض الذى يتلوه فى الولاية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس فى الهبة للصغير: ۴/ ۳۹۱، رشيديه)

"تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۱۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وشرائط صحتها فى الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول، وركنها هو الإيجاب والقبول، وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/ ۶۸۸، كتاب الهبه، سعيد)

"يملك الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لخالد الاتاسى: ۳/ ۳۸۱، (رقم المادة: ۸۶۱)، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "لايجوز لأحد أن يتصرف فى ملك غيره بلا إذنه أووكالةٍ منه أو ولايةٍ عليه. وإن فعلٍ، كان ضامناً". =

ہبۂ مشاع

سوال[۸۰۲۸]: مسماۃ لطیف النساء زوجۂ قاضی محمد رزق اللہ صاحب مرحوم المغفور نے اپنی زندگی میں بحالتِ قائمیٔ حواسِ خمسہ روبرو چند اشخاص معتمد قوم وعزیزانِ خود اپنے سوتیلے بیٹے مسمی محمد ثناء اللہ صاحب سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جوترکہ مجھے تیرے باپ سے آٹھویں سہام کی رو سے پہونچتا ہے اور جو میرا مہر واجب ہے، وہ میں تجھ کو دیتی ہوں اور جوترکہ میرے والدین سے مجھے پہونچتا ہے وہ میں اپنی بہن کی اولاد کو دیتی ہوں، اس میں تمہارا کوئی حق نہیں اور جو کہ میں تمہیں دے چکی ہوں اس میں ان کا حق کوئی نہیں۔ فریقین نے اسی فیصلہ کو منظور کرلیا اور فریقین کو اس پر قبضہ دے دیا۔

تقریباً عرصہ بیس سال تک اسی پر عمل درآمد رہا اور مسماۃ مذکورہ اس عرصہ میں بہن کے یہاں رہی، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ کیونکہ فیصلہ کی رو سے اگرچہ قبضہ فریقین کا ہے لیکن کاغذات مال میں غلطی سے بعض جگہ اندراج ہے اور بعض جگہ نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ فیصلہ شرعی از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض جگہ اندراج نہ ہونے کا کا کچھ اثر ہے کہ نہیں؟ فقط۔

سائل: محمد شعیب برمکان قاضی حمید حسین صاحب، محلّہ قاضیان، ضلع کرنال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں عقد ہبہ ہے، مقسوم کا ہبہ قبضہ سے تمام ہوجاتا ہے، پس اگر فریقین کا حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں آچکا ہے تو یہ ہبہ صحیح اور تام ہے، کاغذات میں اگر اندراج غلط ہے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہے، اصل چیز یعنی قبضہ ہر فریق کا اپنے حصہ پر موجود ہے، کاغذات کے اندراج کو صحیح کرالیا جائے۔ اگر فریقین کا حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں نہیں آیا، بلکہ بلاتقسیم ہبہ کرکے قبضہ کرادیا ہے جس میں ان فریقین کا حصہ بھی ہے اور ان کے علاوہ کسی دوسرے کا حصہ بھی ہے، تو یہ ہبہ صحیح نہیں، بلکہ فاسد ہے، فریقین اس حصہ کے مالک نہیں ہوئے، البتہ واہبِ ہبہ اگر تقسیم کرا کے اپنے حصے پر قبضہ کرلیتے ہیں تو ہبہ صحیح ہوجاتا، تجدید عقد ہبہ کی ضرورت نہیں تھی:

= (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ٦١، (رقم المادة: ٩٦)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الحموى شرح الأشباه والنظائر: ٢/٤٤٣، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار: ٦/٢٠٠، كتاب الغصب، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

"لو وهب مشاعاً يقسم، ثم قسمه وسلمه، صح وملكه؛ لأن التمام بالقبض. وعنده لاشيوع، فأفاد أنه لو قبضه مشاعاً، لايملكه، فلاينفذ تصرفه؛ لأنها هبة فاسدة مالاً، وهي مضمونة بالقبض، ولايفيد الملك للموهوب له، وهو المختار. ولو باعه الموهوب له، لايصح، كذافي المبتغى". بحر:۷/ ۲۸٦(۱)۔

"وبما ذكره ههنا علم أن قوله: (تصح في محوز مقسوم) معناه أنها تملك بهذه الشروط، لا أن الصحة متوقفة على القسمة؛ لأنه لو وهب شائعاً يقسم، تصح الهبة من غير ملك، ولهذا لو قبضه مقسوماً. ملك. ولو كان شرطاً للصحة، لاحتيج إلى تجديد العقد، كما لا يخفى". بحر(۲)۔

اب چونکہ واہبہ کا انتقال ہو چکا ہے، اس نے فریقین کو جو حصہ دیا تھا، وہ اب ورثہ کی ملک ہے، ورثہ اگر چاہیں ہبہ با قاعدہ کردیں، اگر چاہیں واپس کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شعبان/۵۴ھ۔

الجواب صحیح بندہ سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۸/شعبان/۵۴ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۷/۴۸۷، ۴۸۸، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق، المصدر السابق)

"(فإن قسمه وسلمه، صح): أى لو وهب مشاعاً، ثم قسمه وسلمه، جاز؛ لأن تمام الهبة بالقبض، وعنده: لاشيوع فيه. ولو سلمه شائعاً، لا يملكه حتى لاينفذ تصرفه فيه، ويكون مضموناً عليه، وينفذفيه تصرف الواهب". (تبيين الحقائق: ۶/۵۵، كتاب الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

"لاتتم بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه أو لأجنبى لعدم تصور القبض الكامل، كما فى عامة الكتب، فكان هوالمذهب. وقيل: يجوز لشريكه، وهو المختار. فإن قسمه وسلمه، صح، لزوال المانع. ولوسلمه شائعاً، لايملكه، فلاينفذ تصرفه فيه، فيضمنه، وينفذ تصرف الواهب". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹۲، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۴۹۴، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱) ، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى شرح المجله لخالد الأتاشى: ۳/۳۷۸، الباب الثانى فى بيان شرائط الهبة، مكتبه حقانيه پشاور)

ہبۂ مشاع

سوال[۸۰۲۹]: ایک شخص دو ہفتہ سے حبسِ بول میں مبتلا تھا، جب وہ کسی ترکیب وعلاج سے دفع نہیں ہوا اور تکالیفِ مرض حد سے گذر کر امیدِ صحت وزندگی بالکل باقی نہیں رہی تب اس حالتِ ناامیدی وتعطل عقل میں مریض نے اپنی جائیداد منقولہ کا - جواز قسم زمینداری دوکانات ومکانات سکنی کی تھی - اپنے چاروں لڑکوں کے نام بلاتصریح ان کے حصصِ باہمی کا ہبہ نامہ لکھ دیا اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ موہوب لہ کو ہم نے قبضہ دے دیا، مگر درحقیقت کسی قسم کا قبضہ واقعی وغیر واقعی اس وقت اب تک نہیں دیا گیا۔ واہب بدستور سابق قابض ودخیل ہے اور اختیارات مالکانہ عمل میں لا رہا ہے۔

۲- سب جائیداد موہوبہ یعنی زمینداری ودوکانات ومکانات دوسرے شرکاء کے ساتھ مشترک ہیں اور بلاتقسیم کے ہبہ کی گئی، نیز یہ کہ حصص جائیداد غیر منقسم بحقِ موہوب لہ ہبہ ہوئے، اس میں بھی موھوب لہ کے حصص کی صراحت نہیں ہے کہ کتنا حصہ کس کو ہبہ کیا گیا؟

۳- مکانات مردانہ وزنانہ غیر منقسم کو بلا اس اسباب واثاث البیت کے کہ جو واہب کا اس میں رکھا ہوا تھا ہبہ کیا گیا ہے۔

۴- وقتِ تحریر ہبہ نامہ کے تین موہوب لہ بروقت تجارت دور دراز مقامات میں تھے، صرف ایک موہوب لہ واہب کے پاس موجود تھا، مگر جلسہ تحریر ہبہ نامہ میں وہ بھی موجود نہ تھا، بلکہ کسی ضرورت سے باہر گیا ہوا تھا، اس لئے باہم واہب وموہوب لہ میں ہبہ کا ایجاب وقبول بھی نہیں ہوا۔

۵- جب چند ہفتہ کے بعد واہب کو احتباسِ بول سے نجات ملی، تب وہ بعض دیگر شکایتوں کے علاج کے لئے دہلی چلا گیا، تب اس موہوب لہ حاضر نے بلا اجازت واطلاع واہب کے تقریباً تین ماہ کے بعد درخواست داخل خارج دے کر اپنے نام اور دوسرے کے نام داخل خارج کرالیا، مگر اس کے بعد بھی کسی قسم کا قبضہ موہوب لہم کا نہیں ہوا۔

۶- اب موہوب لہم میں سے وہ شخص جائیداد موہوب بہ کے منافع کے واہب سے دعویدار وطلب گار ہیں، واہب کو دینے سے اس لئے انکار ہے کہ ہبہ نامہ بوجوہاتِ مذکورہ صدر غیر نافذ اور کالعدم وباطل ہے۔

بقیہ دو موہوب لہم کو بر بناء ہبہ نامہ کے کوئی دعوی جائیداد موہوبہ کے متعلق نہیں ہے، ان دونوں

Made searchable using ScribeTools.com

میں سے ایک وہ ہے کہ جس نے تین ماہ ۔کے بعد درخواست داخل خارج دے کر اپنے نام ونیز دوسروں کے نام داخل خارج کرایا تھا۔

۷- ہبہ نامہ: متذکرہ صدر ماہ اگست ۱۹۳۱ء میں تحریر ہوا تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں جو ہبہ نامہ تحریر ہوا، اس کی وجہ سے لڑکوں کو قبضہ اور مطالبہ کا حق نہیں، کیونکہ ہبہ کے لئے ایجاب وقبول ضروری ہے، اگر قبول نہ ہو تو قبضہ ضروری ہے۔ مجلسِ عقد میں قبضہ بلا اذنِ واہب درست ہوتا ہے اور بعد المجلس واہب کے منع کرنے کی صورت میں درست نہیں ہوتا، اور اذن کی صورت میں درست ہوتا ہے، نیز تعطلِ حواس کی حالت میں جبکہ مرض کی وجہ سے عقل مخبوط ہو چکی ہو عقد ہبہ وغیرہ صحیح نہیں ہوتا، اسی طرح ہبۂ مشاع (غیر منقسم) بھی صحیح نہیں ہوتا:

"وتصح بإيجا ب وقبول ولو بالفعل فى حق الموهوب له، ثم شرائط صحتها فى الواهب العقل، والبلوغ، والملك، وفى الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع، مميزاً غير مشغول. وتتم بالقبض الكامل، فإن قبض فى المجلس بلاإذن، صح، وبعده لابد من الإذان. والحاصل أنه إن أذن بالقبض صريحاً، صح قبضه فى المجلس وبعده. ولونهاه، لم يصح قبضه لافى المجلس ولابعده. ولوكان الموهوب غائباً فذهب وقبض، إن بأذنٍ، صح، وإلالا". سكب الأنهر: ۲/۳۵۳، ۳۵٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۸/۵۸ھ۔

---

(۱) (سكب الأنهر الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة، مكتبة غفاريه كوئٹه)

"وشرائط صحتها فى الواهب العقل والبلوغ والملك، فلاتصح هبة صغير ورقيق ولو مكاتباً. وشرائط صحتها فى الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع، مميزاً غير مشغول. وركنها هو الإيجاب والقبول. وتصح بقبض بلاإذن؛ وتتم الهبة بالقبض الكامل". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۷/۴۸۶، ۴۸۷، كتاب الهبة، رشيديه) ..... =

Made Searchable by ScribeTools.com

غیر مملوکہ مکان کو ہبہ کرنا

سوال[۸۰۳۰]: سائل کے والد دو بھائی تھے، دونوں کا انتقال ہوگیا، ایک کی اولاد لڑکا ہے، دوسرے کی اولاد بھی لڑکا ہے۔ سائل منصور احمد اور اپنے بھائی فہیم الدین کے پاس رقم بھیجتا رہا بمبئی سے مکان تعمیر کرانے کے لئے، تو فہیم الدین جو منصور احمد کا تایازاد بھائی تھا اس نے مکان تعمیر کرایا، مکان کی جائیداد شرکت کی تھی اور ایک دوکان اس میں منصور احمد نے اپنے روپیہ سے خرید تھی، فہیم الدین کا انتقال ہوگیا ہے اور مکان اپنی لڑکی کے نام کردیا ہے، اب فہیم الدین کی بیوی نے اس مکان اور دوکان پر قبضہ کرلیا ہے۔ شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فہیم الدین کی بیوہ کو شوہر کے ترکہ سے میراث میں آٹھواں حصہ پہونچتا ہے، اس سے زیادہ کی وہ حقدار نہیں ہے(۱)۔ جو دوکان منصور احمد نے اپنے ذاتی روپیہ سے خریدی ہے وہ منصور احمد کی ہے، جو مکان منصور احمد کے بھیجے ہوئے روپیہ سے تعمیر ہوا وہ منصور احمد کا ہے، فہیم الدین کو لڑکی کے نام کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، یہ غلط ہوا، لڑکی اس پر قبضہ نہ کرے(۲) بلکہ لڑکی اور وہ دونوں کو لازم ہے کہ وہ مکان اور دوکان منصور احمد کے حوالہ کردیں۔ البتہ فہیم الدین کا حق والد کی چھوڑی ہوئی زمین میں منصور احمد کے برابر ہے(۳)، اس میں بیوی

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۶/۴۹، ۵۲، كتاب الهبة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۷/۱۷۰، فيما يجوز في الهبة ومالايجوز، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تبارك وتعالى: ﴿فإن كان لكم ولد، فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أودين﴾. الاية. (سورة النساء: ۱۲)

(۲) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾. الاية. (سورة البقرة: ۱۸۸)

"ليس لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي، وإن أخذه ولو على ظن أنه مِلكه، وجب عليه رده". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) واضح رہے کہ ان دونوں کے حصوں کی تعیین دیگر ورثہ کے معلوم ہونے پر کی جاسکتی ہے، تاہم اگر صرف یہی دو بھائی مرحوم باپ کے وارث ہوں تو کل جائیداد ان دونوں کو بوجہ عصبہ ہونے کے آدھا آدھا ملے گی:

"العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقي من سهام ذوي الفروض. وإذا انفرد، =

Made searchable using ScribeTools.com

اورلڑکی اپنا اپنا حصہ لے سکتی ہیں (۱)۔

اب جبکہ اس زمین پر منصور احمد کی تعمیر موجود ہے جو کہ فہیم الدین کی رضامندی سے ہے، لہذا اپنے حصہ کی زمین کا معاملہ منصور احمد سے کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۹۰ھ۔

حرام، حلال مخلوط روپے کا ہبہ

سوال[۸۰۳۱]: زید کا باپ تجارت کرتا ہے، وہ تجارت شرع شریف کے بالکل خلاف ہے، مثلاً جھوٹ بولتا ہے، کم دیتا ہے، زیادہ لیتا ہے اور بہت سی دھوکہ بازیاں کرتے ہیں، جیسے کہ آج کل تجارت چل رہی ہے کہ کوئی مسئلہ کا لحاظ نہیں کرتا، جس طرح جی میں آتا ہے کر دیتا ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کا باپ وہ روپیہ جتنے مناسب سمجھتے ہیں، زید کو دیدیتے ہیں اور باقی سے اپنا کام چلاتے ہیں، تو یہ روپیہ زید کو لینا کو جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ناجائز ہے اور زید لحاظ میں لے لیتا ہے تو اب اس کو مسکینوں میں خیرات کردے، یا قطعی ان سے نہ لے اور صاف منع کردے؟ اور اگر کوئی صورت لینے کی ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کا باپ خالص حرام وناجائز روپیہ مثلاً: رشوت، سود، غصب، وغیرہ کا روپیہ زید کو دیتا ہے،

= أخذ جميع المال. وإذا اجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة، يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم لكل واحد سهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث، رشيديه)

(وكذا الدرالمختار: ۶/ ۷۷۴، كتاب الفرائض، باب العصبات، سعيد)

(۱) بیوی کو زوج کے حصے سے ثمن آٹھواں ملے گا اور بیٹی کو نصف بطور ذی فرض ملے گا اور بقیہ مال بطور رد ملے گا:

"أمَّا للزوجات فحالتان: الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وإن سفل، والثمنُ مع الولد أو ولد الابن وإن سفل. وأما لبنات الصلب فأحوال ثلث: النصف للواحدة، اهـ". (السراجي في الميراث، فصل في النساء، ص: ۷، سعيد)

"الرد ضد العول: مافضل عن فرض ذوي الفروض ولا مستحق له، يرد على ذوي الفروض بقدر حقوقهم إلا على الزوجين". (السراجي في الميراث، باب الرد، ص: ۲۸، سعيد)

یا ایسا مخلوط روپیہ دیتا ہے جس میں زیادہ حرام ہے اور کم حلال تو زید کو اس کا لینا جائز نہیں، صاف انکار کردے، اگر کسی وجہ سے لے لیا ہے تو واپس کردے۔ اگر واپس نہیں کرسکتا ہے تو خود اپنے صرف میں نہ لائے، بلکہ جن سے باپ نے لیا ہے ان کو واپس کردے، وہ موجودہ نہ ہو تو ان کے ورثہ کو دیدے، اگر اصل مالک اور اس کے ورثہ کا علم نہ ہو تو خیرات کردے اور مسکینوں پر اصل مالک کی طرف سے صدقہ کردے(۱)۔

اگر وہ خالص حلال روپیہ یا ایسا روپیہ جس میں زیادہ حلال ہے دیتا ہے تو اس کو لینا اور اپنے صرف میں لانا شرعاً درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

نابالغ کے مال میں تصرف، ہبہ وغیرہ

سوال[۸۰۳۲]: ایک نابالغ بچہ جس کی نگرانی کے لئے ایک عاقل بالغ شخص مقرر کیا گیا ہے، کیا اس

---

(۱) "ويردون ها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۹، الباب الخامس عشر في الكسب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷/۶۰، كتاب الكراهية، فصل في البيع، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۸/۳۶۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، رشيديه)

(۲) "إذا كان غالب مال المُهدى حلالاً، فلابأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام. وإن كان غالب ماله الحرام، لايقبلها ولايأكل، إلا إذا قال: إنه حلالٌ وَرَثَه أو استقرضه". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۳۰۹، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الثانية، إدارة القرآن، كراچی)

"أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلابأس به، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لايقبل الهدية ولايأكل الطعام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۵/۳۴۲، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

"غالب مال المهدى إن حلالاً، لابأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام؛ لأن أموال الناس لايخلو عن حرام فيعتبر الغالب. وإن غالب ماله الحرام، لايقبلها ولايأكل، إلا إذا قال: إنه حلال". (مجمع الأنهر: ۴/۱۸۶، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۴۰۰، كتاب الحظر والإباحة، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

بچہ کی موہوب، متصدق، مباح یا کسی اَورطرح کی مملوک چیزوں میں سے وہ نگراں بچہ کی اجازت کے ساتھ کچھ لے سکتا ہے، جبکہ بچہ عاقل وصحیح ہے اورنگراں کے نہ لینے سے اس کورنج ہوتا ہے اوراظہارغم کرتا ہو۔فقط۔

عبیداللہ بلیاوی،۲/ ربیع الأول/ ۶۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ کی اجازت غیرمعتبر ہے اوراس کی دلداری کی وجہ سے ناجائز کام جائز نہیں ہوتا:

"وأما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حراً عاقلاً بالغاً مالكاً للموهوب، حتى لو كان عبداً أ ومكاتباً أو مدبراً أو أم ولد أو من فى رقبته شئ من الرق أو كان صغيراً أو مجنوناً أو لا يكون مالكاً للموهوب، لايصح. هكذافى النهاية، ۱ھ". عالمگیری:۲/ ۳۷۲ (۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۶/۴/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۹/۴/ ۶۱ھ، صحیح: عبداللطیف۔

بچے کی ملک میں مربی کا تصرف

سوال[۸۰۳۳]: ایک شخص کی نگرانی میں ایک خاندان کا بچہ تعلیم کے واسطے سپرد کیا گیا، بچہ کے نام جاگیر ہے، اس کو ہبہ کیا جاتا ہے، اس کے نام روپیہ آتا ہے تو وہ نگران اپنی ضرورویات میں بھی خرچ کرتا ہے۔وہ بچہ غصب کرتا ہے، یا کوئی چیز چراتا ہے، یا اس کو صدقہ کیا جاتا ہے، حالانکہ وہ سید ہے، طالب علم مسافر بھی ہے،

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

"وشرائط صحتها فى الواهب العقل والبلوغ والملك، فلاتصح هبة صغير ورقيق".

(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد)

"وشرائط صحتها فى الواهب العقل والبلوغ والملك". (مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى شرح المجلة لخالد الأتاشى: ۳/۳۷۵، (رقم المادة: ۸۵۹)، حقانيه پشاور)

نابالغ تو ہے ہی، نگران بھی دستِ نگر اور تنگدست ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کے کیا احکام ہیں اور ان کے ضبط کے لئے کیا قاعدہ کلیہ ہے؟ مدلل ومشرح بیان فرمائیے۔ فقط۔

سائل: عبیداللہ بلیاوی، ۲۸/صفر/۶۱ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس بچہ کو صدقاتِ واجبہ لینا ناجائز ہے(۱)، چوری، غصب بھی ممنوع ہے، نگران کو اس کی ملک میں اپنی ذات کے لئے تصرف درست نہیں (۲) اس کا ہدیہ بھی قبول نہیں کرنا چاہئے، بچہ کا ہدیہ قبول کرنا صحیح ہے:

"قبول الصبی العاقل الهبةَ صحیحٌ، اھ". أشباه، ص: ۱۹۵ (۳)۔ "شرائط صحتها فی الواهب العقل والبلوغ". سکب الأنهر: ۲/۲۵۳ (٤)۔

---

(۱) "ولاتدفع (أی الزکوة) إلی بنی هاشم، لقوله علیه والصلوه والسلام: "یابنی هاشم! إن الله تعالی حرم علیکم غسالة الناس وأوساخهم". (الهدایة: ۱/۲۰۶، باب المصرف، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

"ولایدفع إلی بنی هاشم". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۹، باب المصرف، رشیدیه)

(۲) "عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللهصلی الله علیه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لایحل مال امرئ إلابطیب نفس منه". (مشکوٰة المصابیح، ص: ۲۵۵، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، قدیمی)

(۳) (الأشباه والنظائر: ۲/۳۴۲، الفن الثانی، الفوائد، کتاب الهبة، إدارة القرآن، کراچی)

"ویصح قبضه (أی الصبی) للهبة". (شرح الأشباه والنظائر، ۳/۳۰، الفن الثالث؛ أحکام الصبیان، إدارة القرآن، کراچی)

"إذا وهب شئ للصبی المیز، تتم الهبة بقبضه الموهوبَ إن کان له ولی". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۶۸، (رقم المادة: ۸۵۳)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۴) (سکب الأنهر شرح ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، کتاب الهبة، مکتبه غفاریه کوئٹة)

"وأماما یرجع إلی الواهب، فهو أن یکون الواهب من أهل الهبة، وکونه من أهلها أن یکون حراً عاقلاً بالغاً مالکاً للموهوب". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۳۷۴، کتاب الهبة، الباب الأولٰ فی تفسیر الهبة ورکنها وشرائطها وأنواعها، الخ، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، کتاب الهبة غفاریه کوئٹة)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

اور جو احکام دریافت طلب ہوں، تفصیل سے تحریر کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور، ۱/۳/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۵/ ربیع الأول/ ۶۱، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ہبہ شدہ چیز کو اپنے گھر نہ لے جانے کی شرط لگانا

سوال [۸۰۳۴]: زید اور عمر آپس میں دوست ہیں، دونوں میں تعلقات کثیرہ ہیں۔ زید نے عمر سے کہا کہ فلاں شئ مجھے ہبہ کردے، عمر نے اس شرط پر کہ تم یہاں سے گھر نہیں لے جاسکتے، ہم دونوں استعمال کریں گے، لیکن ملک تمہاری ہے، اور قبضہ کرادیا۔ اب کئی سال کے بعد زید اس شئ کو گھر یا اَور کہیں لیجانا چاہتا ہے اور عمر اس کے انتفاع سے بالکل محروم رہ جاوے گا۔ نیز زید یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے یہ شرط اس وقت قبول نہیں کی تھی، بلکہ میں نے تو اتنی مقدار پیسے دیدیئے تھے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہبہ نہیں تھا، بلکہ بیع ہوئی تھی۔ اور عمر کہتا ہے کہ اس شئ کے عوض کچھ پیسے نہیں دیا گیا۔ اور نیز عمر کہتا ہے کہ اگر آپ نے مقدار معین دی تھی تو میں ادا کردوں گا۔ اور وہ شئ مجھے دے دے۔ اس میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہبہ صحیح ہے، شرط باطل ہے، واپس لینا مکروہ تحریمی ہے، اگر پیسے دینے کا ثبوت ہو تو واپسی کا مطالبہ بالکل ناجائز ہے اور خلافِ شرع ہے:

"قال أصحابنا جميعاً: إذاوهب وشرط فيها شرطاً فاسداً، فالهبة جائزة والشرط باطل". عالمگيری: ٤/٣٩٦(١)۔

"ويصح الرجوع فيها: أی فی الهبة كلاً وبعضاً، ولكن يكره تحريماً، ويمنع منه حروف دمع خزقة". مجمع الأنهر: ٢/ ٣٥٦(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ۸/ ۶۲ھ۔

---

(١) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/ ٣٩٦، الباب الثامن فی حكم الشرط فی الهبة، رشيديه)

(٢) (مجمع الأنهر: ٣/ ٤٩٩، باب الرجوع فيها، مكتبه غفاريه كوئٹة)

"وحكمها أنها لاتبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبد على أن يعتقه تصح ويبطل الشرط". =

خدمت کی امید پر ہبہ کردیا، پھر خدمت نہیں کی

سوال[۸۰۳۵]: میں نے اپنی زمین جو کہ رہائش کی تھی اس کو اپنے حقیقی بھتیجے کے نام ہبہ کردیا، اس لئے کہ میری عمر کافی ہوگئی ہے، کمزوری کا زمانہ ہے کہ میرے بھتیجے میری خدمت کریں گے، مگر جب ہبہ نامہ ہوگیا، اس کے بعد میں ان لوگوں نے میری کوئی خدمت نہیں کی۔ میری دولڑکیاں بھی ہیں۔ اب آپ فرمائیں کہ یہ ہبہ نامہ غلط ہے کہ نہیں؟ میری اب یہ مرضی ہے کہ اس ہبہ نامہ کو توڑ دوں اور اس وقت میری کچھ حالت بھی صحیح نہیں تھی۔

میری بڑی لڑکی ناراض ہے، چھوٹی لڑکی بھی ناراض ہے، اور ان لوگوں نے اب تک کوئی خدمت نہیں کی، اس لئے میں اور میری دونوں لڑکیاں سخت ناراض ہیں۔ اب آپ حکم فرمائیں جو حکم ہو عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محض تحریر لکھی گئی ہے اور ان کا قبضہ نہیں کرایا گیا تو ابھی ہبہ مکمل نہیں ہوا، اس کے ختم کرنے کا اختیار حاصل ہے(۱)، لڑکیوں کو محروم کردینا بھی برا اور گناہ ہے(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۹۲ھ۔

= (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۸۸/۵، کتاب الهبة، سعید)

"وصح الرجوع فيها بعد القبض مع انتفاء مانعه وإن كره الرجوع تحريماً ..... ويمنع الرجوع فيها حروف دمع خزقه". (الدرالمختار: ۶۹۸/۵، ۶۹۹، باب الرجوع فی الهبة، سعید)

"(وما لايبطل بالشرط الفاسد القرضُ والهبةُ) بأن قال: وهبتک هذه الجارية بشرط أن يكون حملها لی". (البحر الرائق: ۳۱۲/۶، کتاب البیع، باب المتفرقات، رشیدیه)

"صح الرجوع فيها الرجوع دمع خزقه) يعنی صح الرجوع فی الهبة بعد القبض إذا لم يمنع مانع من الموانع الآتية، وأشاربذكر الصحة دون الجواز إلى أنه يكره الرجوع فيها". (البحرالرائق: ۴۹۴/۷، باب الرجوع فی الهبة، رشیدیه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۵۴۵/۴، کتاب البیوع، باب المتفرقات، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) "وشرائط صحتها فی الموهوب أن يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۸۸/۵، کتاب الهبة، سعید) ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

مرض الموت میں ہبہ

سوال[۸۰۳۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ: زید نے اپنے مرض الوفات میں اپنی مملوکہ کچھ حصے ایک لمٹیڈ کمپنی کے اپنے بعض ورثہ کو ہبہ کردیئے، اسی مرض میں چند ایام کے بعد زید کی وفات ہوگئی۔ اب شرعاً یہ دریافت کرتا ہوں کہ زید کا مرض الوفات میں بعض ورثہ کو ہبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: احمد یوسف، سیدات، رنگون۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

. مرض الموت میں ہبہ بمنزلۂ وصیت کے ہوتا ہے، پس اگر کوئی شخص مرض الموت میں ہبہ کردے اور شئ موہوب لہ کا قبضہ کرادے، اگر مشاع قابلِ تقسیم ہو تو تقسیم کراکے قبضہ کرادے، اس کے بعد انتقال ہوجائے تو ایک ثلث میں اس کی تنفیذ ہوگی۔ اگر تقسیم اور قبضہ سے پہلے انتقال ہوجائے تو ہبہ باطل ہوگا(۱)۔ اگر موہوب لہ وارث ہو تب بھی ہبہ ناجائز ہوگا، الّا یہ کہ دیگر ورثاء اس پر راضی ہوں:

"الهبة والصدقة من المريض لِوَارثه نظير الوصية؛ لأنه وصية حكماً، حتى تعتبر من الثلث". مجمع الأنهر(۲):

= "وتتم بالقبض الكامل، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاتجوز الهبة إلامقبوضة". (مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وتصح بالإيجاب والقبول والقبض..... قوله عليه الصلوة والسلام: "لاتجوز الهبة إلامقبوضة". والمراد نفى الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت". (الهداية: ۳/ ۲۸۱، كتاب الهبة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى البحر الرائق: ۷/۴۸۳، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۶، باب الوصايا، الفصل الثالث، قديمى)

(۱) "وهب فى مرضه ولم يسلم حتى مات، بطلت الهبة؛ لأنه وإن كان وصيةً حتى اعتبر فيه الثلث، فهو هبة حقيقةً، فيحتاج إلى القبض". (ردالمحتار: ۵/۷۰۰، باب الرجوع فى الهبة، سعيد)

(۲) (مجمع الأنهر: ۴/۴۲۴، كتاب الوصايا، غفاريه كوئٹه) .....=

"ولاتصح الوصية لوارث شيئاً إلا بإجازة الورثة". سكب الأنهر(۱)۔ "وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لامشغولاً به فی محوز مقسوم ومشاع لايقسم لاتتم بالقبض فيما يقسم. ولو لشريكه، فإن قسمه وسلمه، صحّ. ولو سلمه شائعاً لايملكه، فلا ينفذ تصرفه فيه، اهـ". درمختار(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ جمادی الثانیہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ جمادی الثانیہ/ ۶۹ھ۔

مرض الموت میں وارث کیلئے ہبہ

سوال[۸۰۳۷]: مسمی کالے خاں دو بیٹے عبداللہ خان وحبیب خان چھوڑ کر فوت ہوا، ان میں سے عبداللہ خان کے دو بیٹے، ایک بیٹی تھی، عبداللہ خان مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس کے دونوں لڑکوں نے کل

= "إذا وهب واحد فی مرض موته شيئاً لأحد ورثته وبعد وفاته، لم يُجِزْ سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً؛ لأن الهبة فی مرض الموت وصية، ولاوصية للوارث. ولكن لوأجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۸۳، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثانی، حنفية كوئٹة)

"إن هبة المريض مرض الموت لأحد ورثته، لاتجوز، إلا أن يجيزها الورثه الباقون بعد موت الواهب؛ لأن هبته وإن كان هبةً حقيقةً، لكن لها حكم الوصية". (شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۳/۴۰۳، كتا ب الهبة، الفصل الثانی فی هبة المريض، (رقم المادة: ۸۷)، حقانيه پشاور)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتا ب الهبة، الباب العاشر فی هبة المريض، رشيديه)

(والبزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، نوع فی هبة المريض: ۶/۲۳۹، رشيديه)

(۱) (سكب الأنهر على مجمع الأنهر: ۴/۴۱۸، كتاب الوصايا، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار: ۵/۶۹۰، ۶۹۲، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتا ب الهبة، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

جائیداد باپ کے اپنے نام رجسٹر کرالی اور باپ کی اس پر تصدیق کرالی، گویا باپ نے خود ہی دونوں بیٹوں کے نام کل جائیداد کردی مرض الموت میں، اور لڑکی کو محروم کردیا، یعنی لڑکی کے نام کچھ نہیں کیا۔

اندریں صورت دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کو از روئے شرع کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ باپ کے ہوش وحواس ہی بوقتِ تصدیق نامہ نہ تھے۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبداللہ خان کے جو دونوں بیٹوں نے رجسٹر کرائی ہے، بظاہر یہ ہبہ نامہ ہے، لہذا ہبہ نامہ کا ہی حکم جواب میں تحریر ہے، مرض الموت میں ہبہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے، اگر ہوش وحواس بجا ہوں اور مرض الموت میں ہبہ کر کے موہوب لہ کا قبضہ کرادے تو ایک ثلث میں جاری ہوگا۔ اگر قبضہ کی نوبت نہیں آئی کہ واہب کا انتقال ہوگیا تو ہبہ بے کار اور کالعدم ہوگیا (۱)۔ اور اگر ہوش وحواس درست نہیں تھے تو اس ہبہ کا شروع ہی سے کوئی اعتبار نہیں خواہ قبضہ ہو یا نہ ہو (۲)۔

صورت مسئولہ میں چونکہ یہ ہبہ بیٹوں کے حق میں کیا گیا ہے جو کہ شرعاً وارث بھی ہیں، اس لئے ہبہ ناجائز ہے، کیونکہ وارث کے حق میں وصیت شرعاً نافذ نہیں ہوتی جب تک دیگر ورثہ اجازت نہ دیں (۳)۔ پس

---

(۱) "لاتجوز هبة المريض ولاصدقته إلامقبوضةً، فإذا قبضت، فجازت من الثلث. وإذا مات الواهب قبل التسليم، بطلت". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر فى هبة المريض، رشيديه)

(وكذا فى البزازيه على هامش الفتاوىٰ العلمكيرية: ۶/۳۳۹، كتاب الهبة، نوع فى هبة المريض، رشيديه)

(وشرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الهبة: ۱/۴۸۳، (رقم المادة : ۸۷۹)، مكتبه حنيفه كوئٹه)

(۲) "ثم شرائط صحتها فى الواهب العقل والبلوغ والملك". (الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۹۰، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد)

"يشترط أن يكون الواهب عاقلاً بالغاً، فبناءً عليه لاتصح هبة الصغير والمجنون والمعتوه".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۷۲، (رقم المادة : ۸۵۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) "عن عمرو بن خارجة رضى الله تعالىٰ عنه قال: خطب رسول اللهصلى اللهعليه وسلم فقال: "إن الله =

Made Searchable by ScribeTools.com

اگرعبداللہ خان کے صرف دو بیٹے اورایک بیٹی ہی وارث ہیں تو یہ ہبہ بیٹی کی اجازت پرموقوف رہے گا(۱)،اگروہ اجازت دیتی ہے تو نافذ رہے گا، ورنہ نافذنہیں، بلکہ اس میں شرعی طور پر میراث جاری ہوگی،جس کی صورت یہ ہے کہ مسمی کالے خان کی جائیداداورکل ترکہ بعدادائے دین وغیرہ دوحصہ کرکے نصف کا مالک حبیب خان ہوگا اورنصف کا عبداللہ خان (۲)، پھراس نصف کے پانچ حصے ہوں گے، دودو ہرلڑکے کواورایک لڑکی کو ملے گا(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سوال کے مطابق جواب صحیح ہے، بہتر یہ ہے کہ اصل کاغذات کی نقل استفتاء کے ہمراہ آتی تاکہ اس میں غورکرلیا جاتا۔فقط۔سعیداحمد، مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہان پور،۲۶/۳/۶۴ھ۔

صحیح:عبداللطیف،مظاہرعلوم سہان پور،۲۶/۳/۶۴ھ۔

مرض الموت میں وارث کوہبہ کاحکم

سوال[۸۰۳۸]: مفیدالوراثین میں ہے:

= أعطى كل ذى حق حقه، ولاوصية لوارث". الحديث. (سنن النسائى: ۲/ ۱۳۱ كتاب الهبة، باب إبطال الوصبة للوارث، قديمى)

(۱) "إذا وهب واحد فى مرض موته شيئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يُجِزْ سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً ..... ولكن لوأجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۸۳، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثانى فى هبة المريض، مكبتة حنفية كوئٹه)

(۲) صورت مذکورہ میں کالے خاں کے ورثہ میں صرف دو بیٹے ہیں اور بیٹے عصبہ ہیں،اورعصبہ ذوی الفروض کی عدم موجوگی میں کل مال کے مستحق ہوتے ہیں:"العصبات وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ مابقى من سهام ذوى الفروض. وإذا انفرد، أخذ جميع المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث فى العصبات، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار: ۶/ ۷۷۴، كتاب الفرائض، فصل فى العصبات، سعيد)

(۳) قال اللہ تعالى تبارك وتعالىٰ: ﴿يوصيكم الله فى أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ الاية. (سورة النساء: ۱۱)

Made searchable using ScribeTools.com

''اگر مرض الموت میں کسی ایسے شخص کو جو مریض کا وارث نہیں بطور تحفہ وہدیہ کچھ دے دیا تو بالفعل دلوادیا جائے گا، لیکن اگر مریض اس مرض میں مرگیا اور معلوم ہوا کہ وہ مرض الموت تھا، اس کا حکم مثل وصیت کے ہے، انتہی''(۱)۔

اس میں غیر وارث کو دینے کی شرط کیوں لگائی؟ اگر وارث کو مرض الموت میں دے تو اس کو بھی فی الحال دلوادینا چاہے، کیونکہ اس مرض کا مرض الموت ہونا یقینی نہیں، پس اگر اسی مرض میں مرجائے تو وہ چیز اس وارث سے واپس لے لی جائے، وارث اور غیر وارث میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ وجہ پیش کی جائے کہ وارث کو اگر فی الحال دے دی جائے تو شاید وہ اس چیز میں تصرف وغیرہ کرلے، اور وہ چیز واپس نہ لی جاسکے تو یہ وجہ غیر وارث میں بھی ہے کہ شاید جو چیز اس کو دی ہے وہ ثلث مال سے زیادہ ہو، پس وہ اس میں تصرف وغیرہ کرے جس وجہ سے مایجری فیه الوصیة یعنی ثلث سے زائد واپس نہ لیجاسکے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وارث میں واپس لینے سے ایک دوسری شئ بھی مانع ہے، اس کا ذی رحم محرم ہونا، یا تعلقِ زوجیت ہونا۔ اغلب واقرب یہ ہے کہ اس تحفہ کو چونکہ مرض الموت میں وصیت کا حکم دیا جاتا ہے، اور وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی: ''لا وصیہ لوارث''(۲)۔ اس لئے اس صورت کو غیر وارث کے ساتھ مقید کیا تاکہ آئندہ چل کر اگر اس مرض کا مرض الموت ہونا ثابت ہوجائے تو سب کو بحکمِ وصیت ثلثِ ترکہ سے نافذ کیا جاسکے(۳)، اگر وہ موہوب لہ وارث ہو تو وہاں تنفیذِ وصیت کا محل ہی نہیں(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ رمضان المبارک/ ۱۳۶۶ھ۔

---

(۱) (قانون وراثت مفید الوارثین، فصل سوم مرض الموت اور مریض کے اقرار کا بیان، ص: ۶۸، سعید)

(۲) ''عن عمرو بن خارجة رضی الله تعالیٰ عنه قال: خطب رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: ''إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه، ولا وصیة لوارث''. الحدیث. (سنن النسائی: ۲/ ۱۳۱، کتاب الهبة، باب إبطال الوصیة للوارث، قدیمی)

(۳) ''وأما لو وهب وسلم لغیر الورثة، فإن خرج الموهوب من ثلث ماله، صحت الهبة''. (شرح المجلة: ۱/ ۴۸۴، (رقم المادة: ۸۷۹)، کتاب الهبة، الفصل الثانی فی هبة المریض، مکتبه حنفیه کوئٹه)

''وأما هبته: أی المریض لأجنبی، فتصح من کل ماله إن أجاز الورثة، وإلافمن الثلث فقط''. (شرح المجلة لخالد الأتاسی: ۳/ ۴۰۴، مکتبه حقانیه پشاور)

(۴) (راجع رقم الحاشیة: ۲)

مرض الموت میں جعلی ہبہ نامہ پر دستخط

سوال[۸۰۳۹]: ہندہ اپنے بستر مرگ پر عالمِ نزع میں ہے، ہندہ کے جیٹھ (شوہر کا بڑا بھائی) نے ایک سادہ کاغذ (اسٹامپ) پر کسی تحریر اقرار نامہ کے نشانِ انگوٹھا بغیر ہندہ کی مرضی وخواہش کے جبراً لے لیا۔ اور نشانِ انگوٹھا لیتے وقت سوائے اس کے جیٹھ کے کوئی دوسرا گواہ وہاں پر موجود نہ تھا۔ نشان انگوٹھا لینے کے چند دن بعد ہندہ لاولد فوت ہوگئی۔ اس کے بعد اس کاغذ کو جس پر ہندہ کا نشان انگوٹھا لیا گیا تھا، ہبہ کی شکل میں تحریری اقرار کرایا گیا کہ ہندہ نے اپنے ترکہ کی جائیداد اپنے شوہر کو ہبہ کردی اور بعد میں مذکورہ جیٹھ کے علاوہ مزید تین گواہوں نے از راہِ شہادت اپنے اپنے دستخط کردہ دستاویز پر ثبت کردیئے۔ اور اس طرح ہندہ کا ہبہ نامہ بحق اپنے شوہر کے مکمل ہوگیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کی کمزوری اور لاچاری سے فی الحال جو فائدہ اٹھایا گیا، اور مندرجہ بالا طریقے سے ہندہ سے ہبہ کرایا گیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعۃً اسی طرح ہے تو یہ کارروائی شرعاً بالکل بے کار ہے، اس سے ہبہ نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۴ھ۔

اپنا وارث ہوتے ہوئے مکان متبنّٰی کو ہبہ کرنا

سوال[۸۰۴۰]: زید کی ہندہ سے سوائے ایک لڑکی کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے اپنی زندگی کا نباہ پار کرنے کے لئے عمر کو اپنا لڑکا بنالیا، عمر ہوش سنبھالتے ہی زید کی کما حقہ خدمت گذاری میں مصروف رہا۔ اس سے خوش ہوکر زید نے اپنا زرخرید نصف مکان عمر کو ہبہ کردیا، عمر نے اپنی آمدنی سے اس کی از سر نو تعمیر کی۔ پھر زید نے عیش وآرام کی زندگی پانے کی وجہ سے آخری عمر میں بقیہ نصف مکان بھی چند گواہوں کے سامنے ہبہ نامہ تحریر

---

(۱) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض". (شرح المجلة: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، الباب الأول، حنفيه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

کردیا تاکہ عمر کو بوقتِ ضرورت کام آئے۔اور زید نے اپنی لڑکی کی شادی کردی، وہ اپنی سسرال رہتی ہے۔زید کے انتقال کے بعد وہ لڑکی میراث کی طلبگار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ لڑکی اس مکان میں حصہ دار ہے یانہیں؟اور زید کا عمر کو کل مکان کا ہبہ کرنا شرعاً صحیح ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان اگر اتنا بڑا ہے کہ نصف نصف کرکے تقسیم کردیا جائے تو دونوں حصوں سے انتفاع ہوسکتا ہے اور پھر زید نے تقسیم کرکے عمر کا قبضہ نصف پر نہیں کروایا، بلکہ حسبِ سابق زید بھی مالکانہ حیثیت سے رہتا رہا اور عمر بھی رہتا رہا تو یہ نصف کا ہبہ فاسد صحیح نہیں ہوا (۱)۔پھر آخری عمر میں جو دوسرا بقیہ نصف ہبہ کیا ہے، اگر مرض الموت میں ہبہ کیا ہے تو وہ بھی صحیح نہیں ہوا (۲)،عمر نے اپنی آمدنی سے جو کچھ اس پر خرچ کیا ہے، وہ زید کے ساتھ تبرع ہوا (۳)،لڑکی کو میراث طلب کرنے کا حق حاصل ہے۔

اگر ہبہ کی اس کے علاوہ کوئی اَور صورت پیش آئی ہے یعنی مکان چھوٹا تھا جو تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہ

---

(۱) "(قوله: فی محوزمقسوم ومشاع لایقسم، لافیما یقسم): أی تجوز الهبة فی محوز مقسوم وفی مشاع لایقسم، ولاتجوز فی مشاع یقسم. احترز بقوله: (عن المتصل کالثمرة) عن الشجرة، وبقوله: (مقسوم) عن المشاع". وقال الشلبی فی حاشیته: "قال علماء نا:هبة المشاع فیما یحتمل القسمة لاتتم ولاتفید الملک قبل القسمة". (تبیین الحقائق مع حاشیة الشلبی: ۵۲/۶، کتاب الهبة، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶۹۲/۵، کتاب الهبة، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۴۸۶/۷، کتاب الهبة، رشیدیه)

(۲) "إذاوهب واحد فی مرض موته شیئاً لأحد ورثته وبعد وفاته، لم یُجِز سائر الورثة، لاتصح تلک الهبة أصلاً". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۴۸۳/۱، (رقم المادة، ۸۷۹)، کتا ب الهبه، الفصل الثانی، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "فلو أنفق علیها الأخر بلا إذنه، فهو متبرع غیر مضطر؛ إذ یمکنه أن یقسم حصته ویعمرها".

(ردالمحتار: ۳۳۳/۴، کتاب الشرکة، سعید)

رہتا، یا تقسیم کر کے عمر کے قبضہ میں نصف دے دیا اور اس نصف سے اپنا قبضہ ختم کر دیا، یا بقیہ نصف مرض الموت میں ہبہ نہیں کیا، بلکہ تندرستی میں ہبہ کیا تو اس صورت کو متعین کر کے جواب حاصل کیا جائے۔ آپ نے سوال میں کوئی تصریح نہیں کی، اس لئے ایک شق کا جواب لکھ دیا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۵ھ۔

واہب کی حیات میں ہبہ کے بعد موہوب لہ کا انتقال

سوال[۸۰۴۱]: زید کے چار لڑکے اور ایک لڑکی اور ایک مرحومہ لڑکی کا بیٹا (زید کا نواسہ) موجود ہے، زید نے اپنی حیات میں عاریتاً اپنے چار بیٹوں اور ایک بیٹی اور ایک نواسہ کو تقسیمِ ترکہ نامزد قرار دیدیا، اب زید کی موجودگی میں موجودہ لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ اس لڑکی کا خاوند اس کے حصہ میں سے کس قدر مال کا مستحق ہوسکتا ہے، یا بالکل نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاریۃً تقسیم ترکہ نامزد قرار دینے کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس سے مراد وصیت ہے یعنی زید نے وصیت کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا ترکہ اس طرح تقسیم کرنا تب تو یہ وصیت ہی ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ورثہ کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور وارث کے حق میں بلا اذن دیگر ورثہ وصیت نافذ نہیں ہوتی (۱)، البتہ نواسہ چونکہ اس صورت میں وارث نہیں، اس کے حق میں وصیت درست ہے، مگر اس کے نفاذ کا حکم زید کے مرنے پر ہوگا (۲)۔

---

(۱) "عن شرحبیل بن مسلم الخولانی، سمعت أبا أمامة الباهلی رضی الله تعالیٰ عنه یقول: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی خطبته عام حجة الوداع: "إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه، فلاوصیة لوارث". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۹، بابٌ: لاوصیة لوارث، میر محمد کتب خانه کراچی)

"عن شرحبیل بن مسلم رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "إن الله قد أعطی کل ذی حق حقه، فلاوصیة لوارث". (سنن أبی داؤد، باب ماجاء فی الوصیة للوارث، إمدادیه ملتان)

(۲) "وتجوز بالثلث للأجنبی عند عدم المانع وإن لم یجز الوارث لاالزیاده علیه، إلا أن تجیز ورثته=

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

جس لڑکی کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے حق میں جس قدر وصیت کی ہے، وہ زید ہی کی ملک ہے، لڑکی کی ملک نہیں (۱)، لہذا لڑکی کے شوہر کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا، ہاں! جو کچھ ترکہ مملوکہ لڑکی نے چھوڑا ہے اس میں اس کے شوہر کا بھی حصہ ہے (۲)۔

اگر تقسیم ترکہ نامزد کرنے سے مراد یہ ہے کہ باقاعدہ تقسیم کرکے ہر ایک کے حصہ پر اس کا قبضہ کرادیا ہے تو لڑکی کے ترکہ مملوکہ کیساتھ اس میں بھی میراث جاری ہوگی اور شوہر کو حصہ ملے گا۔ اگر تقسیم کرکے قبضہ نہیں کرایا تو یہ ہبہ تام نہیں ہوا، اور لڑکی کی ملکیت اس پر ثابت نہیں ہوئی (۳)، بس شوہر کو اس میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ لڑکی کا ترکہ تقسیم کرنے کیلئے اس کے جملہ ورثہ کا علم ضروری ہے، اگر اس کی اولاد موجود ہے، تب تو شوہر کو چوتھائی ترکہ ملے گا، اگر اولاد موجود نہیں تو نصف ملے گا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۲/۶۰ھ۔

= بعد موته، ولا تعتبر إجازتهم حال حياتهم أصلاً بل بعد وفاته". (الدرالمختار: ۶۵۰/۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۹۱/۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴۱۹/۳، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹه)

(۱) وارث کا مورث کے موت کے وقت زندہ رہنا شرط ہے، جبکہ مذکورہ لڑکی مورث سے پہلے فوت ہوگئی ہے، اس وجہ سے وہ ورثاء میں شمار نہیں ہوتی:

"وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقتاً أوحكماً، ووجود وارثه عند موته حياً حقيقتاً أو حكماً، أو العلم بجهة الإرث". (مجمع الأنهر: ۴۹۴/۴، كتاب الفرائض، مكتبه غفاريه كوئٹة)

(وكذا في ردالمحتار: ۷۵۸/۶، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) "ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء". (الدرالمختار: ۷۶۲/۶، كتاب الفرائض، مكتبه، سعيد)

(۳) "تنعقد (أي الهبة) بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلابالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۴۶۲/۱، (رقم المادة: ۸۳۷)، كتاب الهبة، الفصل الأول، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار: ۶۹۰/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(۴) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولكم نصف ماترك أزواجكم إن لم يكن لهن ولد، فإن كان لهن ولد، =

اولاد کے درمیان ہبہ میں تفصیل

سوال[۸۰۴۲]: مجھے اپنی اہلیہ مرحومہ سے تین اولاد ہے: دولڑکے: محمد فاروق ومحمد ہارون، اور ایک لڑکی۔ میں نے ان تینوں کے بالغ ہونے پر ان کی شادی کردی، شادی کے بعد دونوں لڑکے مجھ سے علیٰحدہ ہوگئے، بڑا لڑکا محمد فاروق پاکستان چلا گیا، اس کا کچھ پتہ نہیں، دوسرا لڑکا محمد ہارون شہر ہی میں دوسری جگہ رہتا ہے۔ دوسری اہلیہ سے تین لڑکے: محمد ہاشم، محمد محسن اور عبداللہ سالم اور سات لڑکیاں ہیں، جن میں چار لڑکیاں اور ایک بڑا لڑکا محمد ہاشم شادی شدہ ہیں۔

ہارون، فاروق کی موجودگی میں تنہا کام کرنے والا تھا، اور میرا کاروبار بھی بہت معمولی حالت میں تھا، بعد میں محمد ہاشم کی محنت اور اس کے تعاون سے کچھ کام بڑھا اور اب وہ مطمئن حالت میں ہے۔ موجودہ کاروبار کے بڑھانے اور جمانے میں محمد ہاشم کی لگن اور محنت کو برابر کا دخل ہے۔

ہارون، فاروق کے علیٰحدہ ہونے کے بعد میں نے اپنے موروثی مکان میں اپنے بڑے بھائی اور اپنی بہن کا حصہ خرید کر اپنے ساتھ شامل کرلیا، وہ اس طرح کہ بھائی صاحب کا حصہ میں نے اپنے نام اور محمد ہاشم کے نام خریدا، اور بہن کا حصہ جو کہ بھائی کے حصہ کا نصف تھا محمد ہاشم کے چھوٹے بھائی محمد محسن کے نام خریدا، اب میں چاہتا ہوں کہ مکان کا اتنا ہی حصہ سب سے چھوٹے لڑکے عبداللہ سالم کے نام ہبہ کردوں، اس طرح تینوں بھائیوں کے نام مکان کے نئے خریدشدہ حصہ میں سے برابر حصہ آجائے گا۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ کاروبار میں تین لڑکوں کو اپنے ساتھ برابر کا شریک کرلوں یعنی کاروبار کی ملکیت میں سے ایک چوتھائی کا مالک میں رہوں اور ایک ایک چوتھائی کا مالک تینوں لڑکوں کو بنادوں، اس طرح میری ملکیت میں وہ مکان رہ جائے گا جو ہارون اور فاروق کی علیٰحدگی کے وقت تھا، اور موجودہ کاروبار کا ایک چوتھائی حصہ، جو میرے انتقال کے بعد میرے تمام ورثہ اس میں سے اپنا اپنا حصہ رسد پانے کے مستحق ہوں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کل کاروبار کا مالک موجودہ تینوں لڑکوں کو بنادوں اور غیر منقول جائیداد کے حصے کرکے اس کو تقسیم کردوں اور اپنی زندگی ہی میں کچھ کمی زیاتی کے ساتھ اس کا بھی فیصلہ کرادوں اور مستحقین کو مالک بنادوں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے ہر ایک شکل کا مجھ کو شرعاً اختیار ہے

= فلكم الربع مما تركن﴾ (سورة النساء: ۱۲)

Made searchable using ScribeTools.com

یانہیں؟ اور کیا اس طرح کمی بیشی کیساتھ تقسیم کرنے سے پہلی بیوی کے لڑکوں اور سب ہی لڑکیوں کی حق تلفی کا مجرم قرار پاؤں گا؟ میں ایسی صورت اختیار کرنا چاہتا ہوں کہ آخرت میں گرفت نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی زندگی میں آپ پوری طرح مالک ہیں، آپ کو حق ہے کہ جس لڑکے لڑکی کو یا کسی غیر کو اپنی جائیداد وغیرہ کل یا جز جس طرح چاہیں دیدیں، مگر اس کا خیال رہے کہ کسی ہونے والے وارث کو نقصان پہونچانے کا ارادہ نہ ہو، یہ ظلم اور گناہ ہے، اس کا خطرہ ہو تو سب لڑکے اور لڑکیوں کو برابر دیا جائے، کیونکہ وہ اولاد ہونے میں سب برابر ہیں۔ قصداً ضرر نہ ہونے کی صورت میں کسی کے ضرروت مند ہونے یا کمانے سے عاجز ہونے یا زیادہ دیندار ہونے کی وجہ سے اس کو زیادہ دیا جائے تو یہ ممنوع نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: "وعنه يجوز التفاضل إن كان له سبب، كأن يحتاج الولد لزمانته أو نحوذلك دون الباقيين".

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: "وتجب التسوية إن قصد بالتفضيل الإضرار"۔

جمہور کا قول نقل کیا ہے: "وذهب إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل بعضاً، صح وكره. واستحبت المبادرة إلى التسوية أو الرجوع، فحملوا الأمر على الندب، والنهى على التنزية". فتح الباری: ۵/۵۹(۱)۔

حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو ندب کے لئے تسلیم کر کے شیخین خلیفتین: ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اثر سے استدلال کیا:

"إن عمل الخليفتين: أبى بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما بعد النبى صلى الله عليه وسلم على عدم التسوية قرينةٌ ظاهرةٌ فى أن الأمر للندب". وہ اثر امام طحاوی اور امام بیہقی کے حوالہ سے نقل کئے ہیں: كذافى عمدة القارى: ٦/ ٢٧٦(٢)۔

---

(۱) (فتح الباری: ۵/۲۶۷، باب الإشهاد فى الهبة، قديمى)

(۲) (عمدة القارى: ۱۳/۱۴۷، باب الإشهاد فى الهبة، محمد أمين دمج، بيروت)

"أما أثر أبى بكر رضى الله تعالىٰ عنه فأخرجه الطحاوى: حدثنا يونس، قال: حدثنا ابن وهب،=

اورحضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے اثر کو بحوالۂ موطأ بھی باسناد صحیح حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ، کذافی الفتح: ۵/ ۱۵۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۷/ ۹۲ھ۔

ہبہ میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت دینا

سوال[۸۰۴۳]: ایک شخص وقف علی الأولاد کرنا چاہتا ہے، یا اولاد کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اور اس میں تفریق وترجیح کا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے، بعض اولاد کو قریباً کل منافع وقف یا ہبہ کرنا چاہتا ہے اور بعض کو ایسا جز جو غیر متعدبہ ہو دیتا ہے۔ تو یہ تفضیل وترجیح شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ جنہوں نے اپنی بعض اولاد کو بعض اولاد پر ہبہ اور عطیہ میں ترجیح دی تھی، مہربانی فرما کر اس کا ترجمہ فرمادیا جائے۔ فقط۔

محمد احمد۔

= أن مالكاً حدثه عن ابن شهاب، عن عروة بن الزبير عن عائشه زوج النبى صلى اللهعليه وسلم أنها قالت: إن أبابكر الصديق نحلها جداد عشرين وسقاً من ماله بالغابة، فلما حضرته الوفاة قال: والله! يابُنيّة! ما من أحد من الناس أحب إلى غنى بعدى منك، ولاأعز على فقراً بعدى منك، وإنى كنت نحلتك جداد عشرين وسقاً، فلو كنت جددته وأحرزته كان لك، وإنما هو اليوم مال الوارث، وإنما هما أخواك وأختاك، فاقتسموه على بيان كتاب الله. فقالت عائشه: والله! ياأبت! لوكان كذا وكذا، لتركته، وإنما هى أسماء، فمن الأخرى؟ فقال: ذوبطن بنت خارجة أراها جاريةً". أخرجه البيهقى أيضاً فى سننه من حديث شعيب عن الزهرى رضى الله تعالىٰ عنه عن عروة بن الزبير". (عمدة القارى: ۱۳/ ۱۴۷، باب الإشهاد فى الهبة، بيروت)

(۱) "فأما أبوبكر فرواه الموطأ بإسناد صحيح عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أن أبابكر قال لها فى مرض موته: إنى كنت نحلتك نحلاً، فلوكنت اخترته لكان لك، وإنما هو اليوم للوارث. وأماعمر رضى الله تعالىٰ عنه فذكره الطحاوى وغيره أنه نحل ابنه عاصم دون سائر ولده". (فتح البارى: ۵/ ۲۶۹، باب الإشهاد فى الهبة، قديمى)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

تفریق اور ترجیح بلاوجہ شرعی گناہ ہے یعنی اگر ایک کو نقصان پہونچانا مقصود ہو اور دوسرے کو نفع پہونچانا مقصود ہو اور کوئی وجہ شرعی اس نفع اور نقصان کی نہ ہو تو ایسا کرنا گناہ ہے، تاہم ایسا کرنے سے ہبہ صحیح ہو جائے گا، یعنی جس کو کم ملا ہے اس کو شرعاً حق نہیں کہ وہ زیادہ والے سے ہبہ کرے۔ اور اگر کوئی وجہ شرعی ہے مثلاً: جس کو زیادہ دیتا ہے وہ صالح اور دین دار ہے اور اسی وجہ سے اس کو زیادہ دیتا ہے اور جس کو کم دیتا ہے وہ بدچلن اور غیر متدین ہے اور اسی وجہ سے اس کو کم دیتا ہے تو ایسا کرنا گناہ نہیں بلکہ جائز ہے، حتی کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ میری اولاد تمام مال جائیداد کو خدا کی نافرمانی میں صرف کردے گی تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کے واسطے کچھ نہ چھوڑے، بلکہ اپنا مال تمام مصارف خیر میں صرف کردے(۱)۔

"عن النعمان بن بشير رضى الله تعالى عنه أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إنى نحلت ابنى هذا غلاماً. فقال: "أكلّ ولدك نحلت مثله"؟ : قال لا: قال: "فارجعه". بخارى شريف(۲)۔

"نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے باپ ان کو

---

(۱) "ولووهب رجل شيئاً لأولاده فى الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض ..... عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ: لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له فى الدين، وإن كانا سواءً، يكره. وروى المعلى عن أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ : أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار، سوى بينهم ..... وهوالمختار. رجل وهب فى صحته كلّ المال للولد، جاز فى القضاء، ويكون آثماً فيما صنع. وإن كا ن فى وُلده فاسق، لاينبغى أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معيناً له فى المعصية ..... ولوكان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث، هذاخيرٌ من تركة. ولوكان الولد مشتغلاً بالعلم لا بالكسب، فلابأس بأن يفضله على غيره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۴/ ۳۹۱، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۷/ ۴۹۰، كتاب الهبة، رشيديه)

(۲) (صحيح البخارى : ۱/ ۳۵۲، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الهبة للولد، قديمى)

Made Searchable by ScribeTools.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے لڑکے کو ایک غلام دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کیا ہر اولاد کو ایسا ہی دیا ہے''؟ جواب دیا کہ: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اس سے رجوع کرلو''۔ (بخاری شریف)۔

قال الطیبی: "فیه استحباب التسویة بین الأولاد فی الهبة، فلایفضل بعضهم علی بعض ..... ولووهب بعضهم دون بعض، فمذهب الشافعی ومالك وأبی حنیفة رحمهم الله تعالیٰ أنه مکروه ولیس بحرام، والهبة صحیحة"(۱)۔

"ولووهب جمیع ماله من ابنه، جاز، وهواثم، نص علیه محمد. ولوخص بعض أولاده لزیادة رشده، لابأس به، وإن کان سواء"(۲)۔

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کو ہبہ کرنے میں مساوات مستحب ہے، پس بعض کو بعض پر فضیلت نہ دے۔ اور اگر بعض کو دیا اور بعض کو نہ دیا تو امام شافعی اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ اور اگر تمام مال ایک لڑکے کو دیدیا تو قضاءً جائز ہے، اور گنہ گار ہوگا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صراحۃً بیان کیا ہے۔ اور بعض کو اس کی نیکی کی وجہ سے ہبہ کیساتھ مخصوص کرلیا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں اور جو سب برابر ہوں تو ایسا نہیں کرنا چاہیے''۔

"رجل وهب فی صحته کل المال للولد، جاز فی القضاء، ویکون اثماً فی ماصنع. وإن کان فی وُلده فاسق، لاینبغی أن یعطیه أکثر من قُوته کی لایصیر معیناً له فی المعصیة. ولوکان ولده فاسقاً وأراد أن یصرف ماله إلی وجوه الخیر ویحرمه عن المیراث، هذا خیرٌله من ترکة.

---

(۱) (شرح الطیبی علی مشکوٰة المصابیح: ۱۸۱/۶، کتاب البیوع، باب استحباب التسویة بین الأولاد فی الهبة، إدارة القران کراچی)

(۲) (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۳۷/۶، کتاب الهبة، الجنس الثالث فی هبة الصغیر، رشیدیه)

Made searchable using ScribeTools.com

ولو كان الولد مشتغلاً بالعلم لا بالكسب، فلا بأس بأن يفضّله" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ شعبان/ ۱۳۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

لڑکی کو ایک تہائی ہبہ، لڑکے کو دو تہائی

سوال[۸۰۴۴]: زید کے ایک دختر اور ایک خوردسال پسر تھا، جوان ہونے پر دختر کی شادی کردی اور اپنا اثاث البیت بقدر ایک تہائی کے بطور جہیز کے اس کی شادی میں دیدیا تھا، بقایا دو تہائی اس بھائی خوردسالہ کے لئے محفوظ رکھا کہ وہ جب بالغ ہوجائے اپنے سامان کو تصرف میں لائے۔ اور زید بیمار ہوگیا، زید کی بیماری کی حالت میں تہائی سامان بھائی کا بہن لے گئی اور اپنا تہائی سامان مقفل کرکے اسی مکان میں رہنے دیا۔ بھائی نے بالغ ہوکر بہن کے ایک تہائی کو اپنا بیان کرکے عدالت میں دعوی دائر کردیا، اور عدالت نے سامانِ مذکور بھائی کو دیدیا۔ کیا بھائی اپنے دو تہائی کے عوض میں ایک تہائی سامان بہن کا اپنے تصرف میں لاسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو سامان اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں زید نے اپنی لڑکی کے حوالہ کردیا، اس میں تو کوئی تردد نہیں کہ وہ لڑکی کی ملک ہے، جو باقی رہا وہ اگر اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کردیا کہ میں اس کو دے چکا ہوں اس کی ملک ہے تو وہ سب اس لڑکے کی ملک ہوگیا (۲)، اس میں لڑکی یا کسی دوسرے وارث کا کوئی حصہ نہیں۔ ایسی حالت میں بہن نے جو بھائی کا سامان لیا ہے، وہ غصب اور ناجائز ہے (۳)، اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کا سامان واپس

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۰۱، كتاب الهبة، الباب السادس فى الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار: ۵/ ۶۹۶، كتاب الهبة، سعيد)

(۲) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، حنفية كوئٹه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة: ۴/ ۳۷۴، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار، ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ الاية (سورة البقرة: ۱۸۸) =

کردے، اور بھائی کو حق ہے کہ اپنا سامان واپس لے لے۔ اگر بہن بعینہ وہ سامان واپس نہ دے تو جس طرح ممکن ہو اپنا حق وصول کرلے(۱)۔

اور یہ اس وقت ہے کہ لڑکے کو بحالتِ صحت وتندرستی ہبہ کیا ہو، اگر مرض الموت میں ہبہ کیا ہے، یا ہبہ نہیں کیا، یعنی زبان سے نہ کہا محض دل میں نیت تھی کہ یہ اس کو دیدوں گا تو اس میں زید کے انتقال کے بعد شرعی طور پر میراث جاری ہوگی (۲)، جس کی تفصیل پورے ورثاء کے ظاہر کرنے سے معلوم ہوسکتی ہے، تاہم لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوہرا ہوگا (۳)، لڑکی نے جب اپنے حق سے زیادہ لیا ہے تو لڑکا اس زیاتی سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے۔

نابالغ بچہ کو اگر باپ کوئی شئ ہبہ کرے تو اس میں صرف عقدِ ہبہ کافی ہے، اس بچہ کا قبضہ تمامیتِ ہبہ کے لئے ضروری نہیں ہوتا۔ بالغ کو اگر ہبہ کرے تو اس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے (۴)۔ مرض الموت کی حالت میں

= "وحكمه الاثم إن علم، ووجوب ردّ عينه في مكان غصبه إن كانت باقيةً، والضمان لو هلكت". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۷۸/۴، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(۱) "فإذا ظفر بمال مديونه، له الأخذ ديانةً، بل له الأخذ من خلاف الجنس ..... وفيه الفتوىٰ اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أىّ مال كان، لاسيما في ديارنا لمداومتهم للعقوق". (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۹۵/۴، كتاب السرقة، مطلب في أخذ الدائن من مال مديونه، سعيد)

(۲) "لاتجوز هبة المريض ولاصدقته إلامقبوضةً، فإذا قبضت، فجازت من الثلث، وإذامات الواهب قبل التسليم، بطلت". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۰/۴، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۷۰۰/۵، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، سعيد)

(۳) قال الله تبارك وتعالى: ﴿إن كانوا إخوةً رجالاً ونساءً، فللذكر مثل حظ الأنثيين﴾ الاية (سورة النساء: ۱۷۶)

(۴) "يملك الصغير المال الذى وهبه إياه أو مربيه يعنى من يحفظه في حجره ويعوله، سواء كان المال في يده أو كان وديعةً عند غيره بمجرد الإيجاب، أو بمجرد قول الواهب: وهبتُ، ولايحتاج إلى القبض. أى أن هبة مَن له ولاية على الصغير كأبيه ووصيه. وفيه أيضاً: إذا وهب شيئاً لابنه الكبير البالغ =

Made searchable using ScribeTools.com

ہبہ کرنا وصیت کے حکم ہے ،اوروارث کے حق میں وصیت نافذنہیں ہوتی تاوقتیکہ دوسرے ورثہ اجازت نہ دیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۵/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہرعلوم۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ ہذا،۵/ ربیع الأول/ ۵۹ھ۔

اولاد کو ہبہ میں کمی بیشی

سوال[۸۰۴۵]: احقر کے کل دس بچے ہیں، سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، جس میں دو لڑکے ابھی نابالغ ہیں اور تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ میری زوجہ بھی حیات ہیں۔ میرے چار لڑکے مجھ سے قطع تعلق کرکے اپنا اپنا الگ کاوربار کرتے ہیں، جس وقت یہ لڑکے مجھ سے الگ ہوئے ہیں، میں نے ان کو گذر اوقات اورکاروبار کے لئے ایک معقول رقم بھی دیدی تھی، لیکن ان میں سے بعض نے اپنی غلط کاری اور بے راہ روی کی وجہ سے وہ ساری رقم لہوولعب میں صرف کرڈالی، میں نے ان کو بارہا سمجھانے کی کوشش کی مگر یہ میری ایک بات بھی ماننے کے لئے تیارنہیں، غرضیکہ یہ چاروں لڑکے بالکل نالائق ہیں اور انہیں حقوق والدین کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

البتہ ایک لڑکا جو بالغ ہے اور دو نابالغ لڑکے میرے پاس رہتے ہیں اورحتی الوسع آداب حقوق

= العاقل، يلزم التسليم له، وبدون القبض لاتتم الهبه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۷، ۴۶۸، (رقم المادة: ۸۵۰، ۸۵۱)، كتاب الهبه، الباب الأول، مكتبه حنفية كوئٹه)

"لأن هبة الصغير منعقدة حال مباشرة الهبة، لقيام قبض الأب مقام قبضه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۹۳، كتاب الهبة، الباب السادس فى الهبة للصيغر، رشيديه)

(۱) "إذاوهب واحد فى مرض موته شيئاً لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يُجِزْ سائر الورثة، لاتصح تلك الهبة أصلاً؛ لأن الهبة فى مرض الموت وصية، ولاصية للوارث. ولكن لوأجاز الورثة هبة المريض بعد موته، صحت". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۸۳، (رقم المادة: ۸۷۹)، كتاب الهبة، الفصل الثانى فى هبة المريض، مكتبه حنفية كوئٹه)

ادا کرتے ہیں، ان تینوں کو میں نے اپنی تجارت میں قانوناً اپنا شریک بھی کرلیا ہے، ان میں جو بڑا ہے اس کے ذمہ تجارت کی ساری ذمہ داری ہے۔ میں بھی پیرانہ سالی کی وجہ سے اب کسی لائق نہیں ہوں، میری خواہش یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں ہی تمام بچوں کو اپنی جائیداد تقسیم کردوں تاکہ میرے بعد ان میں باہم اختلاف نہ ہو، لیکن میری خواہش یہ ہے کہ جس لڑکے نے میری خدمت کی ہے اور میرے ساتھ رہتا ہے اس کو بنسبت اَور لڑکوں کے زیادہ دوں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مجھ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ تقسیمِ جائیداد میں کمی وبیشی کرسکوں؟ دوسری بات قابلِ عرض یہ ہے کہ میں نے جن تینوں لڑکوں کو تجارت میں شریک کیا ہے تو کیا وہ شرعاً اموالِ تجارت میں شریک ہیں یا نہیں، یا میں ہی اس کا مالک ہوں؟ تیسری بات یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں سب کے حصص تقسیم کردوں اور بعض کو قبضہ دیدوں اور بعض کو قبضہ میری زندگی کے بعد حاصل ہوگا۔ تو یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جن بچوں کو میں اپنی زندگی میں ان کا حصہ دینا نہیں چاہتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جائیداد کو برباد کرڈالیں گے اور میں اپنی آنکھوں بربادی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں اولاد میں مساوات کی ترغیب دی ہے کہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دینے سے منع فرمایا ہے(۱)، بایں ہمہ یہ حکم وجوبی نہیں، اگر کسی کو اس کی ضرورت اور حاجت یا دینی مشغلہ یا دیگر فضائل کی وجہ سے زیادہ دیدے اور مقصود دوسروں کو نقصان پہونچانا نہ ہو تب بھی منع نہیں، بلکہ جائز ہے(۲)۔ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ احادیث میں مذکور ہے جس سے مساوات کا حکم

---

(۱) "عن حميد بن عبدالرحمٰن ومحمد بن النعمان بن بشير أنهما حدثاه عن النعمان بن بشير رضى الله تعالىٰ عنه أن أباه –رضى الله تعالىٰ عنهما– أتى به إلى رسول اللهصلى اللهعليه وسلم فقال: إنى نحلت ابنى هذاغلاماً، فقال: "أكلّ ولدك نحلت مثله"؟ قال: لا. قال: "فارجعه". (صحيح البخارى: ۱/۳۵۲، كتاب الهبة باب الهبة، للولدد، قديمى)

(۲) "ولووهب شيئاً لأولاده فى الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى: لابأس به إذاكان التفضيل لزيادة فضل فى الدين، وإن كانا سواءً، يكره. وروى المعلى عن أبى يوسف رحمه الله تعالى أنه لاباس به إذا لم يقصد به الإضرار. وإن قصد به الإضرار، سوّى بينهم، وهوالمختار. =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

معلوم ہوتا ہے(۱)۔

مگراس حکم کے کلیۃً وجوبی ہونے پرشراحِ حدیث نے اشکال کیا ہے،عینی شرح بخاری:

٦/٢٧١(٢) فتح الباری:٥/١٦٩(٣)، أو جزالمسالك شرح موطأ إمام مالك، ص: ٣٣٠(٤)، میں احادیث اورروایات کی روشنی میں ایسے دس قرائن پیش کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

= ولو كان الولد مشتغلاً بالعلم لابالكسب، فلابأس بأن يفضله على غيره". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۴/ ۳۹۱، رشيديه)

(۱) (راجع رقم الحاشية : ۱)

(۲) قال الحافظ العيني: "فإن قلت: في حديث الباب الأمرُ بالرجوع صريحاً حيث قال: "فارجعه" قلت:ليس الأمر على الإيجاب، وإنما هو من باب الفضل والإحسان، ألاترى إلى حديث أنس رضى الله تعالىٰ عنه رواه البزار في مسنده أن رجلاً كان عند رسول اللهصلى اللهعليه وسلم، فجاء ابنٌ له قبله وأجلسه على فخذه وجاءته بُنيّة له، فأجلسا بين يديه، فقال رسول اللهصلى اللهعليه وسلم: "ألاسويت بينهما"؟ انتهى. وليس هذامن باب الوجوب، وإنما هو من الإنصاف والإحسان".(عمدة القاری: ۱۳/ ۱۴۵، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، إدارة الطباعة المنيرية بيروت)

(۳) "ذهب الجمهور إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل صح وكره، واستحبت المبادرة إلى التسوية أوالرجوع، فحمل الأمر على الندب والنهى على التنزيه". (فتح الباری:۵/۲۶۷، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، قديمی)

(۴) "ثم قال الحافظ: وأجاب مَن حمل الأمر بالتسوية على الندب من حديث النعمان رضى الله تعالىٰ عنه بأجوبة:

أحدها: أن الموهوب كان للنعمان جميع مال والده، ولذلك منعه. **وثانيها**: أن العطية المذكورة لم تنتجز، وإنما جاء بشير يستشيره صلى اللهعليه وسلم، فأشار إليه بأن لا تفعل، فترك. حكاه الطحاوی. **وثالثها**: أن النعمان كان كبيراً ولم يكن قبض الموهوب . حكاه أيضاً الطحاوی. **ورابعها**: أن قوله: "ارجعه" دليل على الصحة، ولم تصح الهبة ولم يصح الرجوع. **وخامسها**: أن قوله: "أشهد على هذا غيری" إذن بالإشهاد على ذلك، وإنما امتنع من ذلك لكونه الإمام. **وسادسها**: التمسك بقوله: "ألا سويت بينهم"؟ على أن المراد بالأمر الاستحباب وبالنهى التنزيه، وهذاجيد لولا ورود الألفاظ =

حکم قطعی نہیں ہے۔

مصالح کے پیش نظر کمی وزیادتی کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مساوات کا لحاظ نہیں رکھا ہے، بلکہ کمی زیادتی کے ساتھ اولاد کو ہبہ کیا ہے۔طحاوی: ۲/۲٤٥(۱)، اورأوجز: ٥/۲۲۰(۲)،اورإعلاء السنن: ٦/۷۹(۳)، میں یہ روایت

= الزائدة. **وسابعها:** وقع عند مسلم عن ابن سيرين ما يدل على أن المحفوظ فى حديث النعمان: "قاربوا بين أولادكم" لا"سووا".

وثامنها: "التشبيه الواقع بالتسوية بينهم بالتسوية منهم فى بر الوالدين قرينة تدل أن الأمر للندب". **وتاسعها:** "عمل الخليفتين: أبى بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما بعد النبى صلى الله عليه وسلم على عدم التسوية قرينةٌ ظاهرةٌ فى أن الأمر للندب، أما أبوبكر رضى الله تعالىٰ عنه، فرواه الموطأ بإسناد صحيح عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، وأما عمر رضى الله تعالىٰ عنه فذكره الطحاوى.

عاشرها: على أن الإجماع انعقد على جواز عطية الرجل ماله لغير ولده، فإذاجاز له أن يخرج جميع ولده من ماله، جاز له أن يخرج عن ذلك بعضهم". (أوجز المسالك شرح الموطأ للإمام مالك: ٥/۳۳۱، كتاب الهبة، باب مالايجوز من النحل، مكتبه يحيويه مظاهر العلوم سهار نپور)

(۱) قال الإمام الطحاوى: "وقد فضل بعض أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ورضى عنهم بعض أولادهم على بعض فى العطايا، فحدثنا يونس ..... عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها زوج النبى صلى الله عليه وسلم أنها قالت: إن أبابكر الصديق نحلها جداد عشرين وسقاً من ماله بالغابة، فلما حضرته الوفاة، قال: والله! يابُنيّة! مامن أحد من الناس أحب إلىّ غنى منك، ولاأعز الناس على فقراً من بعدى منك، وإنى كنت نحلتك جداد عشرين وسقاً، فلوكنت جددتيه وأحرزتيه كان لك". الحديث.

وحدثنا يونس، عن صالح بن إبراهيم بن عبدالرحمٰن بن عوف أن عبدالرحمٰن فضّل بنى أم كلثوم بنحل قسمه بين ولده". الحديث. (شرح معانى الآثار للطحاوى: ۲/۲۷۱، كتاب الهبة والصدقة، باب الرجل ينحل بعض بنيه دون بعض، سعيد)

(۲) (راجع أوجز المسالك، كتاب الهبة، باب مالايجوز من النحل، مكتبه مظاهر علوم)

(۳) "والجواب القاطع أن الإجماع قد انعقد على جواز إعطاء الرجل ماله بغير ولده، فإذاجاز له أن يخرج جميع ولده من ماله، جازله أن يخرج عن ذلك بعضهم، ذكره ابن عبد البر ..... والحاصل: =

Made searchable using ScribeTools.com

موجود ہے، یہ جلیل قدر حضرات صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین حدیث کا مطلب زیادہ صحیح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔

اگر آپ نے قانونی مصالح یا دیگر مصالح کی بناء پر محض کاغذات میں ان کا نام درج کرالیا ہے، واقعۃً ان کو مالک بنا کر شریک نہیں کیا تو وہ مالک ہوئے نہ شریک، آپ تنہا مالک ہیں (۱)۔ اور اگر واقعۃً مالک بنا کر شریک کیا ہے تو وہ مالک ہو گئے۔

تقسیم کر دینے کا آپ کو پورا حق ہے، لیکن جس کو قبضہ نہیں دیں گے اس کے حق میں ہبہ تام اور نافذ نہیں ہوگا، اس پر ملک باقی رہے گی، بعد الوفات وہ آپ کا ترکہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

بیٹے کو زمین ہبہ کر کے واپس لینا

سوال[۸۰۴۶]: عمر نے اپنی ملک اراضی میں سے اپنے بیٹے زید کو چند گواہوں کی موجودگی میں ایک قطعۂ زمین اس معاہدہ کیساتھ ہبہ کیا کہ میری حیات تک اس کی پیداوار چوتھائی مجھے دیتے رہنا، زید نے اس کو منظور کرلیا۔ اس قطعہ کے کچھ حصہ میں اس نے اپنے صرفہ سے کسی جنس کی تخم ریزی بھی کرادی اور کچھ میں آئندہ

= أن حمل الأمر بالتسوية بين الأولاد على الوجوب خلاف القياس، والإجماع فى جواز إعطاء الرجل ماله بغير ولده، فيحمل على الندب، أو يقتصر النص على مورده وهو تفضيل الرجل بعض أولاده بالهبة بطلب امرأة من نسائه، لكونه مؤدياً إلى تفضيل بعض النساء على بعض، وهو منهى عنه، ولايعتداه، لاسيما وقد ثبت عن أبى بكر، وعمر، وعبدالرحمٰن بن عوف، وابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهم أنهم نحلوا بعض أولادهم دون بعض. وقال العينى: واختلف العطاء من التابعين وغيرهم ..... اهـ.

وذهب الجمهور إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل بعضاً صح وكره، وحملوا الأمر فى حديث النعمان على الندب، والنهى على التنزيه". (إعلاء السنن: ۱۲/۹۲، ۹۷، كتاب الهبه، باب استحباب التسوية بين الأولاد، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لالصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث، حنفية كوئٹه)

(وكذافى الدرالمختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

تخم ریزی کے خیال سے ہل بھی چلوادیا۔ مہینہ بھر ہی کے اندر باپ نے اس قطعہ کو بٹائی پر ایک اجنبی شخص کو دیدیا، اوراب اسے کسی خریدار کوفروخت بھی کردینا چاہتا ہے۔

زید جوکہ اس کا بیٹا ہے کہتا ہے کہ مذکورہ بالاصورت میں ازروئے شرع میرے والد کواس پر کسی قسم کا مالکانہ تصرف کا اختیار نہیں، کیونکہ وہ مجھے اس قطعہ کو ہبہ کرچکے ہیں، گومروجہ قانونی کاروائی نہیں ہوئی، اس لئے اب میرے والد نہ اسے فروخت کرسکتے ہیں اور نہ کسی کو ہبہ کرسکتے ہیں۔ باپ جوکہ قانوناً ابھی تک اس کا مالک ہے اور بوقتِ ہبہ اس نے اپنی حین حیات تک کے لئے اس مابہ النزاع قطعہ اراضی کی پیداوار میں سے ایک مقررہ حصہ کی ادائیگی بھی موہوب سے طے کرلی تھی۔ کیاوہ ازروئے شرع اس کا مالک نہیں رہا، کیاواہب کے حقوقِ ملکیت موہوب لہ کو منتقل ہوگئے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد نے جب قطعۂ زمین اپنے بیٹے کو ہبہ کردیا اوراپنی ملک وقبضہ سے خارج کرکے بیٹے کی ملک وقبضہ میں دیدیا تو یہ ہبہ تام ونافذ ہوگیا(۱)، جوشرط لگائی ہے وہ بھی صحیح نہیں، اوراس کی پابندی بیٹے پر لازم نہیں، اس شرط کی وجہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوا، اوراب والد کواس کے لینے کا حق نہیں(۲)، نہ کسی کو ہبہ کرسکتا ہے نہ فروخت کرسکتا ہے، یہ تو اصل مسئلہ ہے۔ لیکن اگروالد کوحاجت ہے اوروہ مجبوری کی وجہ سے واپس لینا یا فروخت

---

(۱) "هی تملیک عین بلاعوض، وتصح بإیجاب وقبول، وتتم بالقبض الکامل". (ملتقی الأبحر: ۴۸۹/۳، کتاب الهبة، غفاریه کوئٹة)

"تنعقد الهبة بالإیجاب والقبول، وتتم بالقبض الکامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لایتم إلابالقبض". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وتتم الهبه بالقبض الکامل". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۹۰/۵، کتا ب الهبة، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۴۹/۶، کتاب الهبة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وحکمها أنها لاتبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبدٍ علی أن یعتقه تصح، ویبطل الشرط". (ردالمحتار: ۶۸۸/۵، کتاب الهبة، سعید)

"الهبة لاتبطل بالشروط الفاسدة". (البحر الرائق: ۵۰۳/۷، فصل: ومن وهب أمة، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۱۱۷/۶، کتاب الهبة، دارالکتب العلمیة بیروت)

Made searchable using ScribeTools.com

کرنا چاہتا ہے تو بیٹے کی سعادت مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ والد کی خدمت میں بخوشی پیش کردے اوران کو کسی تصرف سے منع نہ کرے(۱)، والد کاحقِ احسان بیٹے پر بہت ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۹/۹۰ھ۔

پوتے کو ہبہ کرکے پھر رجوع کرنا

سوال[۸۰۴۷]: زید کے بیٹے عمر کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد زید نے اپنا حصہ جو بیٹے کے ترکہ سے اس کو ملنا چاہیے تھا اپنے پوتے پوتی یعنی عمر ومرحوم کے بیٹے بیٹی کے حق میں زبانی ہبہ کردیا اوراپنے عزیزوں کے سامنے اظہار بھی کردیا، چنانچہ زید کا حصہ اس کے ہبہ کرنے کی بناء پر عمرو کے بیٹے پھر بیٹی کے درمیان تقسیم کردیا گیا اور ہرایک کا حصہ اس کو دیدیا گیا جس کو تقریباً دس گیارہ ماہ عرصہ گذر چکا۔اب زید مطالبہ کرتا ہے کہ میرا حق مجھ کو واپس کرو۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید کو اپنے پوتے اور پوتی کے حق میں اپنا حصہ ہبہ کردینے اور حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں پہونچ جانے کے بعد رجوع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ فقط۔

عرفان الٰہی، کانپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں زید کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہا:"فلو وهب لذی محرم منه نسباً لا یرجع". درمختار: ٤/٥١٨(٢)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "قال علیه الصلوة والسلام: "أنت ومالک لأبیک". یعنی أن أباک کان سبب وجودک، ووجودُک سبب وجود مالک، فصارله بذلک حق، کان به أولی منک بنفسک، فإذا احتاج فله أن یأخذ منه قدر الحاجة". (فیض القدیر: ۵/۲۳۰۶، (رقم الحدیث: ۲۷۱۲)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

(۲) (الدرالمختار: ۵/۷۰۴، کتاب الهبة، باب الرجوع فی الهبة، سعید)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لیس لنامثل السوء الذی یعود فی هبته کالکلب یرجع فی قیئة". (صحیح البخاری: ۱/۳۵۷، کتاب الهبة، باب =

Made Searchable by ScribeTools.com

مرحوم بیٹے کی بیوہ کو ہبہ

سوال[۸۰۴۸]: زید کے چار لڑکے ہیں: نور محمد، بھائی رمضان، فیض محمد اور دل محمد۔ نور محمد کا انتقال زید کی زندگی ہی میں ہوگیا، اس کے بعد زید نے اپنی پوری زمین اپنے تینوں لڑکوں اور نور محمد کی بیوہ عورت کے درمیان تقسیم کردی، پھر زید کا انتقال ہوگیا۔ اس کے تقریباً دس بارہ سال بعد اس کے تینوں لڑکے اس بات کے مدعی ہوئے کہ زید کی زمین میں بیوہ عورت کو کوئی حق نہیں پہونچتا، لہذا زید نے جو زمین بیوہ عورت کو دی ہے وہ ہم کو ملنا چاہئے، لہذا اس بیوہ کا حق زید کی دی ہوئی جائیداد میں پہونچتا ہے کہ نہیں؟ معاملہ کورٹ تک پہونچ چکا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین زید نے اپنے تینوں لڑکوں اور ایک مرحوم لڑکے کی بیوہ کو ہبہ کرکے تقسیم کردی ہے اور اپنا قبضہ ہٹا کر ان کا قبضہ کرادیا تو وہ سب کی حسب تقسیم ملک ہوگی (۱)، اب وہ زید کا ترکہ نہیں ہے۔ بیوہ کو جو کچھ دیا گیا ہے اس سے واپس لینے کا حق نہیں (۲)۔ البتہ انتقالِ زید کے وقت جو ترکہ باقی رہا اس میں مرحوم لڑکے کی بیوہ کو

= الهبة للمشركين ، قديمى)

"من وهب لأصوله وفروعه، أو لأخيه أو أخته أولأود هما، أولعمه أو لعمته، أولخاله أولخالته شيئاً، فليس له الرجوع". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۷۶، (رقم المادة :۸۶۶)، كتا ب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفية كوئٹه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۵۰۳، باب الرجوع، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۶/۶۸، باب الرجوع فى الهبة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك لالصحة الهبة". (شرح المجلة، لسليم رستم باز: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۴۹۱، كتاب الهبة، غفاريه كوئٹة)

(۲) قال اللهتبارک وتعالى: ﴿ولاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾. الاية. (سورة البقرة :۱۸۸)

Made searchable using ScribeTools.com

بحیثیتِ میراث کچھ نہیں ملے گا (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارلعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارلعلوم دیوبند، ۱۸/۱/۸۸ھ۔

ہبہ اور وارث کے حق میں وصیت

سوال[۸۰۴۹]: ایک شخص نے حالتِ مرض میں اپنے تمام وارثوں کو جمع کر کے کل جائیداد برضامندی تمام ورثہ کچھ کم وبیش کیساتھ تقسیم کر کے وصیت نامہ لکھوا کر اپنا دوحصہ کا رجسٹری کر دیا، لیکن فعلاً قبضہ نہیں کیا، بلکہ قولاً قبضہ پایا گیا۔اب وہ شخص اس مرض سے اچھا ہوکر کوئی تین چار ماہ تک رہا، کسی کا کچھ اعتراض نہیں، پھر مرضِ دیگر سے ان کا انتقال ہوا۔ بعد انتقال کوئی تین ماہ بعد بعض وارث نے اعتراض کیا کہ اس تقسیم پر میں راضی نہیں ہوں، کیونکہ مجھے اور زیادہ ملتا ہے، لیکن جن کو زیادہ دیا گیا، ان کے ذمہ قرض بھی رکھا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تقسیم شرعاً صحیح ہے یا نہیں اور یہ ہبہ میں داخل ہوگا یا وصیت میں، اگر وصیت میں ہو تو اجازتِ ورثہ بعد انتقالِ مورث مال میں معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں ہبہ تام نہیں ہوا، کیونکہ ہبہ کے تام اور لازم ہونے کے لئے موہوب لہ کا قبضہ ضروری ہے اور یہاں قبضہ کی صراحۃً نفی ہے:

"لاتجوز هبة المريض ولاصدقته إلامقبوضةً، فإذاقبضت فجازت من الثلث، وإذامات الواهب قبل التسليم، بطلت". فتاوى عالمگيرى:۳/ ۱۰۷۶(۲)۔

---

(۱) "ويستحق إلارث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار: ۶/۷۶۲، كتاب الفرائض، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۰۰، كتاب الهبة، الباب العاشر فى هبة المريض، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا فى البزارية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۲۳۹، كتاب الهبة، رشيديه)

دوسرے یہ بظاہر بلاتقسیم ہے اور قابل تقسیم شئ کا ہبہ کردینا بلاتقسیم کئے ہوئے ہبۂ مشاع ہے جو کہ ناجائز ہے:

"ولووهب داره من رجلين، لايجوز فى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وكذلك كل مايقسم، الخ". فتاوى قاضى خان: ۲۹۹/۲(۱)۔

البتہ اس کو وصیت قرار دیا جاسکتا ہے، مگر اس کا نفاذ بعد موتِ موصی ہوتا ہے، نیز وارث کے حق میں وصیت دیگر ورثہ کی اجازت پر موقوف رہتی ہے:

"ولالوارثه إلابإجازة ورثته، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاوصية لوارث، إلا أن يجيزها الورثة". يعنى عند وجود وارث اٰخر -كما يفيده اٰخر الحديث، وسنحققه- وهم كبار عقلاء". درمختار: ۵/ ۵۷۵(۲)۔

پس اگر تمام ورثہ بالغ اور عاقل ہیں اور تمام نے اجازت دیدی ہے تو یہ وصیت نافذ ہوگی، اگر اس کی اجازت نہیں دی، یا وہ نابالغ ہیں، وصیت نافذ نہیں ہوئی، بلکہ شرعی حصص کے موافق میراث تقسیم ہوگی اور قرضہ کی ادائیگی تقسیمِ ترکہ پر مقدم ہے:

"يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن والعبد الجانى تجهيزُه من غير تقتير ولاتبذير، ثم ديونه التى لها مطالب من جهة العباد، ثم وصيته من ثلث مابقى، ثم

---

(۱) (فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۶۷/۳، كتاب الهبة، فصل فى هبة المشاع، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار: ۶۶۲/۵، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذافى البزارية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۳۹/۶، كتاب الهبة، فصل مسائل الشيوع، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار: ۶۵۵/۶، ۶۵۶، كتاب الوصايا، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۹۰/۶، كتاب الوصايا، الباب الأول فى تفسيرها وشرط جوازها، الخ، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲۱۲/۹، كتاب الوصايا، رشيديه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

یقسم الباقی بین ورثته". تنویر: ۵/۶۶۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔ صحیح: بندہ عبد اللطیف۔

ہونیوالے وراث کو بیع یا ہبہ کرنا

سوال[۸۰۵۰]: زید بکر ہر دو حقیقی بھائی ہیں ان کو ترکہ پدر سے کچھ اراضی ملی تھی جس میں دو مکان تعمیر شدہ تھے اور ساڑھے تین سو گز زمین خالی افتادہ تھی۔ بکر نے تعمیر شدہ مکان زید کو ہبہ قیمۃً دیدیا اور افتادہ زمین جو بکر کے حصہ میں آئی تھی میں مسکونہ مکان بنالیا، چونکہ زید کے اولاد نہیں محض دو لڑکیاں تھیں، زید نے بکر سے کہا کہ بھائی میرے پاس تو گذارہ کے موافق دو مکان ہیں، یہ افتادہ زمین جو میرے حصہ میں ہے اس میں بھی ہی مکان بنالے، مجھے کیا کرنی ہے، گویا زید نے بکر کو استحساناً اپنا حصہ بطورِ ہبہ کو دیدیا تھا۔

بعد میں زید کے بھی دو لڑکے پیدا ہو گئے، لہٰذا زید کو زمین کی ضرورت ہوئی، اپنا حصہ واپس کرنے کا ارادہ کیا، مگر اس حدیث کے موافق کہ ''ہبہ کر کے لینا ایسا ہے جیسے کتا قے کر کے چاٹ لے'' زید خاموش ہو گیا، مگر اس وقت زید کے دونوں لڑکے چونکہ فوت ہو چکے تھے، محض دو لڑکیاں باقی ہیں، زید چاہتا ہے کہ اپنے دونوں مکان لڑکیوں کے نام بیع کر دے تا کہ میرے مرنے کے بعد بکر یا بکر کے لڑکے میرے مذکورہ مکانات سے حصہ نہ لے سکیں۔ پہلے جو زمین بکر کو استحساناً دیدی ہے اسی طرح اپنی حیات میں لڑکیوں کو بھی حصہ دار مکان بیع کر دوں۔

نیز اس وقت زید اور بکر میں باہمی رنجش بھی اس قدر ہے کہ کلام تک بند بلکہ ملنا جلنا بھی ترک ہے، بکر زید سے سخت مخالفت اور دشمنی رکھتا ہے، اس لئے بکر سے زید کا دل بھی پھٹ گیا۔ اس میں تفتیش طلب امر یہ ہے کہ زید مذکورہ صورت میں مسکونہ مکان شرعاً لڑکیوں کے نام کر سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا کرنے سے زید کے ذمہ عند اللہ آخرت میں مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۶/۷۵۹، کتاب الفرائض، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۹/۳۶۵، کتاب الفرائض، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کا مقصود اس بیع سے بکر کو نقصان پہچانا ہے ذاتی مخالفت کی بناء پر تو زید کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے۔ اور اگر مقصود یہ ہے کہ لڑکیاں زیادہ ضرورت مند ہیں، یا زیادہ دیندار ہیں اور بکر کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ اپنے حصہ کو معصیت میں صرف کردیگا، یا اَور کوئی مصلحت ہے یعنی بکر کو نقصان پہنچانا نہیں، بلکہ کسی اَور مصلحت کی بناء پر ایسا کرتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں (۱)، تاہم اگر بیع کردیگا خواہ اسی نیت سے سہی تو بکر کو اس میں مداخلت کا حق نہیں رہے گا (۲)۔

اسی طرح اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں لڑکیوں کے نام ہبہ کرنا چاہے تو اس کا حکم بھی یہی ہے، ہبہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنا قبضہ اٹھا کر باقاعدہ موہوب لہ کا قبضہ کرادے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ربیع الأول/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ھذا۔

عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ ربیع الأول/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض، عن أبي حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه أنه لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه لابأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار، سوّى بينهم. وإن كان في وُلده فاسق، لاينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معيناً له في المعصية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۳۹۱، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/ ۴۹۰، كتاب الهبة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۲۷۹، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد للولد، رشيديه)

(۲) "ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف ماشاء" (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۴۳، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئٹة)

(۳) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرعات لاتتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه) . =

Made Se... Made searchable using ScribeTools.com ...ools.com

متبنی کو ہبہ یا وراثت

سوال[۸۰۵۱]: (نوٹ) پہلے ارسال کردہ سوال اور جناب کا جواب درج ذیل ہے:

زید کے کوئی اولاد نہیں وہ اپنے ایک حقیقی بھائی کے لڑکے عمر کو متبنی قرار دیتا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ عمر کو زمین جائیداد کا وارث قرار دیدے، زید کے دوسرے بھتیجے بھی موجود ہیں، زید اس خیال سے کہ اس کی موت کے بعد شرعی حقوق پر دوسرے بھتیجے بھی دعویدار نہ ہوجائیں جائیداد عمر کے نام ہبہ کرادیتا ہے، اس کے نتیجہ کے طور پر زید کے انتقال پر اس کے ہبہ شدہ جائیداد سے اس کے دوسرے بھتیجوں کو کوئی حصہ نہیں مل سکا۔ بعض کا خیال ہے کہ اسلامی قانون کے تحت زید کو ایسا عمل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ زید کے اس عمل سے اس کے دوسرے بھتیجوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اور شرعی حیثیت سے زید کے ہبہ کا عمل ناجائز ہے۔

(آپ کا جواب)

''اگر زید نے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں زمین جائیداد اپنے بھائی کے لڑکے عمر کو ہبہ کردی اور اپنا قبضہ اٹھا کر اس کا قبضہ ہی مکمل کرادیا تو عمر اس مالک ہوگیا، انتقال زید کے بعد دوسرے بھتیجوں کو بطور وراثت لینے کا حق نہیں رہا۔ جو چیز زید کی زندگی میں زید کی ملک سے خارج ہوگئی اس میں زید کی وراثت جاری نہیں ہوگی، اگر زید دوسرے بھتیجوں کو نقصان پہونچائے اور بلاوجہ شرعی وارث کو محروم کرنے کی نیت سے ایسا کرے تو وہ گناہ گار ہوگا''(۱)۔

(دستخط محمود عفی عنہ)

= (وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيديه)

(۱) ''عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة''. (مشكوٰة المصابيح، ص: ۲۶۶، كتاب الوصايا، قديمي)

''عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''من قطع =

اس سلسلہ میں مزید عرض ہے کہ اگر ہبہ کے سلسلے میں خود عمر کی ذاتی خواہش موجود تھی، تو کیا عمر بھی گناہ کا مرتکب ہوا؟ نیز کیا عمر کا اس ہبہ شدہ جائیداد کو لینا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے اور اگر ناجائز ہے تو عمر کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر پر اس سلسلہ میں کوئی گرفت نہیں (۱) جبکہ اس نے کوئی ناجائز کوشش نہیں کی، اس کو اس ہبہ شدہ جائیداد سے استفادہ وانتفاع درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۵/ ۸۷ھ۔

انتقال سے پہلے کسی وارث کو کچھ دینا میراث نہیں، ہبہ ہے

سوال[۸۰۵۲]: حاجی محمد حسن نے انتقال کیا، ورثہ میں بیوی مسماۃ وسیہ اور دولڑکے: محمد اور نثار احمد اور دولڑکیاں: کریمہ وفاطمہ چھوڑی۔ پس ترکۂ مورث کس طرح تقسیم ہوگا؟ واضح ہو کہ مسماۃ کریمہ اپنے باپ سے پانچ سو روپے لے کر دست بردار ہوگئی کہ مورث کے انتقال کے بعد جو مسماۃ مذکورہ کا حصہ شرعی ہوگا، رقم مذکورہ کے بدلہ میں باز آئی۔ پس مورث کی زندگی میں مسماۃ مذکورہ کی دست برداری صحیح ہے یا نہیں؟ اگر

= میراث وارثه، قطع الله میراثه من الجنة یو م القیامة". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۹۴، باب الحیف فی الوصیة، قدمی)

(وکذافی فتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۷۹/۳، فصل فی هبة الوالد لولده، رشیدیه)

(۱) "إذا اجتمع المباشروالمتسبب، أضیف الحکم إلی المباشر". (شرح الأشباه والنظائر: ۴۰۴/۱، الفن الأول، القاعده التاسعة عشر، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) "یملک الموهوب له الموهوب بالقبض". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۴۷۳/۱، (رقم المادة: ۸۶۱)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"کل یتصرف فی ملکه کیف شاء؛ لأن کون الشی ملکاً لرجل یقتضی أن یکون مطلقاً فی التصرف فیه کیفما شاء". (شرح المجلة لخالة الأتاسی: ۱۳۲/۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حقانیه پشاور)

Made searchable using ScribeTools.com

دست برداری صحیح نہیں ہے تو رقم مذکورہ واپس کرنی ہوگی یا نہیں؟ مسماۃ مذکورہ اب اپنا حصہ شرعیہ باپ کی میراث لینا چاہتی ہے۔

نیز مخفی نہ رہے کہ مورثِ مذکور کی زندگی میں اس کے دو لڑکے مسمی ابراہیم وعبدالغفور کا انتقال ہوا، ابراہیم کے چار لڑکے ہیں: ادریس، شعیب، خلیل، عبدالحمید جن کے نام زمانہ صحت میں ایک ربع جائیداد کی وصیت کی۔ پس ان تمام پوتوں کے لئے وصیت درست یا نہیں؟ بعدہ مرض الموت میں اپنے ربیب یعنی: بیوی کے لڑکے زید کو ایک مکان کی وصیت کی، بعدہ عبدالغفور کا لڑکا جو صرف سمیع اللہ ہے اس کے لئے ایک ربع کی وصیت کی۔ پس اس پوتے وغیرہ کی وصیت درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے تو کس طرح تقسیم ہوگی؟ جواب مع حوالہ کتب کے عنایت ہو۔ فقط۔

مستفتی: محمد یٰسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور ضلع، اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاجی محمد حسن،

مسئلہ ۸، تصـــ۴۸

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت،
وسیہ	محمد	نثار احمد	کریمہ	فاطمہ
۱/۶	۱۴	۱۴	۷	۷

باپ اپنی زندگی میں کل مال کا مالک تھا، پانچ سو روپیہ کی رقم اگر اپنی صحت وتندرستی میں لڑکی (کریمہ) کو دی ہے تو یہ اپنی ملک میں تصرف ہے جو کہ شرعاً جائز ہے اور نافذ ہے (۱) اور کریمہ اس رقم کی مالکہ ہوگئی اور اس عقد کو عقد ہبہ کہا جاتا ہے (۲)۔ اس کے ساتھ یہ بات کہ یہ رقم عوضِ میراث ہے، سو یہ لغو ہے، اس سے نہ عقدِ ہبہ

(۱) "کل یتصرف فی ملکه کیف شاء". (شرح المجله لسلیم رستم باز: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۲) "الهبة تملیک مال لآخر بلاعوض: أی بلاشرط عوض". (شرح الجلة لسلیم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۳۴)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

میں فرق آتا ہے، نہ یہ رقم عوضِ میراث بنتی ہے۔عوض میراث نہ بننے کی وجہ یہ ہے کہ میراث تقسیم ہوتی ہے وفاتِ مورث کے بعد اور اس وقت اس پر وراثت ثابت ہوتی ہے(۱) اور قبل از وقت میراث تقسیم نہیں ہوتی، نہ اس پر ملک وراثت ثابت ہوتی ہے، لہذا جس شئ کی فی الحال کریمہ مالک و مستحق ہی نہیں تو اس کا عوض دے سکتی ہے، نہ اس سے دست بردار ہوسکتی ہے، اور اس قسم کی شرط سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط خود باطل ہوجاتی ہے۔

رقم مذکورہ کی واپسی بھی واجب نہیں، اگر واہب زندہ ہوتا تو باپ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی رجوع کا حق نہیں تھا، پھر ورثہ کو تو انتقالِ واہب کے بعد کسی طرح بھی رجوع کا حق حاصل نہیں:

"قال أصحابنا جميعاً: إذا وهب هبةً وشرط فيها شرطاً فاسداً، فالهبة جائزة والشرط باطل، كمن وهب لرجل أمةً فاشترط عليه أوشرط أن يتخذها أمّ ولد، أو أن يبيعها من فلان، أويردّها عليه بعد شهر، فالهبة جائزة، وهذه شروط كلها باطلة، كذا فی السراج الوهاج"(۲)۔

"وإن وهب رجل أنه على أن يرد ها عليه، أو على أن يعتقها أوعلى أن يستولد، أووهب له داراً، أوتصدق عليه بدار على أن يرد عليه شيئاً منها أو بعِوَضه شئياً منها، فالهبة جائزة، والشرط باطل، كذافی الكافی، ۱ھ". عالمگیر ی:٤/ ٣٩٦(٣)۔

اگر کوئی وارث کہہ دے کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا تو اس کہنے سے اس کا حق باطل نہیں ہوتا، بلکہ باقی رہتا ہے:

= (وكذا فی الدرالمختار مع رد المحتار: ٥/٦٨٧، كتاب الهبة، سعيد)

(۱) "والمراد من التركة ما تركه الميت خالياً عن تعلق حق الغير بعينه". (الشريفة شرح السراجی، ص: ۳، كتاب الفرائض)

"والمراد من التركة ما تركه الميت". (تبيين الحقائق: ۷/ ۴۷۱، كتاب الفرائض، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ٦/٤٤٧، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۹۶، الباب الثامن فی حكم الشرط والهبة، رشيديه)

"حكمها أنها لاتبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبدٍ على أن يعتقه تصح، ويبطل الشرط".

(ردالمحتار: ٥/٦٨٨، كتاب الهبة، سعيد)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۸۵، الباب الخامس فی الرجوع فی الهبة، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

"ولوقال الوارث: تركت حقي، لم يبطل حقه؛ إذ الملك لايبطل بالترك". الأشباه، ص: ۲۳۹ (۱)۔

صورت مسئولہ میں پوتے ورثاء نہیں (۲)، ربیب بھی وارث نہیں (۳)، لہذا ان سب کے حق میں وصیت درست ہے۔ اگر ورثاء بالغ ہیں، وصیت کی اجازت دیتے ہیں تو وصیتِ میت کے موافق اس کو نافذ کردیا جائے یعنی جس قدر جس کے لئے وصیت کی ہے اس کو دے دیا جائے۔ اگر ورثاء بالغ نہیں، یا کل وصیت کی اجازت نہیں دیتے تو ایک ثلث میں نافذ ہوگی (۴)، اس طرح پر کہ جس قدر وصیت کی ہے اس کی نسبت ثلث کے ساتھ قائم کرکے اتنی مقدار دیدی جائے:

"الوصايا إذا اجتمعت، فالثلث لايخلو: إما أن يسع كل الوصايا أو لايسع الكل، فإن كان يسع الكل، تنفذ الوصية من الثلث في الكل، الخ". عالمگیری: ۱۱۵/۶ (۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۸/ ۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (الأشباه والنظائر: ۵۳/۳، الفن الثالث، مايقبل الإسقاط من الحقوق ومالايقبل، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "أولهم بالميراث جزءُ الميت: أي البنون، ثم بنوهم". (السراجي، ص: ۱۴، باب العصبات، سعيد)

"فإن اجتمع أولاد الصلب وأولاد الابن، فإن كان في أولاد الصلب ذَكر، فلاشئ لأولاد الابن ذكوراً أو إناثاً". (المبسوط للسرخسي: ۱۴۱/۲۹، كتاب الفرائض، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(۳) "ويستحق الإرث برحم ونكاح وولاء". (الاختيار لتعليل المختار: ۸۶۰/۵، كتاب الفرائض، سعيد)

"ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب: وهو الزوجية، والولاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۷/۶، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في السراجي، ص: ۱۸، ۱۹، باب العصبات، سعيد)

(۴) "ثم تنفذ وصاياه من ثلث مايبقى بعد الكفن والدين إلا أن تجيز الورثة أكثر من الثلث". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۷/۶، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۶۵۱/۴، باب في صفة الوصية مايجوز من ذلك، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۵) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۱۴/۶، فصل: الوصايا إذا اجتمعت فالثلث لايخلو، رشيديه)

Made Searchable by ScribeTools.com

غیر مسلم کا صدقہ یا ہبہ

سوال[۸۰۵۳]: ایک کافر برہمن نے کوئی گائے یا بکری خدا واسطے دی تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ چیزوں کے علاوہ اور اشیاء کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیز ثواب سمجھ کر خدا واسطے دے اور وہ مسلمان کے مذہب میں حلال ہو، اس کا لینا اور کھانا درست ہے(۱)۔ اگر کوئی عارض ہو، مثلاً: یہ کہ وہ احسان جتلائے گا، عار دلائے گا، دباؤ ڈالے گا تو نہ لے، جو کچھ وہ بتوں کی نذر اور نیاز سے دے اس کو بھی نہ لے(۲)۔ اگر مسلمان مالدار ہے تو پھر صدقہ اور خیرات کی چیز نہ لے۔ جو کچھ تہوار کی تعظیم میں دے اس کو بھی نہ لے(۳)۔ جس چیز کے لینے سے تعلقِ قلبی کا اظہار ہو اس کو بھی نہ لے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "ولابأس بطعام اليهود والنصارىٰ من الذبائح وغيرها .... ولا بأس بطعام المجوسى كله إلا الذبيحة فإن ذبيحتهم حرام". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الرابع عشر فى أهل الذمة، الخ: ۳۴۷/۵، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿حُرّمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به﴾ الخ (سورة المائدة: ۳)

(۳) "ولو أهدى لمسلم ولم يرد تعظيم اليوم بل جرى على عادة الناس، لايكفر، وينبغى أن يفعله قبله أو بعده نفيا للشبهة". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الخنثىٰ، مسائل شتى: ۷۵۴/۶، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

کتاب الضمان والودیعة

بابٌ فی الضمان

(ضمان کا بیان)

ضمان کی تعریف

سوال[۸۰۵۴]: ضمان کے کیا معنی ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ذمہ داری(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ضامن پر قسم کا حکم

سوال[۸۰۵۵]: ۱.....اگر ایک مسلمان ہاتھ میں قرآن لے کر یہ اعلان صاف کرتا ہے کہ فلاں شخص نے حلفی ضمانت فلاں بات کی لی تھی اور ضامن صاحب اپنا وعدہ پورا کریں، یا ضامن صاحب قرآن ہاتھ میں لیکر ان سب باتوں سے صاف انکار کردیں تو اس صورت میں ضمانت درست سمجھی جائے گی یا جھوٹی؟ اور اگر درست سمجھی جائے گی تو حق تلفی کا خسارہ ضامن کو ادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟ ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ

---

(۱) قال ابن منظور: "ضمن الشئ وبه ضمناً وضماناً: كفل به". (لسان العرب: ۱۳/۲۵۷، دارصادو)

"الضمان: عبارة عن رد مثل الهالک إن كان مثلياً، أو قيمته إن كان قيمياً". (قواعد الفقه، ص: ۳۵۹، الصدف پبلشرز)

یہ کہ ضامن صاحب قسم یا حلف لینے سے ڈرتے ہیں، غرض اس پر راضی نہیں ہیں اور نہ یہ کہنے کی ہمت رکھتے ہیں، کم از کم زبانی کہ تم جھوٹ الزام مجھ پر دیتے ہو، بلکہ ''یاد نہیں ہے'' کے پردہ میں روپوش ہوجاتے ہیں، اللہ علیم وبصیر ہے۔

حقوق العباد کا زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ پر مقدم ہونا

سوال[۸۰۵۶]: ۲.....کیا حلفی ضمانت کا جو شرع اسلامی کے عین مطابق ہو پورا کرنا زکوٰۃ، خیرات، حج، قربانی پر مقدم ہے؟

ضامن کو حلفیہ وعدہ کا پورا کرنا

سوال[۸۰۵۷]: ۳.....کیا ضامن کو اس حلفی وعدہ مذکور کا پورا کرنا لازم ہے؟

کیا حلفیہ وعدہ کا پورا نہ کرنا قرآن کریم کی توہین ہے؟

سوال[۸۰۵۸]: ۴.....کیا ضامن نے حلفی وعدہ سے عمداً انکار کر کے قرآن شریف کی توہین نہیں کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....قسم مدعی پر نہیں آتی بلکہ منکر پر آتی ہے، لہذا جو صاحب ضمانت کا وعدہ کرتے ہیں، ان کے ذمہ قسم نہیں، ان کا قسم کھانا بے معنی اور غلط ہے(۱)۔ جس پر ضمانت کا دعویٰ کیا جارہا ہے اگر وہ ضمانت کے منکر ہیں تو قسم

---

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "البينة على المدعى، واليمين على المدعى عليه". (مشكوة المصابيح، ص:۳۲۷، كتاب الإمارة، باب الأقضية والشهادات، الفصل الثانى، قديمى)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال فى خطبته: "البينة على المدعى، واليمين على المدعى عليه". (جامع الترمذى: ۱/۲۴۹، أبواب الأحكام، باب ماجاء فى أن البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۵۱، (رقم المادة: ۷۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

کھا کر کہدیں کہ میں نے ضمانت نہیں کی ان کا قول معتبر ہوگا۔ اگر ان کو ضمانت کرنا یاد نہیں تو وہ یہی قسم کھالیں کہ مجھ کو ضمانت کرنا یاد نہیں تو بھی ان کی قسم معتبر ہوگی۔ ''یاد نہیں'' کوئی پردہ نہیں، آدمی بھول بھی سکتا ہے، ایسی حالت میں یہ قسم لی جائے کہ ''مجھے ضمانت کرنا یاد نہیں'' یہ قسم نہ لی جائے کہ ''میں نے ضمانت نہیں کی''۔ یاد رکھتے ہوئے جھوٹی قسم کھانا سخت وبال کا موجب اور کبیرہ گناہ ہے(۱)۔

۲.....زکوٰۃ، خیرات، حج، قربانی کی ادائیگی پر حقوق العباد مقدم ہیں(۲)۔

۳..... ہر وعدہ جو شرع کے موافق ہو، اس کا پورا کرنا حسبِ استطاعت لازم ہے، جس کو یاد ہی نہ ہو وہ کیا پورا کرے گا(۳)۔

---

(۱) ''(وهی): أی الیمین بالله تعالیٰ ..... غموس (تغمسه فی الإثم، ثم النار، وهی کبیرة مطلقاً، لکن إثم الکبائر متفاوت) إن حلف علی کاذب عمداً''. (الدرالمختار: ۳/۷۰۵، کتاب الأیمان، سعید)

''و هی ثلاث: غموس: حلفه علی ماض أو حال کذبا عمداً، وحکمها الإثم و لا کفارة فیها، فیها التوبة''. (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۲۶۰، کتاب الأیمان، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۲/۲۶۰، کتاب الأیمان، غفاریه کوئٹه)

(۲) ''إذا اجتمع الحقان قدم حق العبد -لاحتیاجه- علی حق الله تعالیٰ لغناه بإذنه ..... اهـ''. (الأشباه والنظائر، ص: ۳۸۱، الفن الثالث، فوائد شتی من أبواب متفرقة، قدیمی)

''إذا اجتمع الحقان، قدم حق العبد''. (قواعد الفقه، ص:۵۵، الصدف پبلشرز)

''(قوله: لتقدم حق العبد): أی علی حق الشرع، ألا تری أنه إذا اجتمعت الحدود فیها حق العبد، یبدأ بحق العبد''. (ردالمحتار: ۲/۴۶۲، کتاب الحج، سعید)

(۳) ''الخلف فی الوعد حرام''. (الأشباه والنظائر، ص: ۲۸۱، الفن الثانی، کتاب الحظر والإباحة، قدیمی)

''قال النووی: أجمعوا علی أن من وعد إنساناً شیئاً لیس بمنهیّ عنه، فینبغی أن یفی بوعده''. (مرقاة المفاتیح: ۸/۶۱۴، آخر باب الخراج، رشیدیه)

''ولأن الوفاء بالوعد مأمور به فی جمیع الأدیان، وحافَظَ علیه الرسل المتقدمون والسلف الصالحون، وأثنی الله تعالیٰ علی خلیله فی التنزیل بقوله: ﴿وإبراهیم الذی وفّی﴾. (فیض القدیر: ۲/۸۹۱، (رقم الحدیث: ۸۹۴)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

۴.....قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر اور اس کی قسم کھا کر وعدہ کرنا، پھر یاد رہنے کے باوجود وعدہ کا عمداً انکار کردینا یقیناً بڑا جرم اور قرآن پاک کے احترام کے خلاف ہے جو کہ موجبِ توہین ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۹۵ھ۔

مؤذن سے روپیہ ضائع ہوگیا ضمان کس پر ہے؟

سوال[۸۰۵۹]: ہمارے گاؤں میں افریقہ سے ایک آدمی آیا تو مسجد اور مدرسہ کے اراکین نے جلسہ کیا اور اس کی مہمان نوازی کے لئے پھولوں کا ہار اور دوسری چیزیں لانے کے لئے متولی نے مدرسہ کے مؤذن صاحب کو سو روپے دیئے وہ روپے مؤذن سے گم ہوگئے۔ اب وہ روپے کس کے ذمہ ہیں، مؤذن صاحب دیں یا متولی صاحب؟

واضح رہے کہ مؤذن صاحب ہی بینک سے روپے لانے اور لے جانے کا کام کرتے ہیں، اور یہ کام دیانت داری کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ روپے گم ہوگئے، خیانت نہیں ہوئی، گاؤں میں اعلان بھی کرایا گیا مگر نہیں ملے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پوری حفاظت کے باوجود مؤذن سے روپے گم ہوگئے، تو مؤذن پر ضمان لازم نہیں، بلکہ جن کے

---

(۱) "الخلف فی الوعد حرام". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۸۱، الفن الثانی، کتاب الحظر والإباحة، قدیمی)

"قال النووی: أجمعوا علی أن من وعد إنساناً شیئاً لیس بمنهیّ عنه، فینبغی أن یفی بوعده". (مرقاة المفاتیح: ۸/۶۱۴، آخر باب الخراج، رشیدیه)

"ولأن الوفاء بالوعد مأمور به فی جمیع الأدیان، وحافَظَ علیه الرسل المتقدمون والسلف الصالحون، وأثنی الله تعالیٰ علی خلیله فی التنزیل بقوله: ﴿وإبراهیم الذی وفّی﴾. (فیض القدیر: ۲/۸۹۱، (رقم الحدیث: ۸۹۴)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

Made Searchable using ScribeTools.com

روپے تھے ان کے گئے (۱)۔ البتہ مسجد یا مدرسہ کے روپیہ کو پھولوں کے ہار میں خرچ کرنا جائز نہیں، ایسا کرنے سے ضمان لازم ہے، پس جتنا روپیہ بے محل خرچ کرنے کے واسطے دیا گیا تھا، اس کا ضمان اراکین دیں اور وہ مدرسہ یا مسجد میں جس کا روپیہ تھا داخل کردیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۰ھ۔

مہتمم پر ضمان

سوال[۸۰۶۰]: ایک صاحب بہت نیک اور باحیثیت مگر آنکھوں سے معذور عرصہ سے ایک عربی مدرسہ کے مہتمم اور مدرسہ کا جو کچھ چندہ وغیرہ کا روپیہ ہوتا تھا وہ بھی انہیں کے پاس رہتا تھا، روپیہ کی آمد وخرچ کا

---

(۱) "إذا وكله بشراء شئ و دفع الثمن إليه، فهلك في يده، قال في البزازية: وفي جامع الفصولين: دفع إليه ألفاً يشتري به فاشترى، وقبل أن ينقده للبائع، هلك، فمن مال الآمر". (البحر الرائق: ۷/۲۶۴، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

"إذا دفع إلى إنسان ألف درهم فأمره أن يشترى بها جاريةً، فاشترى، ثم هلك الثمن قبل أن ينقد للبائع، هلك من مال الأمر". (خلاصة الفتاوى: ۴/۱۵۸، الفصل الخامس في الوكالة بالشراء، رشيديه)

"دفع إلى رجل ألف درهم وأمره أن يشتترى له بها عبداً بألف درهم، وجاء به إلى منزله ليدفع الدراهم إلى البائع، فإذا الدراهم قد سرقت و هلك العبد، فجاء البائع يطلب منه الدراهم و جاء الموكل يطلب منه العبد، كيف يفعل؟ قالوا: يأخذ الوكيل من الموكل ألف درهم و يدفعها إلى البائع، والعبد والدراهم قد هلكا على الأمانة في يده". (شرح المجلة لسليم رستم باز، (رقم المادة: ۱۴۹۲)، ص: ۸۰۵، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "لابأس بنقشه خلا محرابه، فإنه يكره .....بجص و ماء ذهب لو بماله الحلال، لامن مال الوقف، فإنه حرام، و ضمن متوليه لو فعل". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، مطلب في أحكام المسجد، سعيد)

"يضمن القيّم ما أنفق فيه من مال المسجد". (البحر الرائق: ۵/۲۷۰، فصل في أحكام المساجد، رشيديه)

حساب مہتمم بوجہ معذوریٔ چشم نہیں کرتے تھے، بلکہ ملازمینِ مدرسہ، یا دیگر اراکینِ مدرسہ لکھتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے ایک اَور صاحب مہتمم کردیئے گئے، مگر ان سابقہ معذورِ چشم مہتمم کی تحویل میں روپیہ رکھا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ مہتمم بوجہ معذوری خود ہی سبکدوش ہوگئے اور اہتمامِ مدرسہ مع زرِ امانت کے ایک جدید مہتمم صاحب کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت روپیہ کی جانچ جدید مہتمم صاحب نے کی، کچھ روپیہ کی کمی کا اظہار کیا۔

سابقہ مہتمم صاحب جس صندوق میں، روپیہ مدرسہ کا رکھتے تھے، اس میں سے نکالنے کے لئے یا رکھنے کے لئے اپنے علاوہ گھر کے چند دیگر افراد سے بھی کام لیتے تھے اور روپیہ مثل اپنے روپیہ کے محفوظ رکھا گیا اور اپنے روپے کی طرح اس کی حفاظت کی گئی۔ گھر کے جن افراد پر اعتماد تھا اور اپنا کام ان سے کراتے تھے، انہیں سے مدرسہ کا روپیہ بھی رکھواتے نکلواتے تھے، کمی اگر واقعی ہے تو اس کا علم کہ کمی کیوں ہوئی ان مہتمم کو کچھ نہیں ہے۔ یہ کمی بوجہ حکمِ شرع شریف امین کے ذمہ آتی ہے یا نہیں؟ صاف الفاظ میں جواب عطا فرمایا جاوے۔

سائل: اللہ رکھا پسر غلام رسول، بذریعہ شاہ نور احمد، ساکن انبیہٹہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں حسبِ بیانِ سائل جب کہ معذور چشم مہتمم صاحب نے مدرسہ کی مثل اپنے روپے کے حفاظت کی اور کسی قسم کی خیانت نہیں کی تو ضائع شدہ روپیہ کا ضمان مہتمم صاحب کے ذمہ نہیں، بشرطیکہ جن افراد سے روپیہ نکلواتے اور رکھواتے تھے وہ بھی مہتمم صاحب کے نزدیک امین ہوں:

"وهي أمانة فلا تُضمن بالهلاك مطلقاً، واشتراط الضمان على الأمين باطل، به يفتى. وللمودع حفظها بنفسه و عياله وهم مَن يسكن معه حقيقةً أو حكماً، لا من يَمُونه، وشَرَطَ كونه أميناً". تنوير: ٤/٥٥١ (١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(١) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ٥/٦٦٦، كتاب الإيداع، سعيد)

"قال عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن". (فيض القدير: ١٢/٦٤٨٥، (رقم الحديث: ٩٩٠٠)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

"وهي أمانة فلا تُضمن بالهلاك، لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن" (تبيين الحقائق: ٦/١٨، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت) ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

مدرس کے تنخواہ سے ضمان کی صورت

سوال[۸۰۶۱]: کسی دینی مدرسہ کے مدرس سے کوئی مالی نقصان ہوجائے جس میں اس کے قصد کو دخل نہ ہوتو اس کی تنخواہ سے نقصان کا وضع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس کو امین بنایا گیا تھا اور اس نے پوری احتیاط وحفاظت کی، پھر بھی ناگہانی طریقہ پر وہ چیز ضائع ہوگئی تو اس پر ضمان لازم نہیں، اس کی تنخواہ سے وضع کرنا درست نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۸۹ھ۔

اگر مبیع ڈاک سے ضائع ہوجائے تو ضمان کس پر ہے؟

سوال[۸۰۶۲]: زید نے عمر سے کچھ کتابیں بطور خرید بذریعۂ ڈاک طلب کی، عمر نے زید کے تحریر کردہ پتہ پر متعدد بار کتابیں ارسال کیں جس میں چند بار پوری پوری کتابیں وصول ہوگئیں، لیکن بعض پیکٹ میں سے کچھ کتابیں ضائع ہوگئیں اور وہ زید تک نہیں پہونچیں۔اس صورت میں اس ضائع شدہ کا ضامن ازروئے شریعت کون ہوگا؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر عمر (بائع) نے زید (مشتری) کی ہدایت کے موافق کتابیں روانہ کی ہیں اور کوتاہی نہیں کی تو بائع پر ضمان لازم نہیں، کیونکہ اس نے مشتری کے امر پر عمل کیا (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۹ھ۔

= "والأمانة غير مضمونة، فإذا هلكت أو ضاعت بلا صنع الأمين، و لا تقصيرٍ منه، لا يلزمه الضمان". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص:۴۲۶، (رقم المادة: ۷۶۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ و هي أمانة، فلا يضمن بالهلاك، وللمودع أن يحفظها بنفسه و عياله". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۲/۴۶۷، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۵۲۶، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وإن هلك المشترىٰ في يد الوكيل قبل الحبس، هلك على الموكل من غير ضمان على الوكيل". =

کرایہ کی سائیکل چوری ہوجائے تو اس کا حکم

سوال[۸۰۶۳]: ایک شخص میری دوکان سے سائیکل کرایہ پر لے گیا تھا، اس کا بیان ہے کہ میں نے سائیکل کارخانہ کے دروازہ پر رکھی تھی، لیکن جب میں واپس آیا تو سائیکل وہاں پر نہیں تھی، کسی شخص نے اٹھالی۔ اب دوکاندار کو اس سائیکل کی قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ سائیکل امانت تھی اس کی حفاظت لازم تھی۔ اگر وہ جگہ جہاں سائیکل رکھی تھی محفوظ جگہ نہیں ہے، وہاں سے کسی کے اٹھا لینے کا اندیشہ تھا، پھر بھی بغیر حفاظت کے انتظام کئے وہاں رکھدی اور کسی نے اٹھالی تو حفاظت میں کوتاہی کی جس کی وجہ سے دوکاندار کو ضمان وصول کرنے کا حق حاصل ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۸ھ۔

= (الفتاوىٰ العالمكيرية ، كتاب السير ، باب الردة وأحكام أهلها، فصل فى أهل الذمة وما يؤخذ منهم من الجزية: ۳/۵۸۷، رشيديه)

"وإن هلك المشترىٰ فى يد الوكيل قبل أن يحبسه من مؤكله، يهلك على مال الموكل لا الوكيل". (مجمع الأنهر :۳/۳۱۹، باب الوكالة بالبيع والشراء ، غفاريه كوئٹه)

"فإن المبيع فى يده قبل حبسه، هلك من مال المؤكل و لم يسقط الثمن؛ لأن يده كيد الوكيل، فإذا لم يحبسه يصير الموكل قابضاً بيده". (الهداية :۳/۱۸۱، ۱۸۲، كتاب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فى البحرالرائق :۷/۱۷۶، باب الوكالة بالبيع والشراء، رشيديه)

(وكذا فى خلاصة الفتاوى :۴/۱۵۸، الفصل الخامس فى الوكالة بالشراء ، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق : ۷/۲۵۸، باب الوكالة بالبيع والشراء، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "المأجور أمانة فى يد المستأجر، سواء كان عقد الإجارة صحيحاً أو لم يكن. لا يلزم الضمان إذا تلف المأجور فى يد المستأجر مالم يكن بتقصيره أو تعديه أو مخالفته لمأذونيته . يلزم الضمان على المستأجر لو تلف المأجور أو طرأ على قيمته نقصان بتعديه . لو تلف المأجور بتقصير المستأجر فى أمر المحافظة أو طرأ على قيمته نقصان، يلزم الضمان، مثلاً: لو استأجر دابةً وتركها خالية الرأس وضاعت، =

Made searchable using ScribeTools.com

دھوبی سے گم شدہ کپڑوں کا ضمان کس پر ہے؟

سوال[۸۰۶۴]: اگر دھوبی نے کپڑا گم کردیا تو کیا اس سے تاوان لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر دھوبی کی بے پرواہی سے کپڑا گم ہوگیا تو اس کا ضمان لینا درست ہے، لیکن اگر دھوبی بے اختیار تھا اور ایک دم پانی زیادہ آ گیا اور کوشش کے باوجود حفاظت نہ کرسکا تو اس پر ضمان نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

بچپن کی چوری کا ضمان

سوال[۸۰۶۵]: بچپن کی چوری کا محاسبہ ہوگا یا والدین پر اس کا گناہ ہوگا؟ اور اسی طرح جتنے بھی گناہ بچپن میں کئے؟

= يضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲۲، ۳۲۳، (رقم المادة: ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"استاجر حماراً فضلّ عن الطريق إن علم أنه لا يجده بعد الطلب، لا يضمن". (ردالمحتار: ۶/ ۷۲، كتاب الإجارة، باب ضمان الاجير، سعيد)

(۱) "والمتاع فى يده غير مضمون بالهلاك يعنى لا يضمن ما ذكر، سواء هلك بسبب يمكن الاحتراز عنه كالسرقة، أو بما لا يمكن كالحريق الغالب والغارة المكابرة". (البحر الرائق: ۸/ ۴۷، كتاب الإجارة، رشيديه)

"الأجير المشترك من يعمل لغير واحد، و لا يستحق الأجر حتى يعمل كالصباغ والقصار. والمتاع فى يده أمانة، لا يضمن إن هلك". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳/ ۵۴۴، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

"والأجير المشترك من يعمل لغير واحد، والمتاع فى يده غير مضمون بالهلاك، وما تلف بعمله كتخريق الثوب من دقه و زلق الحمال وانقطاع الحبل الذى يشدبه الحمل و غرق السفينة من مدّها مضمون". (تبيين الحقائق: ۶/ ۱۳۹، باب ضمان الأجير، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار: ۶/ ۶۶، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲۲، ۳۲۳، (رقم المادة: ۶۰۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

Made Searchable by ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں پر گناہ نہیں، البتہ چوری کی مقدار کا ضمان ان کے مال میں لازم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۹۴ھ۔

بچوں کے کھلونے ضائع کرنے کا ضمان

سوال[۸۰۶۶]: بعض بچے کھیل کی چیزیں مدرسہ میں لے آتے ہیں تو ان کو زجراً استاذ دیکھ کر واپس نہ کریں تاکہ ان کی اصلاح ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی چیزیں ذوات القیم ہوں تو ان کو ضائع کردیں اور قیمت اپنے پاس سے بچوں کو دیدیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/ ۴/ ۹۵ھ۔

دوسرے کے لئے ٹکٹ خریدنے کی صورت میں ضمان

سوال[۸۰۶۷]: زید، عمر، خالد تینوں سفر کو جارہے تھے، راستہ میں احمد ملا، کہا: میں جاؤں گا، لیکن پیسے میرے پاس نہیں، تم میں سے کوئی اگر ٹکٹ لیکر دیدے تو جاؤنگا۔ زید کے پاس پیسہ تھا، لیکن وہ پہلے اندر چلا گیا تھا۔ عمر نے خالد سے کہا کہ تم جلدی اندر جاکر زید سے پیسے لیکر احمد کے لئے ایک ٹکٹ لے لو، لہذا خالد چلا، احمد پیچھے دروازہ تک گیا تھا اور خود کہتا ہے کہ میں نے خالد کو آواز دی، بولا نہیں، لہذا غصہ ہوکر وہاں سے چلا گیا۔ خالد کہتا ہے کہ میں نے نہیں سنا۔

---

(۱) تربیت اور اصلاح کی نیت سے ضائع کرنا جائز ہے: "فإن كان من القيميات، يلزم الغاصب قيمته في زمان الغصب و مكانه، وإن كان من المثليات يلزمه إعطاء مثله". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۹۰، (رقم المادة: ۴۹۰)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ومالا مثل له، فقيمته يوم غصبه". (تبيين الحقائق: ۶/ ۱۷۳، كتاب الغصب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۴/ ۷۸، ۷۹، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ خالد نے زید سے پیسے لیکر جلدی سے احمد کے لئے ایک ٹکٹ لے لیا، لیکن احمد کا پتہ نہیں، بہت تلاش کیا تو وہ ٹکٹ بیکار گیا۔ اب پیسہ کون دے گا؟ مخفی مباد کہ راستہ میں یہ بات ہوچکی تھی کہ خالد جا کر احمد کے لئے ٹکٹ لے لے، درمیان میں منسوخ بھی نہیں ہوا۔

المستفتی: احقر العباد احمد حسین غفرلہ، چاٹگامی، مقیم حجرہ نمبر: ۱۳۔۶/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر احمد کے امر سے خالد نے زید سے پیسے قرض لیکر احمد کے لئے ٹکٹ خریدا ہے تو ان پیسوں کا ذمہ دار احمد ہے، اگر احمد کے امر سے نہیں خریدا بلکہ از خود خریدا ہے تو خالد ذمہ دار ہے۔ اگر زید نے خود خریدا، یا خریدنے کے لئے خالد کو امر کیا تو زید ذمہ دار ہے(۱)۔ اور اگر احمد کا یہ مطلب تھا کہ اگر تم میں سے کوئی تبرعاً وہبۃً ٹکٹ دے تو میں جاؤں گا تو جس نے تبرع کیا ہے وہی ذمہ دار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۹/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔

---

(۱) "إذا أدى الوكيل بالشراء ثمن المبيع من ماله و قبضه، كان له حق الرجوع على الموكل: يعنى أن له أن يأخذ من الموكل مثل الثمن الذى أدّاه، و له أيضاً أن يطالب الموكل بالثمن وأن يحبس المبيع عليه، حتى يؤدى له وإن لم يكن هو قد أدّاه إلى البائع". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۸۰۴، (رقم المادة: ۱۴۹۱)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"إذا أمر صيرفياً فى المصارفة أن يعطى رجلاً ألف درهم قضاءً عنه، أو لم يقل: عنه، ففعل، يرجع على الآمر فى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ..... و لو أمره بشرائه أو بدفع الفداء، يرجع عليه استحساناً". (ردالمحتار: ۳/۶۱۷، باب النفقة، سعيد)

"وللوكيل بالشراء طلب الثمن من الموكل إذا اشترى و قبض المبيع ..... فإن هلك قبل حبسه، هلك على الآمر". (مجمع الأنهر: ۳/۳۱۸، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۳۱۸، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۵/۲۵۶، ۲۵۷، دارالكتب العلمية بيروت)

ملزم کی ضمانت کرنا

سوال[۸۰۶۸]: ایک شخص کو عداوت میں مقدمۂ قتل میں قید کرادیا اور اس کے قاتل ہونے پر گواہ بھی قائم کردیئے۔ ایسے شخص کا ضامن ہونا اور ضمانت پر رہا کرانے کی کوشش کرنا اور اس کا تعاون کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر واقعۃً ایک شخص قاتل نہ ہو، مگر عداوت کی وجہ سے اس پر قتل کا جھوٹا مقدمہ چلایا جائے تو اس کی ضمانت کرنا اور بچانے کی کوشش کرنا شرعاً درست اور موجبِ اجر ہے(۱)، اگر واقعۃً قاتل وظالم ہو تو اس کو بری ثابت کرنے کے لئے ضمانت کرنا اور کوشش کرنا جائز نہیں، بلکہ اعانتِ ظلم ہے: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الاية(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۲/۵ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "المسلم أخو المسلم، لايظلمه و لا يسلمه. ومن كان فى حاجة أخيه، كان الله فى حاجته، ومن فرّج عن مسلم كربةً فرّج الله عنه كربةً من كربات يوم القيامة ..... اهـ". (مشكوة المصابيح ص: ۴۲۲، باب الشفقة والرحمة على الخلق ، قديمى)

"من أطفأ عن مؤمن سيئةً، كان خيراً ممن أحيا موء ودةً". (فيض القدير : ۱۱/۵۲۶۸، (رقم الحديث: ۸۴۶۷)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

(۲) (سورة المائدة : ۲)

"عن أوس بن شرحبيل رضى الله تعالىٰ عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "من مشى مع ظلم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۳۶، باب الأمر بالمعروف، قديمى)

"قال عليه السلام: "من أعان على خصومة بظلم، لم يزل فى سخط الله حتى ينزع". (فيض القدير : ۱۱/۵۶۷۱، (رقم الحديث: ۸۴۷۳)، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز رياض)

Made searchable using ScribeTools.com

بابٌ فی الودیعة

(امانت کا بیان)

مالک کے لاپتہ ہونے کے بعد امانت میں تصرف

سوال[۸۰۶۹]: میرے پاس ایک شخص نے ۲۶۰/ روپیہ امانت رکھا اور آج پندرہ برس ہوگئے، کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ تو کیا وہ امانت ہم کسی نیک کام میں لگا سکتے ہیں؟ بیت المال، مدرسہ یا کسی اَور نیک کام میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ ضرورت مندوں کو دوسروں کی ذمہ داری پر قرض دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس امانت کو اسی طرح محفوظ رکھنا ضروری ہے، نہ مدرسہ میں دیں، نہ دوسرے ضرورت مندوں کو دیں، نہ قرض دیں، نہ صدقہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۳/۹۴ھ۔

فسادزدگان کے لئے چندہ کیا گیا، کچھ بچ گیا، اس کو کیا کیا جائے؟

سوال[۸۰۷۰]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ رانچی کے فسادات میں جو مسلمانوں کو عظیم نقصان پہنچا، ان کی امداد کے لئے مسلم ریلیف کمیٹی بنائی گئی تھی جس میں کافی چندہ جمع ہوا اور کافی تقسیم ہوا اور کچھ بچ گیا۔ بہرحال

---

(۱) "والوديعة لا تودع و لا تعار و لا تؤجر و لا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۸/۴، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۲۹۱/۴، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۶۷/۷، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، ص: ۲۶۷، الفن الثاني، كتاب الأمانات، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۶۷۹/۵، كتاب العارية، سعيد)

اب یہ فیصلہ کیا جارہا ہے کہ اس کو دوسرے کاموں میں صرف کردیا جائے، حالانکہ بہت بیوہ عورتیں موجود ہیں۔ تو کیا مسلم ریلیف کمیٹی کو یہ حق ہے کہ جو صرف مظلومینِ فساد کے لئے چندہ کیا گیا ہے اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ خرچ کردے؟ آخر مسلم ریلیف کمیٹی کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ ممبران اس روپے کے مالک ہیں یا امین ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جن کاموں کے لئے چندہ کیا گیا ہے چندہ کی رقم کو ان ہی کاموں میں صرف کیا جائے، دوسرے کاموں میں رقم خرچ کرنا بلا اجازتِ چندہ دہندہ گان درست نہیں، چندہ دہندگان بقیہ رقم کو جن کاموں میں خرچ کرائیں، رقم کو ان کاموں میں خرچ کیا جائے گا۔ مسلم ریلیف کمیٹی کی حیثیت محض امین اور وکیل کی ہے۔

فتاویٰ عالم گیری، مصری: ۳/۴۴۱، کتاب الوکالة میں ہے:

"وأما حكمها فمنه قيام الوكيل مقام المؤكل فيما وكّله له" (۱)۔ اور ۳/۴۴۳، پر ہے:

"وأما صفتها، فإنها ..... و منه أنه أمين فيما فی يده كالمودع" (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۱۴/۲/۸۸ھ۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۵۶۶، كتاب الوكالة، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/۵۶۷، كتاب الوكالة، رشيديه)

"الوكالة تفويض واحد أمرَه لآخر، وإقامته مقامه فی ذلک الأمر، ويقال لذلک الواحد: موكّل، ولمن قامه عنه: وكيل، و لذلک الأمر: موكّل به". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۷۶۹، (رقم المادة: ۱۴۴۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف فی ملک غيره بلا إذنه أو وكالة منه". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۱، (رقم المادة: ۹۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الأشباه والنظائر، ص: ۲۷۶، الفن الثانی، الفوائد، كتاب الغصب، قديمی)

(وكذا فی ردالمحتار: ۶/۲۰۰، سعيد)

(وكذا فی شرح المجلة لمحمد خالد الأتاسی: ۱/۲۶۲، حقانيه پشاور)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

کیا سزا کے عوض امانت کی رقم کاٹ لی جائے؟

سوال[۸۰۷۱]: زید نے اپنے بھائی بکر کے پاس ۲۷/ ہزار روپیہ امانت رکھا۔ بکر کے دل میں فتور آ گیا، اس نے چند آدمیوں کو بلا کر مار پیٹ کر کے رات کے وقت ایک فائر کیا، محلّہ والوں کو بتلایا کہ ڈکیتی پڑ گئی ہے اور پولیس میں بھی رپورٹ ڈکیتی درج کرائی، اور پولیس نے آ کر فوراً انکوائری کی اور معلوم کیا یہ رقم کس کی تھی تو بکر نے خود جواب دیا کہ میرے بھائی زید کی تھی، اس پر پولیس نے سختی کی تو اس نے پولیس کے سامنے کہا: یہ کام میں نے ہی کرایا ہے۔ اس پر کیس چلا۔ بکر کے اوپر سوا پانچ ہزار روپیہ جرمانہ ہوا۔ ۲۷/ ہزار رقم میں ۲۱/ ہزار زید کو ملا۔ جب بکر چھوٹ کر آیا تو زید نے چھ ہزار روپیہ طلب کیا۔ بکر کا کہنا ہے کہ ہم نے سزا کاٹی اور روپیہ بھی دیں، وہ چھ ہزار روپیہ ہم نہیں دیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید اپنے چھ ہزار روپیہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے کمینہ حرکت کی اور بھائی کی امانت ضائع کرنے کی کوشش کی، ڈکیتی دکھلائی، پولیس نے گرفتار کیا، سزا کاٹی، اب لازم ہے کہ بقیہ چھ ہزار کی رقم زید کو ادا کردے، سزا کے عوض اس رقم کے رکھنے کا اختیار نہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. (سورة النساء: ۵۸)

"عن أبي صالح عن أبي هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "أدّ الأمانة إلى من ائتمنك، ولا تخن من خانك". (سنن أبي داؤد: ۱۴۲/۲، كتاب البيوع، باب في الرجل يأخذ حقه، إمداديه ملتان)

"قال عليه السلام: "أدّ الأمانة إلى من ائتمنك، ولا تخن من خانك". (فيض القدير: ۴۲۶/۱، (رقم الحديث: ۳۰۸)، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز رياض)

"عن أبي حره الرقاشي عن عمه رضي الله تعالیٰ عنه قال: كنت آخذ بزمام ناقة رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم في أوسط أيام التشريق، أذود عنه الناس فقال: ..... ومن كانت عنده أمانة =

امانت کی واپسی کے لئے شرط

سوال[۸۰۷۲]: زید نے- جو ضلع رائے بریلی کا رہنے والا ہے- پرتاب گڈھ میں ایک مسجد بنانے کے لئے روپے عمرو کے پاس (جو معتبر شخص ہے اور پرتاب گڈھ کا رہنے والا ہے) امانت رکھے، مسجد کے لئے جو زمین زید نے خریدی، وہ بوجہ لگان قائم رہنے کے مسجد کے لئے ناجائز قرار دی گئی، اس لئے زید نے رائے بریلی کے ضلع میں ایک مسجد اس نیت سے تعمیر کرائی جو ہنوز زیر تعمیر ہے۔ اس مسجد کی تعمیر کے لئے اس وعدہ پر کچھ روپیہ قرض لیا کہ پرتاب گڈھ سے روپیہ لاکر ادا کرے گا۔ عمرو یہ کہتا ہے کہ پرتاب گڈھ ہی میں تمہیں کسی دوسری جگہ مسجد بنانی چاہئے، ورنہ روپیہ واپس نہ ملے گا۔

سوال یہ ہے کہ زید کو اپنا روپیہ عمرو سے واپس لیکر اس مسجد میں جو رائے بریلی میں بنوایا ہے لگانے کا اختیار ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ عمرو کو زید کی امانت واپس دینے میں کسی قسم کی شرط لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمرو کا مطالبہ کہ ”پرتاب گڈھ ہی میں مسجد بناؤ، یا اسی جگہ کسی دوسرے کام میں روپیہ خرچ کرو تو امانت کا روپیہ واپس ملے گا ورنہ نہیں“ ناجائز اور ظلم ہے(۱)، اصل مالک کو اختیار ہے کہ اپنا روپیہ جس جائز کام میں چاہے،

= فليؤدها إلى من ائتمنه عليها“. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۶/۶۹، (رقم الحديث: ۲۰۱۷۲)، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(وكذا فی مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۴، كتاب الآداب، باب الشفقة، والرحمة على الخلق، الفصل الثالث، قديمی)

(۱) ”فإن طلبها ربُّها فحبسها و هو قادر على تسليمها، صار غاصباً“. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۴۷۰، غفاريه كوئٹه)

”فإن طلبها ربها فحبسها ظلماً و هو قادر على تسليمها، صار غاصباً؛ لأنه ظلم“. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۷۰، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

”وإن طلبها ربها فحبسها قادراً على تسليمها، فمنعها يعنى لو منع صاحب الوديعة بعد طلبه و هو قادر على تسليمها، يكون ضامناً؛ لأنه ظالم بالمنع، حتى لو لم يكن ظالماً بالمنع، لا يضمن“. (البحر الرائق: ۷/۴۶۷، كتاب الوديعة، رشيديه) .....=

Made searchable using ScribeTools.com

صَرف کرے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ۷/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف: مظاہر علوم، ۶/ ۷/ ۵۷ھ۔

امانت کا ادا نہ کرنا

سوال[۸۰۷۳]: ایک شخص زید کو ایک چیز اس لئے دیتا ہے کہ وہ عمر کے پاس پہونچادے اور زید ایک مجمع میں پختہ وعدہ کرتا ہے کہ میں ضرور پہونچادوں گا اور پھر باوجود سخت تقاضا کرنے کے وہ انکار کرتا ہے اور دینے والے کو بھی واپس نہیں کرتا۔تو کیا زید شرعاً متدین وامین کہلانے کا مستحق ہے اور اسے قومی وملی پیشوا، یا کارکن بنایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سوال بہت مجمل ہے، بہتر تھا کہ زید کا بیان بھی ہمراہ ہوتا تا کہ معلوم ہوتا کہ اس کے وہ امانت نہ پہونچانے اور نہ واپس کرنے کی کیا وجہ ہے کہیں وہ شئ زید کی ملک تو نہیں جو کسی طرح عمر یا حوالہ کرنے والے کے پاس پہونچ گئی تھی، اب جب کہ زید کے قبضہ میں آ گئی تو دینے سے انکار کردیا، بلکہ جس قدر سوال ہے اس کا جواب ظاہر ہے اس میں کیا تردد ہے جس کو دریافت کرنا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ رجب/ ۶۳ھ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲۰/۶، كتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۲۶۵/۵، كتاب الإيداع، سعيد)

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء ..... اهـ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب البيوع: ۵۰۲/۴، سعيد)

(۲) جواب اس کا یہ ہے کہ: "امانت کے ادا کرنے کا حکم قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں دیا گیا ہے، اور امانت میں خیانت کرنا منافق کی علامت بتائی گئی ہے، لہٰذا امین کو امانت بروقت ادا کرنا اور خصوصاً عند المطالبہ ادا کرنا بہت ضروری ہے: قال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. (سورة النساء: ۵۸) ..... =

.....

= "عن أبی صالح عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أدّ الأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک". (سنن أبی داؤد: ۱۴۲/۲، کتاب البیوع، باب فی الرجل یأخذ حقه، امدادیه ملتان)

"قال علیه السلام: "أدّ الأمانة إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک". (فیض القدیر: ۴۲۶/۱، (رقم الحدیث: ۳۰۸)، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز ریاض)

"عن أبی حرة الرقاشی عن عمه رضی الله تعالیٰ عنه قال: کنت آخذاً بزمام ناقة رسول الله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فی أوسط أیام التشریق، أذود عنه الناس فقال: ..... "ومن کانت عنده أمانة، فلیؤدها إلی من ائتمنه علیها". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۶۹/۶، (رقم الحدیث: ۲۰۱۷۲/۵، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی مشکوة المصابیح، ص: ۴۲۴، کتاب الآداب، باب الشفقة، والرحمة علی الخلق، الفصل الثالث، قدیمی)

"عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "آیة المنافق ثلاث: إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق: ۱۰/۱، قدیمی)

نیز امانت کو ادا نہ کرنے والا غاصب کے حکم میں ہے:

"فإن طلبها ربُّها فحبسها و هو قادر علی تسلیمها، صار غاصباً". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر: ۴۷۰/۳، غفاریه کوئٹه)

"فإن طلبها ربها فحبسها ظلماً و هو قادر علی تسلیمها، صار غاصباً؛ لأنه ظلم". (الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۴۷۰/۳، کتاب الودیعة، غفاریه کوئٹه)

"وإن طلبها ربها فحبسها قادراً علی تسلیمها، فمنعها یعنی لو منع صاحب الودیعة بعد طلبه وهو قادر علی تسلیمها، یکون ضامناً؛ لأنه ظالم بالمنع، حتی لو لم یکن ظالماً بالمنع، لا یضمن". (البحر الرائق: ۴۶۷/۷، کتاب الودیعة، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲۰/۶، کتاب الودیعة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی ردالمحتار: ۶۶۵/۵، کتاب الإیداع، سعید)

Made searchable using ScribeTools.com

چاندی کا روپیہ امانت رکھ کر اس کے عوض نوٹ دینا کیسا ہے؟

سوال[۸۰۷۴]: ۱.....مسجد کا روپیہ جس کے پاس جمع ہے، بجائے اس جمع کئے ہوئے روپیہ کے دوسری رقم دے، مثلاً: چاندی کا روپیہ ہے اور نوٹ دے۔ تو کیا خیانت کا مجرم نہیں ہے؟ ۱۹۴۰ء میں جب کہ چاندی کا روپیہ ملتا تھا اس وقت چاندی کا روپیہ جمع کیا گیا، اب وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی ہے وہ شخص اب موجودہ نوٹ دیتا ہے۔ تو کیا وہ شخص خیانت کا مجرم ہوسکتا ہے؟ مع حوالۂ حدیث وقرآن جواب دیجئے۔

امانت کے نوٹ کو بدل دینا

سوال[۸۰۷۵]: ۲.....زید کے پاس امانتاً دس روپیہ کا نوٹ ۴۰ء کا بکر رکھ دیتا ہے اور جس وقت بکر اپنی امانت زید سے مانگتا ہے تو زید اس کو بجائے ۴۰ء کے اس نوٹ کے جو کہ امانت میں دیا تھا، ۴۷ء کا نوٹ دس روپیہ کا واپس کرتا ہے۔ زید خیانت کا مجرم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....یقیناً یہ صورت خیانت میں داخل ہے، اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ چاندی کا روپیہ دے جو اس کے پاس جمع کیا گیا ہے، اگر ان سے وہ چاندی کا روپیہ خرچ کرلیا ہے تو اس کی قیمت دے جو موجودہ روپیہ اور نوٹ سے یقیناً زیادہ ہے۔ علامہ شامی نے نقود کے بھاؤ کی کمی زیادتی کے مسائل کے متعلق مستقل ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس میں فقہی جزئیاتِ کثیرہ نقل کی ہیں۔ اگر نوٹ سے قیمت ادا کرے تو چاندی کے روپیہ کی موجودہ قیمت ادا کرے ورنہ غاصب شمار ہوگا، اور پوری قیمت دینے کی صورت میں ضمان سے بَری ہوجائے گا:

"لو أنفق دراهم الوقف فی حاجة، ثم أنفق مثلها فی مرمة الوقف، یبرأ عن الضمان، اهـ". عالمگیری(۱)۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲/۴۱۶، الباب الخامس فی ولایة الوقف، رشیدیه)

"لا یتعین الثمن بالتعین فی العقد، مثلاً: لو أری المشتری البائع ذهباً مجیدیاً فی یده، ثم اشتری بذلک الذهب شیئاً، لا یجبر علی أداء ذلک الذهب بعینه، بل له أن یعطی البائع ذهباً مجیدیاً من ذلک النوع غیر الذی أراه إیاه".

یراد بالعقد عقد المعاوضة کالبیع والإجارة، وأما غیرهما من العقود کالإیداع والشرکة، =

Made Searchable by ScribeTools.com

۲.....جوامانت کسی کے پاس رکھی جائے اس میں تغیر وتصرف جائز نہیں، اس لئے یہ امانت کے تحفظ کے خلاف ہے، کذا فی الکتب المتداولة من مراٰة المجلة وغیرها(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/شوال/ ۶۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= فتتعين فيه النقود بالتعيين، فلو أودع رجلاً عشرين ذهباً عثمانياً، لزم الوديع أن يردّ هذه الذهبات عيناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۱۲۴ (رقم المادة: ۲۴۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"أحكام النقد : لا يتعين فى المعاوضات ..... و لا يتعين فى النذر والوكالة قبل التسليم، وأما بعده، فالعامة كذلك، و يتعين فى الأمانات والهبة والصدقة والشركة". (الأشباه والنظائر، ص: ۳۰۹، أحكام النقد و ما يتعين فيه، قديمى)

(وكذا فى ردالمحتار : ۱۵۳/۵، كتاب البيوع، سعيد)

(۱) "الوديعة لاتودع ولاتعار ولا توجر ولا ترهن، وإن فعل شيئاً منها، ضمن، كذا فى البحر الرائق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوديعة، الباب الأول فى تفسير الإيداع الخ: ۳۳۸/۴، رشيديه)

(وكذا فى خلاصة الفتاوىٰ، كتاب العارية، الفصل الأول: ۲۹۱/۴، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

فصلٌ فی الضمان بهلاک الودیعة

(امانت کے ضائع ہونے پر ضمان کا بیان)

امانت کا ضمان

سوال[۸۰۷۶]: ایک شخص ملازم بحیثیت کارندہ کی تحویل میں سے کچھ روپیہ چوری ہوگیا، مالک نے ملازم سے حلف اٹھوایا اور یہ کہلوایا کہ ''یوں کہہ کہ اگر میں نے تمہارا روپیہ اپنے کام میں لگایا ہو، یا کسی کو دیا ہو، یا اپنے آئندہ خرچ کے لئے اپنے، یا کسی اَور کے پاس رکھا ہو تو اندھا ہوجاؤں اور بھیک مانگتا پھروں، ایمان نصیب نہ ہو''۔ ایسی قسم لینے کے بعد مالک کو ملازم سے ڈنڈ لینا جائز ہے یا نہیں یعنی گم شدہ روپیہ لینا؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر ملازم کے پاس وہ روپیہ امانت تھا اور کافی حفاظت کے باوجود پھر چوری ہوگیا تو ملازم پر ضمان نہیں، اگر ملازم کی بے توجہی اور غفلت سے ایسا ہوا ہے تو ملازم پر ضمان لازم ہے:

"الإيداع هو تسليط الغير على حفظ ماله، والوديعة ما يترك عند الأمين، و هى أمانة، فلا تُضمن بالهلاك". زيلعى: ۵/۷۶(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۸/۱/۵۷ھ۔

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۶/۱۷، ۱۸، كتاب الوديعة، دار الكتب العلمية بيروت)

"والوديعة أمانة فى يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعدٍ منه و بدون صنعه و تقصيره فى الحفظ، لا يضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الوديعة أمانة فى يد المودع إذا هلكت، لم يضمنها، لقوله عليه السلام: "ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان". (الهداية: ۳/۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه شركت علميه ملتان) =

ذمہ داری ختم ہونے کے بعد امین پر ضمان نہیں

سوال[۸۰۷۷]: زید ایک مدرسہ کا مدرس ہے، ہیڈ ماسٹر نے زید کو اس کا ذمہ دار بنایا، اور کمرے کی کنجی بھی زید کے حوالہ کردی، لیکن زید کی بعض کوتاہیوں کی وجہ سے کمرے کی کنجی ہیڈ ماسٹر نے اس سے لے کر اپنے پاس رکھ لی، زید سے کنجی لینے کے بعد اس کمرے میں مالی نقصان ہوگیا۔ اب زید سے کنجی لینے کے بعد کمرے کا ذمہ دار کون ہوگا، اور نقصان کس کے ذمہ عائد ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب نقصان کنجی زید سے لینے کے بعد ہوا تو زید ذمہ دار نہیں، جس کے پاس کنجی ہے وہ ذمہ دار ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

امانت کا روپیہ جل گیا اس کا تاوان

سوال[۸۰۷۸]: ۱.....خلاصۂ سوال یہ ہے کہ زید کے پاس کچھ روپیہ امانت رکھا ہوا تھا، اس روپیہ میں سے کچھ روپیہ کی مشین بھی خریدی اور کچھ روپیہ مشین والے کا باقی رہ گیا تھا۔ اب جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اس کی دوکان میں آگ لگ گئی تو کیا جس کا روپیہ تھا اس کو دینا لازم ہے یا نہیں؟ اور مشین والے کا جو روپیہ باقی ہے وہ کون دے گا؟

۲.....مثلاً ایک آدمی نے دودھ کی مشین خریدی اور اس نے وعدہ پر روپیہ نہیں دیا، اس لئے وہ مشین والا اپنی مشین اٹھالایا اور تیسرے آدمی کے پاس رکھدی کہ بقایا روپیہ لے کر اس کو دیدینا، لہٰذا ایک سو روپیہ کی قسط مشین والے کو دیدی اور دوسری مرتبہ ۱۷۸/ روپیہ اس کی طرف سے مشین والے کو ایک تیسرے آدمی نے دیدیا،

= (وكذا في البحر الرائق : ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة ، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر : ۳/۴۶۶، ۴۶۷، كتاب الوديعة ، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في ردالمحتار : ۵/۶۶۲، ۶۶۳، كتاب الإيداع ، سعيد)

(۱) "يلزم رد الوديعة إلى صاحبها إذا طلبها ،فلو ردّها الوديع برئ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۴۰، (رقم المادة: ۷۹۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

مگر مشین والے نے روپیہ واپس کردیا اور کہا کہ قیمت شام کو دیکر لے جانا، مگر اس کی دوکان میں آگ لگ گئی جس سے اس کا کافی نقصان ہوگیا، وہ کہتا ہے کہ اس نے مجھے روپیہ واپس نہیں کیا۔ اس صورت میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اور اس کی دوکان میں آگ لگ گئی، اس کے ذمہ اس روپیہ کا تاوان نہیں ہے(۱)۔ جس نے مشین خریدی تھی اور اس کا روپیہ باقی تھا تو وہ روپیہ دینا ضروری ہے، جس نے خریدی ہے وہ روپیہ دے، پھر جس سے شرکت کا معاملہ تھا اس کے موافق عمل کیا جائے۔

۲.....اگر وہ روپیہ جل گیا ہے تو اس کا تاوان لازم نہیں، کیونکہ وہ امانت تھا(۲)۔ اگر اس کو آگ لگنے سے پہلے واپس کردیا تھا اور وہ انکار کرتا ہے کہ مجھے نہیں دیا تو جس کے پاس روپیہ رکھا تھا اس کے ذمہ قسم آئے گی، وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں واپس کرچکا ہوں، میرے ذمہ نہیں تو اس کی قسم معتبر ہوگی اور تاوان لازم نہیں آئے گا، اگر قسم نہ کھائے تو روپیہ دیدے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۵/۹۱ھ۔

---

(۱) "والوديعة أمانة في يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعدٍ منه و بدون صنعه و تقصيره في الحفظ، لايضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وهي أمانة، فلا تضمن بالهلاك، لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن". (تبيين الحقائق: ۶/۱۷، ۱۸، كتاب الوديعة، سعيد)

"الوديعة ما يترك عند الأمين للحفظ، وهي أمانة، فلا يضمن بالهلاك". (ملتقى الأبحر: ۳/۴۶۶، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الهداية: ۳/۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحرالرائق: ۷/۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۶۳، ۶۶۴، كتاب الإيداع، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة)

(۳) "عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۳۲۷، باب الأقضية =

امانت غسل خانہ میں رکھ کر بھول گیا اس کا ضمان

سوال[۸۰۷۹]: امسال حضرت کی دعاؤں کے صدقہ میں حجِ بیت اللہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، چلتے وقت ایک محسن نے مجھے دو ہزار روپیہ دیا اور گھڑی، کمبل، قالین کی فرمائش کی اور تین افراد کی قربانی کرنے کی فرمائش کی۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کی رقم خیریت سے پہونچ گئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ فرمائش کا سامان ہمراہ لے کر آؤں گا۔ بمبئی پہونچ کر اس میں سے ۲۶۰۰/ روپیہ کی رقم جمع کرنے کی نیت سے الگ کرلی، غسل کی حاجت ہوئی اور میں غسل خانہ گیا، کپڑے اُتار کر اس رقم کو طاق میں رکھ کر بھول گیا، اس طرح یہ رقم ضائع ہوگئی، جو رقم علیحدہ تھی۔ میں نے اس رقم سے سفر پورا کیا۔ از روئے شریعت اب مجھے کیا کرنا چاہئے، رقم کا کچھ حصہ واپس کرنا چاہئے، یا بالکل واپس نہیں کرنا چاہئے؟

بندہ: سید عبدالعزیز لیکچرار، ہائر سکنڈری اسکول سیدھی (ایم، پی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

امانت کا روپیہ غسل خانہ میں غسل کرتے وقت طاق میں رکھ دیا، پھر بعد غسل اٹھانا یاد نہیں رہا، وہیں چھوڑ کر چلے آئے اور روپیہ ضائع ہوگیا تو وہ تمام روپیہ واپس کرنا ہوگا:

"ولو قال المودع: وضعتُ الوديعة بين يدىّ، فقمتُ و نسيتها، فضاعت، ضمن، وبه يفتىٰ، اهـ". عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

= والشهادات، كتاب الإمارة، الفصل الثانى، قديمى)

(وجامع الترمذى: ۱/۲۴۹، أبواب الأحكام، باب ماجاء فى أن البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه، سعيد)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز. ص: ۵۱، (رقم المادة: ۷۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۴۲، كتاب الوديعة، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"وفى فتاوى أبى الليث: ولو أن المودع قال: وضعتُ الوديعة بين يدىّ، فقمتُ ونسيتها، =

Made searchable using ScribeTools.com

غیر مسلم کے پاس مسجد کا پیسہ امانت تھا وہ ضائع ہوگیا

سوال[۸۰۸۰]: متولی مسجد کو اپنے پاس مسجد کے پیسے رکھنے میں حفاظت کا یقین نہیں تھا اور کوئی دوسرا مسلمان بھی امانت رکھنا قبول نہیں کرتا تھا تو اس وقت شرعی حاکم نہ ہونے کی وجہ سے بامر جماعت محلّہ متولی نے مسجد کے پیسے کافر کے پاس رکھے وہ کافر اس وقت مالدار تھا اور امانت رکھنے میں مرجع خاص وعام تھا، اب کافر مفلس ہوگیا اور مسجد کے پیسے اس کے پاس سے ہلاک ہوگئے اب اس کے پاس کوئی مال وجائیداد نہیں ہے کہ جس سے مسجد کے پیسے وصول ہوسکیں تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مسجد کے پیسہ کا ضمان لازم ہوگا یا نہیں، اگر لازم ہو تو متولی پر یا اہلِ محلّہ پر؟

اگر صورت مذکورہ میں مسجد کے پیسے کافر کو قرض دیئے ہوں اور پھر ہلاک ہوجائے تو اس وقت کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"قال فی القنیة: طالب القیم أهل المحلة أن یقرض من مال المسجد للإمام، فإن أمره القاضی به فاقترضه، ثم مات الإمام مفلساً، لایضمن القیم ..... مع أن القیم لیس له إقراض مال المسجد. قال فی جامع الفصولین: لیس للمتولی إیداع مال الوقف والمسجد إلا لمن فی عیاله، ولا إقراضه فلو أقرضه، ضمن. وکذا المستقرض. وذکر أن القیم لوأقرض مال المسجد لیأخذه عند الحاجة وهو أحرز من إمساکه، فلا بأس به. وفی العدة یسع المتولی إقراض ما

= فضاعت، یضمن؛ لأن نسیانه تضییعٌ". (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی: ۳۱۴/۶، فیما یکون تضییعاً للودیعة، غفاریه کوئٹه)

"و لو قال: وضعتها بین یدیّ، وقمتُ نسیتها، فضاعت، یضمن". (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۰۰/۶، کتاب الودیعة، الفصل الثانی فیما یکون إضاعة، رشیدیه)

"مودع قال: وضعتُ الودیعة بین یدیّ، ثم قمت، فنسیتها، فضاعت، کان ضامناً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۷۷/۳، فصل فیما یضمن المودع، رشیدیه)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم باز، (رقم المادة: ۷۸۲)، ص: ۴۳۳، مکتبه حنفیه کوئٹه)

فضل من غلة الوقف لو أحرز، اهـ". بحر شرح كنز: ۵/۲۳۹(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ متولی کو اگر مسجد کے پیسے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اور کوئی دوسری صورت بھی حفاظت کی نہیں تھی اور اہل محلّہ کے امر سے متولی نے وہ پیسے کافر کے پاس رکھ دیئے اور اس کافر سے وصولیابی کی کافی توقع تھی تو پھر متولی پر ضمان لازم نہیں اور نہ اہل محلّہ پر لازم ہے۔ یہی حکم صورت مذکورہ میں قرض کا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، ۲۶/ ۵۷ھ۔

امانت چوری ہونے پر ضمان کا حکم

سوال[۸۰۸۱]: انتظامِ آمد وخرچ کی پنچایت ذمہ دار ہوتی ہے، لہٰذا ایک فنڈ پنچائتی ہے اور دوسرا فنڈ خاص ملکیتِ مسجد ہے، دونوں فنڈ امین کے پاس تھے جو چوری ہوگئے، ایک عرصہ تک مشورہ ہوتا رہا، تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ واقعی چوری چلے گئے، امین کو اس کے بار کا متحمل نہ سمجھا، پنچایت نے معاف کردیا، مگر امین کو فکر ہے کہ شرعاً یہ دونوں جمع معاف ہیں، یا شرعاً فرق ہے۔اس سے مفصل بندہ کو مطلع فرمائیں۔

---

(۱) مذکورہ عبارت میں کچھ کتابت کی غلطیاں ہیں، لہٰذا البحر الرائق کی اصل عبارت یہ ہے:

قال فی القنية: طالب القيم أهل المجلة أن يقرض من مال المسجد للإمام، فأبى، فأمره القاضی به، فأقرضه ثم مات الإمام مفلساً، لايضمن القيم اهـ، مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد، قال فی جامع الفصولين: ليس للمتولی إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن فی عياله ولا إقراضه، فلو أقرضه، ضمن، وكذا المستقرض. وذكر أن القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة، وهو أحرز من إمساكه، فلا بأس به. وفی العدة: يسع المتولی إقراض مافضل من غلة الوقف لو أحرز، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۰۱، رشيديه)

(۲) "أذن أخرجها عن يده عنه الضرورة بأن وقع الحريق فی داره فخاف عليها الحرق، أو كانت الوديعة فی سفينة فلحقها غرق، أو خرج اللصوص وخاف عليها أو ما أشبه ذلک، فدفعها إلى غيره، لايكون ضامناً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثانی فی حفظ الوديعة بيد الغير: ۳/ ۳۴۰، رشيديه)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۴۰، (رقم المادة: ۷۹۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرامین نے ہردوفنڈ کوعلیحدہ علیحدہ رکھااور پوری حفاظت کی،اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی، پھر بھی وہ چوری ہوگئےتواب شرعاًامین پرمواخذہ نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفی عنہ،مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۳/۴/۵۷ھ۔

صحیح:عبداللطیف،مفتی مدرسہ ہذا، الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ،۱۴/ربیع الثانی/۵۷ھ۔

مسجد کی امانت چوری ہوجائےتوضمان کاحکم

سوال[۸۰۸۲]: ایک شخص کے پاس مسجد کی امانت رکھی ہوئی تھی جو چوری ہوگئی، کچھ چوری واپس آ گئی،اس نے مسجد کی امانت کچھ دی کچھ نہیں دی۔جوامانت باقی رہ گئی تھی اس کودینالازم ہے یانہیں؟ یہ آدمی شریعت کا پابندنہیں۔فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگرامانت کواپنے مال میں مخلوط کرکے رکھا تھاتوپوری امانت کواس سے لیناچاہئے(۲)،اگرالگ رکھا

---

(۱) "الوديعة أمانة في يد الوديع، فإذا هلكت بلا تعدٍ منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ، لايضمن".

(شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۷)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الوديعة أمانة في يد المودع، إذا هلكت، لم يضمنها". (الهداية: ۳/ ۲۷۱، كتاب الوديعة، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وهي أمانة، فلا تُضمن بالهلاك، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لاضمان على مؤتمن".

(تبيين الحقائق: ۶/ ۱۸، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۷/ ۴۶۵، كتاب الوديعة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳/ ۴۶۶، كتاب الوديعة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير: ۸/ ۴۸۵، كتاب الوديعة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "وكذا لو خلطها المودع بجنسها أو بغيره بماله أو مال آخر ..... بغير إذن المالك بحيث لا تتميز إلا بكلفة ..... ضمنها لاستهلاكه بالخلط". (الدرالمختار: ۵/ ۶۶۸، ۶۶۹، كتاب الإيداع، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوديعة: ۳/ ۴۷۱، مكتبه غفاريه كوئٹه) ..... =

تھا اور باوجود پوری حفاظت کے وہ چوری ہوگئی، تو اس سے پوری لینے کا حق نہیں، جتنی واپس آ گئی ہو وہ لے لی جائے (۱)۔

تنبیہ : جو شخص شریعت کا پابند نہ ہو اس کے پاس مسجد کی امانت رکھنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۵ھ۔

انجمن کا روپیہ ڈاکوؤں نے لے لیا وہ کس کے ذمہ ہے؟

سوال[۸۰۸۳] : ہمارے یہاں ایک انجمن ہے جو ہمارے مفاد کے لئے بنائی گئی ہے، مثلاً: مطالعہ کے لئے کتب وغیرہ۔ اس انجمن میں کچھ نقد رقوم جمع ہیں اور یہ انجمن ہی کی ہیں۔ اس رقم میں سے ہم ممبرانِ انجمن بوقتِ اشد ضرورت ۲۵/ روپیہ بطورِ قرضہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس انجمن کا ایک ممبر اپنی ذاتی کاروائی کی بناء پر جیل میں بند کر دیا گیا، اس قیدی ممبر نے جیل سے خط لکھا صدر انجمن کے پاس کہ اس جمع شدہ انجمن کی رقم میں سے سات سو روپے مجھے بطورِ قرض دیدو۔ صدر انجمن نے ممبران کو جمع کیا اور کہا کہ تم سب ممبران اس کی ذمہ داری اٹھاتے ہو کہ اگر یہ رقم ادا نہ کرسکا تو تم کو ادا کرنی ہوگی؟ سب ممبران نے ذمہ داری لے لی اور صدر انجمن، انجمن میں سے سات سو روپے لیکر اس قیدی کی رہائی کے لئے جاتا ہے۔

اس صدر نے یہ رقم کسی ذمہ دار ممبر کے ہاتھ نہیں دی۔ اور جب یہ بات ہوئی کہ رہائی کے لئے کون

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوديعة: ۲۰/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وهي أمانة، هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب واستحباب قبولها، فلا تُضمن بالهلاك ..... مطلقاً سواء أمكن التحرز أم لا، هلك معها شئ أم لا، لحديث الدار قطني: "ليس على المستودع غير المغل ضمان". (الدرالمختار: ۲۶۴/۵، كتاب الإيداع، سعيد)

"وهي أمانة، فلا تُضمن بالهلاك؛ لقوله عليه السلام: "لا ضمان على مؤتمن". (تبيين الحقائق: ۱۸/۶، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بتروت)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۴۶۶/۳، كتاب الوديعة، غفاريه كوئٹه)

(۲) ایسا شخص امورِ دینیہ میں لاپرواہی برتنے کی بناء پر اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے، کیونکہ اکثر اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، باقی شریعت کا پابند ہونا امانت رکھوانے کے لئے شرط نہیں ہے۔

Made searchable using ScribeTools.com

جائے گا، تو صدرِ انجمن نے کہا میں ہی جاؤں گا۔ اور چونکہ وہ خود بھی ذمہ دار تھا اس لئے سب ممبران نے صدر سے دب کر سکوت اختیار کیا۔ نیز یہ صدر، ممبران ذمہ داراُن سے خوش نہیں ہے۔

یہ صدر یہ رقوم لیکر رہائی کے لئے رات کے وقت جاتا ہے، ریل سے سفر کرتا ہے۔ صدر کا بیان ہے کہ میں جارہا تھا تو ''میرے صندوق سے ڈاکوؤں نے مجھے غفلت میں ڈال کر وہ سات سو روپے نکال لئے''۔ کچھ علامات بھی بتاتا ہے جس پر ممبران کو کسی درجہ یقین نہیں آتا اور صدر اس پر باوجود شادی شدہ ہونے کے طلاقِ مغلظہ کی قسمیں کھاتا ہے۔ ممبران کے علاوہ دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں کہ یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے۔ اب زیر بحث یہ مسئلہ ہے کہ انجمن کی رقم کن پر عائد ہوگی اور کون ذمہ دار ہوگا؟ وہ قیدی ممبر یا ذمہ داران ممبر یا صدر صاحب؟ جواب عنایت فرمایئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیدی ممبر نے روپیہ قرض مانگا، صدرِ انجمن نے دوسرے ممبروں سے ضمانت لی کہ اگر وہ قیدی ممبر روپیہ واپس نہ کرے تو آپ لوگوں کو دینا ہوگا، انہوں نے ذمہ داری لے لی۔ روپیہ قیدی کے ہاتھ میں نہیں پہونچا، نہ اس کے مشورہ سے اس کے کسی کام میں خرچ ہوا، لہٰذا قیدی ممبر کے ذمہ اس کی واپسی نہیں۔ ذمہ دار ممبروں نے قیدی کی طرف سے ضمانت لی تھی، جب اس کے ذمہ ہی واپسی ضروری نہیں، کیونکہ اس تک پہونچا ہی نہیں تو ذمہ داری اور ضمانت کی وجہ سے ان کی ذمہ بھی واپسی ضروری نہیں، وہ صدرِ انجمن کے ذمہ دار وضامن نہیں تھے کہ اگر صدر سے ضائع ہوجائے تو ہم دیں گے، لہٰذا صدرِ انجمن کا دوسرے ضامن ممبران سے مطالبہ کرنا بے محل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۱۳۹۵ھ۔

---

(۱) صدر کے قول کہ: ''میرے صندوق سے ڈاکوؤں نے مجھے غفلت میں ڈال کر وہ سات سو روپے نکال لئے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر نے امانت کی حفاظت میں تقصیر کی ہے، لہٰذا وہ خود اس کا ضامن ہے، جیسے شئ مستاجرہ اگر مستاجر کی عدم حفاظت کی وجہ سے ہلاک ہو تو اس پر ضمان ہے:

- "والمتاع فی یده غیر مضمون بالهلاک: یعنی لا یضمن ما ذکر، سواء هلک بسبب یمکن الاحتراز عنه کالسرقة أو بما لا یمکن کالحریق الغالب والغارة المکابرة". (البحر الرائق: ۸/۴۷، کتاب الإجارة، رشیدیه) ..... =

Made Searchable by ScribeTools.com

.....

= "الأجير المشترک من يعمل لغير واحد ولا يستحق الأجر حتى يعمل کالصباغ والقصار، والمتاع فی يده أمانة، لا يضمن إن هلک". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر : ۵۴۳/۳، کتاب الإجارة ، غفاريه کوئٹه)

"والأجير المشترک من يعمل لغير واحد، والمتاع فی يده غير مضمون بالهلاک، وما تلف بعمله کتخريق الثوب من دقه و زلق الحمال وانقطاع الحبل الذی يشدبه الحمل و غرق السفينة من مدّها مضمون". (تبيين الحقائق : ۱۳۹/۶ ، باب ضمان الأجير ، دارالکتب العلمية بيروت)

(وکذا فی ردالمحتار : ۶۶/۶ ، کتاب الإجارة ، باب ضمان الأجير ، سعيد)

(وکذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۳۲۲،۳۲۳، (رقم المادة: ۶۰۰)، مکتبه حنفيه کوئٹه)

"يلزم حفظ الوديعة فی حرز مثلها، فوضع مثل النقود و المجوهرات فی إصطبل الدواب أو التبن تقصيرٌ فی الحفظ، وبهذه الحال إذا ضاعت الوديعة أو هلکت، لزم الضمان". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۳، (رقم المادة: ۷۸۲)، مکتبه حنفيه کوئٹه)

"ولو قال: وضعتُ بين يدیّ فی داری، ثم قمتُ ونسيتها، فضاعت، يُنظر: إن کانت الوديعة ما لا يحفظ فی عرصة الدارِ و لا تُعدّ حرزاً له کصرة الدراهم والذهب و نحوهما، يضمن، وإلا فلا". (الفتاویٰ العالمکيرية : ۳۴۳/۴، الباب الرابع فيما يکون تضييعاً للوديعة ومالايکون، رشيديه)

"سئلت عن المودع إذا قال: وضعتها بين يدیّ وقمتُ ونسيت، فضاعت، هل يضمن؟ فالجواب: نعم، کما فی جامع الفصولين". (الفتاوی الکاملية، ص: ۱۷۵ ، کتاب الوديعة ، مکتبه حقانيه پشاور)

"والوديعة ما يترک عند الأمين للحفظ و هی أمانة، فلا يضمن بالهلاک". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر : ۴۶۶/۳، کتاب الوديعة ، غفاريه کوئٹه)

"الوديعة أمانة فی يد الوديع، فإذا هلکت بلا تعدٍ منه، و بدون صنعه و تقصيره فی الحفظ، لا يضمن". (شرح المجلة لسليم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۰۷)

"وهی أمانة، فلا تضمن بالهلاک؛ لقوله عليه السلام : "لا ضمان علی مؤتمن". (تبيين الحقائق : ۱۸/۶ ، کتاب الوديعة ، دارالکتب العلمية بيروت)

(وکذا فی ردالمحتار : ۶۶۴/۵ ، کتاب الإيداع، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

حفاظت میں کوتاہی کی بنا پر امانت کا ضمان

سوال[۸۰۸۴]: احقر کے پاس ذی الحجہ میں پھوپھی زاد بھائی نے تین حصوں کے لئے مبلغ ستر روپے اور ایک حصہ کے لئے پڑوس کی ایک بیوہ کی طرف سے ۲۵/ روپے (دیدیئے)۔ پوسٹ مین نے جب منی آرڈر لاکر دیا تو دس دس کے تین نوٹ دیئے اور پانچ واپس مانگے۔ احقر کے پاس جیب میں ۷۰/ پہلی امانت کے ساتھ مبلغ ۱۵/ جو کہ احقر کی بہو کی جانب سے ہردوئی سے مباحت سلمہ نے بھیجے تھے، رکھے تھے، وہ ۵/ واپس کردیئے، اس میں دو دو کے دو نوٹ اور ایک روپے والا ایک نوٹ رہا۔ ۱۰/ روپے والا نوٹ پوسٹ مین نے پھر واپس دیکر کہا کہ ریزگاری دیدو۔ اس درمیان میں احقر نے ریزگاری دینے سے پہلے کل ۱۱۰/ روپے گھٹنے کے نیچے رکھ لئے، بس اڈہ پر ایک شخص کا تخت پڑا تھا، اسی کے کونے پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا، اتنے میں ہردوئی جانے کے لئے بس آ گئی۔

احقر کے پاس دو تین اخبار رکھے تھے، وہ روپے کوٹ الجھنے سے یا تو تخت کے پاس نیچے گر گئے، یا تخت پر گھٹنہ کے نیچے وہیں چھوٹ گئے، بس تک جانے پر فوراً یاد آیا اور بُری طرح سے بھاگا، مگر نہ ملے۔ احقر نے قرض روپیہ لیکر قربانی کردی اور اطلاع کردی۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں احقر پر تاوان واجب ہے، یا ان لوگوں کی امانت تھی اور وہ اس طرح ضائع ہوئی؟ ان سے اب فی حصہ ۲۰/ روپے طلب کروں جو کہ خرچ ہوئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بس اڈہ پر جہاں بکثرت ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، گھٹنے کے نیچے نوٹ رکھ کر اخبار پڑھنا اور پھر اخبار فروخت کرنے کے لئے چلے جانا اور نوٹوں کو اٹھا کر جیب میں نہ رکھنا یقیناً حفاظت میں کوتاہی ہے، ایسی صورت میں نوٹ ضائع ہونے سے ضمان لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "یلزم حفظ الودیعة فی حرز مثلها، فوضع مثل النقود و المجوهرات فی إصطبل الدواب أو التبن تقصیرٌ فی الحفظ، وبهذه الحال إذا ضاعت الودیعة أو هلکت، لزم الضمان". (شرح المجلة لسلیم =

امانت کو دفن کرنے کی شکل میں ضائع ہونے پر ضمان

سوال[۸۰۸۵]: پچیس سال ہوئے میری بھانجی میری بیوی کے پاس کچھ چاندی کا زیور بغرضِ حفاظت رکھنے کو آئی، میرے منع کرنے پر بھی بیوی کی خوشامد کر کے رکھ گئی۔ بیوی نے وہ زیور ڈبیہ میں رکھ کر ایک جگہ مکان میں گاڑ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد برسات میں مکان گرا تو ملبہ اٹھوا کر مکان دوبارہ بنوایا گیا۔ بہر کیف! اب بھانجی نے زیور مانگا تو کھودا گیا، زیور نہ ملا، اب میری بیوی اور میں دونوں بہت شرمندہ ہیں، ادھر بھانجی زیور بڑھا چڑھا کر بیان کر رہی ہے۔ اب اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ امانت کی چیز ڈبہ میں رکھ کر محفوظ مکان میں زمین کھود کر گاڑ دی تو اپنی طرف سے حفاظت کا پورا انتظام کر دیا، اس کے بعد جب وہ گرا، اور دوبارہ اس کی تعمیر ہوئی تو وہ امانت یاد بھی نہیں تھی۔ اس بات کو ۲۵/ سال گزر چکے۔ اس جگہ کو کھود کر دیکھا گیا تو وہ امانت محفوظ نہیں، ایسی حالت میں اس کا ضمان واجب نہیں:

هكذا يفهم مما فى الهندية: "إذا قال: دفنتُ فى دارى أو كرمى ونسيتُ مكانها، لم يضمن إذا كان للدار والكرم بابٌ. و لو قال: دفنتُ فى موضع آخر و نسيتُ مكانها، يضمن، كذا فى الخلاصة. و كذلك لو لم يبيّن مكان الدفن، لكنه قال: سُرقت الوديعة من المكان المدفون فيه، فإن كان للدار و الكرم بابٌ لا يضمن، وإن لم يكن لهما بابٌ يضمن، كذا فى

= رستم باز، ص:۴۳۳، (رقم المادة: ۷۸۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"ولو قال: وضعتُ بين يدىّ فى دارى، ثم قمتُ ونسيتها، فضاعت، يُنظر: إن كانت الوديعة ما لا يحفظ فى عرصة الدار و لا تُعدّ حرزاً له كصرة الدراهم والذهب و نحوهما، يضمن، وإلا فلا".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۳/۴، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"سئلت عن المودع إذا قال: وضعتها بين يدىّ وقمتُ ونسيت، فضاعت، هل يضمن؟ فالجواب: نعم، كما فى جامع الفصولين". (الفتاوى الكاملية، ص:۱۷۵، كتاب الوديعة، مكتبه حقانيه پشاور)

Made searchable using ScribeTools.com

المحیط، اھـ". عالمگیری: ۳/۴۶۶(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۹۴ھ۔

امانت کے ہلاک کرنے پر ضمان

سوال[۸۰۸۶]: اگر کسی شخص نے کسی دوسرے مسلمان کے پاس اپنی امانت رکھی، مثلاً: غلہ، سونا، چاندی، وغیرہ اور اس نے بغیر اجازت کے وہ اپنے کام میں لے لی۔ اب امین سے وہ شخص اپنی امانت طلب کرتا ہے، مگر امین کہتا ہے کہ خرچ ہوگئی، اپنی امانت کی قیمت لے لو، اس وقت قیمت اس چیز کی چار روپے من ہے اور جب وہ امانت رکھی تھی تو دو روپے من کا بھاؤ تھا۔ تو اب امین سے امانت رکھوانے والا چار روپے من کے بھاؤ یعنی موجودہ بھاؤ کے حساب سے دام وصول کرتا ہے۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

دوسری صورت یہ ہے کہ امانت رکھنے والا یوں کہتا ہے کہ موجودہ بھاؤ سے مجھے کچھ غرض نہیں، اپنی امانت کی جنس لیتا ہوں، وہ دے، یا جتنی قیمت میں آئے اتنی دے، مجھے موجودہ بھاؤ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس صورت میں وہ اپنی امانت کی قیمت اپنی طبیعت کے موافق وصول کر لیتا ہے یعنی چار روپے کے بھاؤ کے بجائے، یا موجودہ بھاؤ کے بجائے وہ دوگنی تین گنی قیمت لیتا ہے۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۳۴۳، کتاب الودیعة، الباب الرابع فیما یکون تضییعاً للودیعة الخ، رشیدیه)

"الودیعة أمانة فی ید الودیع، فإذا هلکت بلا تعدٍ منه و بدون صنعه و تقصیره فی الحفظ، لا یضمن". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، ص: ۴۳۱، (رقم المادة: ۷۷۴)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وهی أمانة، فلا تضمن بالهلاک، لقوله علیه السلام: "لا ضمان علی مؤتمن". (تبیین الحقائق: ۶/۱۸، کتاب الودیعة، دارالکتب العلمیة بیروت)

"(الودیعة أمانة فی ید المودع، إذا هلکت لم یضمنها) لقوله علیه السلام: "لیس علی المستعیر غیر المغل ضمانٌ، و لا علی المستودع غیر المغل ضمان ..... اهـ". (الهدایة: ۳/۲۷۱، کتاب الودیعة، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الودیعة: ۳/۴۶۶، مکتبه غفاریه کوئٹه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

امین مالِ امانت میں بلا اجازت تصرف کرنے کی وجہ سے بمنزلۂ غاصب کے ہوگیا اور غاصب اگر شیٔ مغصوب کو ہلاک کردے تو اس کے ذمہ مغصوب کا بدل واجب ہوتا ہے، مثلی میں مثل اور قیمتی میں قیمت اور صورتِ مسئولہ میں مالِ امانت مثلی ہے، لہٰذا مثل واجب ہوگا خواہ اس کی قیمت کچھ بھی ہو:

"والضمان لو هلكت، ففي المثلي كالكيلي والوزني والعددي يجب مثله، اهـ". سكب الأنهر: ٢/٤٥٦(١)۔

"قال أبوالحسن في فتاواه: وإن كانت الوديعة دراهم أو دنانير أو شيئاً من المكيل والموزون، فأنفق طائفةً منها خاصةً، كان ضامناً لما أنفق منها؛ لأنه أتلف بالإنفاق، اهـ"(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱/۶۱ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) (سكب الأنهر (الدر المنتقى) شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۴/۷۸، كتاب الغصب، غفاريه كوئٹه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۳۴۸، الباب الرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة ومالايكون، رشيديه)

"في "الأصل" إذا كانت دراهم أو دنانير أو شيئاً من المكيل والموزون، فأنفق المودع طائفةً منها في حاجة نفسه، كان ضامناً لما أنفق منها". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۶/۳۲۹، في ردّ الوديعة، غفاريه كوئٹه)

"الوديعة متى وجب ضمانها، فإن كانت من المثليات، تضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان". (شرح المجلة لسيم رستم باز، ص: ۴۴۶، (رقم المادة: ۸۰۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"الوديعة إذا لزم ضمانها، فإن كانت من المثليات تُضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تُضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان ..... يعني يوم وقع تعدى المودع على الوديعة؛ لأنه بذلك صار غاصباً، ففي المنح وغيره: المودع بالتعدي على الوديعة غاصباً". (شرح المجلة لخالد الأتاسي: ۲/۲۹۶، كتاب الوديعة، مكتبه حقانيه پشاور)

Made searchable using ScribeTools.com

كتاب الإجارة

باب الإجارة الصحيحة

(اجارۂ صحیحہ کا بیان)

اجارہ کی تعریف

سوال[۸۰۸۷]: اجارہ کا مفہومِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

تمليك المنفعة بالعوض(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

اجرت پر ملک کا تحقق کب ہوتا ہے اور ملازمین کے فنڈ پر ہدایہ کی عبارت سے اشکال

سوال[۸۰۸۸]: بعض مدارس میں ایک قسم کا فنڈ مدرسین وملازمین کے لئے جاری کیا گیا ہے جس میں تنخواہ میں سے مہینہ پورا ہونے پر کچھ حصہ کاٹ کر مدرسہ میں جمع رکھا جاتا ہے اور مدرسہ اپنی طرف سے کچھ اس

---

(۱) "هی (أی الإجارة) تمليک نفع بعوض". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۴/۶، سعيد)

(وكذا فی فتح القدير، الإجارة عقد على المنافع بعوض: ۵۸/۹، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۰۹/۴، رشيديه)

"اعلم أن الإجارة عقد على المنفعة بعوض هو مال". (المبسوط للسرخسی: ۸۲/۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

میں اضافہ کرتا ہے، اس طرح ان کے لئے رقم جمع کی جاتی ہے، جو ملازمت کے ختم ہونے پر ان کو دی جائے گی، تاکہ اس کو اپنے موقع پر پریشانی نہ ہو۔

اب اس میں سوال یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ کی تشریح کے مطابق استیفائے منافع پر اجرت کا مالک ہوتا ہے۔ نیز تنخواہ کے رجسٹر میں اس پر ملازم کے دستخط بھی ہوجاتے ہیں اور عرفاً وہ بقایا ملازمین اپنا ہی تصور کرتے ہیں تو یہ مزید جوادارہ دیتا ہے، جب کہ اس میں ملازمین کے کٹے ہوئے پیسہ کا ہونا شرط ہے۔ تو کیا یہ سود کی نوعیت نہیں ہوگی؟ اگر یہ نوعیت نہیں تو بے غبار حلال ہے، یا کسی قسم کے شائبۂ سود سے قابلِ التفات ہے؟

محمد اسماعیل گجراتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہدایہ میں ''ثبوتِ ملک'' سے مراد ''حقیقتِ ملک'' نہیں، بلکہ ''استحقاقِ ملک'' مراد ہے جیسا کہ عنوانِ باب سے ظاہر ہے: "باب الأجر متیٰ یستحق" اور متن میں ہے:

"قال: الأجرة لا تجب بالعقد، وتستحق بإحدی معانی ثلاثة"(۱)۔

محشی نے بھی اسی کی تشریح کی ہے (۲)۔ امداد الفتاوی میں خوب تفصیل سے اس پر بحث موجود ہے (۳)۔ امید ہے کہ اب اس تقدیر پر اشکال نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۳ھ۔

---

(۱) (الهداية: ۲۹۲/۳، كتاب الإجارة، باب الأجر متى يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "المراد نفس الوجوب، لاوجوب الأداء، فإنه عقد معاوضة، فيعتبر فيه المساواة، ولم يوجد فی جانب المعقود عليه، لا نفس الوجوب، ولا وجوب الأداء فكذلک فی جانب العوض". (حاشية العلامة عبدالحیٔ اللكنوی رحمه الله تعالیٰ علی الهداية: ۲۹۲/۳، باب الأجر متى تستحق، كتاب الإجارة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا فی فتح القدير، للحافظ كمال ابن الهمام: ۶۵/۹، ۶۶، باب الأجر متى يستحق، كتاب الإجارة، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی العناية شرح الهداية علی هامش فتح القدير، كتاب الإجارة: ۶۶/۹، باب الأجر متى يستحق، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(۳) **سوال**: ''گورنمنٹ دریافت کرتی ہے کہ ہر ملازمین سرکار اپنی تنخواہ میں سے ساڑھے چھ سے ساڑھے بارہ روپیہ فی =

Made searchable using ScribeTools.com

زمین اجارہ پر دینا

سوال[۸۰۸۹]: زید نے اپنی غرض سے اپنا ایک قطعۂ کھیت چار بیگھے چار سال کے واسطے عمر کے پاس چار سو روپیہ میں رہن رکھ دیا اور عمر سے کہہ دیا کہ چار سال کے بعد تم میرا کھیت مجھ کو دے دینا، تم چار سال تک میرے کھیت سے جو کچھ بھی فائدہ اٹھاؤ اور پیداوار کھاؤ، مجھ کو اس سے کوئی واسطہ اور غرض نہ ہوگا اور جب میں اپنا کھیت تم سے لوں گا تو تم کو کوئی پیسہ نہیں دوں گا، اور تمہارے وہ چار سو روپے ختم ہو جائیں گے اور میں تمہارے ان چار سو روپے سے کتنا ہی فائدہ اٹھاؤں، تمہیں اس فائدہ سے کوئی غرض اور واسطہ نہیں ہوگا۔

یہ بات قرار پا گئی اور عہد و پیمان اور قول و قرار ہو گئے، عمر نے کہہ دیا میں چھوڑ دوں گا، مجھے یہ سب باتیں منظور ہے۔ لہٰذا از روئے شرع شریف دونوں کا فائدہ اٹھانا یا ایک کا سود ہوا یا نہیں؟ قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ رہن نہیں، بلکہ اجارہ ہے، یعنی زید نے اپنی زمین چار سال تک عمر کو کرایہ پر دی ہے کہ وہ اس میں جو چاہے کاشت کرے اور اس کا کرایہ چار سو روپیہ پیشگی وصول کر لیا، بس یہ چار سو روپے بطورِ اجرت زمین زید کی مِلک ہو گیا، عمر کا نہیں رہا، نہ عمر کو اس کو واپس لینے کا حق رہا اور زمین پر چار سال تک کے لئے عمر کو حقِ کاشت حاصل ہو گیا۔

=صدی کے حساب سے ہر مہینہ میں خزانۂ سرکار میں جمع کریں، اور وہ کل رقم بعد علیحدہ ہونے نوکری سرکاری کے خواہ پینشن ہونے پر یا خود نوکری چھوڑ دے، اس وقت کل روپیہ اس کا بمعہ چار روپیہ فی صدی سود کے سرکار واپس دے گی؟

الجواب: ''جواب مسئلہ کا یہ ہے کہ تنخواہ کا کوئی جزو اس طرح وضع کرا دینا اور پھر یکمشت وصول کر لینا اگرچہ اس کے ساتھ سود کے نام سے کچھ رقم ملے یہ سب جائز ہے، کیونکہ درحقیقت وہ سود نہیں ہے اس لئے کہ تنخواہ کا جو جزو وصول نہیں ہوا وہ اس ملازم کی ملک میں داخل نہیں ہوا پس وہ رقم زائد اس کی مملوک شے سے منتفع ہونے پر نہیں دی گئی، بلکہ تبرع ابتدائی ہے، گو گورنمنٹ اس کو اپنی اصطلاح میں سود ہی کہے۔ فقط''۔ (**إمداد الفتاوی**: ۳/۱۴۹، **کتاب الربوا**، **تحت عنوان**: ''محکمۂ ریل میں ملازمین کی تنخواہ کا کوئی جزو جو کٹ جاتا ہے اور وہ مع سود ملتا ہے اس سود کا حکم (**رقم السوال**: ۱۹۷)، دار العلوم کراچی)

اس معاملہ کا نام رہن رکھنا غلط ہے، اگر یہ رہن ہوتا اور چارسو روپے قرض ہوتا تو زید کے ذمہ قرض کی واپسی لازم ہوتی: "لأن الأقراض تُقضى بأمثالها". كذا في الدر المختار(۱)۔ اور زمین سے عمر کو بذریعۂ کاشت نفع حاصل کرنا جائز نہ ہوتا، اور "كل قرض جر نفعاً، فهو حرام"(۲) کے تحت یہ نفع اٹھانا حرام ہوتا، اب ایسا نہیں، بلکہ یہ معاملہ بصورتِ اجارہ درست ہے۔ ہاں! یہ لحاظ رہے کہ ایسی زمین کا چارسال کا کرایہ عرفاً وعادتاً بھی چارسو روپیہ ہی ہوتا ہو، یا معمولی کمی بیشی ہو تو وہ قابلِ گرفت نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۹ھ۔

زمین کی اجرت دھان قرار دینا

سوال[۸۰۹۰]: زید عمر کو ایک بیگہ زمین اس شرط پر دیتا ہے کہ تمہیں ۵۰/من دھان دینا ہے پیدا ہو یا نہ ہو عمر بھی اس پر راضی ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مزارعت نہیں ہے، بلکہ زمین کرائے پر دینا ہے۔ اور ۵۰/من دھان اجرت ہے، خواہ دھان(۴) کی

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "هو عقد مخصوص يَرِد على دفع مال مثلي لآخر ليردّ مثله" (الدرالمختار: ۵/۱۲۱، باب القرض، سعيد)

(۲) (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۵/۱۲۶، سعيد)

(۳) "و تصح إجارة أرض للزراعة مع بيان ما يُزرع فيها، أو قال: علىٰ أن أزرع فيها ما أشاء، كي لا تقع المنازعة". (الدرالمختار: ۶/۲۹، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافه فيها، سعيد)

"صح العقد فيه أيضاً، وليس للمؤجر إخراجه حتى ينقضي إلا بعذر، كما لو عجل أجرة شهرين فأكثر، لكونه كالمسمىٰ، إلا أن يسمىّ الكل: أي جملة شهور معلومة، فيصح لزوال المانع". (الدرالمختار: ۶/۵۱، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۴) "دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز لاہور)

Made searchable using ScribeTools.com

کاشت کرے یا کسی اَور چیز کی، یا بالکل ہی کاشت نہ کرے۔ یہ معاملہ شرعاً درست ہے جیسا کہ ۵۰/ روپیہ کو اجرت قرار دینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

زمین اور باغ کا اجارہ

سوال[۸۰۹۱]: اگر کوئی آم کے باغ کا مالک دو چار سال کے لئے زمین اور درخت کسی کو دے دے تاکہ وہ زمین اور درختوں سے نفع اٹھائے، پھل وغیرہ حاصل کرے اور مالک باغ بدلہ میں دو چار ہزار روپیہ لے لے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجارہ میں شئ مستاجرہ سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، نہ کہ استہلاکِ اعیان۔ زمین میں کاشت کرنا اور اس سے غلہ حاصل کرنا تو اجارہ میں داخل ہے، لیکن مالکِ زمین کے درختوں سے پھل حاصل کرنا یہ اجارہ میں داخل نہیں، بلکہ یہ تو بیع ہوگی(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكل ما صلح ثمناً: أى بدلاً فى البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة". (الدرالمختار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۲، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۶۰، (رقم المادة: ۴۶۳)، الفصل الأول فى بدل الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "سئلتُ فيمن استأجر بستاناً ليأكل ثمرة أشجاره من نخل و زيتون وليمون: هل يجوز ذلك ؟ فأجبت : بأنه لا يجوز، وسند ذلك ما فى شرح الطحطاوى رحمه الله تعالىٰ: الإجارة على استهلاك الأعيان باطلةٌ، كما لو استأجر كَرَماً مدةً معلومةً ليأكل ثماره، أو استأجر غنماً ليأكل لبنها و سمنها، أو استأجر المرعىٰ ليرعى البهائم، وما أشبه ذلك، لم تصح الإجارة. فهذا صريحٌ فى أن الإجارة باطلة". (الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۱۹۱، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور) ..... =

Made Searchable by ScribeTools.com

کھیت کا کرایہ غلہ کی صورت میں

سوال[۸۰۹۲]: بکر نے عمر کو اپنا کھیت دے دیا اور اس سے کہا کہ ہر سال ہر ششماہی میں چھ من گندم دے دیا کرنا، تم میرے کھیت میں جونسا غلہ چاہو بویا کرو۔ اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس طرح نقد اجرت مقرر کرنا درست ہے اسی طرح غلہ مقرر کر لینا بھی درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۸/ ۸۸ھ۔

جائز وناجائز کام کرنے والی فیکٹری میں ملازمت کرنا

سوال[۸۰۵۳]: یہاں پر ایک ایسی فیکٹری ہے جہاں شراب وغیرہ کا ایڈوٹائز بھی ہوتا ہے(۲) جو کہ حرام چیزوں میں سے ہے، اصل کام دوسرا ہے۔ کیا اس جگہ کی آمدنی میرے لئے درست ہے یا کہ نہیں؟

= "ولايجوز إجارة ماء في نهر أوقناة أو بئر، وإن استأجر النهر والقناة مع الماء، لم يجز أيضاً؛ لأن فيه استهلاك العين أصلاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۴۱، الباب الخامس عشر من كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۲۸/۲، رشيديه)

(۱) قال العلامةالحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "و كل ما صلح ثمناً: أي بدلاً في البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة". (الدرالمختار: ۶/ ۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۱۲، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متىٰ تجب الأجرة ومايتعلق به من الملك وغيره، رشيديه)

(۲) "ایڈوٹائز: (Adverties) خبردار کرنا، اشتہار دینا، اعلان کرنا، مشتہر کرنا، مطلع کرنا، آگاہ کرنا English to English & Urdu Dictionary, Page No. 18, Feroz Sons Lahore)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب، حامداًومصلیاً:

جب اصل کام شراب کے اعلان واشتہار کا نہیں، بلکہ جائز چیز کا ہے تو ملازمت جائز ہے(۱)۔شراب کے متعلق جہاں تک ہوسکے بچنا چاہیے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جس فیکٹری میں کبھی شراب کا ایڈوٹائز ہوتا ہو اس میں ملازمت کا حکم

سوال[۸۰۹۴]: کیا ہم ایسی فیکٹری میں کام کرسکتے ہیں جہاں شراب وغیرہ جو حرام چیزوں کی ایڈوٹائز بنتی ہو(۳) اس کو ہمیں بنانا ہوتا ہے، کیا یہ کمائی ہمارے لئے جائز ہے؟

نوٹ: ہروقت شراب کی ایڈوٹائز نہیں بنتی کبھی کبھی آتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جب اصل کام شراب کے اعلان واشتہار کا نہیں، بلکہ جائز کام کا ہے تو ملازمت جائز ہے(۴)۔شراب

---

(۱) قال العلامة محمد كامل الطرابلسي: "سئلتُ عن كافر استأجر مسلماً لبناء كنيسة أو بيعة، أو لنحت طنبور: هل يحل له الأجر؟ فالجواب ما في البزازية، وهذا لفظه: استأجر مسلماً لبناء بيعة أو كنيسة، أو لنحت طنبور، يحل له الأجر و يطيب، إلا أنه يأثم الأجير؛ لأنه أعانه على المعصية". (الفتاوى الكاملية، ص:۱۹۷، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في الخمر عشرةً: عاصرها، ومعتصرها، و شاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وساقيها، وبايعها، وآكل ثمنها، والمشترى لها، والمشتراة له". (جامع الترمذى، أبواب البيوع، باب ماجاء في بيع الخمر والنهى عن ذلك: ۱/۲۴۲، سعيد)

"ويكره أن يؤاجر نفسه منهم لعصر العنب ليتخذوا منه خمراً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۰، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجّارة ومالايجوز، الفصل الرابع، رشيديه)

(۳) "ایڈوٹائز: (Adverties) خبردار کرنا، اشتہار دینا، اعلان کرنا، مشتہر کرنا، مطلع کرنا، آگاہ کرنا English to English & Urdu Dictionary, Page No. 18, Feroz Sons Lahore)

(۴) (راجع للتخريج عنوان: "شراب کے کارخانہ میں دوسرے کام کی ملازمت"۔

کے متعلق جہاں تک ہو سکے بچنا چاہیے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی دارالعلوم دیوبند،۲۹/۱۰/۸۹ھ۔

کافر کا جانور ذبح کرنا اور اجرت لینا

سوال[۸۰۹۵]: اگر کوئی کافر کسی مسلم سے بکری یا گائے وغیرہ ذبح کرائے تو کرنا چاہیے کہ نہیں؟ اور اگر ذبح کرے تو سنت طریقہ سے کرے، یا ایسے ہی ذبح کر دے بغیر بسم اللہ کے؟ اور کافر یا مسلمان ذبح کرنے کے بدلے ذبیحہ کا گوشت یا کچھ پیسے دے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سنت طریقہ پر ذبح کر دے، ذبح کرنے کی اجرت میں پیسہ لینا اور دینا درست ہے(۲)۔اجرت میں اس ذبیحہ کا گوشت تجویز کرنا درست نہیں، كذافي رد المحتار(۳)، والهندية(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۱/۴/۹۲ھ۔

جانور ذبح کرنے کی اجرت

سوال[۸۰۹۶]: قصاب لوگ کسی وجہ سے خود تو مویشی ذبح نہیں کرتے بلکہ زید سے اجرتِ مقررہ

---

(۱) (راجع للتخريج المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) "ويجوز الاستيجار على الذكاة؛ لأن المقصود منها قطع الأوداج دون إفاتة الروح، وذلك يقدر عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۴، كتاب الإجارة، فصل في المتفرقات، رشيديه)

(۳) قال العلامة الحصكفي: "ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع". (الدرالمختار: ۶/۳۲۸، كتاب الأضحية، سعيد)

(۴) "ولو استأجر أن يطبخ طعامه بقرص منه أوبدرهم أو قفيز منه، أو يذبح شاته بدرهم و رطل من لحمها، فهو فاسد". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۴۵، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الثالث في قفيز الطحان، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

دے کر ذبح کراتے ہیں۔آیا زید کو حلال کرنے کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو لوگ زید سے یہ کہتے ہیں کہ حلال کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور حلال کرنے والے کی روح سختی سے نکالی جائے گی، یہ پیشہ جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

فتاوی عالمگیری میں صراحۃً مذکور ہے کہ جانور ذبح کرنے کی اُجرت شرعاً جائز ہے، اس لئے کوئی فکر نہ کریں(۱) اور یہ بات کہ ''ذبح کرنے والے کی روح سختی سے نکالی جائے گی'' یہ شرعاً بے اصل ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۸/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام محمد الدین عفی عنہ، ۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

امتحان کے پرچے بنانے اور جانچنے کی اجرت

سوال[۸۰۹۷]: ۱.....عموماً یونیورسٹیاں اور مدارس ممتحنین سے سوالات بنواتے ہیں، جن میں ان صاحبوں کا وقت صرف ہوتا ہے۔اور پھر جوابات امتحان بھی ان حضرات کو دیکھنے پڑتے ہیں جس میں وقت کا کثیر حصہ صرف میں آتا ہے، نیز ان کی روانگی وغیرہ بھی انہی کے ذمہ ہوتی ہے۔تو کیا اس محنت کا معاوضہ ان حضرات کو تبرعاً دیا جاتا ہے اور اس صرف شدہ وقت کی بابت حق الخدمت جو عام طور سے یونیورسٹی کی طرف سے دیا جاتا ہے لینا درست ہے یا نہیں اور یہ شرعی معاملہ کی کون سی نوع میں داخل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں دو عمل ہیں: ایک سوالات امتحان بنانا، دوسرا جواباتِ امتحان کو دیکھنا۔اور اول پر

---

(۱) "ويجوز الاستيجار على الذكاة؛ لأن المقصود منها قطع الأوداج دون إفاتة الروح، وذلك يقدر عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۵۴، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر فى بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، فصل فى المتفرقات، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۵/ ۱۵۵، كتاب الإجارة، فصل فى شرائط الركن، دارالكتب العلمية بيروت)

معاوضہ لینا شرعاً درست ہے، اگر پہلے متعین کرلیا جائے عمل کو بھی اور معاوضہ کو بھی، اس طرح کہ مثلاً اتنے بڑے کاغذ پر اتنی سطروں کا سوال لکھنا ہوگا اور اس کا یہ معاوضہ ہوگا تا کہ جہالتِ عمل مفضی الی النزاع نہ رہے، تو اجر مسمی واجب ہوگا:

"لو استأجر رجلاً ليكتب له غناءً بالفارسية أو بالعربية، يطيب له الأجر. ولو استأجرته امرأةٌ ليكتب لها كتاباً إلى حبيبها، يجب الأجر، ويطيب له، هذا إذا بيّن الشرائط وبين أعداد الخط، وقدره الكل فى التجريد. وفى الأصل: استأجر رجلاً ليكتب له مصحفاً أو فقهاً أو لوحاً أوغناء أوهومعلوم جاز، اهـ". خلاصه: ۲/۱۱۶(۱)۔

اگر پہلے معاوضہ متعین نہیں کیا گیا تو اجر مثل ہوگا:

"سئلتُ فيمن كتب لآخر صكاً ولم يقاوله على أجر معين: فهل يجب له أجر مثله؟ فالجواب: نعم، يجب له أجر مثله، ففى تنقيح الفتاوىٰ نصه: وإنما يجب للصكاك أجر مثله بقدر عمله فى صنعته كمايستأجر الثقاب والحكاك بأجر كثير على مشقة قليلة، اهـ". فتاوىٰ كامليه، ص: ۱۸۹(۲)۔

عملِ ثانی کی کوئی نظیر کتبِ فقہ میں نہیں ملی: "إذا أستأجر قارئاً ليقرأ عليه شيئاً، لايجوز، سواء كان شعراً أو فقهاً أو غيره، اهـ". خلاصه: ۲/۱۱۵(۳)۔

لیکن شمس الأئمہ سرخسی نے بطلانِ استیجارِ قاری علی القرأۃ کی جو علت بیان کی ہے اس سے بطورِ مفہومِ مخالف کے جزئیۂ مسئولہ کا جواز نکلتا ہے:

---

(۱) (خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الثانى فى صحة الإجارة و فسادها، جنس فى المتفرقات: ۳/۱۱۶، كتاب الإجارة، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكرية: ۴/۴۵۰، مطلب: الاستيجار على الأفعال المباحة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۲) (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۸۹، كتاب الإجارة، مكتبه حقانية پشاور)

(وكذا فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۳۳، كتاب الإجارة، مكتبه ميمنيه مصر)

(۳) (خلاصة الفتاوى: ۳/۱۱۵، جنس فى تعليم القرآن والحِرَف، كتاب الإجارة، امجد اكيڈمى لاهور)

Made searchable using ScribeTools.com

"كذلك الاستيجار على الحداء، وكذلك الاستيجار لقراءة الشعر؛ لأن هذا ليس من إجارة الناس، والمعتبر في الإجارة عرف الناس، ولأن ماهو المقصود إنّما يحصل بمضى فى المستأجر، وهو السماع والتأمل والتفهم، فلا يكون ذلك موجباً للأجر عليه، اھ". مبسوط: ٦/٣٨(١)۔

اگر وقت کی تعین کی جائے اور پھر اس وقت کا معاوضہ لیا جاوے تو بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور۔

اگر عمل معلوم ہو خواہ تعین سے خواہ عرفاً ہو، الغرض ایسی جہالت باقی نہ رہے جو مؤدی الی النزاع ہو تو جواز میں تردد نہیں (۳)۔فقط۔

عبداللطیف مظاہر العلوم۔

کوئی شئی آدھ گھنٹے کے لئے کرائے پر لے کر ۵/ منٹ میں واپس کر دینا

سوال[۸۰۹۸]: سائیکلیں جو کرایہ پر دی جاتی ہیں اس میں شرط ہوتی ہے کہ کم از کم آدھ گھنٹہ کا پیسہ لیا جائے گا، چاہے پانچ منٹ ہی میں واپس کر دے اور عوام کا اتفاق اس پر ہے۔لہذا یہ پچیس منٹ کا فاضل کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) (المبسوط للسرخسی: ۱۶/ ۴۲، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) وقال العلامة قاضى أبو الحسن على بن الحسين بن محمد السغدى: "وإذا وقعت (أى الإجارة) على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضى الوقت إن هو استعمله أو لم يستعمله، وبمقدار ما مضىٰ من الوقت تجب الأجرة". (النتف فى الفتاوىٰ، ص:۳۳۸، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "فإن وقعت علىٰ عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذاكان العمل ممّا لا يصلح أوّلُه إلا بآخره. وإن كان يصلح أوّلُه دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف فى الفتاوى، ص:۳۳۸، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداًومصلیاً:

معاملہ آدھ گھنٹے کا کیا ہے، کرایہ دینے والا اپنی ضرورت ۵/ منٹ میں پوری کر کے اپنی خوشی سے سائیکل واپس کر گیا اور کرایہ آدھ گھنٹے کا دے گیا تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۹/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۹/ ۹۰ھ۔

نشہ آور ادویہ فروخت کرنے والے میڈیکل اسٹور کا کرایہ

سوال[۸۰۹۹]: میں ایک پختہ دکان کا مالک ہوں جس کو میں نے ایک شخص کو کرایہ پر دے رکھا ہے جس میں اس نے میڈیکل اسٹور (انگریزی ادویات) کھولا تھا۔ ''جنجر'' بھی ایک دوا ہے، لیکن چونکہ اس میں نشہ ہوتا ہے، اس لئے وہ شراب کی جگہ لوگ استعمال کرتے ہیں اور وہاں کافی مجمع رہتا ہے۔ میں نے دکاندار سے متعدد بار اس سلسلہ میں باز پرس کی اور دکان خالی کرنے کے لئے کہا، لیکن وہ کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اور چونکہ وہ برابر ماہ بماہ کرایہ ادا کرتا ہے اس لئے اس کو قانونی حیثیت سے بھی خالی نہیں کروایا جاسکتا۔ اگر میں دست بدست کرایہ نہ لوں تو وہ منی آرڈر وغیرہ سے بھیجنا شروع کر دے گا۔

میرے لیے عجیب پریشانی اور کلفت ہے۔ یہاں لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ کرایہ شرعاً جائز نہیں ہے، آپ ہی بتلایئے اس میں میرا کیا قصور ہے، میری نیت تو خیر ہے۔ آپ تحریر فرمائیں آیا اس دکان کا کرایہ حالاتِ بالا کے پیشِ نظر لینا جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فيجب الأجر لدار قبضت و لم تسكن، لوجود تمكنه من الانتفاع". (الدرالمختار، كتاب الإجارة: ۶/ ۱۱، سعيد)

"تلزم الأجرة أيضاً في الإجارة الصحيحة بالاقتدار علىٰ استيفاء المنفعة، مثلاً: لو استأجر أحدٌ داراً بإجارة صحيحة، فبعد قبضها يلزمه إعطاء الأجرة وإن لم يسكنها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۲۶۳، (رقم المادة: ۴۷)، الفصل الثاني، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۱۳، الباب الثاني من كتاب الإجارة، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کی دکان میں پاک اور جائز دوائیں بھی تو ہوں گی، ان کی وجہ سے اس کی کل آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، نہ اس سے حاصل شدہ کرایہ کو ناجائز کہا جائے گا، اس لئے آپ پریشان نہ ہوں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۸ھ۔

بیوی کے لیے شوہر کی ملازمت

سوال[۸۱۰۰]: ہندہ کا ایک کارخانہ ہے جس میں بہت سے ملازم ہیں، شوہر غریب ہے، ہندہ حفاظت کے لئے شوہر کو ملازم رکھنا چاہتی ہے، بلاتنخواہ وہ کام لینا چاہتی ہے، نہ وہ کام کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کو نوکری کرنی چاہیے یا نہیں؟ اگر چاہیے تو کیا قلبِ موضوع لازم نہ آئے گا، اگر نہیں تو دلیلِ شرعی وعقلی کیا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

شوہر کو بیوی کی ایسی نوکری جائز نہیں کہ جس سے شوہر کی تذلیل واہانت ہوتی ہو، کیونکہ قلبِ موضوع لازم آتا ہے (۲)۔

---

(۱) "وإذا استأجر الذمی من المسلم داراً یسکنها، فلابأس بذلک وإن شرب فیها الخمر، أو عَبدَ فیها الصلیب، أو أدخل فیها الخنازیر، ولم یلحق المسلمَ فی ذلک بأسٌ؛ لأن المسلم لا یؤاجرها لذلک، إنما آجرها للسکنی، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۵۰، الفصل الرابع فی فساد الإجارة إذا کان مشغولاً بغیره، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۳/۱۴۹، کتاب الإجارة، الفصل العاشر فی الحظر والإباحة، امجد اکیڈمی لاهور)

(۲) "وإن تزوج حراً علی خدمته إیاها سنة أو علی تعلیم القرآن فلها مهر مثلها ..... لأن خدمة الزوج الحرّ لایجوز استحقاقها بعقد النکاح لما فیه قلب الموضوع". (الهدایة، کتاب النکاح، باب المهر: ۲/۳۲۷، شرکة علمیة ملتان)

"والحاصل أن ماهو مال أو منفعة یمکن تسلیمها شرعا یجوز التزوج علیها، وما لایجوز =

نیز ایسے کام کی نوکری بھی جائز نہیں کہ وہ کام شوہر کے ذمہ بغیر نوکری ضروری تھا۔ اور صورت مسئولہ میں دونوں باتیں نہیں، لہٰذا جائز ہے، کما فی البدائع :۲/۲۷۱(۱) وقاضی خان :۳/۳۶(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۵/ ۷/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم، ۱۶/ رجب المرجب/ ۵۲ھ۔

گیسٹ ہاؤس کی آمدنی

سوال[۸۱۰۱]: ہم بمبئی میں ایک گیسٹ ہاؤس بنانا چاہتے ہیں (۳)، اس گیسٹ ہاؤس میں باہر سے آنے والے بھی کچھ افراد ٹھہرتے ہیں اور اکثر و بیشتر بمبئی ہی کے عیاش لوگ آکر روم بک کرواتے ہیں

=كخدمة الزوج الحر لمناقضة". (فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/ ۳۴۰، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۱) "ولو استأجرت المرأة زوجها ليخدمها في البيت بأجر مسمى، فهو جائز". (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۵۶، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإن استأجرت المرأةُ زوجَها ليخدمها بأجر مسمى، جاز، وللزوج أن يمتنع عن خدمتها بعد الإجارة؛ لأنه يتضرر بذلك ..... ولو قالت المرأة لزوجها: اغمزْ رجليّ على أن لك عليّ ألف درهم، فغمز الزوج رِجلها، إلىٰ أن قالت المرأة: لا أريد الزيادة، قالوا: هذه الإجارة باطلةٌ ولا شئ عليها؛ لأن خدمة المرأة حرام على الزوج؛ لأنه قوّام عليه". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فيما يجب الأجر على المستأجر ومالايجب: ۲/ ۳۱۸، رشيديه)

"وإن استأجرت المرأة زوجها ليخدمها، فهو جائز؛ لأن خدمتها غير مستحقة على الزوج. وقال في كتاب الآثار: له أن يمتنع من الخدمة؛ لأنه يلحقه مذلّة بأن يخدم زوجته، وذلك عذر في فسخ الإجارة ..... ولو خدمها، كان له الأجر عليها". (المبسوط للسرخسي: ۱۶/ ۲۲، باب إجارة الرقيق، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۳۵، الباب الحادي عشر في الاستيجار للخدمة، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۳) "گیسٹ ہاؤس، مہمان خانہ"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۰۹۹، فیروز سنز، لاہور)

Made searchable using ScribeTools.com

اور اپنے ساتھ کوئی بھی لڑکی (عورت) لے کر دو یا تین گھنٹہ رہتے ہیں اور کمرہ کا بھاڑا ۲۴/ گھنٹے کا چالیس یا پچاس روپیہ ادا کر دیتے ہیں۔ اور بک کرنے والے یہ کہتے کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں اور ان کے ساتھ زیادہ تر سامان بھی نہیں ہوتا۔ تو اس صورت میں گیسٹ ہاؤس کا بزنس (کاروبار) کرنا جائز ہے اور اس کی کمائی حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسافر خانہ بنانا اور اس میں ٹھہرنے کا کرایہ لینا درست ہے(۱)۔ اس کوشش کے باوجود کہ وہاں برائی نہ ہونے پاوے، پھر بھی اگر آنے والے برائی کریں تو مسافر خانہ والوں پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا اور کرایہ کی آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۶ھ۔

سرکاری ملازمت اور اس کی آمدنی

سوال[۸۱۰۲]: جن ملازم گورنمنٹ کو حکمِ شرع کا اختیار نہ ہو، مثلاً تحصیلدار نائب تحصیلدار وغیرہ۔ بظاہر یہ ﴿من لم يحكم بما أنزل الله﴾ الآية(۳)۔ کے مصداق ہیں۔ پھر ان کی ملازمت کی جواز

---

(۱) "(قوله: وجاز إجارة بيت، الخ) هذا عنده أيضاً؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۳۹۲/۶، سعيد)

(۲) "وإذا استأجر الذمّيّ من المسلم داراً يسكنها، فلا بأس بذلك، وإن شرب فيها الخمر، أو عَبدَ فيها الصليب، أو أدخل فيهاالخنازير، ولم يُلحق المسلمَ فى ذلك بأسٌ؛ لأن المسلم لا يؤاجر لذلك، إنما آجرها للسكنى، كذا فى المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، باب فساد الإجارة، فصل فى الأجرة على المعاصى، رشيديه)

"وكذا فى كل موضع تعلق المعصية بفعل فاعل مختار، ومن جملة ذلك لو اجر بيته ليتخذ فيه بيعةً أو كنيسةً أو بيت نار، يطيب له". (خلاصة الفتاوى: ۱۴۹/۳، الفصل العاشر فى الحظر والإباحة منه، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا فى ردالمحتار: ۳۹۲/۶، فصل فى البيع من كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(۳) (سورة المائدة: ۴۵)

Made Searchable by ScribeTools.com

کی کیاصورت ہواوران کاروپیہ دینی کاموں میں کس طرح پرصرف کرنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جن ملازمتوں میں خلافِ شرع حکم کرنے پر گورنمنٹ کی طرف سے ملازم مجبور ہوتا ہے وہ ملازمتیں اور ان کی آمدنی سب ناجائز ہیں، اگر تحصیلدار کا یہ حال ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے(۱)۔ایسی ملازمت کاروپیہ دینی کاموں میں صَرف کرنے کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب مسکین کو دے دیا جائے، وہ ازخود کسی دینی کام میں دے دے(۲)۔ بظاہر ہر ملازمت کا یہ حال نہیں، تحقیق کرلیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جوتی بنانے کا پیشہ

سوال[۸۱۰۳]: جوتی بنانے کا کام کوشریعت منع تو نہیں کرتی، اگر کرتی ہے تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت اس کو منع نہیں کرتی ہے(۳)، البتہ معاملات میں صفائی اور پاکی کا اہتمام

---

(۱) "لايجوز أخذ الأجرة على المعاصى كالغناء والنوح والملاهى؛ لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر. وإن أعطاه الأجر وقبضه، لايحل له، ويجب عليه رده على صاحبه".

(مجمع الأنهر، كتاب الإجارة: ۵۳۳/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الإجارة: ۱۱۹/۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، باب الإجارة الفاسدة: ۳۴/۸، رشيديه)

(۲) "والحيلة أن يتصدق به المتولى على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولى، ثم المتولى يصرف إلى ذلك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثانى عشر: ۴۷۴/۲، رشيديه)

(۳) جوتا بنانے کا پیشہ استصناع میں داخل ہے، اور صناعت کو فقہاء نے جائز لکھا ہے، بلکہ افضل پیشوں میں اس کا شمار کیا ہے:

"أفضل أسباب الكسب الجهاد، ثم التجارة، ثم الزراعة، ثم الصناعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر فى الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

قال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالىٰ: "كل أنواع الكسب فى الإباحة سواء".

(الدرالمختار، كتاب الصيد: ۴۶۲/۶، سعيد)

(وكذا فى المحيط البرهانى، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع عشر فى الكسب: ۹۶/۶، مكتبه غفاريه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

ضروری ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مظاہر علوم، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

ٹھیکیداری کا پیشہ

سوال[۸۱۰۴]: زید ٹھیکیدار ہے، اور ضمنیہ ٹھیکہ میں کام کرتا ہے اور منجانب حکومت ٹھیکیدار کی کوئی تنخواہ متعین نہیں ہے، اس لئے وہ کام انجام دے کر اس سے کچھ روپیہ بچا کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔تو کیا زید کا اس سے روپیہ بچا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ٹھیکہ نہیں لے گا تو حکومت دوسرے کو دے دے گی اور دوسرا ٹھیکیدار زید کی طرح کام بھی نہیں کرتا، بلکہ اس سے زیادہ مال ہڑپ کر لیتا ہے۔تو کیا زید ٹھیکیداری چھوڑ دے، یا اگر زید ایسا کرے کہ جو مال بچاتا ہے وہ غریب مسلمانوں میں تقسیم کردے تاکہ مسلمانوں کی مالی حالت سدھر جائے تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومت نے جس کام کا ٹھیکہ دیا اور زید نے اس کو منظور کرلیا کہ اتنے روپے لوں گا اور کام کردوں گا تو یہ درست ہے، پھر روپیہ اس میں برابر خرچ ہو یا کم زیادہ خرچ ہو سب درست ہے، جیسے ایک شخص کتابوں کی جلد بندی کرتا ہے اور روپیہ طے کر لیتا ہے، اس میں سامان زیادہ روپیہ کا لگے یا کم کا سب طرح درست ہے(۲)۔کوئی

---

(۱) "المراد من قولهم: "كل أنواع الكسب فى الإباحة سواء" أنهما بعد أن لم تكن بطريق محظور لايذمّ بعضها وإن كابعضها أفضل من بعض". (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۴۶۲/۶، سعيد)

(۲) "والإجارة لاتخلوا: إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذا كان العمل ممالايصلح أو له إلا بآخره، وإن كان يصلح أوله دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ماعمل". (النتف فى الفتاوىٰ، ص: ۳۳۸، كتاب الإجارة، سعيد)

"استأجره ليبنى له حائطاً بالآجرّ والجص وعُلم طوله وعرضه، جاز ..... ولو استأجره لحفر البئر إن لم يبيّن الطول والعرض والعمق، جاز استحساناً، ويؤخذ بوسط مايعمله الناس، كذا فى الوجيز للكردرى". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الخامس، الفصل الرابع: ۴۵۱/۴، رشيديه)=

مکان تعمیر کرانا ہو یا سڑک بنوانا ہو سب کا یہی حال ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۱۴۰۱ھ۔

ملازمت کے وقت میں دوسرا کام

سوال[۸۱۰۵]: ملازم پیشہ جس نے اپنا پورا وقت ماہانہ ملنے والی تنخواہ کے عوض لگا رکھا ہے۔ اگر وہ بوقتِ فرصت یا ڈیوٹی خالی ہونے کے وقت کچھ کام کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کام کی ہے کہ اتنا کام کرنا ہوگا تب تو خالی وقت میں اپنا کام کرنا درست ہے۔ اگر ملازمت وقت کی ہے تو درست نہیں، إلا یہ کہ اجازت ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۴/ ۶/ ۸۷ھ۔

تنخواہ دار مدرس اجیرِ خاص ہے یا اجیرِ مشترک؟

سوال[۸۱۰۶]: تنخواہ دار مدرس اجیرِ خاص ہوتا ہے یا اجیرِ مشترک؟ اور انتفاع کے لئے مدرسہ نے جو چیزیں اس کے حوالہ کی ہیں، مثلاً پنکھا وغیرہ ان چیزوں کا وہ مدرس امین ہوتا ہے، یا شرعاً اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، البحث الخامس في الاستصناع والاستجارة على العمل: ۵/ ۷۴، رشيديه)

(۱) قال العلامة القاضي أبو الحسن علي بن حسين بن محمد السغدي: "والإجارة لاتخلوا: إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل ..... وان وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضي الوقت إن هو استعمله أو لم يستعمله، وبمقدار مامضى من الوقت تجب الأجرة". (النتف في الفتاوىٰ، كتاب الإجارة، معلومية الوقت والعمل، ص: ۳۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة: ۴/ ۴۱۶، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/ ۶۹، ۷۰، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب مدرس کے لئے اوقات متعین کردیئے گئے تو ان اوقات میں وہ اجیر خاص ہے، ان اوقات میں اس کو دوسرا کام اجارہ پر کرنا جائز نہیں (۱)، بغیر اجارہ کے معمولی مختصر سا کام جس پر عرفاً چشم پوشی کی جاسکتی ہے کہ اس سے مدرسہ کے کام میں کوئی معتد بہ حرج نہ ہو، یا وہ ضروریات میں سے ہو، اس کی اجازت ہے، جیسے مثلاً: کوئی معمولی خط لکھ دیا، یا پیشاب پاخانہ کی ضرورت پیش آ گئی (۲)۔

---

(۱) "الثانی: وهو الأجير الخاص، ويسمى أجير وحد، و هو من يعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصيص ..... كمن استُؤجر شهراً للخدمة، أو شهراً لرعى الغنم المسمى بأجر مسمى ..... وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل". (الدرالمختار: ۶/۶۹، ۷۰، باب ضمان الأجير، كتاب الإجارة، سعيد)

قال الشيخ سليم رستم باز: "الأجير على قسمين: الأول الأجير الخاص، وهو الذى استُؤجر على أن يعمل للمستأجر فقط، كالخادم مشاهرةً، عملاً، مؤقتاً بمدة معلومة، ليخرج نحو الخياط إذا عمل لواحد و لم يذكر مدةً، ومخصوصاً ليخرج نحوالراعى". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۳۶، الباب الأول، كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۲۲)، الباب الأول فى الضوابط العمومية، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الهداية: ۳/۹۶، كتاب الإجارة، بابٌ: متى الأجير يستحق، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "وإن لم يخرج من المصر فإن اشتغل بكتابة علم شرعى، فهو عفوٌ ..... و فيه أيضاً: إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه فى الرساتيق أسبوعاً أو نحوه، أو لمصيبة، أو لاستراحة، لا بأسَ به، و مثله عفوٌ فى العادة والشرع". (ردالمحتار: ۴/۴۱۸، ۴۱۹، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل تمام السنة، كتاب الوقف، سعيد)

وقال العلامة الحصكفى رحمه الله تعالىٰ: "وليس للخاص أن يعمل لغيره". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "بل ولا أن يصلى النافلة ..... وقد قال بعض مشايخنا: له أن يؤدى السنة أيضاً، واتفقوا أنه لا يؤدى نفلاً، وعليه الفتوى. قال أبو على الدقاق: لا يمنع فى المصر من إتيان الجمعة، ويسقط من الأجر بقدر اشتغاله إن كان بعيداً، وإن قريباً لم، يحط شئ". (ردالمحتار: ۶/۷۰، مطلب: ليس للأجير الخاص أن يصلى النافلة، كتاب الإجارة، سعيد)

جو چیزیں اوقاتِ درس میں استعمال کرنے کے لئے دی جائیں، مثلاً: بچھانے کے لئے دری دی، یا گدا، یا پنکھا، یا قلم وغیرہ، مدرس کو مدرسہ کے کام میں ان چیزون کے استعمال کا حق ہوتا ہے، مگر امانت و دیانت کے ساتھ احتیاط سے استعمال کرے کہ خراب یا ضائع نہ ہو جائیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے تنخواہ نہیں ملی، اب روپیہ ہونے کی صورت میں ان کو وصول کرنا

سوال[۸۱۰۷]: زید نے ایک امدادی مدرسہ میں تمام گاؤں والوں کے رکھنے سے مبلغ چھ روپیہ ماہانہ طے پا کر تعلیم کا کام شروع کیا اور تقریباً تین سال تک برابر اپنے فرضِ منصبی کو انجام دیتا رہا۔ اس درمیان میں تنخواہ بھی وصول ہوتی رہی، روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے اکثر کئی کئی ماہ کی تنخواہ ایک دم ضرور ملی، لیکن حساب صاف ہوتا رہا، زید بھی اپنے کام میں مشغول رہا۔

اس تین سال کی زندگی کے بعد ایک شخص کہتا ہے میں آپ کی تنخواہ کا ذمہ دار نہیں، گاؤں والے دیں، یا نہ دیں۔ زید نے اس ایک شخص کے کہنے پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی اور یہ خیال کیا کہ یہ وصولیابی کی پریشانیوں کی وجہ سے کہتا ہے، زید کو یہ وہم بھی نہ گزرا کہ معاملہ ختم ہی ہو جائے گا، بہر حال تمام گاؤں والے ذمہ دار تھے تو ایک شخص کا کہنا کیا معنی رکھتا ہے اور رہی تنخواہ سو ایسی ہی تاخیر ہوتی رہتی تھی۔

غرض کہ ایک سال یوں ہی گزر گیا، تنخواہ کا مطالبہ کیا تو مہتمم صاحب مدرسہ فرماتے ہیں کہ روپے ہی نہیں، کہاں سے دیا جائے۔ یہ واقعہ ہے اس مجبوری پر علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اب مدرسہ ہذا میں کافی روپیہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفيؒ: "شرط الواقف كنص الشارع: أى فى المفهوم والدلالة". (الدر المختار: ۴/ ۴۳۳، كتاب الوقف، سعيد)

"إن أراد إنسان أن يدرّس الكتاب بسراج المسجد، إن كان سراج المسجد موضوعاً فى المسجد للصلاة، قيل: لابأس به، وإن كان موضوعاً فى المسجد لا للصلاة بأن فرغ القوم من صلاتهم، وذهبوا إلى بيوتهم، وبقى السراج فى المسجد، قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل، وفيما زاد على الثلث لا يكون له حق التدريس". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۴۵۹، الباب الحادى عشر، الفصل الأول، رشيديه)

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

موجود ہے۔ اگر زید اپنی اس ایک سالِ ماضیہ کی تنخواہ کا مطالبہ کرے، کیا وہ حق بجانب ہے؟ درصورت اس بات گاؤں والے مدرسہ کے لالچ کی وجہ سے اگر انکار کریں تو عندالشرع وہ کس درجہ کے مجرم ہیں اور کس سزا کے مستحق ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب کہ زید نے تمام گاؤں والوں کے رکھنے سے ملازمت اختیار کی ہے تو صرف ایک غیر ذمہ دار شخص کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ''میں آپ کی تنخواہ کا ذمہ دار نہیں، گاؤں والے دیں یا نہ دیں'' ملازمت ختم نہیں ہوئی۔ لیکن اگر وہ شخص ذمہ دار تھا اور تمام گاؤں والوں نے جن سے ملازمت کا معاملہ طے ہوا تھا اس کو اپنے نائب یا وکیل یا مختارِ کل بنادیا تھا تو ملازمت کا معاملہ ختم ہو چکا تھا(۱)۔ اس آخر صورت میں مطالبہ بے ضابطہ ہے اور پہلی صورت میں اگر مہتمم صاحب سے علیحدگی کے وقت ایک سال کی تنخواہ کا مدرسہ کے ذمہ قرض دینا قرار پایا ہے تب تو مطالبہ کا حق حاصل ہے(۲)۔ اگر مدرسہ کے ذمہ قرض دینا قرار نہیں پایا، بلکہ زید ابراء کر چکا تھا تو اب مطالبہ کا حق نہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ رجب/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "و تفسخ بالقضاء والرضاء. ظاهره أنه شرط فی خيار الشرط والرؤية والعيب والعذر؛ لأنه ربطه بالكل". (ردالمحتار: ۶/ ۷۶، باب فسخ الإجارة، سعيد)

"إذا تحقق العذر، ومست الحاجة إلى النقض، هل يتفرد صاحب العذر بالنقض أو يحتاج إلى القضاء أوالرضاء، اختلفت الروايات فيه: والصحيح أن العذر إذا كان ظاهراً، يتفرد، وإن كان مشتبهاً لا يتفرد". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۵۸، الباب التاسع عشر فی فسخ الإجارة، رشيديه)

(۲) "فصل فی القرض: هو عقد مخصوص: أی بلفظ القرض ونحوه، يَرِد على دفع مال لآخر، ليردّ مثله". (الدرالمختار: ۵/ ۱۶۱، فصل فی القرض، كتاب البيوع، سعيد)

(۳) "إذا أبرأ واحد آخر من حق، سقط ذلک الحق، ولا يبقى له أن يدعى به. هذا إذا كان الحق مما يسقط بالإسقاط، كالدين وحق المرور وحق الشفعة". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/ ۸۴۸، (رقم المادة: ۱۵۶۲)، الفصل الثانی فی المسائل المتعلقة بأحكام الإبراء، مكتبه حنفيه كوئٹه)

غیر حاضری کی تنخواہ ملازم کے لئے

سوال[۸۱۰۸]: ملازمِ وقف دو دن کی رخصت لیکر گیا اور چھ روز میں آیا۔ دریافت یہ ہے کہ ملازم کو اس چار دن کی تنخواہ لینی کیسی ہے اور متولی کو دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کے شرائط میں یہ ہے کہ بلا تحصیلِ رخصت غیر حاضری پر تنخواہ وضع ہوگی تو صورت مسئولہ میں تنخواہ وضع کی جائے گی۔ اگر شرائط میں کچھ مدت بلا تحصیلِ رخصت چھٹی پر رہنے اور حاضر نہ ہونے کی بھی موجود ہے تو اس مدت کی تنخواہ وضع نہ ہوگی، زائد کی وضع ہوگی (۱)۔ غرض حسبِ شرائط عمل کیا جائے جب کہ وہ موافقِ شرع ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مشاہرۂ تنخواہ میں دنوں کا اعتبار ہوگا

سوال[۸۱۰۹]: زید نے اکتوبر میں کسی مدرسہ میں مدرّسی اختیار کی درمیانِ ماہ میں، تو اس کو

---

(۱) "أما لو شرط شرطاً، تبع كحضور الدرس أياماً معلومةً في كل جمعة، فلا يستحق المعلوم إلا من باشر، خصوصاً إذا قال: من غاب عن الدرس، قطع معلومه، فيجب اتباعه". (ردالمحتار: ۴/۴۱۹، كتاب الوقف، مطلب: فيما إذا قبض المعلوم و غاب قبل تمام السنة، سعيد)

"ولكن تقديم المدرس إنما يكون بشرط ملازمته للمدرسة للتدريس الأيام المشروطة في كل جمعة، ولذا قال: للمدرسة؛ لأن مدرسها إذا غاب، تعطلت ..... و حاصله أنه ينظر إلى ما شرطه الواقف له، وعليه من العمل، و يقسم المشروط على عمله". (البحر الرائق: ۵/۳۵۸، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا في النتف في الفتاوى، ص:۳۳۸، نوع: معلومية الوقت والعمل، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع في المفهوم والدلالة". (الدرالمختار: ۴/۴۳۳، كتاب الوقف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۵۹، مطلب في وجوب اتباع شرط الواقف، كتاب الوقف، مكتبه حقانيه پشاور)

Made searchable using ScribeTools.com

کتنے دن کی، کتنے وقت کی کفایت ملے گی جب کہ مہینہ ۳۱/ کا ہے؟ دارآنحالیکہ ۱۲/ سے اس نے درس دینا شروع کیا ہے، اکتیسواں ماہ کا بیس دن بنا ہے جب کہ ۲۹/ اور ۳۱/ دونوں کے ماہ سے پورے ماہ کی تنخواہ ۳۰/ دن کی ہوتی ہے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

جومہینہ جتنے دن کا ہوتا ہے اتنے ہی دن کی تنخواہ کا حق ہوگا، اس میں کچھ الجھاؤ کی بات نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۲/۱۴۰۶ھ۔

حَکم کے لئے حقِ محنت اور فریقین کے یہاں کھانا

سوال[۸۱۱۰]: زید اور عمر دونوں میں نزاع ہوا، بکر کو دونوں نے فیصل مان لیا، بکر نے کہا کہ میری ایک شرط ہے، اگر تم دونوں راضی ہو تو فیصلہ کرنے پر تمہیں اس نزاع میں مجھ کو دس روپیہ دینا ہوگا۔ دونوں راضی ہوگئے، لیکن شرط میں کھانے پینے کی کوئی بات نہ تھی، مگر بکر نے دونوں کے گھر میں کھایا، یا ایک کے گھر میں کھایا تو بکر کے لئے یہ سب جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وأول المدة ما سمی إن سمی، وإلا فوقت العقد، فإن كان العقد حين يهل: أی يبصر الهلال، اعتُبر الأهلة، وإلا فالأيام، كل شهرٍ ثلاثون. وقالا: يتمّ الأول بالأيام: والباقی بالأهلة". (الدرالمختار: ۶/ ۵۱، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وإذا عقدت الإجارة فی أول الشهر علی شهر واحد، أو أكثر من شهر، انعقدت مشاهرةً، وفی هذه الصورة: يلزم دفع أجرة شهر كامل وإن كان الشهر ناقصاً عن ثلاثين يوماً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۲۷۲، كتاب الإجارة، الفصل الرابع، (رقم المادة: ۴۸۸)، الباب الرابع فی المسائل التی يتعلق بمدة الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۱۵، الباب الثانی فی الأوقات التی يقع عليها عقد الإجارة، كتاب الإجارة، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

روپیہ بطورِ خدمت ومحنت لینا درست ہے(۱)، کھانا ایک فریق کے یہاں ٹھیک نہیں، اس میں رشوت کا شائبہ ہے(۲)، اگر دونوں فریق کا کھانا کھایا تو درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۲ھ۔

قبرستان کی حفاظت کے لئے شیعہ کو ملازم رکھنا

سوال[۸۱۱۱]: ایک شخص کو قبرستان میں ملازم رکھا ہے حفاظت کے لئے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "يستحق القاضي الأجر". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قيل: على المدعى؛ إذ به إحياء حقه ..... وقيل: على المدعى عليه ..... وقيل: على مَن استأجر الكاتب". (ردالمحتار: ۹۲/۶، مسائل شتى، كتاب الإجارة، سعيد)

"تلزم الأجرة باستيفاء المنفعة". (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الإجارة، الباب الثالث، الفصل الثانى فى المسائل المتعلقة بلزوم الأجرة: ۲۶۲/۱، (رقم المادة: ۴۶۹)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فإن وقعت على عمل معلوم، فلاتجب الأجرة إلا بإتمام العمل، إذا كان العمل ممالا يصلح أوّلُه إلا بآخره، وإن كان يصلح أوّلُه دون آخره، فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف فى الفتاوىٰ، ص:۳۳۸، مطلب: معلومية الوقت والعمل، كتاب الإجارة، سعيد)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويرد هدية إلا من قريبه، أو ممن جرت عادته بذلك، ويرد إجابة دعوة خاصةً، وهى التى لا يتخذها صاحبها لو لاحضور القاضى ..... فلو عامةً، له حضورها لو لا خصومة لصاحبها". (الدرالمختار). "منه قوله: (ويرد هدية) قال عمر بن عبد العزيز رحمه الله تعالىٰ: كانت الهدية على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هديةً، واليوم رشوة، ذكره البخارى". (ردالمحتار: ۳۷۲/۵، ۳۷۴، مطلب فى هدية القاضى، كتاب القضاء، سعيد)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب أدب القاضى، الفصل الثانى: ۱۴۰/۵، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۰/۳، كتاب القضاء، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

شیعہ ہے، مگر معاملات بہت صاف ہیں، حفاظت خوب کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے آدمی کو رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس سے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہیں تو اس کو ملازم رکھنا درست ہے (۱)، اگر کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ ہے، یا احتمال ہے کہ سنیوں کی قبروں کا احترام نہیں کرے گا، بلکہ بے حرمتی کرے گا تو اس کو ملازم رکھنا درست نہیں (۲)۔ تاہم اس سے بہتر اچھے عقائد کا آدمی اگر مل جائے تو اس کو رکھنا زیادہ اچھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/شوال المکرّم/ ۵۹ھ۔

حکومت سے اپنا حقِ تنخواہ وصول کر لینا

سوال[۸۱۱۲]: ناچیز نے بصیغۂ بیماری رخصت پندرہ یوم نصف تنخواہ پر لی تھی اور اخبار میں گزٹ

---

(۱) "لا بأس بأن يكون بين المسلم والذمي معاملةٌ إذا كان مما لا بد منه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۸/۵، الباب الرابع عشر في أهل الذمة وأحكامهم، كتاب الكراهية، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ياأيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانةً من دونكم﴾ (سورة آل عمران: ۱۱۶)

قال أبوبكر الجصاص رحمه الله: "فنهى الله تعالىٰ المؤمنين أن يتخذوا أهل الكفر بطانةً من دون المؤمنين، وأن يستعينوا بهم في خواص أمورهم. وأخبر عن ضمائر هؤلاء الكفار للمؤمنين، فقال: ﴿لا يألونكم خبالا﴾ يعني لا يقصرون فيما يجدون السبيل إليه من إفساد أموركم؛ لأن الخبال هو الفساد". (أحكام القرآن، باب الاستعانة بأهل الذمة، (سورة آل عمران: ۱۱۶): ۵۴/۲، قديمي)

"وكذلك كتب عمر رضي الله تعالىٰ عنه إلى أبي موسى رضي الله تعالىٰ عنه ينهاه أن يستعين بأحد من أهل الشرك في كتابته، و تلا قوله تعالىٰ: ﴿لا تتخذوا بطانةً من دونكم، لا يألونكم خبالاً﴾. (أحكام القرآن للجصاص: ۱۴۶/۳، في تمييز الطبقات، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳۹۶/۹، كتاب الجهاد، فصل في بيان مايجب على الغزاة، دار الكتب العلمية بيروت)

Made Searchable by ScribeTools.com

بھی ہوگیا کہ بصیغۂ بیماری رخصت نصف تنخواہ پر منظور ہوگی، مگر وصولیٔ تنخواہ پر محکمہ سے پوری ملی، نصف تنخواہ وضع نہیں کی گئی جو بذمۂ بندہ واجب الاداء ہے، جس کو عرصہ دوسال کا گذر چکا ہے۔اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو لگان یعنی ٹھیکہ نقد مالیہ زمین کا سرکار ہم سے ششماہی وصول کرتی ہے غالبًا وہ شرعاً ظلم ہے تو اگر یہ نصف تنخواہ اس ٹھیکہ میں محسوب کر کے رکھ لی جائے اور داخلِ خزانہ نہ کی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

اسکول کے دیگر اساتذہ کی تنخواہ کمیٹی سے وصول ہوتی ہے اور میری تنخواہ خزانہ صدر مقام یعنی دارالخلافہ سے وصول ہوکر آتی ہے۔اس کے متعلق پوری پوری تشفی فرمائی جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنا حق وصول کرنا شرعاً درست ہے، جس طرح سے لیا گیا ہے اسی طرح سے وصول کرلے، یا دوسرے طریقہ سے (۱)، لیکن ریاستِ اسلامیہ کی زمین کا حال ہمیں معلوم نہیں، انگریزی حکومت کی زمین پر اس کو قیاس کرنا درست نہیں، لہٰذا وہاں کے لگان کے متعلق ظلم یا غیر ظلم کا حکم نہیں لگا سکتے۔

تنخواہ کا معاملہ صاف ہے کہ تراضیٔ طرفین سے قرار پایا ہے (۲) اور لگان کا معاملہ تحقیق طلب ہے، لہٰذا مشکوک ہے، پس حق مشکوک کے عوض حق یقینی کو ساقط کرنا خلافِ احتیاط ہے، لہٰذا حق واجب الادء کو ادا کرنا یقینی براءت ہے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۶/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "فاذا ظفر بمال مديونه له الأخذ ديانة بل له الأخذ من خلاف الجنس على ما نذكره قريباً".
(الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/ ۹۴، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراضٍ منكم﴾ (سورة النساء: ۲۹)

"وأما مايرجع إلى العاقد: فرضا المتعاقدين، لقوله عزوجل: ﴿يأيها الذين امنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراضٍ منكم﴾ والإجارة تجارة؛ لأن التجارة تبادل المال بالمال؛ والإجارة كذلك؛ ولهذا يملكها المأذون وأنه لايملك ماليس بتجارة، فثبت أن الإجارة تجارة، فدخلت تحت النص". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ۵/ ۵۳۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "اليقين لايزول بالشك". ..... =

Made searchable using ScribeTools.com

باغ کو کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۱۳]: اگر کوئی شخص ایسے باغ کو کہ جس کے اندر اس کی زمین کو کاشت کیا جاسکتا ہے اس زمین کو پھل کے آنے سے پہلے دس بیگہ زمین کو سو روپیہ فی بیگہ کے حساب سے ایک سال کو دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایک ایسے باغ کو جس کے اندر کاشت نہیں ہوسکتی اور اس باغ کو پھل آنے سے پہلے قاعدہ مذکورہ کے مطابق دے سکتا ہے یا نہیں؟ کیا دونوں کو پھل آنے سے پہلے دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایک ایک باغ کو دے سکتا ہے یا کون سے کو دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین کو مقررہ کرایہ پر لینا دینا مدت مقررہ ایک سال کے لئے شرعاً درست ہے خواہ وہ کاشت کے قابل ہو یا نہ ہو(۱)۔ باغ (درختوں) کو کرایہ پر لینا دینا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارلعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۹۰ھ۔

= "ومن فروع ذلک مالو كان لزيد على عمرو ألف مثلاً فبرهن عمرو على الأداء أو الإبراء، فبرهن زيد على أن له عليه ألفاً لم تقبل. في فتح القدير: علمنا لزيد على عمرو ألفاً فأقام عمرو بينته بالأداء أو الإبراء، فأقام زيد بينته أن عمروا أقر له بألف مطلقا، لم يثبت بهذه البينة شئ، لاحتمال أن الألف الذى أقربه هو الألف الذى علمنا وجوبه وقامت البينة بإبرائه، فلا تشتغل ذمته بالاحتمال". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموى، (القاعدة الثالثة، اليقين لايزول بالشک): ۱/۱۹۳-۱۹۹، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "(و) تصح إجارة أرض (للبناء والغرس)، وسائر الانتفاعات كطبخ. آجر وخزف، ومقيلا، ومراحا حتى تلزم الأجرة بالتسليم، أمكن زراعتها أم لا". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافا فيها: ۶/۳۰، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها: ۸/۱۸، رشيديه)

(۲) "ومن استأجر أرضاً فيما زرع ورطبة أو شجر وقصب أو كرم أو مايمنع من الزراعة، فالإجارة فاسدة". (المبسوط للسرخسى، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۰، مكتبه حبيبيه)

"وإذا عرف أن الإجارة بيع المنفعة فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لاتجوز إجارة =

مکان کی پگڑی

سوال[۸۱۱۴]: ۱.....مکان کی پگڑی لینا جائز ہے یانہیں، جبکہ بمبئی جیسے شہر میں مکان ملنا جوئے شیر(۱) لانے کے مترادف ہے؟

۲.....مکان مالک، کرایہ دار کے تبدیل ہوتے وقت ایک کرایہ دار کے نام سے دوسرے کرایہ دار کے نام پر کرایہ کا بل تبدیل کرنے کا معاوضہ طلب کرتے ہیں، ساتھ ہی کرایہ میں کچھ مخصوص تناسب کے لحاظ سے بڑھادیتے ہیں۔ یہ جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مالکِ مکان اگر کرایہ پر دیتے وقت کہے کہ اتنی رقم یکمشت پیشگی لوں گا اور پھر اتنی ماہانہ لوں گا اور پھر اتنی سالانہ لونگا تو اس کی گنجائش ہے(۲)، لیکن کرایہ دار مکان کے خالی کرنے کے لئے، یا دوسرے کرایہ دار کو اپنی طرف سے دینے کے لئے پگڑی لے تو اس کی اجازت نہیں(۳)۔

= الشجر". (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل فی ركن الإجارة ومعناها: ۵/۵۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) ''جوئے شیر: وہ نہر جو فرہاد (کوہکن) نے اپنی محبوبہ شیریں کے لئے پہاڑ میں کھودی تھی، اس کے ذریعے بکریوں کا دودھ شیرین کے محل کے ایک حوض میں پہنچتا تھا''۔(فیروز اللغات، ص: ۴۸۶، فیروز سنز، لاهور)

(۲) "يُعتبر و يراعى كل ما اشترط العاقدان فی تعجيل الأجرة و تأجيلها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۵، الفصل الثانی من كتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۷۳)، دارالكتب العلمية بيروت)

"تلزم الأجرة بشرط التعجيل، يعنی لو شرط أن تكون الأجرة معجلةً، لزم المستأجر تسليمها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی البحر الرائق: ۸/۹، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۳) "ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلالٌ للدافع، حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب فی الكلام على الرشوة والهدية: ۵/۳۶۲، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

۲.....مالکِ مکان کواس کا بھی حق ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۶ھ۔

مکان کی پگڑی

سوال[۸۱۱۵]: جو پگڑی پر دکانیں دی جاتی ہیں، یالی جاتی ہیں، کیا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو صورتِ جواز کیا ہوسکتی ہے اور اگر ناجائز ہے تو کس وجہ سے ناجائز ہے؟ نیز ایک آدمی کے قبضہ میں دکان عرصہ طویل سے تھی، اب وہ شخص بیمار ہوکر تقریباً چار پانچ سال سے گھر پڑا ہوا ہے اور دکان بند پڑی ہے، اور وہ شخص اس دکان کا کرایہ ادا کرنا مفت کا سمجھتا ہے، چونکہ وہ بیمار پڑا ہے گھر پر۔ تو کیا وہ شخص اس دکان کو پگڑی پر دے کر کرایہ وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور پگڑی کا یہ طریقہ کثرت سے رائج ہے عوام میں، کسی کی تو پانچ سو ہوتی ہے اور کسی کی چار سو اور کسی کی چار ہزار ہوتی ہے، کسی کی پانچ ہزار، گو موقع محل کے اعتبار سے ادا کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالکِ دکان اپنی دوکان کسی کو کرایہ پر اس طرح دے کہ مثلاً کہ یہ دکان ایک سال کے لئے کرایہ پر دیتا ہوں، بیس روپیہ ماہوار کرایہ ہوگا اور چار سو روپیہ پگڑی کے، اور ایک ماہ کا کرایہ پیشگی لوں گا تو یہ صورت درست ہے(۱)۔ اور یہ کہا جائے کہ عموماً سال میں سے پہلے مہینہ کا کرایہ چار سو بیس روپیہ ہیں جو پیشگی ہے، باقی گیارہ مہینہ کا کرایہ بیس روپے ماہانہ ہے، کرایہ دار کے لئے اس چیز کی اجازت نہیں کہ جتنے کرایہ پر خود دوکان لی ہے اس

---

(۱) "یعتبر و یراعی کل ما اشترط العاقدان فی تعجیل الأجرة و تأجیلها". (شرح المجلة: ۲۶۵/۱، الفصل الثانی ،کتاب الإجارة، (رقم المادة: ۴۷۳)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"تلزم الأجرة بشرط التعجیل، یعنی لو شرط أن تکون الأجرة معجلةً، لزم المستاجر تسلیمها". (شرح المجلة: ۲۶۱/۱، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"إذا کان الأجرة موقتةً بوقتٍ معینٍ کالشهریة أو السنویة، یلزم إیفاؤها عند انقضاء ذلک الوقت، فلو کانت مشاهرةً فتؤدی عند نهایة الشهر. وإن کانت مسانهةً ففی ختام السنة". (شرح المجلة: ۲۶۵/۱، (رقم المادة: ۴۷۶)، الفصل الثانی، کتاب الإجارة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۱۳/۴، الباب الثانی فی بیان أنه متی تجب الأجرة، رشیدیه)

سے زائد کرایہ پر کسی کو دے اور پگڑی لے، یا مالک اگر خالی کرائے تو اس سے پگڑی لے۔

البتہ اگر کرایہ دار نے دوکان کی حیثیت کو بڑھا دیا مثلاً اس میں الماریاں لگوا دیں، یا اَور کوئی ایسا تصرف کیا جس سے دوکان کی شان بلند ہوگئی تو اس کے موافق پگڑی کا نام یا اضافۂ کرایہ کے نام سے لینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۹/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۹/ ۹۰ھ۔

مکان کرایہ پر دینے کے لئے پگڑی

سوال[۸۱۱۶]: آج کل مالک مکان یا دوکان کرایہ پر جائیداد دیتے وقت ۲۵، ۳۰/ ہزار پگڑی بھی لیتے ہیں اور بعدہ طے شدہ کرایہ ماہ بماہ یا سال بسال ادا کرتے ہیں تو یہ پیشگی رقم تو خالی عن العوض ہے۔ یہ پگڑی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اجرت کی دو قسمیں قرار دے لی جائیں: ایک معجّل جس کی یکمشت مقدار متعین ہو، دوسری قسط وار ہر ماہ یا ہر سال ہے۔ اول کو عرف میں پگڑی کہتے ہیں، ثانی کو کرایہ داری کہتے ہیں۔ اس طرح اگر مالک مکان یا دوکان کسی کو کرایہ پر دے تو بظاہر گنجائش معلوم ہوتی ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا فى مسئلتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً بأن جصّصها، أو فعل فيها مسناة، و كذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح". (الدرالمختار: ۲۹/۶، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكرية: ۴۲۵/۴، الباب السابع فى إجارة المستأجر، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى خلاصة الفتاوىٰ: ۱۴۵/۳، كتاب الإجارة، الجنس الثانى، رشيديه)

(۲) "يعتبر ويراعى كل مااشترط العاقدان فى تعجيل الأجرة وتأجيلها". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲۶۵/۱، الفصل الثانى من كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

"وإذا كان الأجرة مؤقتة بوقت معين كالشهرية أو السنويّة، يلزم إيفاء ها عند انقضاء ذلك =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۵/ ۸۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= الوقت فلو كانت مشاهرة فتؤدى عند نهاية الشهر، وإن كانت مسانهة ففى ختام السنة".

(شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۲۶۵، كتاب الإجارة، الفصل الثانى، (رقم القاعدة: ۴۷۶)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب الثانى فى بيان أنه متى تجب الأجرة: ۴/ ۴۱۳، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الإجارة: ۸/ ۹، رشيديه)

باب الإجارة الفاسدة

(اجارۂ فاسدہ کا بیان)

کٹے ہوئے کھیت سے کھیتی کاٹنے کی اجرت

سوال[۸۱۱۷]: کاشتکاروں کے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ کھیتی کٹانے کے وقت مزدوروں سے یہ کہہ کر کھیتی کٹاتے ہیں: ''اس کو گاہنے کے بعد اسی سے تمہاری مزدوری دی جائے گی''۔ یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے، اگر یہ شرط نہ کی جائے کہ اسی غلہ سے تمہاری مزدوری دی جائے گی، بلکہ کچھ مقدار غلہ کی طے کرلی جائے تو جائز ہے اگرچہ بعد میں اسی غلہ سے مزدوری دے دی جائے:

"صورة قفيز الطحان أن يستأجر الرجل من اٰخر ثوراً ليطحن بها الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيزٌ من دقيقها، أو استأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أوما أشبه ذلك، فذالك فاسدٌ. والحيلة فى ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل: من هذه الحنطة". عالمگیری:۳/۱۱۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ربیع الأول/ ۵۵ھ۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۴، الفصل الثالث فى قفيز الطحان و ما فى معناه من كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۳۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۵۳۹، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

Made searchable using ScribeTools.com

کھیت کٹائی کی مجہول اجرت

سوال[۸۱۱۸]: اس وقت فصل گندم کٹ رہی ہے اوراس میں جو کاٹنے والے جاتے ہیں اوران کو شام کو محنت جو ''لائی'' بولی جاتی ہے، مالک دیتا ہے(۱) جس کا کوئی کسی قسم کا تول نہیں ہوتا، وہ جائز ہے یا ناجائز اور لائی کاٹنی جائز ہے یا ناجائز اوراس کا کھانا کس طرح درست ہوسکتا ہے اور کس پر کاٹنا درست ہے؟ اگر کوئی صورت ہو، ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کھیتی کاٹنے کی مزدوری جائز ہے اگر اجرت متعین ہے۔ اوراگر کسی نے اجرت متعین نہیں کی اور محنت دیتے وقت جھگڑا ہوا، مزدور نے کہا کہ یہ کم ہیں، مالک نے کہا کہ کم نہیں بلکہ زائد ہیں تو یہ اجارہ فاسدہ ہے:

"تفسد الإجارة بجهالة المسمى و بعدم التسميه". درمختار: ۲/۱۷۷(۲)۔

اسی طرح اگر اجرت کے متعلق شرط کرلی ہے کہ جو گندم کاٹے گا اسی میں سے اجرت دی جائے گی، یہ بھی اجارہ فاسدہ ہے، لأنه عليه الصلوة والسلام "نهى عن قفيز الطحان"(۳)۔

جواز کی صورت یہ ہے کہ اجرت اور عمل دونوں کو متعین کرلیا جائے اور مزدوری کے متعلق شرط نہ کی جائے کہ اسی اناج سے ہوگی جس کو کاٹے گا:

"الحيلة أن يفرز الأجر أولاً، أويسمى قفيزاً بلا تعيين، ثم بعطه قفيزاً منه، فيجوز". درمختار: ۲/۱۷۷(٤)۔

---

(۱) ''لائی: فصل کا کاٹنا''۔(فيروز اللغات، ص؛ ۱۱۴۵، فيروز سنز لاهور)

(۲) (الدرالمختار: ۶/۴۸، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۳) "والأصل فى ذلک نهيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: عن قفيز الطحان، اهـ". (الدرالمختار: ۶/۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۴) (الدرالمختار، المصدر السابق)

(وكذا فى الفتاوى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۵، باب الإجارة الفاسدة، النوع الثالث فى الدواب، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۴۴، الفصل الثالث فى قفيز الطحان، كتاب الإجارة، رشيديه)

اس طرح جوانا ج مزدوری میں ملے گا اس کا کھانا جائز ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

حررہ العبد محمود، عفی عنہ۔

بندہ عبدالرحمٰن، عبداللطیف، ۶/محرم الحرام/ ۵۱ھ۔

کھیت کا ساتواں یا دسواں حصہ اجرت میں دینا

سوال[۸۱۱۹]: اگر کاشتکار کھیت کاٹنے کے لئے مزدوروں کو مقرر کر لیتا ہے اس بات پر کہ تم لوگ میرے دھان کاٹ کر میرے گھر میں لا کر گاہنے کے بعد جتنا دھان ہوگا ساتواں حصہ یا دسواں حصہ تم لوگوں کا ہوگا اور باقی مالک کا۔اور اس طرح کا شتکار اپنے کھیت سے مع مونگ کی دال اور مسور کی دال پر ساتواں یا دسواں حصہ مقرر کرتے ہیں اور اسی حصہ مقررہ پر توڑتے ہیں۔تو ان صورتوں میں کھیتوں کا توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں ناجائز ہے، لأنه فی معنی قفیز الطحان و قدورد النهی عنه(۱)۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ اجرت میں قیمت مقرر کی جاوے، یا فی من کے حساب سے مقرر کی جاوے، مثلاً: ایک من پر ایک سیر یا دو سیر دیں گے اور یہ شرط نہ ہو کہ جو تم کاٹو گے اس میں سے دینگے خواہ ایک روز قبل کی کاٹی ہوئی رکھی ہوئی میں سے دیں یا بازار سے لے کر، غرض شرط مذکورہ نہ ہو۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أی بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت فی الكل؛ لأنه استأجره بجزءٍ من عمله، والأصل فی ذلک نهيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن قفيز الطحان ..... والحيلة أن يفرز الأجر أولاً أو يسمی قفيزاً بلا تعيين، ثم يعطيه قفيزاً منه، فيجوز". (الدرالمختار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فی البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۵، باب الإجارة الفاسدة، النوع الثالث فی الدواب منه، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق: ۸/۴۱، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

کھیت کی کٹائی کی اجرت

سوال[۸۱۲۰]: اگہن ماہ(۱) میں جونوکر دھان کٹوانے کے لئے رکھا جاتا ہے اس کی اجرت بھی اس کے کٹے ہوئے دھان سے ادا کی جاتی ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو حیلہ کے ساتھ جائز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس طرح معاملہ طے کیا جاتا ہے کہ اپنے دھان کاٹنے پر مجھ کو تیرے آج کاٹے ہوئے دھان میں سے اس قدر دیں گے تو اجارہ فاسدہ ہے۔ اگر اجرت میں مطلقاً دھان دینے کو کہا جاتا ہے اور یہ قید نہیں ہوتی کہ جو تو کاٹے گا، انہی میں سے دیں گے، یا مثلاً جو دھان کل یا پرسوں یا پہلے کے اس کے کاٹے ہوئے ہیں، اس کاٹے ہوئے میں سے قرار پاتا ہے تو یہ جائز ہے:

"وفسد استيجار حائك ينسج له غزلاً بنصفه: أي بنصف الغزل أو ثلثه، أو استيجار حمار ليحمل عليه طعاماً بقفيز منه، أو ثور ليطحن له بُراً من دقيقه، أمافساد الأولى والثانيه. فلأنه جعل الأجر بعد ما يخرج من عمله، فصار في معنى قفيزالطحان، و قد نهى عنه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. والمعنى فيه أن المستأجر عاجزٌ من تسليم الأجر؛ لأنه بعض ما يخرج من عمل الأجير، والقدرة على التسليم شرطٌ لصحة العقد، وهو لا يقدر بنفسه، وإنما يقدر بغيره، فلا يُعدّ قادراً، ففسد، حتى لو أطلق ولم يُضفه، أو أفرزه له أولاً، جاز بالإجماع، وهو الحيلة، اھ". مجمع الأنهر درمنتقی :۲/۳۸۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "اگہن: ہندی سال کا نواں مہینہ مگھر"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۱، فیروز سنز لاہور)

"اگہن اکتوبر"۔ (نور اللغات:۲/۱۰۸۴، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(۲) (مجمع الأنهر مع الدر المنتقى: ۲/۳۸۷، باب الإجارة الفاسدة، دار إحياء التراث العربي بيروت)=

Made Searchable by ScribeTools.com

آٹا پسائی کی اجرت میں آٹا دینا

سوال[۸۱۲۱]: ہمارے یہاں آٹا پسائی کا یہ دستور ہے کہ ایک من اناج پر ایک کلو چنگی کاٹتے ہیں اور ۸۰/ پیسہ اجرت کے ہیں۔ کیا یہ چنگی گاہک کی رضامندی سے جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آٹا پیسنے کی اجرت میں یہ آٹا لینا درست نہیں، اگر اتنی مقدار غلہ گاہک کی رضامندی سے کاٹ لیا جائے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۵/ ۸۹ھ۔

سرسوں کا تیل نکالنے کا عوض تیل سے

سوال[۸۱۲۲]: ہمارے اطراف میں سرسوں اس طرح لیتے ہیں کہ تیلی کو سرسوں دے کر اور تیل نکلوا کر سرسوں کا چوتھائی تیل اس سے لے لیا جاتا ہے اگرچہ زائد نکلے اور تیل کی مزدوری سرسوں کی کھلی ہوتی ہے(۲)، یا تیلی اپنے پاس سے تیل لاتا ہے اور اس کو اتنی ہی سرسوں دیدی جاتی ہے۔ اب دریافت یہ ہے کہ ان

= (وكذا في الدر المختار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴/۴، الفصل الثالث في قفيز الطحان وما في معناه، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۱) "صورة قفيز الطحان أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيزٌ من دقيقها، أو يستأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد. والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل: من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها، يجب في الذمة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۴/۵، الفصل الثالث في قفيز الطحان، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۲۷/۶، ۱۲۹، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(۲) "کھلی: تل یا سرسوں کا پھوک، کھل"۔ (فيروز اللغات، ص: ۱۰۶۲، فيروز سنز لاهور)

Made searchable using ScribeTools.com

صورتوں میں کوئی صورت جائز بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں مفصل مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی صورت میں اجارہ فاسدہ ہے، اولاً اس لئے جو شئ فی الحال موجود نہیں، بلکہ اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی اور اس کو اجیر کے لئے اجرت مقرر کرنا جائز نہیں:

"ولو دفع غزلاً لآخر، لينسجه له بنصفه: أى بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت فى الكل؛ لأنه استأجر بجزءٍ من عمله، والأصل فى ذلك نهيه عليه الصلوة والسلام عن قفيز الطحان". درمختار: ۲/ ۱۷۹(۱)۔

یہاں پر کھلی کو اجرت مقرر کیا گیا جو کہ تیلی کے عمل سے حاصل ہوگی۔

ثانیاً اس لئے کہ اجرت یعنی کھلی کی مقدار مجہول ہے: "وتفسد الإجارة بجهالة المسمى وبعدم التسمية". تنوير مع الدر: ۲/ ۱۷۷(۲)۔

دوسری صورت میں اگر اس کی تیل کی مقدار جو تیلی دیتا ہے اس تیل سے زائد ہے جو سرسوں میں ہے، تب تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ جتنا تیل زائد ہے وہ کھلی کے مقابلہ میں ہے اور باقی تیل تیل کے مقابلہ میں ہوجاویگا، ورنہ جائز نہیں:

"ويجوز البيع فى صرة بالإجماع أن يعلم أن الزيت المنفصل أكثر، ليكون الفضل بالتفل، وكذا بيع الجوز بدهنه، واللبن بسمنه، والتمر بنواه، وكل شئ لتفله قيمة، إذابيع

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/ ۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"ولو دفع غزلاً لينسجه بنصفه، أو استأجره ليحمل طعامه بقفيزٍ منه، أو ليخبز له كذا اليوم بدرهم، لم يجز؛ لأنه فى الأولى والثانية جعل الأجر مايخرج من عمله، فيصير فى معنى قفيز الطحان، وقد نهى عنه عليه السلام، وهو أن يستأجر ثوراً ليطحن له حنطةً بقفيزٍ من دقيقه، فصار هذا أصلاً يعرف به فساد جنسه". (تبيين الحقائق: ۶/ ۱۲۷، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/ ۵۳۹، باب الإجارة الفاسدة، غفاريه كوئٹه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/ ۴۸، سعيد)

بالخالص منه، لايجوز حتى يكون الخالص أكثر". البحرالرائق:٦/١٣٥(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صحیح: بندہ سعید احمد عفی عنہ، بندہ عبدالرحمٰن، عبداللطیف عفی عنہ، ۲۶/صفر/۵۲ھ۔

جلن کا کاٹنا

سوال[۸۱۲۳]: آٹا چکی والے ایک من پر ایک سیر جلن کاٹتے ہیں حالانکہ جلن شاید ایک من میں ایک چھٹانک ہو۔ تو کیا یہ آٹا چکی والے کے لئے جائز ہے اور اس سے کوئی گناہ تو نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کہہ کر اتنا آٹا کاٹنا جائز ہے، اس میں گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (البحرالرائق: ۲۲۵/۶، باب الربا، رشیدیه)

"والزيتون بالزيت والسمسم بالشيرج، حتى يكون الزيت والشيرج أكثر مما فى الزيتون والسمسم: أى لايجوز البيع حتى يكون الزيت الخالص أكثر مما فى الأخر، ليكون قدره بمثله الزائد بالشجير، لاتحاد الجنس بينهما معنىً باعتبار مافى ضمنها وإن اختلفا صورةً، فيثبت بذلك شبهة المجانسة، والربا يثبت بالشبهة، فلولم يكن الدهن الخالص أكثرمن الذى فى الأخر، كان الشجير بلاعوضٍ يقابله، فيحرم". (تبيين الحقائق: ۴/۴۷۰، باب الربا، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) **تنبیه**: یہ جلن اجرت نہیں، بلکہ وہ آٹا ہے جو چکی چلتے وقت یا تو اُڑ جاتا ہے اور یا چکی کے پاٹ کی تیزی سے وہ جل جاتا ہے، وہ تھوڑا سا جلتا ہے اور چکی والا زیادہ کاٹتے ہیں، یہ جلن جتنا خود بخود اُڑ جائے یا چکی کی تیزی سے جل جائے، وہ تو بہرحال ختم ہوجاتا ہے، لیکن چکی والے کا اس ختم شدہ مقدار سے زیادہ کاٹنا جائز نہیں بلکہ ظلم ہے:

قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا لاتاكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراضٍ منكم﴾ (سورة المائدة: ۲۹)

"وعن أبى حرة الرقاشى، عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان والدارقطنى فى المجتبى". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمى)

Made searchable using ScribeTools.com

فصل کا خوشہ چنوانے کی اجرت

سوال[۸۱۲۴]: ہمارے یہاں رائج ہے کہ جب کھیت سے فصل کٹتی ہے تو اس میں سے خوشہ ٹوٹ کر زمین پر گر جاتے ہیں، کاٹنے والے مزدور اس کو چنتے ہیں اور زمیندار کو نصف یا تہائی حصہ دیتے ہیں۔ آیا ساقط شدہ خوشہ زمیندار کی ملکیت ہے، یا چننے والوں کی اور اس طرح لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ زمیندار کی ملک ہے، اس طرح مزدوری کا معاملہ ناجائز ہے: "ولو دفع غزلاً لآخر لينسج له نصفه، أو استأجر بغلاً يتحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجر بجزءٍ من عمله، اهـ". درمختار: ۵/۳۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گائے کو کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۲۵]: دودھ دینے والی گائے بھینس کو کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے دودھ کی رقم یکجا دے دی جاتی ہے، گھاس وغیرہ کرایہ دار کے ذمہ ہوتا ہے، بلکہ جب تک دودھ پلاتی رہے وہ گائے بھینس کرایہ دار کے پاس رہتی ہے، پھر مالک کو واپس کر دی جاتی ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے: "لاتجوزه إجارة الشجر على أن الثمر للمستأجر، وكذلك لو استأجر بقرةً

---

(۱) (الدر المختار: ۶/۵۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"صورة قفيز الطحان أن يستأجر الرجل من آخر ثوراً ليطحن به الحنطة على أن يكون لصاحبها قفيزٌ من دقيقها، أو يستأجر إنساناً ليطحن له الحنطة بنصف دقيقها أو ثلثه أو ما أشبه ذلك، فذلك فاسد. والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحبُ الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل: من هذه الحنطة، أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها، يجب في الذمة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۴۴، الفصل الثالث في قفيز الطحان، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۲/۳۳۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

أوشاةً، ليكون اللبن أو الولد له، كذافي محيط السرخسي، اھ". عالمگیری: ٤/٤٤٢(١)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۶/۶۶ھ۔

ادھیان پر جانور دینا

سوال[۸۱۲۶]: ادہار جانور دینا جائز ہے یا نہیں، یعنی جانور میرا اور خدمت آپ کی، پھر وہ جانور مدتِ مقررہ پر سال دو سال میں پہنچے گا تو پھر ثالث شخص اس جانور کی قیمت ڈال دیتا ہے، فریقین میں جس کا دل چاہتا ہے جانور رکھ لیتا ہے اور جس کا دل چاہتا ہے قیمت لے لیتا ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور جواز کی کون سی صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت اجارہ فاسدہ ہے جو کہ ناجائز ہے(۲)، جواز کی صورت یہ ہے کہ جانور کی قیمت لگا کر نصف حصہ فروخت کردے، اب دوسرا شخص اس نصف کو خریدے، پھر جانور والا اس نصف قیمت کو معاف کردے۔ اب اس جانور میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اس کی کل منفعت: دودھ، بچے وغیرہ بھی مشترک ہیں(۳)، اگر

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴/۴۴۲، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة و مالايجوز، رشيديه)

"و على هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۴/۳۲۷، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۲/۳۳۰، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۳۳۵، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، كتاب الشركة، رشيديه)

(۳)"و على هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۶/۳۲۷، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد) ..... =

Made Searchable using ScribeTools.com

فروخت کردیں تو قیمت بھی نصفا نصف ہوگی۔ فتاوی عالمگیری میں یہ صورت بطورِ حیلۂ جواز لکھی ہے:

"والحيلة في ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذالك الرجل ونصف الدجاجة ونصف بذر الفيلق بثمنٍ معلوم، حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركةً بينهما، فيكون الحادث منهما على الشركة، كذا في الظهيرية"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

بکریوں کو ادھیا پر دینا

سوال[۸۱۲۷]: بکریوں کو ادھیا پر دیتے ہیں، یعنی بکری دے دی، جب بچہ پیدا ہوا تو اگر دو ہوئے تو ایک لے لیا اور ایک ہوا تو آدھا لے لیا۔ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہو تو جو طریقہ ادھیا پر دینے کا جائز ہو وہ بتائیں۔

عبد القدیر، کروندیملاڈ، بمبئی، ۶۴۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ درست نہیں ہے، البتہ نصف بکری فروخت کردیں اور قیمت معاف کردیں تو وہ نصف کا شریک ہوجائے گا، نصف بکری اس کی ہوگی اور دودھ، بکری، بچے سب نصفا نصفی ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۲/۲، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المضاربة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة: ۳۳۵/۲، رشيديه)

(۲) (راجع عنوان: "ادھیان پر جانور دینا"۔)

بکری پالنے کے لئے دینا

سوال[۸۱۲۸]: زید نے ایک بکری خریدی اور بغیر قیمت لگائے ہوئے بکر کو پالنے کے لئے دیدی اور کہا کہ اس بکری کا جو بچہ ہوگا وہ نصف نصف کرلیں گے۔ تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کے حصہ میں جو بچہ آیا اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری (۱) اور شامی میں تصریح ہے (۲)، وہ بچہ زید ہی کی ملک ہے، زید کو اس کا لینا اور قربانی کے قابل جب ہوجائے تو قربانی کرنا سب درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف، ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل العلف الذى علفها وأجر مثله فيما قام عليها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/ ۳۳۵، كتاب المضاربة، الباب الخامس فى الشركة الفاسدة، رشيديه)

(۲) "إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار، كتاب الشركة: ۴/ ۳۲۶، مطلب: يرجح القياس، فصل فى الشركة الفاسدة، سعيد)

"إذا دفع البقرة بالعلف، ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، ولذلك لرجل مثل علفه الذى علفه وأجر مثله لمن قام عليها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الشركة بالأعمال: ۵/ ۶۷۰، إدارة القرآن، كراچى)

"سئلت عن البقرة دفعها مالكها لرجل على أن يعلفها من علفه ويقوم بها، وماحدث عنها من النتاج يكون بينهما نصفين، فهل لايصح ذلك؟ فالجواب: لايصح ذلك، وماحدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (الفتاوى الكاملية، ص: ۵۵، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فى المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۶/ ۴۱۴، كتاب الشركة، فصل فى الشركة بالأعمال، مكتبه غفاريه)

Made searchable using ScribeTools.com

ایضاً

سوال[۱۲۹۰۱]: بکری کے پیٹ کے بچہ کی چروائی کی اجرت دینا جائز ہے یانہیں؟ صورت یہ کہ آدمی کے پاس ایک بکری ہے، اس کو دوسرے آدمی کو اس شرط پر چرانے کو دیتا ہے کہ تم اس بکری کو ایک سال گھاس کھلاؤ تو اس بکری سے اگر دو بچہ پیدا ہو جائیں، تو ایک تیرا اور دوسرا میرا ہوگا، اور اگر ایک ہوگا، اس کو بیچ کر دونوں تقسیم کرلیں گے۔ آیا یہ جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اجارہ ناجائز ہے، اس کو فسخ کر کے صحیح طور پر معاملہ کیا جاوے(۱)، اس ناجائز اجارہ کی صورت میں بچہ اصل مالک کا ہوگا، اور اجیر کے لئے اجر مثل واجب ہوگا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

گائے پالنے کے لئے دینا

سوال[۸۱۳۰]: یہاں رواج ہے کہ گائے وغیرہ پالنے کے لئے خرید کر دیدیتے ہیں، دوسرا آدمی پالتا پوستا ہے، جب بچہ دینے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت اس کو فروخت کر دیتے ہیں، اور نصف نصف تقسیم کر لیتے ہیں۔ یہ درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں، گائے کی قیمت متعین کر کے مثلاً: دس روپیہ اس کا نصف حصہ پانچ روپیہ میں فروخت کر دیا جائے اور پھر وہ پانچ روپیہ معاف کر دیا جائے، پالنے والے سے نہ لیا جائے، اور وہ پرورش

---

(۱) "ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض، ویکون امتناعاً عنه أو بعده مادام المبیع بحاله (فی ید المشتری) إعداماً للفساد؛ لأنه معصیة، فیجب رفعها". (الدرالمختار: ۵/۹۰، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، سعید)

(۲) (تقدم تخریجه تحت المسئلة السابقة)

کرتا رہے، اس صورت میں وہ نصف کا شریک رہے گا، دودھ اور بچے اور خود یہ گائے سب نصف نصف رہے گی، اس طرح درست ہے، فتاوی عالمگیری (۱) اور شامی میں جواز کی یہی صورت لکھی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

پال پر جانور دینا

سوال [۸۱۳۱]: ہمارے اطراف میں ایسا ہوتا ہے کہ امیر لوگ جانور خرید کر غریبوں کو پالنے کے لئے دیدیتے ہیں، بکری اور مرغی کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ پیدا ہونے والے بچے میں نصفا نصف کے شریک رہیں گے، مثلاً بکری کے دو بچے پیدا ہوئے تو ایک مالک کا اور ایک پالنے والے کا۔ اور گائے بھینس کی قیمت لگا کر دیتے ہیں، لیکن دودھ اور بچے میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

---

(۱) "دفع بقرةً إلى رجل على أن يعلفها، ومايكون من اللبن والسمن بينهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقرة للرجل أجرقيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه، لاما سرحها فى المرعى. ويرد كل اللبن إن كان قائماً وإن أتلف فالمثل إلى صاحبها. والحيلة فى جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن، فيكون بينهما. وكذا لودفع الدجاج على أن البيض بينهما، لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۴۵/۴، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر فى بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الثالث فى فقيزالطحان وما هو فى معناه، رشيديه)

(۲) "**تنبيه**: لم يذكروا مالو كانت الدابة بين اثنين دفعها أحدهما للآخر على أن يؤجرها ويعمل عليها على أن ثلثى الأجر للعامل، والثلث للآخر وهى كثيرة الوقوع، ولا شك فى فسادها؛ لأن المنفعة كالعروض لاتصح فيها الشركة، وحينئذ فالأجر بينهما على قدر ملكها، وللعامل أجر مثل عمله، ولا يشبه العمل فى المشترك حتى لقول لاأجرله؛ لأن العمل فيما يحمل وهو لغيرهما تأمل ..... وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۳۲۷/۴، كتاب الشركة، فصل فى الشركة الفاسدة، مكتبه، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارات، النوع الثالث فى الدواب: ۳۷/۵، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ سب ناجائز ہے:" دفعَ ة. ةً إلى رجل على أن يعلفها، ومايكون من اللبن والسمن بينهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقرة للرجل أجرقيامه وقيمة علفه إن علفها من علف هو ملكه، لاما سرحها في المرعىٰ. ويرد كل اللبن إن كان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلى صاحبها. والحيلة في جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن فيكون بينهما. وكذا لودفع الدجاج على أن البيض بينهما، لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". فتاوى عالمگيريه(۱)۔

ایسی صورت میں وہ جانوراوراس سے پیداہونے والی چیز: انڈے، بچے، دودھ سب اصل مالک کی ہےاور پالنے والا اجرِ مثل کا مستحق ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۰/۱۱/۸۹ھ۔

بکری پال پردینا

سوال[۸۱۳۲]: زیدنے ایک بکری خریدی اوربغیر قیمت لگائے ہوئے بکرکو پالنے کے لئے دیدیا

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۴۴۵/۴، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز، الفصل الثالث في قفيز الطحان، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۰/۲، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷/۵، كتاب الإجارة، النوع الثالث في الدواب، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني في الفقة النعماني: ۴۱۴/۴، كتاب الشركة، الفصل السادس الشركة في الأعمال، غفاريه)

"وعلى هذا إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة: ۳۲۷/۶، سعيد)

Made Searchable by ScribeTools.com

اورکہا کہ اس بکری کے جو بچہ ہوگا وہ نصف نصف کرلیں گے۔تو ایسا کرنا جائز ہے یانہیں؟ زید کے حصہ میں جو بچہ آیا اس کی قربانی درست ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری (۱) اور شامی (۲) میں تصریح ہے۔وہ بچہ زید ہی کی ملک ہے، زید کو اس کا لینا اور قربانی کے قابل جب ہوجائے تو قربانی کرنا سب درست ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۸/ ۸۹ھ۔

بکری پال پر دینا

سوال[۸۱۳۳]: بکری کے پیٹ کے بچہ کی چروائی کو اجرت دینا جائز ہے یانہیں؟ صورت یہ ہے کہ آدمی کے پاس ایک بکری ہے، اس کو دوسرے آدمی کو اس شرط پر چرانے کو دیتا ہے کہ تم اس بکری کو ایک سال گھاس کھلاؤ تو اس بکری سے اگر دو بچہ پیدا ہوجائیں تو ایک تیرا اور دوسرا میرا ہوگا۔اور اگر ایک ہوگا اس کو بیچ کر

---

(۱) "وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث لصاحب البقرة، فهو لصاحب البقرة، ولذلك الرجل مثل العلف الذى علفها وأجرُ مثله فيما عليها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۵/۲، كتاب الشركة، الباب الخامس فى الشركة الفاسدة، رشيديه)

(۲) "إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۳۲۶/۴، مطلب: يرجع القياس، الشركة الفاسده، سعيد)

"اذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه، وأجر مثله لمن قام عليها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الشركة بالأعمال: ۶۷۰/۵، إدارة القرآن كراچى)

"سئلت عن البقرة دفعها مالكُها لرجل على أن يعلفها من علفه، ويقوم بها، وماحدث عنها من النتاج يكون بينهما نصفين، فهل لايصح ذلك؟ فالجواب: لايصح ذلك، وماحدث فهو لصاحب البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (الفتاوى الكاملية، ص: ۵۵، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور)

(وكذا فى المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى: ۱۴/۶، فصل فى الشركة بالأعمال، مكتبه غفاريه)

Made searchable using ScribeTools.com

دونوں تقسیم کرلیں گے۔آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اجارہ ناجائز ہے(۱)،اس کو فسخ کرکے صحیح طور پر معاملہ کیا جاوے۔اس ناجائز اجارہ کی صورت میں بچہ اصل مالک کا ہوگا اور اجیر کے لئے اجرِ مثل واجب ہوگا(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۶/ ربیع الاول/۶۴ھ۔

گائے پال پر دینا

سوال[۸۱۳۴]: یہاں رواج ہے کہ گائے وغیرہ پالنے کے لئے خرید کر دیدیتے ہیں،دوسرا آدمی پالتا پوستا ہے، جب بچہ دینے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت اس کو فروخت کردیتے ہیں،اور نصف نصف تقسیم کرلیتے ہیں۔یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت جائز نہیں۔گائے کی قیمت متعین کرکے مثلاً دس روپیہ،اس کا نصف حصہ پانچ روپیہ میں فروخت کردیا جائے اور پھر وہ پانچ روپیہ معاف کردیا جائے، پالنے والے سے نہ لیا جائے، اور وہ پرورش کرتا رہے،اس صورت میں وہ نصف کا شریک رہے گا۔دودھ اور بچے اور خود یہ گائے سب نصفاً نصفاً رہے گی،اس طرح درست ہے، فتاوی عالمگیری(۳) اور شامی میں جواز کی یہی صورت لکھی ہے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۰/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض، ویکون امتناعاً عنه أو بعده مادام المبیع بحاله فی ید المشتری إعداماً للفساد؛ لأنه معصیة، فیجب رفعه". (الدرالمختار: ۵/۹۰، باب البیع الفاسد، سعید)

(۲) (راجع، ص: ۶۰۰، رقم الحاشیة: ۱، ۲)

(۳) "دفع إلی رجل علی أن یعلفها، ومایکون من اللبن والسمن بینهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة، وعلی صاحب البقرة للرجل أجرقیامه وقیمة علفه إن علفها من علف هو ملکه، لاماسرحها فی المرعی، ویردّ کل اللبن إن کان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلی صاحبها. والحلیة فی جوازه أن یبیع نصف البقرة منه بثمن =

پال پر جانور دینا

سوال[۸۱۳۵]: ہمارے اطراف میں ایسا ہوتا ہے کہ امیر لوگ جانور خرید کر غریبوں کو پالنے کے لئے دیدیتے ہیں۔ بکری اور مرغی کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ پیدا ہونے والے بچے میں نصفا نصف کے شریک رہیں گے، مثلاً بکری کے دو بچے پیدا ہوئے تو ایک مالک کا اور ایک پالنے والے کا۔ اور گائے بھینس کی قیمت لگا کر دیتے ہیں، لیکن دودھ اور بچے میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب ناجائز ہے: "دفع بقرةً إلى رجل على أن يعلفها، ومايكون من اللبن والسمن بينهما أنصافاً، فالإجارة فاسدة. وعلى صاحب البقرة للرجل أجرقيامه وقيمة علفه إن علفها من علفٍ هو ملكه، لاماسرحها فى المرعىٰ، ويردّ كل اللبن إن كان قائماً، وإن أتلف فالمثل إلى صاحبها. والحيلة فى جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن فيكون بينهما، وكذا لودفع الدجاج على أن البيض بينهما لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". فتاوى عالمگيريه(۱)۔

= ويبرئه، ثم يأمره باتخاذ اللبن فيكون بينهما. وكذا لودفع الدجاج على أن البيض بينهما، لايجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴۴۵/۴، الفصل الثالث فى فقيز الطحان، رشيديه)

(۴) "وعلى هذا إذا دفع البقرةبالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين، فماحدث، فهو لصاحبه البقرة، وللآخر مثل علفه وأجر مثله". (ردالمحتار: ۳۷۲/۶، فصل فى الشركة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷/۵،رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: ۴۴۵/۴، الفصل الثالث فى قفيز الطحان، رشيديه)

(وكذا فى فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۳۰/۲، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۷/۵، النوع الثالث فى الدواب، رشيديه)

(والمحيط البرهانى: ۴۱۴/۴، الشركة فى الأعمال، غفاريه)

Made searchable using ScribeTools.com

ایسی صورت میں وہ جانور اور اس سے پیدا ہونے والی چیز: انڈے، بچے، دودھ سب اصل مالک کی ہے اور پالنے والا اجرِ مثل کا مستحق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۱/۸۹ھ۔

جانور کی جفتی کی اجرت

سوال[۸۱۳۶]: آج کل نر، مادہ جفتی کے لئے بلا اجرت نہیں چھوڑتے۔ کیا یہ امیر وغریب ہر ایک کے لئے ناجائز ہے، یا کسی کی تخصیص ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں سب کا حکم برابر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۳/۹۵ھ۔

گابھن کرانے کی اجرت

سوال[۸۱۳۷]: گابھن کرانے کی اجرت کا کیا حکم ہے؟ بخاری شریف پارہ نو کتاب الاجارات میں منع فرمایا ہے(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گابھن کرانے کی اجرت لینا ناجائز ہے: "لا یجوز أخذ أجرة عسب التیس، لقوله علیه الصلوة والسلام: "إن من السحت عسب التیس، و مهر البغی، وکسب الحجام". ولأنه عمل لا یقدر

---

(۱) قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "لا تصح الإجارة لعسب التیس، وهو نزوه علی الأناث؛ لأنه عملٌ لا یقدر علیه وهو الإحبال". (الدرالمختار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۱۶/۶، باب الإجارة الفاسدة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۵۴/۴، الباب الخامس عشر فی بیان ما یجوز من الإجارة ومالا یجوز، رشیدیه)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: "نهی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن عسب الفحل". (صحیح البخاری، کتاب الإجارات، باب عسب الفحل: ۳۰۵/۱، قدیمی)

علیہ، ولأنہ أخذ المال بمقابلة الماء، وهو نجس عينٍ لا قيمة له، فلا يجوز أخذ الأجرة عليه، اھ". زیلعی: ۵/۱۲۴(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/محرم/۵۶ھ۔

جتنے کرایہ پر مکان لیا ہے اس سے زائد پر دینا

سوال[۸۱۳۸]: میرا مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ہے کیونکہ میرے لڑکے وہاں رہتے ہیں، میں ان سے علیحدہ رہتا ہوں، لیکن وہاں کرایہ کے مکان میں رہنا چاہتا ہوں۔ اگر میں وہاں پر کوئی موزون فلیٹ چھ آٹھ ہزار روپیہ پر لے لوں اور زمانۂ حج میں مثلاً پندرہ ہزار ریال پر حجاج کو کرایہ پر دے دوں تو اس صورت میں مجھے آسانی سے آٹھ ہزار ریال کا منافع ہو جائے گا۔ تو سوال یہ ہے کہ میں قرضِ حسنہ لے کر اسی مکان کو جس کو میں نے کرایہ پر لیا ہے اس سے زائد کرایہ پر دوسروں کو دے سکتا ہوں کہ نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو صورت آپ چاہتے ہیں یہ تو حدودِ حرم مبارک سے باہر کسی اَور جگہ بھی درست نہیں، جتنی رقم کسی جگہ بھی کرایہ مکان کی آپ ادا کریں اتنی رقم پر دوسرے کو دے سکتے ہیں، اگر اس سے زیادہ رقم لیں گے تو اس کا صدقہ کر دینا ہوگا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) (تبيين الحقائق: ۶/۱۱۶، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۵۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳/۱۱۳، باب الإجارة الفاسدة، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) "وله السكنى بنفسه وإسكان غيره بإجارة وغيرها، وكذا كل مالا يختلف بالمستعمل يبطل التقييد؛ لأنه غير مفيد، بخلاف مايختلف به. ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا في مسألتين: إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار: ۶/۲۹، باب ما يجوز من الإجارة و ما يكون خلافاً فيها، سعيد) ..... =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

کرایہ پر لی ہوئی مسجد کی جائیداد کو زیادہ کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۳۹]: ایک شخص نے مسجد کی جائیداد دس روپیہ ماہواری کرایہ پر لے رکھی ہے اور اس کو اپنے طریق سے بارہ روپیہ کو کرایہ پر دے رکھی ہے۔ یہ منافع جائیداد مسجد سے اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص نے اس جائیداد میں کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ جس طرح مسجد سے لی تھی اسی طرح دوسرے کو دے دی تب تو یہ منافع ناجائز ہے اس کا تصدق واجب ہے اگر اس جائیداد کی کوئی اصلاح کی یا مرمت کی ہے اور پھر دوسرے شخص کو دی ہے تو یہ منافع جائز ہے:

"وإذا استأجر دارا وقبضها، ثم آجرها، فإنه يجوز إن آجرها بمثل ما استأجرها أو أقل. وإن آجرها بأكثر مما استأجر، فهي جائزة أيضاً إلا أنه إن كانت الأجرة الثانية من جنس الأجرة الأولىٰ، فإن الزيادة لاتطيب له، ويتصدق بها. وإن كانت من خلاف جنسها، طابت له الزيادة. ولو زاد في الدار زيادةً كها لو وَتَدَ فيها وتداً أو حفر فيها بيراً أو طيناً أو أصلح أبوابها أو شيئاً من حوائط طابت له الزيادة. وأما الكنس فإنه لايكون زيادةً. وله أن يواجرها مَن شاء إلا الحداد والقصار والطحان وما أشبه ذلك مما يضر بالبناء ويوهنه، هكذا في السراج الوهاج، اهـ".

فتاویٰ عالمگیری: ٤/٤٣٥(١)۔

اس کے لئے یہ ناجائز ہے کہ وہ جائیداد کسی ایسے آدمی کو کرایہ پر دے جس کے رہنے اور کام کرنے سے اس جائیداد کو نقصان پہونچے، مثلاً: اگر وہ دکان یا مکان ہو تو اس کو لوہار یا آٹا پیسنے والے کو نہ دے کہ لوہار کی بھٹی اور کام سے اور آٹا پیسنے والے کی مشین سے دوکان اور مکان کی دیواروں اور چھت اور بنیادوں کو

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۲۵، الباب السابع في إجارة المستاجر، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۳/۱۴۵، باب الإجارة الفاسدة، امجد اكيڈمی لاهور).

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة، الباب السابع في إجارة المستأجر: ۴/۴۲۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة، ومايكون خلافا فيه: ۶/۲۹، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الإجارة: ۳/۱۴۵، امجد اكيڈمی لاهور)

نقصان پہنچتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

کرایہ دار سے قرض اور مکان خالی نہ کرنے کی شرط

سوال[۸۱۴۰]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ ایک مکان کچھ رقم بطورِ قرض مکان کو کرایہ پر لینے والے سے لینا چاہتے ہیں تو کرایہ دار یہ شرط کرلے کہ جب تک ہم رہنا چاہیں ہم سے خالی نہ کرانا اور نہ کرایہ بڑھانا۔ یہ شرط کیسی ہے؟ دراصل مالکِ مکان سابق کرایہ دار کے قرضدار ہیں، وہ کرایہ دار مکان خالی کرتے وقت اپنا قرض طلب کررہے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض لے کر سابق کرایہ دار کا معاملہ صاف کردینا درست ہے، مگر یہ شرط نہ کی جائے کہ جب تک ہم رہنا چاہیں مکان خالی نہ کریں گے(۱)۔ دوسری صورت ادائے قرض کی یہ بھی ہے کہ نئے کرایہ دار سے ایک رقم پیشگی کرایہ کے طور پر لے کر قرض ادا کریں، پھر وہ رقم کرایہ میں محسوب ہوتی رہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وتفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع، يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل، وكشرط طعام عبد و علف دابة ومرمّة الدار أو مغارمها و عشر أو خراج أو مؤنة ردّ". (الدرالمختار: ۶/۴۶، ۴۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"وكل شرط يخالف موجب العقد مفسدٌ للعقد". (المبسوط للسرخسي: ۱۶/۴۰، باب الإجارة الفاسدة، كتاب الإجارة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ الكاملية، ص: ۱۹۲، كتاب الإجارة، مكتبه حقانيه پشاور)

(۲) "تلزم الأجرة بشرط التعجل، يعني: لو شرط أن تكون الأجرة معجلةً، لزم المستأجر تسليمها". =

Made searchable using ScribeTools.com

کتابیں کرایہ پر دینا

سوال[۸۱۴۱]: ایک دکان دار جس کی آمدنی صرف کتابوں کو کرایہ پر دینے سے حاصل ہوتی ہے، اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے، کیا کتابیں کرایہ پر دینا گناہ ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کتابیں کرایہ پر دینا منع ہے اور اس اجارہ کو باطل قرار دیا ہے، بحوالہ مبسوط(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قُلی کو متعینہ مزدوری سے زیادہ لینا

سوال[۸۱۴۲]: میرے ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ ہم گورنمنٹ کے ملازم نہیں، بلکہ ہم سالانہ روپیہ اسٹیشن میں آنے جانے کے لئے جمع کرواتے ہیں اور ہم کو اس سے اسٹیشن پر کام کرنے کا اجازت نامہ مل جاتا ہے۔گورنمنٹ نے ۳/آنہ فی بستر مع بکس ریٹ مقرر کیا ہے،لیکن ہم اکثر مسافروں سے زیادہ لیتے

= (شرح المجلة لسيم رستم: ۱/۲۶۱، (رقم المادة: ۴۶۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"يعتبر و يراعى كل ما اشترط العاقدان فى تعجيل الأجرة و تأجيلها". (شرح المجلة: ۱/۲۶۵، (رقم المادة: ۴۷۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "ولو استأجر كتباً ليقرأ فيها، شعراً كان أو فقهاً، أو غير ذلك، لا يجوز، ولا أجر له وإن قرأ، وكذلك إجارة المصحف". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۴۹، الفصل الرابع فى فساد الإجارة إذا كان مشغولاً بغيره، رشيديه)

"ولو استأجر كتباً ليقرأ فيها، شعراً أو فقهاً، أو غير ذلك، لم يجز؛ لأن المعقود عليه فعل القارئ، والنظر فى الكتاب والتأمل فيه ليفهم المكتوب فعلُه أيضاً، فلا يجوز أن يجب عليه أجر بمقابلة فعله، ولأن فهم ما فى الكتاب ليس فى وسع صاحب الكتاب، ولا يحصل ذلك بالكتاب". (المبسوط للسرخسى: ۱۶/۴۰، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۵/۵۲۴، فصل فى ركن الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

ہیں جو ہمارے اور مسافروں کے درمیان طے ہو جائے۔ یہ زائد مزدوری لینا ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو جواز کی کیا صورت ہوگی؟

مولوی محمد شیرین صاحب مظاہری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پتہ چلنے پر گورنمنٹ مقدمہ نہ چلائے اور ذلیل نہ کرے تو جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہنڈی اور منی آرڈر

سوال[۸۱۴۳]: ہنڈی لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو منی آرڈر کرنا کیوں جائز ہے؟ منی آرڈر میں بھی جمع کردہ روپیہ مرسل الیہ کو نہیں ملتے۔

مولانا شائق پالنپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہنڈی کو فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ لکھا ہے، ردالمحتار: ٤/ ٢٩٥ (٢)۔ منی آرڈر کو بھی

---

(۱) اجارہ چونکہ مستاجر اور اجیر کے درمیان ان کی رضامندی سے طے شدہ عقد کا نام ہے، اس میں کسی ثالث کی دخل اندازی سے اس کی صحت پر- جب کہ صحیح ہو- کوئی اثر نہیں پڑتا۔

"وأما شرائط الصحة، فمنها رضا المتعاقدين، ومنها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلوماً علماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالةً مفضيةً إلى المنازعة يمنع صحة العقد، وإلا فلا". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/ ٤١١، كتاب الإجارة، رشيديه)

البتہ ریاستی جائز قوانین کی پابندی شرعاً ضروری ہے: "(أمر السلطان إنما ينفذ): أي يتبع، ولا تجوز مخالفته ..... صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب ..... وقدمنا أن السلطان لو حكم بين الخصمين، ينفذ في الأصح". (الدر المختار، كتاب القضاء: ٥/ ٤٢٢، سعيد)

(۲) "أفتىٰ المصنف ببطلان بيع الجامكية، لِمَا في الأشباه: بيع الدين إنما يجوز من المديون". (الدر المختار). "سئل عن بيع الجامكية، وهو: أن يكون لرجل جامكية في بيت المال و يحتاج إلىٰ =

Made searchable using ScribeTools.com

فتاویٰ رشیدیہ(۱)، فتاویٰ اشرفیہ وغیرہ میں منع لکھا ہے(۲)۔ البتہ امداد الفتاویٰ میں جواز کی تاویل بھی لکھی ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= دراهم معجلةٍ قبل أن تخرج الجامكية، فيقول له رجل: بعتنى جامكيتک التى قدرها كذا بكذا، أنقص من حقه فى الجامكية، فيقول له: بعتُک، فهل البيع المذكور صحيحٌ أم لا، لكونه بيع الدين بالنقد؟ أجاب: إذا باع الدين من غير مَن هو عليه الدين، لايصح". (ردالمحتار: ۵۱۷/۴، مطلب فى بيع الجامكية، كتاب البيوع، سعيد)

"إن كان السفتج مشروطاً فى القرض، فهو حرام، والقرض لهذا الشرط فاسد، وإلاجاز. وصورة الشرط كما فى الواقعات: رجلٌ أقرض رجلاً مالاً على أن يكتب له بها إلى بلد كذا، فإنه لا يجوز". (ردالمحتار: ۳۵۰/۵، كتاب الحوالة، سعيد)

(۱) ''بذریعۂ منی آرڈر روپیہ بھیجنا نادرست ہے اور داخلِ ربوا ہے۔ اور یہ جو محصول دیا جاتا ہے، نادرست ہے''۔ (فتاوی رشیدیہ: ۱۸۰/۱، باب: سود کے مسائل کے احکام، سعید)

(۲) ہنڈی کے بارے میں فتاوی اشرفیہ میں ناجائز لکھا ہے: ص: ۱۲۲۔

سوال: ''ہنڈوی ونوٹ میں بٹہ لینا دینا درست ہے یا نہیں''؟

الجواب: ''نہیں''۔ (فتاویٰ اشرفیه، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، سعيد)

منی آرڈر کے بارے میں لکھا ہے: ''الجواب: قاعدۂ کلیہ ہے: " الأقراض تُقضى بأمثالها" اور منصوص ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربا ہے..... البتہ بہت عرق ریزی سے اس قدر تاویل کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ فیس کو اجرت کتابت و روانگیٔ فارم کی کہا جاوے، اس سے حرمتِ تفاضل تو دفع ہوجاوے گی، مگر کراہتِ سفتجہ باقی رہے گی۔ واللہ اعلم''۔ (فتاوی اشرفیہ، ص: ۷۰، ۷۲، سعید)

(۳) امداد الفتاوی میں ہے: ''منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرے اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے دی جاتی ہے، اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے۔ اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لئے یہ تاویل کرکے جواز کا فتویٰ مناسب ہے''۔ (إمداد الفتاوى: ۱۴۶/۳، كتاب الربوا، عنوان: ''تحقیق منی آرڈر''، مكتبه دار العلوم كراچى)

Made Searchable by ScribeTools.com

کیا کرایہ دار دوکان دوسرے کرایہ دار کو زیادہ کرایہ پر دے سکتا ہے؟

سوال[۸۱۴۴]: ہمارے یہاں ایک صاحب ہیں، انہوں نے مسجد کی ایک دوکان کئی سال سے کرایہ پر لے رکھی ہے، بذاتِ خود وہ اس کو استعمال نہیں کرتے، بلکہ ہمیشہ دوسرا کرایہ دار رکھتے ہیں۔ دوکان کا کرایہ مسجد کو آٹھ روپے دیتے ہیں اور خود دکان دار سے پندرہ روپے وصول کرتے ہیں۔ اس طرح سات روپے ہر ماہ نفع کماتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ نفع لینا درست نہیں اگرچہ سود بھی نہیں، اگر دوکان پر کچھ خرچ کرکے، مثلاً: اس میں الماری، کواڑ، وغیرہ لگا کر اس کی حیثیت کو بڑھایا ہو تو اتنی حد تک نفع لینے کی اجازت ہے۔ کمیٹی کو اختیار ہے کہ اصل کرایہ دار کے معاملہ کو ختم کرکے شکمی کرایہ دار سے معاملہ کرے۔ اور کرایہ دار کو چاہیے کہ اپنا واسطہ درمیان سے ختم کر دے اور مسجد کی دکان سے خود اس طرح نفع نہ کمائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

جراح کا زخم اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لینا

سوال[۸۱۴۵]: آج کل جراح زخم کے اچھا ہونے تک کا ٹھیکہ لے لیتے ہیں تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں، اگر یہ جائز نہیں ہے تو اس کی کوئی جواز کی شکل بھی نکل سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ولو آجر بأكثر، تصدق بالفضل، إلا في مسألتين. إذا آجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئاً". (الدر المختار). "(قوله: أو أصلح فيها شيئاً) بأن جصصها، أو فعل فيها مسناةً، وكذا كل عمل قائم؛ لأن الزيادة بمقابلة ما زاد". (ردالمحتار: ۶/۲۹، باب ما يجوز من الإجارة و ما يكون خلافاً فيها، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/۴۲۵، الباب السابع في إجارة المستأجر، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۳/۱۴۵، كتاب الإجارة، امجد اكيڈمي لاهور)

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

بغیر معاملہ کئے زخم اچھا ہونے پر حق الخدمت اتنا ہی دیدیں جتنے کا ٹھیکہ ہوتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۵/۹۶ھ۔

جگہ کرایہ پر لینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ جگہ کسی دوسرے کی ہے

سوال[۸۱۴۶]: زید نے بکر سے ۶×۴ فٹ کی جگہ کرائے پر لی، یہ جانتے ہوئے ۱۱/ ہند کا اگر پینٹ(۲) کیا کہ بکر اس جگہ کا مالک ہے، ۲۰۰/ روپے ڈپازٹ کے دیئے(۳)۔ اس جگہ پر لکڑی کی دوکان بنوانے کے لئے زید نے بکر کو ۳۰۰/ روپیہ کی رقم دی اس وعدہ پر کہ بکر زید کو چند ماہ میں ۳۰۰/ روپیہ کی رقم واپس کردے گا، مگر بکر نے ۳۰۰/ روپیہ کی رقم بھی ڈپازٹ میں ہی جمع کرلی۔ دکان مکمل ہونے پر چند ماہ بعد کلکٹر کا نوٹس لگ گیا کہ دوکان غیر کی ہے اور زمین بھی گورنمنٹ کی ہے، اس کو فوراً نکالا جائے۔

زید نے گورنمنٹ سے ریٹ وربط کرکے قانونی طور پر گورنمنٹ کا کرایہ دار بن گیا اور بکر کو کرایہ دینا بند

---

(۱) "الفساد قديكون لجهالة قدر العمل بأن لايعين محل العمل، و قد يكون لجهالة قدر المنفعة بأن لا يبين المدة ..... فالفاسد يجب فيه أجر المثل و لا يزاد على المسمّٰى إن سمى فى العقد مالاً معلوماً، وإن لم يسم، يجب أجر المثل بالغاً ما بلغ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۳۹، الباب الخامس عشر فى بيان ما يجوز من الإجارة ومالا يجوز، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار: ۶/۴۵، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"سئل فى رجل به داء فى أنفه، اتفق مع طبيب على مداواته، وجعل له أجرةً، ولم يضرب لذلك مدةً، وداواه، فما الحكم؟ أجاب: للطبيب أجرة مثله و ما أنفق فى ثمن الأدوية لفساد الإجارة على الوجه المذكور". (الفتاوى الخيرية على هامش تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲/۱۸۲، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/۱۵۱، كتاب الإجارة، رشيديه)

(۲) "پینٹ:(Paint)رنگ، روغن"۔(فیروز اللغات، ص: ۳۳۱، فیروز سنز لاهور)

(۳) "ڈپازٹ:(Deposit)امانت، جمع کرنا"۔(فیروز اللغات، ص: ۶۷۷، فیروز سنز لاهور)

کردیا، بکر نے مقدمہ دائر کیا، مقدمہ میں بکر ہار گیا اور جج کے سوال پر کہ: ''جگہ تمہاری ہے، دوکان تم نے بنائی ہے''۔ بکر نے جواب دیا کہ: ''نہ دکان میری ہے، نہ جگہ''۔

زید مسلسل کرایہ گورنمنٹ کو دیتا رہا، چار سال بعد گورنمنٹ نے زید سے کرایہ لینا بند کردیا کہ یہ جگہ گورنمنٹ کی نہیں ہے، جو جگہ کا اصلی مالک ہے اس کو کرایہ دیا جائے۔ بہرحال بعد تحقیق کے معلوم ہوا اور جگہ کے مالک کا پادری دوکان پر آیا اور اس کی ملکیت کا اظہار کیا۔ زید نے پادری کو کرایہ دینا شروع کردیا اور پرچہ نادر نے کرایہ داری کا سرٹیفکیٹ زید کو دیا اور آج تک رسید ہے، لیکن زید کرایہ دے رہا ہے۔ بکر نے دوبارہ مقدمہ دائر کردیا ہے اس بناء پر کہ مس پالٹی میں جا کر عملے کے ٹیکس کا بل اپنے کام کرالیا ہے۔

آپ حضرات سے مشورہ طلب ہے کہ اصل مالک کس کو سمجھا جائے؟ اور زید کو اس دکان میں تجارت کرنا اس کو استعمال کرنا درست وجائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بکر شروع سے آج تک کا کرایہ مقدمہ کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور دوکان بھی خالی کرا کر اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ وہ تو کرایہ دار ہے، اول اس نے یہ سمجھا تھا کہ یہ جگہ اور دوکان بکر کی ہے، بعد میں جب جج کے سامنے بکر نے اپنی مِلک کا انکار کردیا تو اس سے ظاہر ہوا کہ دوکان بکر کی نہیں ہے۔ زید کرایہ دار ہے جب تک یہ ظاہر ہوا کہ دوکان بکر کی ہے اس کو کرایہ دیتا رہا، جب ظاہر ہوا کہ گورنمنٹ کی ہے اس کو کرایہ دیتا رہا، اب پتہ چلا کہ چرچ کی ہے تو پادری کو کرایہ دے رہا ہے۔ زید کو اس دوکان میں تجارت کرنا بحیثیتِ کرایہ دار درست ہے(۱)۔

---

(۱) "تصح اجارة حانوت: أی دکان ودارٍ بلا بیان مایُعمل فیها وبلا بیان من یسکنها". (الدر المختار، کتاب الإجارة، باب مایجوز من الإجاره ومایکون خلافا فیه: ۲۸/۶، سعید)

"ثم الأجرة تُستحق بإحدی معان ثلاثة إما بشرط التعجیل أو بالتعجیل أو باستفاء معقود علیه إذا وُجد أحد هذه الأشیاء الثلاثة فإنه یملکها". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الإجارة، الباب الثانی فی بیان أنه متی تجب الأجرة: ۴۱۳/۴، رشیدیه)

(وکذا فی شرح المجلة لسلیم رستم، کتاب الإجارة: ۲۶۳/۱، (رقم المادة: ۴۶۹)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

آئندہ اگر مقدمہ سے یہ ثابت ہوجائے کہ یہ کسی اَور کی ہے مثلاً بکر کی ہے (حالانکہ پہلے وہ اپنی ملکیت کا انکار کرچکا ہے) اوراس کے حق میں قانونی فیصلہ ہوجائے تو اس کو مطالبہ کا حق ہوگا (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ کا معاملہ ختم ہونے پر پیشگی لی ہوئی رقم کی واپسی

الاستفتاء [۸۱۴۷]: ۱.....میں ایک مسجد کا متولی ہوں۔مسجد کا ایک کمرہ کرایہ پر دینا تھا، دوگاہک آئے جن میں سے ایک نقد رقم دے رہے تھے اور دوسرے میرے پڑوسی تھے، ان کے پاس پوری رقم موجود نہ تھی مگر انہوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا، بالآخران سے سودا ہوگیا کہ کمرہ کا عطیہ ساڑھے پانچ ہزار روپے اور کرایہ ماہانہ چالیس روپے ہوگا۔معاملہ طے ہوچکا تھا، انہوں نے ساڑھے پانچ ہزار روپے بطور عطیہ دینا منظور کرلیا۔سودا طے ہونے کے ڈیڑھ ماہ بعد معذرت چاہی اور کمرہ کسی اَور کو کرایہ پر دینے کی درخواست کی۔

چونکہ وہ بقیہ ساڑھے چار ہزار روپئے مہیا نہ کرسکے اور مسجد کو دی ہوئی رقم واپس طلب کرنے لگے، ہم نے کہا کہ جب کوئی کرایہ دار کمرہ لے لے گا تب ہی رقم کا فیصلہ ہوگا۔انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ان سے سودا طے ہونے کے آٹھ ماہ بعد کمرہ کا دوسر کرایہ دار آگیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ان سے آٹھ ماہ کا کرایہ لیا جاسکتا ہے؟

۲.....انہوں نے جو رقم بطور عطیہ مسجد کو دی انہیں لوٹادی جائے۔شرعی نقطۂ نظر سے آگاہ کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....جب کہ کمرہ پر قبضہ نہیں رہا، تو ان سے اس مدت کا کرایہ وصول کرنا شرعاً درست نہیں، خاص کر جب کہ انہوں نے معذرت کرکے کمرہ دوسرے کو کرایہ پر دینے کے لئے کہہ دیا (۲)۔

---

(۱) "فقال البائع ولی بینة أنها كانت ملكاً لی منذ سنتين مثلاً وبرهن على ذلک، لاتندفع الخصومة، بل يقضى بها للمستحق .....للعلم بكونه ملک الغير لايمنع من الرجوع عند الاستحقاق".

(الدرالمختار، كتاب الاستحقاق: ۵/۲۰۲، سعيد)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم، كتاب البيوع، باب الاستحقاق: ۱/۲۲۷، ۲۲۹، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "ومنها: تسليم المستأجر فی إجارة المنازل ونحوها إذا كان العقد مطلقاً عن شرط التعجيل .....=

۲.....ایک ہزار کی رقم اگر چہ عطیہ کہہ کر دی ہے اور اس کی رسید بھی دی گئی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا مقصود حسبۃً للہ مسجد کی خدمت کرنا نہیں ہے، بلکہ اسی امید پر دی ہے کہ وہ کمرہ لیں گے، ان کو مسجد کا کمرہ ملے گا۔ اگر وہ محض خدا کے واسطے مسجد کو رقم دیتے تو اب واپسی کا مطالبہ نہ کرتے، لہٰذا یہ وہ پگڑی ہے جس کو مسجد کے لئے درست نہ سمجھتے ہوئے آپ نے اس کا نام عطیہ رکھ دیا، جس طرح بیعانہ جزوِ قیمت ہوتا ہے اور بیع کا معاملہ ختم ہو جانے پر اس کی واپسی شرعاً لازم ہوتی ہے، اسی طرح اس عطیہ کی واپسی بھی لازم ہے(۱)۔

جس طرح مسجد کے لئے پگڑی کو آپ درست نہیں سمجھتے، اسی طرح لی ہوئی رقم بھی مسجد کے لئے جبراً رکھنا درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۵ھ۔

دھوبی وغیرہ کی خدمت اور اجرت

سوال[۸۱۴۸]: بعض جگہ کا قاعدہ ہے کہ درزی، دھوبی، حجام، بڑھئی وغیرہ کو کچھ زمین بے لگان دے دیتے ہیں، یا وہ ان پر غلہ کی ایک خاص مقدار معین کر دیتے ہیں اور اس کے عوض میں اس سال بھر میں جتنی

= ويفى بالتسليم التخلية والقكين من الانتفاع برفع الموانع فى إجارة المنازل ونحوها ..... حتى لو انقضت المدة من غير تسليم المستأجر على التفير الذى ذكرنا، لايستحق شيئاً من الأجر؛ لأن المستأجر لم يملك من المعقود عليه شيئاً، فلا يملك هو أيضاً شيئاً من الأجر؛ لأنه معاوضة مطلقة".

(بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، فصل فى شرائط الركن: ۵/۵۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارات: ۵/۱۱، رشيديه)

(۱) "ونهى عن بيع العربان أن يقدم إليه (أى البائع) شئ من الثمن، فإن اشترى، حسب من الثمن، وإلا فهو له مجاناً، وفيه معنى الميسر". (حجة الله البالغة، المبحث: البيوع المنهى عنها، باب بيوع فيها معنى الميسر: ۲/۲۸۸، قديمى)

"اطمینان کے لئے بیعانہ لینے یا دینے کا تو مضائقہ نہیں، مگر مشتری لینے سے انکار کر بیٹھے تو بیعانہ کی واپسی واجب ہے اور اس کا دبا لینا ظلم اور غصب میں داخل ہے"۔ واللہ اعلم۔ (إمداد الأحكام، كتاب البيوع، عنوان: بيعانہ كى رقم ضبط كر لينا ظلم اور غصب ہے: ۳/۳۶۷، مكتبه دارالعلوم كراچى)

Made Se[Made searchable using ScribeTools.com]pols.com

مرتبہ کام کی ضرورت پڑتی ہے کام لیتے رہتے ہیں، خواہ وہ آمدنی اس کے کام کی سالانہ اجرت سے کم ہو یا زیادہ، اگر وہ خوشی سے اس کو کرتا ہے۔ برائے مہربانی جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: محمد نعیم بستوی، موضع گڑھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں چونکہ عمل کی تفصیل معلوم نہیں ہوتی جس سے نزاع پیدا ہوتا ہے، لہذا یہ اجارہ فاسدہ ہوتا ہے، لیکن اگر کسی جگہ اس کا عرف عام ہے اور اجیر ومستأجر معاملہ کو بوقتِ عقد اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں اور کوئی جہالت مفضی الیٰ النزاع باقی نہیں رہتی تو وہاں اس معاملہ کو جائز کہا جائے گا(۱):

"ومنها أن يكون المعقود عليه –وهو المنفعة– معلوماً يمنع المنازعة، فإن كان مجهولاً جهالةً مفضيةً للمنازعة، يمنع صحة العقد، وإلا فلا". فتاوى عالمگيرى: ۱/۱۰۸۸(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۴/۵۴ھ۔

ملازم کو سفرِ خرچ کی جعلی رسید بنانا

سوال[۸۱۴۹]: میں ایک سرکاری ملازم ہوں، میرے اور متعلقین کے لئے ایک قاعدہ مقرر ہے

---

(۱) والعرف فی الشرع له اعتبار لذا علیه الحکم قدیدار

"السادسة: العادة محكمة وأصلها قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم " مارآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن" واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه فى مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلک أصلاً، فقالوا: تترک الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة". (رسائل ابن عابدين، رسالة شرح عقود رستم المفتى: ۱/۴۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۱، كتاب الإجارة، الباب الأول، رشيديه)

"ويفسدها، كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل". (الدرالمختار: ۶/۴۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

"منها أن يكون المعقود عليه –وهو المنفعة– معلوماً علماً يمنع من المنازعة". (بدائع الصنائع: ۵/۵۳۸، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

اس کے مطابق سفرخرچ ملتا ہے، سامان کی منتقلی کے لئے بھی ایک قاعدہ مقرر ہے، اس کے موافق خرچ ملتا ہے، لیکن اس کی توثیق کے لئے ہمیں رسید دینی پڑتی ہے۔ عموماً سامان بستی سے تھوڑا تھوڑا لایا جاتا ہے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا ہے، لیکن سفرِ خرچ کی برآورد اس ماہ کے ختم سے پہلے داخل کرنا ضروری ہے، ورنہ تنخواہ میں سے جو رقم بضمنِ سفرخرچ پیشگی لی گئی تھی منہا کرلی جاتی ہے۔

لہٰذا اب برآورد کے ساتھ جعلی رسید منتقلی سامان کی دینی پڑ رہی ہے اور مزید ایک سامان کی فہرست کی دینی پڑتی ہے جس میں بناوٹی سامان رہتا ہے، یہ عام رواج سرکاری ملازمین کا ہے۔ اب سرکار سے مقررہ قاعدہ کے اعتبار سے جعلی رسید دے کر خرچ برائے منتقلیٔ سامان لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنا روپیہ خرچ ہوگا وہ خرچ اگر پیشگی دے کر اس کی رسید حاصل کرلی جائے اور وہ داخل کردی جائے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۵ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتاكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم﴾ (سورة المائدة: ۲۹)

"عن أبى حرة الرقاشى عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لاتظلموا، ألا! لايحلّ مال امرئ إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقى فى "شعب الإيمان، والدارقطنى فى "المجتبى". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ص: ۲۵۵، قديمى)

Made searchable using ScribeTools.com

باب أجرة الدلال والسمسار

(دلالی کی اجرت کا بیان)

بائع ومشتری دونوں سے دلالی کی اجرت

سوال[۸۱۵۰]: بائع ومشتری دونوں سے دلالی لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

دونوں طرف سے دلالی جائز ہے جبکہ عرف، ہو اصالۃً دلالی کا معاملہ ناجائز ہے، مگر حاجت اور عرف کی بناء پر فقہاء نے اجازت دی ہے اور یہ اجازت اپنے عموم کی حیثیت سے یکطرفہ دوطرفہ سب کو شامل ہے، کذافی الشامی، کتاب الإجارۃ(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ربیع الثانی/ ۶۴ھ۔

---

(۱) "قال فی التاتارخانیة: و فی الدلال والسمسار یجب أجر المثل، و ما تواضعوا علیه أن فی کل عشرة دنانیر کذا، فذلک حرام علیهم. وفی الحاوی: سُئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن کان فی الأصل فاسداً، لکثرة التعامل. وکثیرٌ من هذا غیر جائز، فجوّز لحاجة الناس إلیه". (ردالمحتار: ۶۳/۶، مطلب فی أجرة الدلال، سعید)

"و فی الدلال والسمسار یجب أجر المثل ..... دفع ثوباً إلیه وقال: بعْه بعشرة، فما زاد، فهو بینی و بینک ..... و لو باع باثنی عشر أو أکثر، فله أجر مثل عمله، وعلیه الفتویٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۵۰/۴، ۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱۱۶/۳، الفصل الثانی فی صحة الإجارة وفسادها، جنس آخر فی المتفرقات، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی المبسوط للسرخسی: ۱۵/ ۱۲۸، ۱۲۹، باب السمسار، مکتبه غفاریه کوئٹه)

اجرتِ دلال

سوال[۸۱۵۱]: عمر نے ایک مکان تعمیر کیا، اس کے لئے اس کو لوہے کی ضرورت پیش آئی اور وہ ایک تجربہ کار شخص کو ساتھ لے کر لوہا خریدنے گیا، وہاں ۵۰۰۰/ روپے کا لوہا خریدا۔ بعد کو اس سے معلوم ہوا کہ دوکاندار نے اس تجربہ کار شخص کو ۵۰/ روپئے دیئے، کیونکہ وہ اس کی دکان پر گاہک کو لے گیا تھا، یا جو بھی ان کے مابین طے ہو۔ تو یہ کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ روپیہ اس شخص کے لئے درست ہے، اس کی کوشش اور محنت کا عوض ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

دلالی کا حکم

سوال[۸۱۵۲]: دلالی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ زید سے بائع ومشتری دونوں الگ الگ کچھ رقم دینے کو کہیں۔ مثلاً: بائع نے تو یہ کہا کہ اگر ہمارا پھل سو روپیہ کا بکوادو تو پانچ روپیہ ہم تم کو دیں گے۔ اور مشتری نے کہا کہ اگر یہ پھل ہم کو ایک سو پانچ میں خریدو گے تو ہم پانچ روپیہ تم کو دیں گے تو دلال کو پانچ پانچ روپیہ بائع اور مشتری دونوں کی جانب سے ملے، اس کے علاوہ ایک سو پانچ میں سے پانچ اَور ملے۔ تو اس تیسری رقم کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دلال سو روپے میں خرید کر ایک سو پانچ روپے میں بیچ دے تو یہ جائز ہے، مگر اس صورت میں صرف پانچ

---

(۱) "و فی الدلال والسمسار یجب أجر المثل ..... دفع ثوباً إلیه وقال: بعْه بعشرة، فما زاد فهو بینی و بینک ..... و لو باع باثنی عشر أو أکثر، فله أجر مثل عمله، وعلیه الفتویٰ". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۵۰، ۳۵۱، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشیدیه)

(و کذا فی ردالمحتار: ۶/۶۳، کتاب الإجارة، مطلب فی أجرة الدلال، سعید)

(و کذا فی المبسوط للسرخسی: ۱۵/۱۲۸، ۱۲۹، باب السمسار، مکنبه غفاریه کوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

روپے کا نفع ہوا اور دلالی کی صورت نہیں ہوئی۔ دلالی یہ ہے کہ بائع ومشتری کے درمیان معاملہ کرایا جائے، اس میں بائع ومشتری دونوں کو ثمن (قیمت) معلوم ہوتی ہے(۱) اور دلال کو اس ثمن کے علاوہ اجرت ملتی ہے، خواہ وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت میں متعین ہو، خواہ اس طرح کہ فیصد دس روپے یا فی روپیہ ایک آنہ اجرت مقرر کی جائے، وہ اجرت درست ہے جس قدر بھی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کسی دوسرے خریدار کو دھوکہ دینے کے لئے قیمت میں کمی زیادتی کرنا

سوال[۸۱۵۳]: خالد پاکستان سے بکریوں کا کاروبار کرتا ہے اور دلالی وصول کرتا ہے۔ دلالی دو قسم کی ہوتی ہے: بکری والے سے یہ طے کرے کہ میں تیری بکری فروخت کروادوں گا اور ہر بکری پر پچاس روپے مجھے چاہیے، اس پر اتفاق ہو جائے اور جتنی بکری بکوائے ہر ایک کے بدلے پچاس روپے بکری والے سے وصول کرلے۔

دوسری قسم جو آج کل عام ہے: بکری والا بازار میں کھڑا ہے، ایک طرف دو آدمی اس بکری کو خریدنا چاہتے ہیں، وہ قریب میں کھڑے ہیں، پہلے وہ بکری کی قیمت بھی معلوم کر چکے ہیں، بکری کی اصلی قیمت چار سو روپے سے زائد نہیں۔ دو آدمی آتے ہیں، بکری والا ان سے پانچ سو ہی مانگتا ہے، وہ دونوں آدمی دو تین چکروں میں اس کی قیمت ۴۰۰/سو تک پہنچا دیتے ہیں اور حقیقت میں خریدار نہیں ہیں۔ اب جو آدمی بکری خریدنا چاہتے ہیں، یہ دیکھ کر اس بکری کو خرید لیتے ہیں اور انھوں نے بکری والے سے قیمت بڑھانے پر جو طے کیا تھا وہ لے لیتے

---

(۱) "والسمسار اسمٌ لمن يعمل للغير بالأجرة بيعاً و شراءً". (المبسوط للسرخسي: ۱۲۸/۱۵، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۲۹۳، الصدف پبلشر كراچی)

(۲) "و في الدلال والسمسار يجب أجر المثل ..... دفع ثوباً إليه وقال: بعْه بعشرة، فمازاد فهو بيني و بينك ..... و لو باع باثني عشر أو أكثر، فله أجر مثل عمله، وعليه الفتوىٰ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۵۰/۴، ۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۶۳/۶، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱۱۶/۳، الفصل الثاني، جنس آخر في المتفرقات، امجد اكيڈمی لاهور)

Made Searchable by ScribeTools.com

ہیں۔کیا یہ اجرت وکمیشن جائز ہے، یا پہلی قسم والی اجرت جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پہلی قسم جائز ہے(۱)، دوسری قسم دھوکا اور فریب کا معاوضہ ہے، ناجائز ہے، حدیث پاک میں ایسے فریب کی ممانعت وارد ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۱۴۰۶ھ۔

سود سے بچنے کے لئے دلال کی اجرت میں اضافہ

سوال[۸۱۵۴]: ایک تاجر کچھ کپڑے کا بیوپار کرتا ہے اور وہ دہلی جا کر دلال کی معرفت کپڑا خریدتا ہے اور وہ دلال کو مبلغ ایک سو روپیہ سیکڑہ آڑت یا مزدوری دیتے ہیں اور اگر کچھ روپیہ ادھار رہتا ہے تو وہ اس پر سیکڑہ کی سود لگاتے ہیں، کیونکہ دلال لوگ بازار سے مال خریدتے ہیں، اگر بازار والوں کے روپیہ رہتے ہیں تو وہ ان سے سود لیتے ہیں اور دلال لوگ ہم سے لیتے ہیں۔اب اگر ہم بجائے سود کے ان کی آڑت یا مزدوری بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ دیویں اور یہ کہہ دیں کہ ہم سود نہیں دیں گے۔

ہم اگر وہ آڑت یا مزدوری ایک روپیہ میں ڈیڑھ دے دیں تو وہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ بھی ناجائز ہو

---

(۱) (راجع، ص: ۶۱۹، رقم الحاشية: ۲)

(۲) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم- وقال فتيبة يبلغ به النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم- قال: "لا تناجشوا". و قال الترمذی: والعمل علی هذا عند أهل العلم كرهوا النجش، والنجش أن يأتی الرجل الذی يبصر السلعة إلی صاحب السلعة، فيستام بأكثر مما تسویٰ، و ذلک عند ما يحضره المشتری يريد أن يغترّ المشتری به و ليس من رأيه الشری، إنما يريد أن ينخدع المشتری بما يستام، وهذا ضرب من الخديعة". (جامع الترمذی: ۱/۲۴۴، أبواب البيوع، باب فی كراهة النجش، سعيد)

(والصحيح لمسلم: ۲/۳، كتاب البيوع، قديمی)

"وكره النجش ..... أن يزيد، ولا يريد الشراء، ويمدحه بما ليس فيه، ليروّجه. ويجری فی النكاح وغيره". (الدرالمختار: ۵/۱۰۱، باب البيع الفاسد، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/۲۱۰، الباب العشرون فی البياعات المكروهة، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

جاوے تو کوئی اَور سبب بتلاؤ جس سے ہم سود دینے سے بری رہیں اور ہمارے کام چل جاویں۔ اور پھر دلال ہم سے یہ کہتے ہیں کہ بجائے ایک روپیہ کے دو روپیہ آڑت یا مزدوری دے دو تو ہم سود چھوڑ دیویں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

طریقۂ مروجہ پر دلال کی اجرت ناجائز ہے(۱)۔ جواز کی صورت یہ کہ دلال کو ایک یا آدھے دن کے لیے اجرت طے کر کے بطورِ مزدور کے رکھ لیا جائے اور اس دن میں اس سے کپڑا خرید والیا جائے اور اجرتِ مقررہ دے دی جائے۔ اب خریدار اور دلال آپس میں جو چاہیں طے کرلیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲)، کذافی سکب الأنهر (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

نیلام کرنے کی اجرت

سوال[۸۱۵۵]: ایک شخص دوسرے شخص کے پھل نیلام کرتا ہے اور نیلام کرائی مالک کی رضامندی

---

(۱) "ما حرم أخذه حرم إعطاءه". فأخذ الرشوة ممنوع كإعطائها، ومثل ذلك الربا وأجرة النائحة". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۳، (رقم المادة: ۳۳)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"المعروف بين التجار كالمشروط بينهم". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۸، (رقم المادة: ۴۴)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وإن استأجره يوماً إلى الليل بأجر معلوم ليبيع له أو يشترى له، فهذا جائز؛ لأن العقد يتناول منافعه هنا، وهو معلوم ببيان المدة، والأجير قادر على إيفاء المعقود عليه". (المبسوط للسرخسي: ۱۵/۱۲۸، باب السمسار، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في النتف في الفتاوى، ص: ۳۴۹، من كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۴۰، نوع في المتفرقات، كتاب الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۵/۶۵۶، كتاب المضاربة، سعيد)

(۳) "والسمسار" المتوسط بين البائع والمشترى (يجبران عليه)؛ لأنهما يعملان بأجرة عادة بلا استيجار؛ إذ لو استاجر ليبيع أو ليشترى، لم يجز؛ لأنه لايتم الا بغيره، والحيلة أن يستاجره للخدمة يوماً، ويستعمله في البيع والشراء، ولو عمل بلا شرط وأعطاه شيئاً لابأس به، وبه جرت العادة". (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۵۸، كتاب المضاربة، إمداديه ملتان)

سے ہر گچھے(۱) سے دو کیلے نیلام کرنے سے قبل نکال لیتا ہے۔ کیا اس کی آمدنی درست ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کمیشن پر نیلام

سوال[۸۱۵۶]: ۱.....میرے ایک عزیز دوست نے ایک آڑتھ (فرم) از قسم میوہ جات پھل وغیرہ کی کھولی ہے، یعنی وہ کمیشن ایجنٹ ہیں کہ جو مال ان کی دکان آڑتھ پر فروخت کرنے کو لاتے ہیں تو اس مال پر اپنے مالکوں سے بولی بُلوا کر فروخت کرواتے ہیں، جس بیوپاری کی بولی زیادہ رقم کی ہوتی ہے اور مالک اس پر رضامند مال دینے پر ہوتا ہے، اس خریدار (بیوپاری) کے نام بولی ختم کر کے مال اس بیوپاری کو دے دیتے ہیں۔ پھر اس روپیہ کو لے کر ایک مال کو ادا کرتے ہیں۔ اور اگر بیوپاری کے پاس اس وقت ادا کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہے تو مالکِ آڑتھ (فرم) اپنے پاس سے مالکِ مال کو روپیہ ادا کر دیتے ہیں اور پھر بعد میں اس سے اپنا روپیہ جب وہ دیتا ہے تو لے لیتے ہیں۔ ہر دو صورت میں بیوپاری یعنی خریدار مال سے علاوہ اصل رقم مال کے ایک آنہ فی روپیہ بطورِ کمیشن مال اس سے مالکِ فرم لیتے ہیں۔

مال کی بولی یعنی نیلام کرانے کے لئے مالک فرم (آڑتھ) کے ملازم رکھتے ہیں اور حساب وغیرہ کے لئے بھی ملازم ہے، ان سب کی تنخواہ جو مال بِکوانے پر کمیشن ملتا ہے اس رقم سے ادا کرتے ہیں اور دوکان کا دیگر خرچہ اور اپنا خرچ بھی اسی کمیشن والی رقم آمدنی سے خرچ کرتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں مالکِ مال کی اشیاء

---

(۱) ''گچھا: پھولوں کا گچھا، مجموعہ''۔ (نور اللغات، ص:۹۴۱، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۲) "رجل أراد أن يبيع بالمزايدة، فأمر رجلاً لينادي، ثم يبيع صاحبه، فنادى ولم يبع، قالوا: إن بين لذلك وقتاً، جازت الإجارة، فله الأجر المسمى. وكذا إن لم يذكر الوقت و لكن أمره أن ينادي كذا صوتاً، جاز أيضاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع في فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۵/ ۱۲۸، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

نیلام کروا کر خریدار مال سے اصل رقم مال کے علاوہ ایک آنہ فی روپیہ کے حساب سے زائد بطور کمیشن لینا مالک فرم کو جائز ہے یا نہیں؟

۲.....اس طرح سے کمیشن مال فروخت کرنے پر خریدار سے لینا سود ہے یا نہیں؟

۳.....اس کمیشن سے آمدنی والے روپیہ پر زکوۃ دینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....جائز ہے(۱)۔

۲..... یہ سود نہیں ہے، بلکہ دلالی کی اجرت ہے جس کو شامی میں درست لکھا ہے(۲)۔

۳..... یہ روپیہ ملک میں داخل ہے، حسبِ قواعدِ شرعیہ دیگر مملوکہ روپیہ کی طرح اس پر بھی زکوۃ لازم ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۵/ ۸۹ھ۔

کمیشن پر سفیر رکھنا

سوال[۸۱۵۷]: مدرسہ کی وصولی کرنے پر چوتھائی یا تہائی حصہ جو محصلین وعاملین کو دیا جاتا ہے، کیسا

---

(۱) "رجل أراد أن يبيع بالمزايدة، فأمر رجلاً لينادى، ثم يبيع صاحبه، فنادى و لم يبعْ، قالوا: إن بين لذلك وقتاً، جازت الإجارة، فله الأجر المسمى. وكذا إن لم يذكر الوقت و لكن أمره أن ينادى كذا صوتاً، جاز أيضاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۵۱، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع فى فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا فى المبسوط للسرخسى: ۱۵/ ۱۲۸، باب السمسار، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "و فى الدلال والسمسار يجب أجر المثل، و ما تواضعوا عليه أن فى كل عشرة دنانير كذا، فذلك حرام عليهم. وفى الحاوى: سُئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان فى الأصل فاسداً، لكثرة التعامل. وكثيرٌ من هذا غير جائز، فجوّز لحاجة الناس إليه". (ردالمحتار، كتاب الإجارة: ۶/ ۶۳، مطلب فى أجرة الدلال، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۵۰، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع، رشيديه)

ہے، کونسی صورت جائز ہے؟ دیوبند میں کیسا نظام ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ طریقہ ناجائز ہے، یہ اجارہ فاسد ہے، دو وجہ سے: ایک بوجہ جہالتِ اجر، اور دوسرا اس لئے کہ اس میں اجرت عملِ اجیر سے حاصل ہوتی ہے:

"وشرطها كون الأجر والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة".

درمختار علىٰ هامش ردالمحتار: ٥/٤(١)۔

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أي بنصفه الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره، بجزءٍ من عمله". الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٥/٤٨(٢)۔

جائز صورت یہ ہے کہ ان کی تنخواہ مقرر کردی جائے اور یہ کہا جاوے کہ اگر ہزار روپے لاؤ گے تو پچاس روپے علاوہ تنخواہ کے مزید انعام دیا جائے گا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۸ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/۴۱۱، الباب الأول في تفسير الإجارة، شروط الإجارة، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۲۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "والحيلة أن يفرز أولاً، أو يسمي قفيزاً بلا تعيين، ثم يعطيه قفيزاً منه، فيجوز". (الدرالمختار: ۵۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵/۵، النوع الثالث في الدواب، الإجارة الفاسدة، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

کمیشن پر سفیر رکھنا

سوال[۸۱۵۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

ایک دینی عربی مدرسہ ہے جس میں قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ کی درس نظامی کے تحت تعلیم ہوتی ہے، طلبہ مستطیع وغیر مستطیع دونوں قسم کے پڑھتے ہیں، غریب طلبہ کو کھانا، نقد وظیفہ، کپڑا وغیرہ دیا جاتا ہے۔ مدرسہ سے متعلق کچھ وقف جائیداد بھی ہے۔ زیادہ تر ضروریات چندہ سے پوری ہوتی ہیں جس کے لئے تنخواہ دار سفیر مقرر ہیں، مگر سفیر پوری محنت نہیں کرتے جس کی وجہ سے آمدنی کم ہوتی ہے۔

ایک صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ چندہ وصول کرنے کے لئے کمیشن کا معاملہ کرلیا جائے، یعنی جتنا روپیہ جو سفیر وصول کرکے لائے اس کا نصف اس کو اجرت میں دے دیا جائے، یہی اس کی تنخواہ ہو، اس سے آمدنی زیادہ ہوگی، متعینہ تنخواہ کا معاملہ نہ کیا جائے۔

اب گذارش ہے کہ اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟ امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے، فقہی عبارات میں سے بھی حوالہ نقل فرمادیں تو عینِ کرم ہوگا۔

مولوی شبیر احمد، مہتمم مدرسہ دارالعلوم ذکریا لینز، جنوبی افریقہ، ۳/۶/۱۴۱۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ کتاب الاجارہ کا ہے، اجارہ کی تعریف یہ ہے: "هی تمليك نفعٍ مقصودٍ من العين بعوضٍ، اه". درمختار: ۵/۲(۱)۔

"كل ما صلح ثمناً: أی بدلاً فی البيع، صلح أجرةً؛ لأنها ثمن المنفعة ولا ينعكس كلياً، فلا يقال: مالا يجوز ثمناً لا يجوز أجرةً، لجواز إجارة المنفعة بالمنفعة إذا اختلف، اهـ". درمختار: ۵/۳(۲)۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۶/۷۷، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)

وكذا فی مجمع الأنهر: ۳/۵۱۱، كتاب الإجارة، إمداديه ملتان)

(۲) (الدرالمختار: ۶/۴، كتاب الإجارة، سعيد) ..... =

جس طرح بیع میں مبیع وثمن کا معلوم ہونا ضروری ہے، اسی طرح اجارہ میں منفعت واجر کا معلوم ہونا ضروری ہے:

"وشرطها كون الأجرة و المنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضى إلى المنازعة، اهـ".

درمختار۔ "الكلام فيهما وفى صفتهما كالكلام فيهما فى البيع. اهـ". شامى: ٥/٣(١)۔

منفعت معلوم ہونے کی صورت مثلاً یہ کہ قلی سے کہا جائے کہ یہ سامان فلاں جگہ پہونچادو، یا مثلاً معمار سے کہا جائے کہ اتنے گز طویل وعریض دیوار تعمیر کردو، یا مثلاً سقے سے کہا جائے (۲) کہ مشک میں پانی لے کر مسجد کے حمام میں بھردو، یا مثلاً یہ مکان ایک ماہ سکونت کے لئے دے دو وغیرہ وغیرہ:

"ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدةً كذا، والعمل كالصياغة والصبغ والخياطة، ويعلم أيضاً بالإشارة كنقل هذا الطعام إلى كذا، اهـ". درمختار: ٥/٤(٣)۔

جو شرط اقتضائے عقد کے خلاف ہو، اس سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے، جیسے بیع فاسد ہوجاتی ہے مبیع یا ثمن کے مجہول ہونے سے اسی طرح اجارہ فاسد ہوجاتا ہے اجرت یا ماجور کے مجہول ہونے سے:

"تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد، فكل ما أفسد البيع، يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة، اهـ". درمختار: ٥/٢٩(٤)۔

بیع ایسی چیز کی درست نہیں جس کو مشتری کے سپرد کرنے کی قدرت نہ ہو، جیسے ہَوا میں اڑنے والا پرندہ، یا جنگل میں چرنے والا ہرن، یا دریا میں مچھلی، الّا یہ کہ ان کو پکڑ کر قابو میں کرلے۔ اسی طرح ایسی چیز کو ثمن قرار

= (وكذا فى شرح المجلة لسليم رستم: ١/٢٦٠، الباب الثالث، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(١) (الدرالمختار: ٦/٥، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ٥/٥٣٩، باب شروط الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) "سقہ: پانی پلانے کا پیشہ کرنے والا"۔(نور اللغات، ص: ٣٤٦، سنگ میل پبلی کیشنز لاهور)

(٣) (الدرالمختار: ٦/٦، ٧، كتاب الإجارة، سعيد)

(٤) (الدرالمختار: ٦/٤٦، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/٤٤٢، الفصل الثانى فيما يفسد العقد فيه لمكان الشرط، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

دیناہی درست نہیں جس کے تسلیم پر قدرت نہ ہو، یہی حال اجارہ کا ہے۔ایسی منفعت کا اجارہ درست نہیں جس پر اجیر کو قدرت نہ ہو اور ایسی چیز کو اجرت قرار دینا درست نہیں جس پر مستاجر کو قدرت نہ ہو۔

نیز جو چیز اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی اس کو اجرت قرار دینا بھی درست نہیں:

"استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسد فى الكل، اهـ". درمختار۔ "لأنه استأجره بجزءٍ من عمله: أى ببعض ما يخرج من عمله، والقدرةُ على التسليم شرط و هو لا يقدر بنفسه. زيلعى، اهـ". شامى: ۳۶/۵(۱)۔

سفیر کا کام اگر روپیہ وصول کر کے لانا تجویز کیا جائے تو یہ اجارہ درست نہ ہوگا، کیونکہ یہ کام اس کے اختیار اور قابو سے باہر ہے، اس کو قدرت نہیں کہ وہ لوگوں کی جیب سے روپیہ نکال کر لے آئے:

"لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". الحديث(۲)۔

اس کو روپیہ ملنا اربابِ اموال کے دینے پر موقوف ہے تو یہاں اجارہ ایسے عمل پر ہے جو اجیر کے اختیار سے خارج ہے، اس کے اختیار میں لوگوں کے پاس جانا اور مدرسہ کی ضروریات بتا کر چندہ کی ترغیب دینا ہے، مگر اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کہ کتنے گھنٹے روزانہ لوگوں کے پاس جانا ہے، لہذا یہ منفعت بھی مجہول ہے، اور اجرت ایسی چیز کو قرار دیا جائے گا جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی، وقتِ معاملہ وہ معدوم ہے، مستاجر کے پاس نہیں، اس کو تسلیم کرنے پر مستاجر کو قدرت نہیں۔ یہ بھی معلوم و متعین نہیں کہ کتنا چندہ سفیر کی ترغیب سے حاصل ہوگا، اس لئے اس کا نصف بھی معلوم و متعین نہیں۔ پس اجرت و ماجور دونوں مجہول ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ روپیہ وصول ہو جائے اور سفیر زیادہ رقم کا مستحق قرار پائے اور

---

(۱) (ردالمحتار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسده ، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۱۲۷/۶، ۱۲۸، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى المبسوط للسرخسى: ۳۷/۱۶، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "قال: أخبر أبو بكر ..... عن أبى على بن زيد عن أبى حرة الرقاشى عن عمه رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: " لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". (السنن الكبرىٰ للبيهقى: ۳۸۷/۴، (رقم الحديث: ۵۴۹۲) ، دارالكتب العلميه بيروت)

(ومشكوة المصابيح ، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثانى: ۲۵۵/۱، قديمى) =

یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ وقت اور محنت میں بھی تھوڑا روپیہ ملے، یا بالکل نہ ملے اور سفیر تھوڑی رقم کا حقدار قرار پائے، یا بالکل ہی محروم رہے، اس کا نتیجہ بھی معلوم۔

جن صاحب نے کمیشن کا مشورہ دیا ہے ان کو یہ تحریر دکھا کر مکرر مشورہ کر کے مجھے بھی مطلع کر دیں، تاکہ مجھے بھی مکرر غور کرنے کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم دے۔ فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، جنوبی افریقہ، ۵/ ۶/ ۱۴۱۰ھ۔

کمیشن پر مدرسہ کے لئے سفیر مقرر کرنا

سوال[۸۱۵۹]: ایک مدرسہ کا چندہ وصول کرنے کے لئے ایک محصل رکھا ہے، شرط یہ ہے کہ جو کچھ وہ وصول کرے گا اس کا نصف یا ثلث اس کو دیا جائے گا۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

=عربی عبارات کا ترجمہ:

۱- کسی چیز کے بدلہ ایسے نفع کا مالک بنانا جو عین سے مقصود ہو۔

۲- ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بن سکے وہ اجرت بن سکتی ہے، اس لئے کہ اجرت منفعت کی ثمن ہوتی ہے اور اس کا عکس کلی نہیں ہوسکتا کہ ہر وہ چیز جو ثمن نہ بن سکے وہ اجرت بھی نہ بن سکے گی، چونکہ منفعت کو منفعت کا اجارہ بنایا جاسکتا ہے جب کہ دونوں منفعت الگ الگ ہوں۔

۳- اور اجارہ کی شرط یہ ہے کہ اجرت اور منفعت دونوں معلوم ہوں اس لئے کہ ان دونوں کی جہالت سے جھگڑا پیدا ہوگا۔

۴- اور نفع معلوم ہوگا مدت کے بیان سے، جیسے اتنے دن اس مکان میں رہے گا، یا اتنی مدت اس زمین میں کھیتی کرے گا۔ اور نفع معلوم ہوگا عمل سے بھی، جیسے سنار کا کام یا کپڑے رنگنے کا کام یا کپڑے سینے کا کام۔ اور کبھی نفع کا علم اشارہ سے ہوتا ہے کہ اس کھانے کو وہاں لے جانا ہوگا۔

۵- اجارہ ایسی شرط سے فاسد ہوجاتا ہے جو عقد کے مقتضیٰ کے خلاف ہو، پس ہر ایسی چیز جس سے بیع فاسد ہوجائے اس سے اجارہ بھی فاسد ہوجائے گا، جیسے شیٔ ماجور کی جہالت یا اُجرت کی جہالت۔

۶- ایک خچر کرایہ پر لیا، تاکہ اس پر کھانے کا سامان لاد کر لائے اور کچھ اس میں سے کھانا اس کی اجرت مقرر کی، یا بیل کرایہ پر لیا آٹا پیسنے کے لئے اور اس میں سے کچھ اجرت ٹھہرایا تو سب صورتوں میں اجارہ فاسد ہے، اس لئے کہ اجرت اس پر ٹھہرایا ہے جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی۔ اجرت کے سپرد کرنے پر قادر ہونا شرط ہے اور خود اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

۷- کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوشی کے حلال نہیں (الحدیث)۔

Made searchable using ScribeTools.com

الجواب حامداًومصلیاً:

ناجائزہے: "ومنها (أی من شروط صحة العقد) أن تكون الأجرة معلومةً". عالمگیری: ۳/۱۰۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپو، ۱۰/۳/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

کمیشن پر چندہ

سوال[۸۱۶۰]: ہمارے یہاں مدرسہ کا چندہ ہوتا ہے، اس میں سفراء کمیشن بھی لیتے ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے، اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح معاملہ کرنا کہ جس قدر چندہ لاؤ گے اس میں سے نصف یا ثلث وغیرہ تم کو ملے گا، شرعاً درست نہیں، اس میں اجرت مجہول ہے۔ نیز اجرت ایسی چیز کو قرار دیا گیا ہے جو عملِ اجیر سے حاصل ہونے والی ہے کہ یہ دونوں چیزیں شرعاً مفسدِ اجارہ ہیں:

"وتفسد الإجارة بجهالة المسمى كله وبعضه"(۲)۔ "ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه بنصفه، أو استأجر بغلاً ليحمله طعامه ببعضه". الدر المختار(۳)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الإجارة: ۴/۴۱۱، الباب الأول فی تفسير الإجارة، مطلب انواع الإجارة وحكمها وكيفية انعقادها وصفتها، شرائط الإجارة، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا فی بدائع الصنائع: ۵/۵۳۹، باب شروط الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدر المختار: ۶/۴۸، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۳/۵۳۹، باب الإجارة الفاسدة، إمداديه ملتان)

(وكذا فی البزازية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۵/۳۵، النوع الثالث فی الدواب، الإجارة الفاسدة، رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

Made Searchable by ScribeTools.com

کمیشن پر چندہ کرنا

سوال[۸۱۶۱]: ایک دینی مدرسہ میں سفیر مقامی اور بیرونی مقرر ہیں، ان کی تنخواہوں کے سلسلہ میں بہت سی صورتیں پیش آرہی ہیں جس میں اب تک یہ کیا جارہا ہے کہ سفیر کی تنخواہ ماہانہ مقرر کی جاتی ہے اور بیرونی سفیر کو ایامِ سفر میں یومیہ ۴ یا ۵/ روپے سلسلہ خورا کی علاوہ تنخواہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اب چونکہ دوسری صورت میں یہ کہا جارہا ہے کہ بجائے خورا کی بحصۂ تنخواہ مقرر کرنے کے یہ مقرر کیا جائے کہ مدرسہ کے چندہ کے سلسلہ میں زکوۃ، فطرہ، چرم قربانی، نذر، ایصال ثواب وغیرہ کی رقم کو بعینہ مدرسہ میں داخل کر دی جائے اور ان کے علاوہ وصول شدہ رقم مثلاً: عطیہ، چندہ، مٹھی فنڈ، گولک فنڈ، میں سفر خرچ جیسے سواری، ریل، بس، رکشہ، سائیکل وغیرہ (جو مدرسہ کے ذمہ رہے گا) کے علاوہ جو رقم بھی چندہ کی رہے، اس میں سفیر کا حصہ تہائی یا نصف یا جو بھی مقرر کیا جائے۔ اس طرح سے سفیر مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفیر کے لئے اس طرح مقرر کرنا کہ زکوۃ، صدقہ فطرہ، نذر، ایصالِ ثواب کی رقموں کے علاوہ جو کچھ وصول ہو اس میں سے ریل، بس وغیرہ کے خرچ سے جو کچھ بچے اس کا نصف یا تہائی وغیرہ بطورِ تنخواہ دیا جائے گا غلط اور خلافِ شرع ہے(۱)۔ فقط واللہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة". (الدرالمختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيريه: ۴/۴۱۱، الباب الأول في تفسير الإجارة، شروط الإجارة، رشيديه)

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل عليه طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بُرّه ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجره بجزءٍ من عمله، والأصل في ذلك نهيه صلى الله عليه وسلم عن قفير الطحان". (الدرالمختار: ۵۶/۶، ۵۷، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۲۷/۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۱/۸، باب الإجارة الفاسدة، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

اصل ملازم کی جگہ دوسرے کو رکھوا کر اس سے کمیشن لینا

سوال[۸۱۶۲]: زید ایک جگہ ملازم ہے وہ رخصت پر جاتا ہے اور اپنی جگہ پر بکر کو ملازم رکھوا دیتا ہے۔ زید بکر کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے، وہ یہ کہ جب تم کو تنخواہ ملے اس میں سے اتنے روپے ماہوار تم مجھ کو دیا کرو اور ساتھ ہی زید بکر کو یہ وصیت کرتا ہے کہ یہ راز کسی پر ظاہر نہ کیا جائے۔ بکر کو یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ اگر اس کو معاہدہ کے مطابق ماہوار روپیہ نہ دوں گا تو یہ بجائے میرے کسی اَور کو نوکر رکھوا دے گا جو اس کو کچھ ماہوار دیا کرے، یہ مقررہ رقم بکر دیتا رہتا ہے تاکہ نوکری بحال رہے۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱.....کیا زید کو ایسا معاہدہ بکر کے ساتھ کرنا جائز ہے؟

۲.....کیا بکر زید سے یہ روپیہ واپس لے سکتا ہے جبکہ زید واپس کرنے کے لئے رضامند ہو جائے۔

۳.....بکر جبکہ بوقتِ معاہدہ کچھ رقم ماہوار ادا کے لئے راضی ہو گیا تھا اور ادا کرتا رہا، اب یہ روپیہ واپس لینا بکر کو جائز ہے؟

۴.....بکر اس معاہدہ کو پورا کرتا رہا، مگر دل اس کا بہت دکھتا تھا کہ کام میں کرتا ہوں اور زید کو خواہ مخواہ تنخواہ میں سے رقم دیتا ہوں، اب زید رقم واپس دینے کے لئے تیار ہے۔ کیا بکر واپس لے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....زید کا بکر سے یہ معاہدہ خلافِ شرع ہے(۱)۔

۲.....لے سکتا ہے۔

۳.....جائز ہے۔

---

(۱) "و إذا شرط عمله بنفسه بأن يقول له: اعمل بنفسك أو بيدك، لا يستعمل غيره؛ لأن المعقود عليه العمل من محل معين، فلا يقوم غيره مقامه". (الدرالمختار: ۱۸/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۳۰۶/۱، (رقم المادة: ۵۷۱)، كتاب الإجارة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۳۵/۶، ۳۶، باب ضمان الأجير، كتاب الإجارة، دار الكتب العلمية بيروت)

۴.....لے سکتا ہے(۱)۔ یہ اس وقت ہے جب یہ رقم محض رشوت کے طور پر ہو، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔ اگر ٹھیکہ کے طور پر ہو کہ زید خواہ مخواہ کام کرے خواہ دوسرے سے کرائے تو اصل اجرت کا زید مستحق ہے، پھر وہ بکر کو جو کچھ طے کر کے دیدے، بقیہ خود رکھے تو یہ درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۵/۱۰/۶۱ھ۔

نوٹ پر کمیشن

سوال[۸۱۶۳]: بعض حاجی دوسرے حاجی کو اپنے مُلک کا نوٹ دے کر یہ کہتے ہیں کہ میرے نوٹ کو حج والے نوٹ سے بدل کر اپنے ساتھ سعودی عربیہ لیتے چلو، وہاں تم مجھ کو دے دینا اور میں تم کو اس کے عوض اتنا کمیشن دوں گا۔ کیا یہ درست ہے، اگر نہیں تو جواز کی کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی درست نہیں، اپنے نوٹ جس قدر قانون کی اجازت ہے بس وہی لے جائے، اس سے زیادہ کمیشن دے کر نہ لے جائے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "ولو قضى حاجته بلا شرط و لا طمع، فأهدى إليه بعد ذلك، فهو حلالٌ لابأس به". (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب فى الكلام على الرشوة والهدية : ۵/۳۶۲، سعيد)

(۲) "قال فى البحر: وحاصل ما فى القنية أن النائب لا يستحق شيئاً من الوقف؛ لأن الاستحقاق بالتقرير، ولم يوجد، ويستحق الأصيل الكلَّ إن عمل أكثر السَّنة، وسكت عما يعيّنه الأصيل للنائب كل شهرٍ فى مقابلة عمله، والظاهر أنه يستحقه؛ لأنها إجارة، و قد وفىٰ العمل بناءً على قول المتأخرين المفتى به من جواز الاستيجار على الإمامة و التدريس و تعليم القرآن". (ردالمحتار: ۴/۴۲۰، كتاب الوقف، مطلب فى الاستنابة فى الوظائف، سعيد)

"لو أطلق العقد حين الاستيجار، فللأجير أن يستعمل غيره؛ لأن العمل المعقود عليه لا يتعلق بذات الأجير، بل بذمته، فيمكنه إيفاء العمل بنفسه أو بالاستعانة بغيره". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۳۰۷، (رقم المادة: ۵۷۲)، الفصل الرابع فى إجارة الأدمى، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۳) حکومتی قوانین جب کہ شریعت کے حدود میں ہوں تو ان کی پاسداری ضروری اور مخالفت ناجائز ہے: =

Made searchable using ScribeTools.com

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين امنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾ . (سورة النساء: ۵۹)

"فقال عرباض: صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصبح ذات يوم، ثم أقبل علينا، فوعظنا موعظةً بليغةً ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، فقال قائل: يارسول الله! كأن هذه موعظة مودع، فماذا تعهد إلينا؟ فقال: "أو صيكم بتقوىٰ الله والسمع والطاعة وإن كان عبداً حبشياً". (مسند أحمد بن حنبل، (رقم الحديث: ۱۶۶۹۵): ۱۱۰/۵، دارإحياء التراث العربى بيروت)

"(ومن دعاه الإمام إلى ذلک) : أى قتالهم (افترض عليه إجابته)؛ لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض فكيف فيما هو طاعة، بدائع". (الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة: ۲۶۴/۴، سعيد)

بابٌ فی فسخ الإجارة

(اجارہ کو فسخ کرنے کا بیان)

کرایہ دار کے مرنے سے عقد اجارہ کا فسخ ہونا

سوال[۸۱۶۴]: السلام علیکم! کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

بکر کے بزرگان ایک اراضی کرایہ چار آنہ لیکر اپنے لئے مکان رہائش تیار کرتے ہیں جس کو عرصہ تخمیناً چند سالہ ہو جاتا ہے، آج کل وہی زمین قیمتی ہوگئی ہے، مالکان موجودہ یہ خواہش کرتے ہیں کہ بکر زمین کو چھوڑ دے، یا چار آنہ سے زیادہ سالانہ کرایہ مقرر کرے، مگر بکر نہ زمین چھوڑتا ہے نہ کرایہ بڑھاتا ہے، بلکہ یہی کہتا ہے کہ میرے بزرگوں سے طے ہو چکا ہے اسی کرایہ پر قابض رہوں گا۔ بلکہ بعض سال اس کرایہ کو بھی ادا نہیں کرتا اور خلافِ مرضیٔ مالکان بلا دریافت زمین، مکان کو پختہ بکر نے بنالیا ہے اور بکر ایک مسجد کا امام بھی ہے۔

۱.....کیا بکر بصورتِ مندرجہ غاصب ہے؟

۲.....اگر غاصب ہے تو کیا بکر کے پیچھے نماز جائز ہے؟ فقط۔

۱۹/نومبر/۱۹۳۵ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر کے بزرگوں نے وہ زمین اگر کرایہ پر باقاعدہ لی تھی اس طرح پر کہ اصل مالک سے کرایہ اور مدتِ کرایہ داری طے کرلیا تھا تب تو یہ اجارہ صحیحہ تھا(۱)۔ اور عقدِ اجارہ مالک یا کرایہ دار کے مرنے سے فسخ ہو

---

(۱) "و منها بيان المدة فی الدُّور والمنازل والحوانيت". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۱۱، كتاب الإجارة، الباب الأول، شرائط الإجارة، رشيديه)

"و شرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضی إلى المنازعة".

(الدرالمختار: ۶/۵، كتاب الإجارة، سعيد) ..... =

Made Se Made searchable using ScribeTools.com pols.com

جاتا ہے، پس اگر اصل کرایہ کا معاملہ کرنے والا مر چکا ہے تو یہ معاملہ فسخ ہوگیا، اب از سر نو بکر سے یا جس سے دل چاہے معاملہ کرنا چاہیے، جس کرایہ پر بھی فریقین رضا مند ہوں معاملہ کرلیا جائے، پہلے معاملہ کا اب کوئی اعتبار نہیں۔

اور جو مکان بکر نے بنایا ہے وہ بکر کا ہے، اس کو اختیار ہے خواہ گرا کر اس کا سامان اٹھالے، خواہ مالک کے ہاتھ فروخت کردے۔ اور مالک اگر خریدنا چاہے تو اس کی قیمت دے دے اور قیمت گرے ہوئے مکان یعنی اینٹ وغیرہ کی معتبر ہوگی قائم اور تعمیر شدہ مکان کی قیمت معتبر نہ ہوگی۔ اور جو بکر ہی اصل مالک سے وہ زمین از سر نو کرایہ پر لے تو مکان کو گرانے کی ضرورت نہیں:

"وتنفسخ (أی الإجارة) بلا حاجة إلی الفسخ بموت أحد العاقدین" درمختار(۱)۔

"وتصح إجارة أرض للبناء والغرس، فإن مضت المدة، قلعهما وسلمهما فارغةً یعدم نهایتهما، إلا أن یغرم له المؤجر قیمته: أی البناء والغرس مقلوعاً، الخ". درمختار مختصراً: ۵/۱۹(۲)۔

اور اگر بکر کے بزرگوں نے کوئی مدت کرایہ داری کی متعین نہیں کی تھی تو یہ اجارہ فاسدہ تھا جس کا فسخ کرنا واجب ہے:

= (وکذا فی تبیین الحقائق: ۶/۷۹، کتاب الإجارة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۱) قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "وتنفسخ بموت أحد العاقدین عندنا ..... عقدها لنفسه". (الدرالمختار: ۶/۸۳، باب فسخ الإجارة، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۶/۱۵۷، باب فسخ الإجارة، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی المبسوط للسرخسی: ۱۶/۸، باب انتقاض الإجارة، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) "أو یتملّکه، فأفاد أنه لا یلزم القلع لو رضی المؤجر بدفع القیمة، أو یرضیٰ المؤجر بترکه، فیکون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا". (الدرالمختار: ۶/۳۰، باب ما یجوز من الإجارة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۲۹، الباب الثامن، کتاب الإجارة، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۶/۵، کتاب الإجارة، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۶/۷۹، کتاب الإجارة، دارالکتب العلمیه بیروت)

"أفاد أن ركنها الإيجاب والقبول، وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة. ويعلم النفع ببيان المدة كالسكنى والزراعة مدةً كذا". درمختار: ۵/۲(۱).

اگر بکر تائب ہو کر اس معاملہ کو شریعت کے موافق کرے تو خیر، ورنہ کسی دوسرے شخص کو (جو کہ امامت کا اہل بھی ہو) امام بنالیا جائے۔

بکر کے بزرگوں سے جو معاملہ کرائے کا ہوا تھا، اس کی مفصل کیفیت اور شرائط معلوم کرنے کے بعد کوئی صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے، ظاہرِ سوال کے موافق جواب صحیح ہے۔

البتہ یہ امر قابلِ اضافہ ہے کہ مرنے کی وجہ سے اصل قاعدہ کے موافق اجارہ بے شک فسخ ہو جاتا ہے، لیکن اگر ورثۂ طرفین اس پر عمل درآمد رکھیں تو اثر فسخ کا ظاہر نہیں ہوگا، اجارہ صحیح رہے گا:

"وينبغي أن لايظهر الانفساخ خصوصاً مالم يطالب الوارث بالتفريغ أو بالتزام بأجر آخر". درمختار(۲)۔

ہاں! اگر ورثۂ طرفین میں سے کوئی شخص اگر اس کو باقی رکھنا نہ چاہے تو فسخ ہو جائے گا۔ اور امامت ایسے شخص کی مکروہ تحریمی ہے، اگر اس سے بہتر دوسرا شخص موجود ہو بشرطیکہ وہ شخص بھی اس سوال کی تصدیق کرتا ہو(۳)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

سعید احمد غفرلہ، دارالإفتاء مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ رمضان/۵۴ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۵/۶، سعيد)

(۲) (الدر المختار: ۸۵/۶، باب فسخ الإجارة، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۵۶/۲، باب انتقاض الإجارة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۶۳/۴، باب فسخ الإجارة، رشيديه)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمىٰ". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وأما الفاسق، فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم =

Made searchable using ScribeTools.com

ایضاً

سوال[۸۱۶۵]: ایک عرصہ کے بعد استفتا پہونچا جس کا نمبر۱۴، ۷۷ا ہے اور فتویٰ نمبر ۹۹۷ ہے دریافت طلب جواب میں استفتا حسب ذیل ہے اس کا جواب بیان فرمایئے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر خیر عطا فرمائے گا۔

صورت سوال: بکر کے بزرگوں نے اپنی رہائش گاہ کے لئے زمین سفید بغرض بنانے مکانِ رہائش خود مالکانِ زمین سے بلاتقرر میعاد ایک قلیل رقم رعیتانہ ۴/ یا ۸/ سالانہ پر زمین حاصل کی (۱) اور اس پر مکان خام تیار کیا، معلوم ہوا ہے کہ اس زمین کو حاصل کرنے والا بکر مذکور کا دادا، پردادا تھا، آج تک بکر اور اس کے بزرگان اس میں آباد رہے۔ علاوہ زرِ رعیتانہ چار آنہ یا آٹھ آنہ سالانہ کے بکر کے بزرگان کو بحیثیت رعایا حسب رواجِ قدیم ساڈھوہ کچھ حسبِ ضرورتِ مالک کا بیگار بھی دینا پڑتی تھی (۲) مثلاً: گاڑی اناج، گاڑی گھاس وغیرہ آنے پر اس کا اتروانا بوقتِ ضرورت پلنگ (۳) وغیرہ مالکان کو دینا وغیرہ جس کا اب مالک بھی نہیں لے سکتا، نہ اس کی ادائیگی کی جاسکتی ہے۔

اس مورثِ اعلیٰ بکر کے بعد کہ جس نے زمین سفید حاصل کی تھی مالکان یا جانشینِ مالکان سے کوئی تجدیدِ معاہدہ نہیں ہوا۔ بکر ایک مسجد کا امام ہے، عرصہ تین سال سے بکر کو کہا جارہا ہے باضابطہ بحقِ مالکان کرایہ نامہ اسی کرایہ پر چار آنہ یا آٹھ آنہ سالانہ کا لکھادیوے، یا جو بکر مناسب تجویز کرے قیمت دیدے اور بیعنامہ اپنے نام کرا لے مگر بکر دونوں باتوں سے انکاری ہے، کرایہ نامہ باضابطہ تو اس لئے نہیں تحریر کرواتا کہ مالک قانوناً بعد ادائیگی

= لأمر دينه، و بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، و قد وجب عليهم إهانته شرعاً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة: ۱/ ۵۶۰، باب الإمامة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة: ۱/ ۸۵، الباب الخامس في الإمارة، الفصل الثالث في من يصلح إماماً لغيره، رشيديه)

(۱) "رعیتانہ: اسامی، کرایہ داری"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۱۳، فیروز سنز لاهور)

(۲) "بیگار: اجرت کے بغیر کام لینا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۷، فیروز سنز لاهور)

(۳) "پلنگ. بڑی چارپائی، مسہری، کھاٹ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۲، فیروز سنز لاهور)

زرِلاگت بکر سے خالی کرالیوے گا، بکر کوخواہ مخواہ مکان مذکورہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔اور قیمت دے کراس لیے نہیں خریدتا کہ یہ قیمت دینا مفت میں ہے، کیونکہ بکر مذکور کو زمینِ مذکورہ پر جو آسائش آج حاصل ہے وہی کل قیمت دے کراور بیعنامہ کرا کے حاصل رہے گی۔

عرصہ تقریباً دو یا تین سال کا ہوا کہ بکر نے بلا اجازت و دریافتِ مالکان کے ایک دیوار پختہ بنائی جس سے مالکان نے اظہارِ ناراضگی کیا، مگر بکر نے مالکان کی کوئی تسلی نہیں کی، اگر کہتا ہے تو یہی کہ تم زمین سفید کے مالک ہو، ہم مالک نہیں بنتے، کرایہ لیتے رہو جو بزرگوں سے چلا آتا ہے، تمہیں مکان میں سے نکالنے کا اختیار نہیں ہے، ہمیں فروخت کرنے کا اختیار نہیں۔

فتویٰ طلب امر یہ ہے کہ اندریں حالاتِ مندرجہ بالا بکر مذکورہ کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، مکروہ تنزیہی ہے یا حرام ہے؟ اگر حرام ہے تو باوجود بہتر امام ملنے کے جو مقتدی اسی کو امام رکھیں وہ کس حکم میں ہیں؟ شرعی جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں۔

نیز یہ بھی تحریر فرماویں کہ بکر مذکورہ کی امامت کس صورت سے جائز ہوسکتی ہے اور جو شخص اللہ ورسول کے حکم کے مطابق فتویٰ دیکھ کر اس پر عمل نہ کرے، یا انکار کردیوے کس حکم میں ہے؟ اگر قیمتِ ملبۂ مکان بکر کو مالکانِ زمین ادا کرنا چاہیں تو کس کس چیز کی قیمت از روئے شریعت محمدیہ ادا کرنی پڑے گی؟

۱۶/ رمضان/۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ اجارہ فاسدہ ہے، کیونکہ اس میں مدت کا تقرر نہیں کیا گیا اور صحت اجارہ کے لئے مدت کا بیان کرنا شرط ہے:"ومنها بيان المدة فى الدور والمنازل والحوانيت". عالمگيرى :۱۰۸۹/۳(۱)۔

"سُئل عمن قال لآخر: اجرتُك هٰذه الدار بحدودها وحقوقها بكذا درهماً موصوفاً بصفته كذا، إلى عشرة أشهر كذا، من سنة كذا، على أن تسكنها إن شئتَ، وذكر شرائط

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۱۱/۴، كتاب الإجارة، الباب الأول فى تفيسر الإجارة وركنها وألفاظها وشرائطها، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار: ۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com

الصحة: هل نصح هذه الإجارة؟ فقال: لا؛ لأنه لم يبيّن أول المدة، فكانت مجهولةً، فلابد من أن يقول: من وقت كذا، أومن هذه الساعة إلىٰ وقت كذا، لتصير المدة معلومةً". كذا فی فتاوی النسفی". عالمگیری :۳/۱۱۲٤(۱)۔

اوراجارۂ فاسدہ کا فسخ کرنا واجب ہے، لہذا فریقین کوضروری ہے کہ اس اجارہ کوفسخ کریں (۲)۔اور مالک کواختیار ہے کہ خواہ بکر کوکرایہ پردے یا کسی اَور کو۔البتہ جومکان بکر نے بنایا ہے وہ بکر کا ہے، اگر بکر کوزمین کرایہ پردی جائے تو کچھ اَور کرنے کی ضرورت نہیں، صرف فریقین کرایہ اور مدتِ کرایہ کواز سرنو متعین کرلیں۔

اگر کسی اَور کوکرایہ پردی جائے تو بکر کو چاہیے کہ اپنا مکان گرا کر اس کا ملبہ اٹھالے، یا مالکِ زمین کے ہاتھ فروخت کردے اوران سے ملبہ کی قیمت لے لے۔اگر مالکان خریدنا چاہیں تو زمین کے علاوہ (کیونکہ وہ زمین تو مالکان ہی کی ہے) اس ملبہ کی قیمت دے دیں۔جو جو چیز مکان میں: اینٹ، لکڑی، تختہ، کواڑ وغیرہ بکر نے لگائی ہے اس کی قیمت بکر کودی جائے (۳)۔

اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی بکر اس معاملہ کوشریعت کے موافق نہ کرے اوراپنی ضد سے توبہ نہ

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۳۹، ۴۴۰، ما یجوز من الإجارة و ما لا یجوز، رشیدیه)

"و یعلم النفع ببیان المدة کالسکنی و الزراعة مدةً کذا أیّ مدة کانت". (الدرالمختار: ۶/۶، کتاب الإجارة، سعید)

(۲) "لکل من المتعاقدین فسخُ البیع الفاسد ..... و کذا لو استأجر إجارةً فاسدةً ودفع الأجرة، أو ارتهن رهناً فاسداً و دفع المال إلی الراهن، ثم فسخ العقد، کان له أن یحبس المأجور أو الرهن حتی یقبض ما دفع" (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۲۰۸، ۲۱۱، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) قال العلامة الحصکفی: "و تصح إجارة أرض للبناء والغرس، فإن مضت المدة، قلعهما وسلّمها فارغةً، إلا أن یغرم له المؤجر قیمته: أی البناء والغرس مقلوعاً بأن تقوم الأرض بهما وبدونهما، فیضمن ما بینهما اختیار ویتملکه ..... فأفاد أنه لا یلزمه القلع لو رضی المؤجر بدفع القیمة ..... أو یرضی المؤجر بترکه..... فیکون البناء والغرس لهذا، والأرض لهذا". (الدرالمختار: ۶/۳۰، باب ما یجوز من الإجارة و ما یکون خلافاً فیها، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۴۲۹، ۴۳۰، الباب الثامن، کتاب الإجارة، رشیدیه)

Made Searchable by ScribeTools.com

کرے تو بکر کوامام بنانا مکروہ تحریمی ہے، دوسرااہل امام موجود ہوتے ہوئے جولوگ بکر کوامام بنائیں گے تو گناہگار ہوں گے۔ اگر بکراس معاملہ کوشریعت کے موافق کرلے تواس کی امامت درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۹/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۲/ رمضان/۵۴ھ۔

اصل مالک کے انتقال کے بعد کیا وارث کواس کے معاہدہ کی پابندی ضروری ہے؟

سوال[۸۱۶۶]: زید نے عمر سے ایک مکان دومنزلہ عرصہ تیس سال سے کرایہ پر لے رکھا ہے، شرائط کرایہ داری یہ ہیں:

مبلغ چار روپیہ ماہانہ- جس کا سالانہ کرایہ مبلغ اڑتالیس روپیہ ہوتا ہے- زید سے عمر وصول کرتے رہیں۔ کرایہ داری استمراری رہے گی اور عمر زید سے کبھی کوئی کرایہ نہ خود بڑھائے گا اور نہ اس کا پیش رو وارث قائم مقام بڑھائے گا۔

بعدہ عمر کا انتقال ہوگیا، اس کے بیٹے نے دوروپے ماہوار لڑ کر استحصال بالجبر کیا اور اس کے بعد بھی ان کی یہ ہوس پوری نہ ہوئی، پھر دوبارہ چار روپیہ بڑھا کر دس روپیہ ماہوار بالجبر وصول کیا۔ اس طرح انہوں نے اپنے والد صاحب کے کہے ہوئے وعدے کو پس پشت ڈالا اور اس کے خلاف کیا۔ اور دوسری دَغا یہ کی کہ منزل بالا کی بہ گانہ رسید قطع کرنی شروع کردی، یہ استحصال بالجبر کے قانونی جواز کی صورت نکالنے کے لئے ایسا کیا، حالانکہ میرے پاس دومنزلہ مکان چار روپیہ ماہوار پر ہے۔ جب کہ معاہدہ عمر مذکورہ بالا ان کے باپ کی طرف سے استمراری کرایہ پر تھی۔

۱.....کیا عمر کے بیٹے کو زید سے چار روپیہ ماہوار کرایہ کی بجائے اپنے باپ کے معاہدہ کے خلاف چھ

---

(۱) قال العلامة التمرتاشی رحمه الله تعالیٰ: "و یکره إمامة عبد وأعرابی و فاسق وأعمی". (الدرالمختار). "وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "وأما الفاسق، فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لا یهتم لأمر دینه، و بأن فی تقدیمه للإمامة تعظیمه، وقد وجب علیهم إهانته شرعاً". (ردالمحتار، کتاب الصلوة: ۱/۵۶۰، باب الإمامة، سعید)

Made searchable using ScribeTools.com

روپیہ ماہوار لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۲..... پھر چار روپیہ سے دس روپیہ کر دینا اپنے باپ کے معاہدہ کی خلاف ناجائز طریقہ پر وصول کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

۳..... اپنے باپ کے معاہدہ کے خلاف جو بیٹے نے زید سے زائد رقم بڑھا کر اس کی طرف ۶۷۶/ روپیہ نکال دیا، اس کو شرعاً زید کے بیٹے کو دینا درست ہے یا نہیں؟

۴..... بیٹے کو اپنے باپ مرحوم کے خلاف کرایہ دار سے مکان خالی کرانا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر کو اپنی ملک میں تصرف کا پورا اختیار تھا، جس کرایہ پر انہوں نے چاہا دے دیا اور جو معاہدہ چاہا کر لیا، اس کے انتقال کے بعد اس کی ملک ختم ہو کر وارث کی ملک ہوگئی، وارث کو اختیار ہے کہ کرایۂ سابق پر سابق کرایہ کو دو روپیہ برقرار رکھیں، یا کسی سے جدید معاملہ کر لے، یا کرایہ سابق پر راضی رہیں، یا اضافہ کریں، والد صاحب کے معاہدے کی پابندی اس کے ذمہ لازم نہیں (۱)۔ والد صاحب کے تعلقات کا لحاظ کرنا ان کے لئے بہتر ہے کہ یہ بھی والد مرحوم کے اکرام واحترام میں داخل ہے، لیکن کرایہ وغیرہ کے معاملات میں ان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، مکان کی حیثیت اور گرانی کے پیشِ نظر کرایہ میں مناسب اضافہ کرنا گناہ نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۰ھ۔

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "و تنفسخ بموت أحد العاقدين عندنا عَقَدَها لنفسه".
(الدرالمختار: ۶/ ۸۳، باب فسخ الإجارة، سعيد)
(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۱۵۷، باب فسخ الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت)
(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۶/ ۸، باب انتقاض الإجارة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "وإذا زاد الآجر أوالمستأجر في المعقود عليه أو في المعقود به، إن كانت الزيادة مجهولةً، لا تجوز الزيادة، سواء كانت من الآجر أو من المستأجر. وإن كانت معلومةً من الآجر، تجوز، سواء كانت من جنس ما آجر أو من خلاف جنس ما آجر". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۳۹، كتاب الإجارة، الباب الرابع عشر في تجديد الإجارة والزيادة فيها، رشيديه) ..... =

کرایہ دار کے انتقال کے بعد کیا دوسرے کی طرف کرایہ داری منتقل کی جاسکتی ہے؟

سوال[۸۱۶۷]: میرے شوہر نے ایک دکان مسجد کے قریب ۲۲/ سال قبل پانچ روپیہ ماہوار کرایہ پر لی تھی اور اس میں اپنا کاروبار کرتے تھے اور کرایہ ماہ بماہ ادا کرتے تھے۔ اب ۳/ مارچ/۱۹۷۳ء کو ان کا انتقال ہوگیا، انھوں نے چار بچے چھوڑے جو کہ سات برس سے سب کم ہی کم ہیں اور ایک میں خود اور میری ساس۔ ان کے انتقال کے بعد متولی صاحب نے کرایہ لینے سے انکار کردیا اور کہتے ہیں کہ دوکان خالی کر، ایک طرف دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ روپے لے کر مجھے دوکان کا قبضہ دے دو۔ اب معلوم کرنا یہ چاہتے ہیں کہ دوکان پر کرایہ لے کر قبضہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور یہ رقم ہمارے لیے جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کو حق نہیں کہ روپے لے کر کسی کو دوکان پر قبضہ دیں، بلکہ متولی کے کہنے کے موافق خالی کردیں، وہ جس کو چاہیں گے کرایہ پر دیں گے اور جو کرایہ مسجد کے لئے مناسب ہوگا مقرر کرلیں گے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۹۳ھ۔

مکان یا دکان کو کرایہ دار سے خالی کرانا

سوال[۸۱۶۸]: آیا کرایہ دار مکان یا دوکان سے زائد کرایہ شرعاً وصول کیا جاسکتا ہے، یا مکان اور

= (وكذا في الدرالمختار: ۶/ ۲۱، ۲۲، كتاب الإجارة، سعيد)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "آجر داره كل شهر بكذا، فلكلٍ الفسخُ عند تمام الشهر"

(الدرالمختار: ۶/ ۴۵، كتاب الإجارة، سعيد)

"وإن كان استأجرها كل شهر، فلكل واحد منهما أن ينقض الإجارة عند رأس الشهر".

(المبسوط للسرخسي: ۱۵/ ۱۴۶، باب إجارة الدور والبيوت، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۶/ ۱۱۲، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/ ۴۰۹، كتاب الإجارة، رشيديه)

Made searchable using ScribeTools.com

دکان کرایہ دار سے خالی کرائی جاسکتی ہے؟ کیونکہ آج کل قانون سرکار ہے کہ نہ دکان نہ مکان خالی کرایا جاسکتا ہے اور نہ کرایہ میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ اگر مسلمان کرایہ دار کرایہ نہ بڑھائے اور نہ خالی کرے تو عنداللہ ماخوذ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دکان ومکان کے مالک کو اختیار ہے کہ جتنی مدت کے لئے کرایہ کا معاملہ کیا گیا تھا، اس کے گزر جانے پر کرایہ دار سے خالی کرالے، یہ بھی اختیار ہے کہ زائد کرایہ کا معاملہ کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ کا مکان خالی کرنا

سوال[۸۱۶۹]: میں تقریباً ساڑھے چار برس سے ایک کرایہ کے مکان میں ۳۵/ روپے ماہوار پر رہتا ہوں۔ آج سے تین سال قبل معلوم ہوا کہ مکان مذکورہ فروخت ہونے والا ہے، چنانچہ میں نے اپنے لئے ایک دوسرے مکان کا بندوبست کرلیا اور جانے کا ارادہ کرلیا، مالکِ مکان نے ضمانت دی کہ آپ پڑے رہیں، آپ کو نہیں نکالا جائے گا۔ ادھر پھر مکان مالک نے اس کو فروخت کرنے کی بات چیت شروع کی۔ میں نے خود مکان کو لینے کا ارادہ ظاہر کیا اور مالک مکان سے گفتگو کی اور مبلغ دس ہزار روپے میں بات چیت طے ہوگئی۔ وہ فوری طور پر روپیہ چاہتے تھے، میرے پاس ہفتہ عشرہ میں انتظام نہ ہوسکا، دو تین ماہ کی مہلت چاہی۔ مالک مکان نے اپنی ضرورت ظاہر کی تو میں نے ان سے کہہ دیا کہ آپ مالک ہیں جو چاہیں کریں۔

اس درمیان میں انہوں نے ایک تیسرے آدمی سے گفتگو کرکے نو ہزار تین سو روپے میں فروخت کردیا۔ فروخت کرنے سے دو روز قبل مالک میرے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک تیسرے آدمی کو فروخت کررہا ہوں، آپ

---

(۱) "ثم إذا تمّ الشهر، كان لكل واحد منهما نقض الإجارة، لانتهاء العقد الصحيح، بشرط أن يكون الآخر حاضراً". (تبيين الحقائق: ۱۱۲/۶، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۴۶/۱۵، باب إجارة الدور والبيوت، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۰۹/۴، كتاب الإجارة، رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "آجر داره كل شهر بكذا، فلكلٍ الفسخُ عند تمام الشهر". (الدرالمختار: ۴۵/۶، كتاب الإجارة، سعيد)

چاہیں تو خود لے سکتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے نو ہزار تین سو روپے میں بات طے کی ہے جب کہ مجھ کو دس ہزار میں دے رہے تھے، بہرکیف میرے پاس نقد روپیہ فوری طور پر نہیں ہیں، چنانچہ میں نے ایک تیسرے آدمی کو تیار کیا اور انہوں نے جا کر مالک مکان کے بہنوئی - جو بظاہر ان کے کارپرداز تھے ان- سے براہِ راست گفتگو آٹھ ہزار چھ سو میں طے کر لی۔ ادھر مالک وغیرہ نے فریب دے کر نو ہزار تین سو روپے میں ایک طوائف کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

مکان فروخت ہونے سے ایک روز قبل میں نے مالک سے کہا کہ آپ کو جتنا روپیہ دوسرے سے مل رہا ہے میں انہیں حضرات سے آٹھ ہزار سوا چھ سو میں بات طے ہوئی ہے دلوا دوں گا، آپ کسی غیر کو نہ دیں، لیکن انہوں نے خاموشی سے طوائف کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ میں نے مالک سے ہمیشہ یہ کہا کہ آپ کا مکان خالی کر دوں گا، سہولت سے کہیں پر انتظام ہو جائے۔ اب طوائف کا اصرار ہے کہ مکان جلد خالی کر دو۔ مالک مکان فروخت کر کے پاکستان چلے گئے، میں جس محلّہ میں ہوں وہاں سے ایک دو فرلانگ پر طوائف آباد ہیں۔

میرا محلّہ پاک صاف ہے، میں اپنے محلّہ کی مسجد میں بغیر تنخواہ کے امام ہوں، محلے کے سارے لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ مکان خالی نہ کریں، اس محلّہ میں بھی اگر طوائف آباد ہو گئیں تو سب کی عزت ختم ہو جائے گی۔ اور محلّہ کی مسجد بالکل ویران ہو جائے گی۔ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے محلّہ کے لوگوں کو دین کی طرف ابھارا ہے اور بہت سے لوگ نمازی ہو چکے ہیں، تبلیغی جماعت اور تفاسیر سے بھی لوگوں کو بعد نماز عرصہ دراز سے روشناس کراتا ہوں۔

نیز یہ کہ وہ مالک مکان کے خالہ زاد بھائی کا مکان ہے۔ وہ مکان اور جائیداد خالہ زاد بھائی کے نام وقف علی الاولاد ہے۔ خالہ زاد بھائی نے مالک مکان کی والدہ یعنی اپنی بیوہ خالہ کو بسانے کی غرض سے اپنے مکان کا تھوڑا سا حصہ مبلغ دو ہزار روپیہ لے کر دے دیا تھا اور ان کے نام لکھ دیا تھا اور اس خیال سے کہ ہم لوگ ان سے کوئی تنازعہ اٹھا کے نہیں جائیں اور وقف علی الاولاد کا جھگڑا نہیں اٹھے گا۔ بیوہ خالہ کے لڑکے اس مکان میں ایک دن بھی نہ رہے اور جوان ہونے پر فریب دے کر فروخت کر دیا۔

اب پرانے مکان مالک یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ کو دیا تھا، اگر بچوں نے بیچ دیا تو میں تیسرے کو خصوصاً طوائف کو نہیں رہنے دوں گا اور دعویٰ کر کے بیع نامہ منسوخ کرا دوں گا اور روپیہ واپس کر دوں گا۔

Made Se[redacted]ools.com
Made searchable using ScribeTools.com

اب سوال یہ ہے کہ میں کرایہ دار کی حیثیت سے ہوں، اگر میں چھوڑ دوں تو برائیاں پھیل جائیں گی۔ میرے لئے شرعی حکم کیا ہے، کرایہ دار کی حیثیت سے برقرار رہوں یا خرید سکتا ہوں، یا چھوڑ دوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فروخت کرنے والا اگر مالک مکان نہیں ہے اور جو اصل مالک ہے وہ آپ سے خالی نہیں کراتا تو آپ خالی نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقف کی دوکان میں خنزیر کا گوشت فروخت کرنے سے اس کو خالی کرانا

سوال[۸۱۷۰]: ایک باغ جو قبرستان کے نام وقف ہے اور زید اس کا متولی ہے جس کے دو نمبر ہیں: ایک خسرہ نمبر: ۳۱۸، دوسرا نمبر: ۳۱۹(۲)۔ نمبر: ۳۱۸ میں قبریں ہیں اور نمبر: ۳۱۹ میں ابھی تک قبریں نہیں بنی ہیں۔ نمبر ۳۱۹ کے ایک کنارے پر چار گز لمبی اور چار گز چوڑی ایک دوکان کرایہ پر دیدی ہے جس میں کرایہ دار خنزیر کے گوشت کی دوکان کرتا ہے درآنحالیکہ باغ شہر سے کافی فاصلہ پر واقع ہے۔

اس باغ کا تقریباً آٹھ سال سے مقدمہ چل رہا ہے اور زید مقدمہ بازی میں کافی مقروض ہو چکا ہے، جس قرض کا سود قریب ایک سو روپے سے زائد بیٹھتا ہے۔ اور چونکہ مذکورہ باغ سے کوئی خاص آمد بھی نہیں ہے،

---

(۱) "الفضولی هو من يتصرف فی حق غيره بغير إذن شرعی و كل تصرف صدر منه وله مجيز: أی لهذا التصرف حال وقوعه، انعقد موقوفاً علی إجازة من يملک ذلک العقد". (الدر المختار، كتاب البيوع، فصل فی الفضولی: ۵/۱۰۶، ۱۰۷، سعيد)

(وكذا فی شرح المجلة لسليم رستم، كتاب البيوع: ۱/۲۱۲، (رقم المادة: ۳۷۸)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا فی حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، كتاب البيوع، فصل فی الفضولی: ۳/۸۵، دار المعرفة بيروت)

(۲) "خسرہ: گاؤں کے کھیتوں کی فہرست جس میں ہر نمبر کے مقابل کھیت کا رقبہ کاشت کار کا نام، قسم زمین اور جنس درج کی جاتی ہے"۔ (فيروز للغات، ص: ۵۹۰، فيروز سنز لاهور)

لہذا زید اس دوکان کے کرایہ سے سودا کرتا ہے اور اپنے نجی خرچ میں ایک پیسہ تک خرچ نہیں کرتا۔ سوال طلب بات یہ ہے کہ کیا زید اس دوکان کو بدستور رکھے ہوئے سودا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر زید اس دوکان کو ختم کرتا ہے تو بہت مشقت میں پڑ جائے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دوکان کرایہ پر دی ہے اور یہ شرط نہیں کی کہ اس میں خنزیر کا گوشت فروخت کیا جائے، پھر کرایہ دار جو بھی فروخت کرے وہ خود اس کا اپنا عمل ہے (۱)، نیز غیر مسلم کو اس سے روکا بھی نہیں جاسکتا ہے کیونکہ اس کے مذہب میں خنزیر کے گوشت کی خرید وفروخت صحیح ہے (۲)، اس لئے متولی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ اس کو خالی کرائے، خاص کر ایسی حالت میں کہ کوئی دوسرا کرایہ دار بھی شہر سے باہر میسر نہیں آتا، اور اس کی آمدنی مقدمہ وقف میں خرچ بھی ہورہی ہے، ان حالات میں مجبوراً اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۹۲ھ۔

قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں مقروض کا سامان اٹھا کر بطورِ کرایہ استعمال کرنا

سوال[۸۱۷۱]: ایک شخص نے اپنے بھائی کو کھڈی کے لئے روپیہ قرض دیا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: "وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة، لا بغيرها على الأصح ... . وخص سواد الكوفة؛ لأن غالب أهلها أهل الذمة، ليتخذ بيت نار، أو كنيسة، أو بيعة، أو يباع فيه الخمر، هذا عنده أيضاً؛ لأن الإجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم، ولا معصية فيه، إنما المعصية بفعل المستأجر، وهو مختار، فينقطع نسبته عنه ..... والدليل عليه أنه لو آجره للسكنى، جاز". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۳۹۲، فصل فی البیع، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۵۰، الفصل الرابع فی فساد الإجارة، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱۶/۴۳، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "وإذا استأجر ذمي ذمياً لينقل الخمر .....جاز عندهم؛ لأن الخمر عندهم كالخل عندنا، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴/۴۴۹، كتاب الإجارة، الفصل الرابع فی فساد الإجارة، رشيديه)

"لأن الخمر والخنزير مال متقوم في حقهم بمنزلة الشاة والبعير في حقنا". (المبسوط للسرخسي: ۱۶/۴۳، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

Made searchable using ScribeTools.com

دیتا رہے گا، لیکن چار ماہ بعد جب قرض ادا نہ ہوا تو وہ کھڈی (۱) اٹھا کر لئے گئے، دو چار مہینہ کا کرایہ بھی ان سے وصول کیا۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اپنا قرض دیا ہوا روپیہ وصول کرنے کا حق ہے، اس سے زائد وصول کرنا جائز نہیں، وہ سود ہے، خواہ کسی نام سے ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) ''کھڈی: قدمچہ، اینٹوں یا پتھروں کا وہ چولہا سا جس پر بیٹھ کر پاخانہ پھرتے ہیں۔ جولاہوں کے کام کرنے کا گھڑا''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۵۷، فیروز سنر لاهور)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ الاية. (سورة البقرة: ۱۸۸)

"كل قرض جرّ منفعةً فهو رباً". (رقم الحديث: ۶۳۳۶). (فيض القدير: ۴۴۸۷/۹، مكتبه نزار مصطفى الباز الرياض)

"كل قرض جرّ نفعاً حرام". (الدر المختار: ۱۶۶/۵، فصل فى القرض، مطلب فى كل قرض جر نفعاً، سعيد)

Made searchable using ScribeTools.com